قیمت=/90 روپے
JAN 2020
چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب
ماہنامہ
ڈائجسٹ
کراچی
PakistaniPoint

شیطان کی موت	شیطانی خواہش پر مبنی ایک لرزہ براندام کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو دہلا کر رکھ دے گی	20	ضرغام محمود
انوکھا عشق	دل و دماغ پر.....فرحت طاری.....کرتی، رائٹر کے قلم کی اچھوتی اور.....شاہکار کہانی	39	محمد حنیف شاکر
ویمپائر	خوف و ہراس کی.....دنیا میں.....تہلکہ مچاتی عجیب و غریب ناقابل.....فراموش کہانی	46	مریم فاطمہ
موت کی سرگوشی	ایک ایسے.....شخص کی داستان حیرت جو مرنے کے بعد تابوت.....سے نکل آیا تھا	50	مظہر الحق علوی
ڈیول ڈائر	کیا روحیں بھی اپنا انتقامی منصوبہ مکمل کرتی ہیں، یہ جاننے کے لئے یہ کہانی ضرور پڑھیں	71	ساجد بشیر
موت کی جیت	تقدیر کے فیصلے پر شاکر نہ رہنے والوں کے لئے تحیر انگیز اور سبق آموز دل گرفتہ کہانی	83	مہر پرویز احمد دولو
اندھیرا ایکسپریس	عقل و شعور میں نہ آنے والی برسوں ذہن سے محو نہ ہونے والی.....حقیقی شاہکار کہانی	88	عمران قریشی
جان بچ گئی	ڈر کے لبادے میں پوشیدہ، ذہن سے محو نہ ہونے والی انوکھی.....اور.....شاہکار کہانی	107	خلیل جبار
جان لیوا	ایک نادیدہ اور پراسرار ہستی کی ہولناک روداد دلوں کی دھڑکنیں تیز کرنے والا سلسلہ	110	راشد نذیر طاہر

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

آدم خور بلا	رات کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی ایک دہشت ناک اور تحیر انگیز کہانی	131	شہزاد خان
عاشق جن	دل کے ہاتھوں مجبور ایک جن کی دیدہ دلیری جسے پڑھ کر قارئین عش عش کر اٹھیں گے	139	ماریہ مسعود
اماوس کا چاند	اندھیری رات میں جنم لینے والی عجیب وغریب کہانی جوکہ پڑھنے والوں کو دہلا کر رکھ دے گی	145	نثار فاطمہ
دوسرا جنم	ایک غیر معمولی حیرت ناک کہانی جس نے خوف اور دہشت کے سائے میں جنم لیا۔	153	ایس امتیاز احمد
شوالا کا انجام	قدم قدم پر جسم و جاں اور رگ وپے میں خوف کی لہر دوڑاتی لرزا دینے والی......کہانی	161	مونا شہزاد
خطرناک وحشی	خوفناک دہشتناک اور خونچکاں بھونچکاں کہانیوں کے متلاشی قارئین کیلئے خونی کہانی	170	ایم الیاس
آدم خور	خونچکاں بھونچکاں......اور دلوں کو تھرا دینے والی......خوفناک وتحیر سے لبریز......کہانی	193	محمد رضوان قیوم
موتیوں کا حجاب	دل ودماغ کو فرحت بخشتی......اپنی نوعیت کی رائٹر کے قلم سے نکلی ہوئی شاہکار کہانی	199	ناصر محمود فرہاد
الفاظ کا اثر	کہانی کی حقیقت کہانی میں پوشیدہ ہے جو کہ پڑھنے والوں کو دنگ کر کے رکھ دے گی	216	عثمان غنی خان

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیوار دوبازار کراچی: 32744391

pakistanipoint

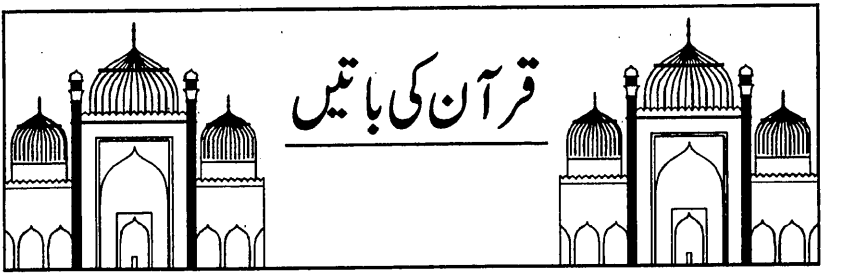

قرآن کی باتیں

☆ نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق ومغرب کو قبلہ سمجھ کران کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پراورفرشتوں پراوراللہ کی کتاب پراورپیغمبروں پرایمان لائیں۔اور مال باوجودعزیز رکھنے کے رشتہ داروں اوریتیموں اورمحتاجوں اورمسافروں اورمانگنے والوں کودیں اورگردنوں کے چھڑانے میں خرچ کریں اورنماز پڑھیں اورزکوٰۃ دیں اورجب عہد کرلیں تواس کوپورا کریں اورسختی اورتکلیف میں اورمعرکہ کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔یہی لوگ ہیں جوایمان میں سچے ہیں اوریہی ہیں جواللہ سے ڈرنے والے ہیں۔(سورۃ بقرہ 2 آیت 177)

☆ اورزمین میں کئی طرح کے قطعات ہیں۔ایک دوسرے سے ملے ہوئے اورانگور کے باغ اورکھیتی اورکھجور کے درخت بعض کی بہت سے شاخیں ہیں اوربعض کی کی اتنی نہیں ہوتیں (باوجودیہ کہ) پانی سب کوایک ہی ملتا ہے اورہم بعض میووں کوبعض پرلذت میں فضیلت دیتے ہیں اوراس میں سمجھنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔(سورۃ رعد 13 آیت 4)

☆ کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اورزمین دونوں ملے ہوئے تھے توہم نے جدا جدا کردیا اورتمام جاندارچیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔پھریہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔اورہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ لوگوں کے بوجھ سے ہلنے اورجھکنے نہ لگے اوراس میں کشادہ رستے بنائے تاکہ لوگ ان پر چلیں۔(سورۃ انبیاء 21 آیت 30 سے 31)

☆ کیا کفارنے غورنہیں کیا کہ تخلیق کے ابتدائی دورمیں سب آسمان اورزمین باہم ملے ہوئے تھے۔پھرہم نے ان کوالگ الگ کردیا اس کے بعدجب زمین اس قابل ہوگئی کہ اس میں جاندارچیزیں رہ سکیں توہم نے پانی سے زندگی کی نمودکی۔(سورۃ انبیاء 21 آیت 30)

☆ صدقات یعنی زکوٰۃ وخیرات تومفلسوں اورمحتاجوں اورکارکنان صدقات کاحق ہے اوران لوگوں کاجن کی تالیف قلوب منظور ہے اورغلاموں کے آزادکرانے میں اورقرضہ داروں کے قرض ادا کرنے میں اوراللہ کی راہ میں اورمسافروں کی مدد میں بھی یہ مال خرچ کرنا چاہئے یہ حقوق اللہ کی طرف سے مقرر کردیئے گئے ہیں۔اوراللہ جاننے والا اورحکمت والا ہے (سورۃ توبہ 9 آیت 60)

☆ کہہ دوکہ ہم تمہیں بتائیں جواعمال کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں

Pakistanipoint

برباد ہوگئی، اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ (سورۃ کہف 18 آیت 103 سے 104)

☆ جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ قبروں سے اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو نفع کے لحاظ سے ویسا ہی ہے، جیسے سود لینا، حالانکہ سودے کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ سود لینے سے باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا..... اور قیامت میں اس کا معاملہ اللہ کے سپرد اور جو پھر لے لے گا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں جلتے رہیں گے اللہ سود کو نابود یعنی بے برکت کرتا اور خیرات کی برکت کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 275 سے 276)

☆ (اے محمد) اللہ کی مہربانی سے تمہاری افتاد مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے تو ان کو معاف کر دو اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت مانگو اور اپنے کاموں میں ان سے مشورت لیا کرو اور جب کسی کام کا عزم مصمم کر لو تو اللہ پر بھروسہ رکھو بے شک اللہ بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (سورۃ آل عمران 3 آیت 159)

☆ اے محمد اللہ کی مہربانی سے تمہاری افتاد مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے تو ان کو معاف کر دو ان کے لئے مغفرت مانگو اور اپنے کاموں سے ان سے مشورہ لیا کرو اور جب کسی کا کام عزم مصمم کر لو تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بے شک تو بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (سورۃ آل عمران 3 آیت 159)

☆ اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر مصیبت پڑتی ہے تو صبر کرتے ہیں اور نماز آداب سے پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ (سورۃ حج 22 آیت 34 سے 35)

☆ اور کسی مومن کو شایاں نہیں کہ مومن کو مار ڈالے مگر بھول کر اور جو بھول کر بھی مومن کو مار ڈالے تو ایک مسلمان ملازم آزاد کر دے اور دوسرے مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے۔ ہاں اگر وہ معاف کر دیں تو ان کو اختیار ہے اگر مقتول تمہارے دشمنوں کی جماعت میں سے ہو اور وہ خود مومن ہو تو صرف ایک مسلمان ملازم آزاد کرنا چاہئے اور اگر مقتول ایسے لوگوں میں سے ہو جن میں اور تم میں صلح کا عہد ہو تو وارثان مقتول کو خون بہا دینا اور ایک مسلمان ملازم آزاد کرنا چاہئے اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ کفارہ اللہ کی طرف سے قبول توبہ کے لئے ہے اور اللہ سب کچھ جانتا اور بڑی حکمت والا ہے اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلتا ہی رہے گا اور اللہ اس پر غضب ناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے اس نے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (سورۃ نساء 4 آیت 92 سے 93)

(کتاب کا نام ''قرآن مجید کے روشن موتی''، بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

PakistaniPoint

خطوط

ایس حبیب خان کراچی سے، السلام علیکم! سب سے پہلے محترم خالد علی، محترم شاہد علی، ڈر کی پوری ٹیم، اس کے رائٹرز اور تمام چاہنے والوں کو آنے والے سال نو کی مبارکباد! دعا ہے اس پاک ذات سے کہ وہ سب کی مشکلوں کو آسان، تکلیفوں کو دور اور جائز مقاصد میں کامیابی عطا کرے۔ (آمین) دسمبر کے شمارے میں ان تمام لوگوں کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے میری تحریر کو پسند کیا۔ دسمبر کے شمارے کی پہلی تحریر جو کہ فلک زاہد کی تھی اس نے دل کو چھو لیا اس تحریر کی تعریف کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ ''ویلڈن فلک مائی سسٹر!'' ویسے سال کا آخری شمارہ گزرے پورے سال کے شماروں کی طرح شاندار تھا اور ہوگا بھی کیوں نہیں؟ ڈر کی پوری ٹیم جو اتنی محنت سے خوفناک ادب کے متلاشی لوگوں کی تشنگی دور کرتی ہے۔ ڈر اپنی نور کا واحد ہارر میگزین ہے جو گزشتہ کئی سالوں سے خوفناک ادب کا مکمل احاطہ کرتا چلا آیا ہے اور میں آگے بھی یہ ہی چاہوں گی کہ اس کے فارمیٹ کے مطابق ہارر کہانیاں اس میں شامل کی جائیں اور اس کی کامیابی کو برقرار رکھا جائے کیونکہ خوفناک ادب میں ڈر جداگانہ حیثیت لئے تن تنہا ایک کنگ کی طرح کھڑا ہے۔ یہ ریت سال ہا سال سے برقرار ہے اور امید کرتی ہوں کہ ادارہ اسے آگے بھی برقرار رکھے گا انشاء اللہ! سال 2019ء میں ڈر کا ہر شمارہ سال کی ابتداء سے انتہا تک بہترین ثابت ہوا، جس کی وجہ اس میں پیش کردہ شاندار تحریریں تھیں۔ جن میں یہ سب شامل ہیں۔ **(جنوری)**: ''بھیانک منظر''، ''بااصول''، ''بیوی''، ''بند مکان''، ''خونی حسینہ''، ''خونی عفریت''، **(فروری)**: ''پدماوتی''، ''تم مر چکے ہو''، ''پراسرار معبد''، ''خونی پتھر''، ''فلک''، ''پیاسی بدروح''، ''پراسرار قبرستان''، **(مارچ)** ''تاریخ کا کفن''، ''بھوت کہانی''، ''تیرہ گھنٹے''، ''ڈیتھ روز''، ''وارننگ''، ''گول گپے''، ''راز'' **(اپریل)** ''عجیب محبت''، ''ڈاک بنگلہ''، ''صحرائی آتما''، ''رام دلاری''، ''روم نمبر 404''، ''ہائے محبت'' **(مئی)** ''ازابیلا''، ''قدیم چرچ''، ''کیئر ٹیکر''، ''تنہا قبر''، ''نشان عبرت''، ''آتشی عفریت''، ''خونی سرگوشی''، **(جون)** ''ڈوئیل''، ''پراسرار واردات''، ''انارکلی''، ''ہدف''، ''دیوانگی''، ''قلعے کا شہزادہ''، ''21 سال بعد'' **(جولائی)** ''ستارہ پرست''، ''لاش کی سرگوشی''، ''نئی زندگی''، ''قاتل ٹکٹ''، ''خونی انتقام''، ''نادیدہ ہستیاں'' **(اگست)** ''برکلے اسکوائر''، ''خونی خواب''، ''پینٹنگ''، ''عبرت''، ''موت کی انگوٹھی''، ''مہمان''، ''خونی گڑیا'' **(ستمبر)** ''مردے کا انتقام''، ''دشمن''، ''اذان''، ''چار دشمن''، ''سسکتی شام''، ''مرنے کے بعد''، ''اصفہان کا چور'' **(اکتوبر)** ''قیدی نمبر 712''، ''بدتمیز آتما''، ''دریچہ''، ''شمشان گھاٹ''، ''تنقید کار''، ''گھنا جنگل''، ''ٹروتھ اینڈ ڈیئر'' **(نومبر)** ''ناگ رانی''، ''چوتھی کھوپڑی''، ''مشک فردوس''، ''پلین چٹ''، ''روح کا انتقام''، ''تصویر نگری''، ''چڑیل کا انتقام''، ''خونی میٹرس''، **(دسمبر)** ''ہارر رائٹر''، ''لیڈی ٹیکسی ڈرائیور''، ''ویمپائر ٹیچر''، ''خونی قلم''، ''ریسٹ ہاؤس''، ''پینٹنگ''۔ **(محفل شعر و سخن)** عبدالجبار رومی انصاری، ریاض حسین قمر، شرف الدین جیلانی، رابعہ آفرین، ایس امتیاز، پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی، رشک نور، ساحل ابڑو، ندیم عباس میواتی، حنیف شاکر اور ڈاکٹر رانا عامر شہزاد کے کلام نے اس بزم کو خوب رونق بخشی! **(تبصرے)** مسز خائستہ رحمان، عبدالجبار رومی، شرف الدین جیلانی، شہزاد خان، عثمان غنی جبہ عباس، کائنات بلوچ، بلقیس خان، نوری بشریٰ، مشیل اینڈ جینیفر سمتھ، دل نور عمیر، فریال عروج، خانسہ غیور، مہرینہ غلام علی، رومانیہ عامر، رشک نور، حنیف شاکر اور عامر شہزاد نے اپنے عمدہ تبصروں سے رائٹر کی اصلاح کی۔ یوں تو ڈر میں ہر رائٹر باکمال تحریر لے کر حاضر ہوتا ہے مگر ان میں سے کچھ نے غیر معمولی تحاریر پیش کر کے دل جیت لیا اور میری ذاتی رائے میں ان کی ترتیب کچھ یوں ہے۔ چھٹی پوزیشن: شکیل نیازی اور عمران قریشی، پانچویں پوزیشن: ''ربیعہ امجد اور ثناء اے شیخ، چوتھی پوزیشن: فلک زاہد اور ڈاکٹر عامر شہزاد، ''تیسری پوزیشن: ناصر محمود فرہاد اور عثمان غنی، سیکنڈ پوزیشن ایس امتیاز احمد، فرسٹ پوزیشن: ون اینڈ اونلی ضرغام محمود صاحب، ''ضرغام صاحب! آپ کی ہر تحریر لاجواب ثابت ہوئی، Congrats'' اس کے علاوہ ساحل دعا بخاری، مریم فاطمہ، مہر پرویز، شہزاد خان، حنیف شاکر اور نثار فاطمہ نے بھی عمدہ تحاریر پیش کیں، میری تحاریر کے بارے میں آپ سب ہی اپنی قیمتی رائے دے سکتے ہیں۔

☆☆ ایس حبیب صاحبہ: قلبی لگاؤ اور تہہ دل سے لکھا ہوا سال بھر کا تجزیہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، اس کے لئے ڈر ڈائجسٹ کی پوری ٹیم

کی طرف سے شکریہ قبول کریں، آپ اور آپ کے اہل خانہ کے لئے دلی دعا ہے، اللہ تعالیٰ آپ سب کو کلی صحت عطا کرے اور خوشیوں سے نوازے۔ (آمین)۔۔

افشاں رمضان پنڈ دادنخان سے، ہیلو کیسے ہیں، ڈرڈائجسٹ کے چاہنے والے اور امید ہے سب بخیر و عافیت ہوں گے، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب پر اپنا رحم و کرم کرے، امید ہے میری واپسی آپ سب کے دل کو بھائی ہوگی۔ چلیں اب تبصرہ شروع کرتے ہیں۔ اکتوبر 2019ء کے ڈرڈائجسٹ میں ایس حبیب خان اور فلک زاہد کا تبصرہ پسند آیا اور شاعری میں سنبل وسیم کی کہانیوں میں سب اچھی تھیں۔ اب آتے ہیں نومبر کے ڈائجسٹ پر، نومبر میں عثمان غنی کا خط اور کہانی پسند آئی۔ سنبل وسیم آپ کی شاعری بے حد اچھی ہوتی ہے۔ دسمبر 2019ء کے ڈائجسٹ میں بلقیس آپ کا تبصرہ اور کرن خان کا تبصرہ پسند آیا۔ میں 100% آپ کے ساتھ ہوں کہ کسی کی دل شکنی نہیں کرتی چاہئے۔ ماریہ مسعود اور رشک نور میں بھی اس ڈائجسٹ کو حاصل کرنے کے لئے بہت بھاگ دوڑ کرتی ہوں۔ اس لئے بس میں آپ کا غم سمجھ سکتی ہوں۔ دسمبر میں میری بیٹی ماہین کی سالگرہ ہوتی ہے اور معین آپ کو بہت بہت سالگرہ مبارک، دسمبر کی کہانیوں میں قبر کا بچھو، ہارر رائٹر اور چھلاوا بہت زبردست لگیں۔ ایم الیاس کا نیا سلسلہ پسند آیا۔ ایس امتیاز صاحب کوئی زبردست کہانی لائیں کہ دل دہل جائے، ایڈیٹر صاحب میں ایک کہانی بھیج رہی ہوں، امید ہے پسند آئے گی اور جلد شامل اشاعت ہوگی۔

☆☆ افشاں صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں خوش آمدید، کہانی آئندہ ماہ ضرور شائع ہوگی اور امید ہے آپ آئندہ ماہ بھی خط لکھنا نہ بھولیں گی۔

سعدیہ بیگم کراچی سے، السلام علیکم! امید ہے ڈرڈائجسٹ کا اسٹاف خیریت سے ہوگا۔ میں خطوط کی محفل میں پہلی بار شریک ہو رہی ہوں۔ اس محفل میں زیادہ تر صرف رائٹر خواتین و حضرات کے خطوط شامل ہوتے ہیں۔ ڈرا تنا مقبول رسالہ ہے تو عام قاری خواتین و حضرات بھی تو خط لکھتے ہوں گے، صرف رائٹر ہی ایک دوسرے کے بارے میں رائے دیتے ہیں۔ میرے خیال میں عام قاری کی رائے خود لکھاریوں سے زیادہ اہم ہے۔ لکھاری خود ہی ایک دوسرے پر تنقید بھی کرتے ہیں اور تعریف بھی۔ یہ اچھی بات ہے۔ میرے خیال میں آئندہ عام قاری خواتین و حضرات کے خطوط شامل کیا کریں تاکہ لوگوں کے سامنے صحیح تجویز آسکے۔ امید ہے میری تجویز پسند آئے گی اور آئندہ کسی کو خود اپنے منہ میاں مٹھو بننے کا موقع نہیں ملے گا۔ امید ہے کہ آپ میرا خط شائع کر کے میری حوصلہ افزائی کریں گے۔

☆☆ سعدیہ صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں خوش آمدید، آپ کی ساری باتیں غور طلب ہیں اور امید ہے کہ رائٹر و قارئین حضرات یہ پڑھ کر مثبت قدم اٹھائیں گے۔

کرن خان کوٹ رادھا کشن سے، السلام علیکم! ایڈیٹر صاحب اور ڈرڈائجسٹ کے تمام اسٹاف کو میرا سلام قبول ہو۔ اس ماہ کا ڈر ڈائجسٹ جلدجل گیا۔ ٹائٹل خوبصورت تھا۔ خطوط کی محفل میں قدم رکھا تو تمام دوستوں کے خطوط پڑھ کر خوشی ہوئی اور تحریروں کی بات کریں تو فرسٹ آف آل میں اپنی بیسٹ فرینڈ اور حساس فطرت کی حامل ''ہما خان'' کو ڈرڈائجسٹ میں ویل کم کرنا چاہوں گی۔ مس ہما خان صرف میری بہن ہی نہیں بلکہ ایک مخلص ساتھی بھی ہیں جنہوں نے ہر قدم پر مجھے سپورٹ کیا اور اپنے خلوص سے میرا دل جیت لیا۔ مس ''ہما خان'' کو میری طرف سے ایک "Warm Welcome" مبارک ہو۔ یہاں میں اس نقطے کو بھی واضح کردوں کہ میں کسی قسم کے فیور کے قائل نہیں بلکہ ڈرڈائجسٹ کی ہر کہانی شاہکار اور قابل ستائش ہوتی ہے۔ ہمیں رائٹرز کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔ عثمان غنی خان کی ''ٹروتھ اینڈ ڈیئر'' کا سبجیکٹ دل کو چھو گیا اور یہی نہیں بلکہ ساری کہانیاں من پسند تھیں اور تمام رائٹرز حضرات کو مبارکباد پیش کرتی ہوں۔

☆☆ کرن صاحبہ: آپ کا خط پڑھ کر اچھا لگا اور امید ہے کہ آئندہ ماہ بھی خط بھیج کر شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔

حافظہ مون بخاری سرگودھا سے، السلام علیکم! سب سے پہلے ''گربہ سیاہ'' شائع کرنے کے لئے اور اعزازی رسالہ بھیجنے کے لئے شکریہ۔ دسمبر کے ''ڈر'' کا سرورق بہت پسند آیا۔ یوں بھی ''ڈر'' کا سرورق ہر بار منفرد ہوتا ہے۔ مجھے ڈر میں خوش آمدید کہنے پر ''عامر شہزاد'' کا شکریہ۔ ''ڈر'' میں لکھنے والوں کے بہت سے نام میرے لئے نئے ہیں اور نہ ہی ان کے لئے میرا نام ''نیا'' ہے۔

Pakistanipoint

بہر حال! اب آتے ہیں تبصرے کی طرف، سب سے پہلے ''فلک زاہد'' کی ہارر رائٹر پڑھی اچھی کہانی تھی۔ عثمان غنی صاحب کی کہانی کا عنوان غیر مناسب لگا۔ ''ٹروتھ اینڈ ڈائر'' آپ کی شاندار تخلیق تھی اور موجودہ شمارے میں آپ کا خط بھی بلاشبہ مثبت پیغام پر مبنی ہے اور بلقیس خان کا تجزیہ بھی خوب ہے۔ مجھے دونوں سے اتفاق ہے۔ ہم لکھاریوں پر بھی لازم ہے، جانتی ہوں کہ یہ ''ہارر'' ڈائجسٹ ہے۔ اس میں ہم زیادہ اصلاحی انداز استعمال نہیں کر سکتے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ہم ''عجیب وغریب'' انداز پر تحریر لکھنا شروع کر دیں۔ امید ہے رائٹر تنقید نہیں سمجھیں گے کیوں کہ آپ سب میرے اپنے ہیں اور اپنے اپنوں کو اگر کوئی مشورہ دیتے ہیں تو اس میں خلوص ہوتا ہے تاہم یہ خلوص پسند نہ آئے تو معذرت۔ ''جان لیوا'' دلچسپ کہانی ہے۔ ''ویمپائر ٹیچر'' کا اختتام اچھا رہا۔ ''پینٹنگ'' کہانی نارمل تھی۔ ''چھلاوا'' پسند آئی۔ ''زندہ لاش''، ''ڈراؤنے راز''، ''خونی چمگادڑ''، ''جان بچی'' اور ''انجان بلا'' بس ٹھیک تھی۔ اس مرتبہ کی عمدہ تحریر لیڈی ٹیکسی ڈرائیور اور ایس امتیاز احمد کی خونی قلم ہے جب کہ گربہ سیاہ پر آپ سب کے ''تاثرات'' کی منتظر ہوں۔ جن کو پسند آئے ان کا شکریہ اور جن کو نہ آئے ان کا بے حد شکریہ۔ سب کے لئے نیک تمناؤں کا اظہار۔ اللہ حافظ۔

☆☆ مون بخاری صاحبہ: آپ کا خط پڑھ کر دلی خوشی ہوئی اور ہاں آئندہ خط لکھنا نہ بھولئے گا اور امید ہے کہانی بھی جلد از جلد ارسال کریں گی۔

صبا رمضان پنڈ دادنخان سے، السلام علیکم! ڈر میں بہت سارے قارئین اور رائٹر کو دیکھ کر بے انتہا خوشی کے ساتھ سلام، نومبر میں ہمارا سب خاندان جمع ہوا تو سنبل ماہین طٰہٰ جو کہ اب سنبل وسیم بن چکی ہے نے کمپیوٹر پر ڈرڈائجسٹ کھولا، 2012ء کے جون میں ناگ نقش دیکھی۔ رائٹرز کے ری مارکس دیکھے اور پھر 2017ء تک کے ڈائجسٹ پڑھے۔ عثمان غنی، فاریہ تبسم اور بلقیس خان نے جس محبت سے ہمارا ذکر کیا ہوا تھا کہ مجھے ڈرڈائجسٹ میں واپس آنے پر مجبور کر دیا۔ میں ان تینوں رائٹرز کی بے حد مشکور ہوں۔ خدا آپ جیسے لوگوں کو سلامت رکھے اور ان کو بھی سلامت رکھے جنہوں نے ہمیں دل میں یاد کیا پر زبان پر لانا بھول گئے۔ خیر اب میں کوشش کروں گی کہ ہر ماہ آپ لوگوں سے بذریعہ خط ملاقات ہو اور ہاں جب میں نے واپس آنے کا سوچا تو پہلے میں نے اکتوبر اور نومبر کا ڈائجسٹ دیکھا۔ بلقیس اور عثمان غنی کو دیکھا تو لکھنے کی خواہش شدت پکڑ گئی۔ جنوری میں میری شادی کی سالگرہ ہے اور افشاں رمضان کی بھی، افشاں آپ کو بے حد مبارک ہو۔ جنوری میرے لئے خاص اس لئے بھی ہے کہ میرے شوہر کی سالگرہ بھی جنوری میں ہی ہوتی ہے۔ اچھا ایڈیٹر صاحب میری اسٹوری کب شائع کریں گے۔

☆☆ صبا صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں دوبارہ موسٹ ویلکم، آپ کو اور آپ کے شوہر کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو اور ساتھ ہی افشاں رمضان کو بھی سالگرہ مبارک ہو۔ کہانی آئندہ ماہ ضرور شائع ہوگی۔ ایک وقت تھا کہ آپ بہنوں کی ڈرڈائجسٹ میں شرکت ہر ماہ ہوا کرتی تھی۔

عنادل شہریار کراچی سے، السلام علیکم! تمام لوگوں کو سلام عرض کرتی ہوں، یہ میرا دوسرا خط ہے۔ پہلا شاید ڈاک کی مہربانی سے شائع نہ ہو سکا خیر! دسمبر کے شمارے میں کافی عمدہ تحاریر تھیں۔ ابتداء ایک بہترین تحریر سے ہوئی، مگر اس میں گزشتہ تحریر ''ڈیل'' کی کافی جھلک دیکھی۔ خیر یہ تو میری رائے ہے! بلقیس خان سے گزارش ہے کہ تبصرہ کرتے وقت نرمی برتا کریں۔ محترم شرف الدین جیلانی کی بات سے متفق ہوں، ہر چیز اپنے فارمیٹ میں اچھی لگتی ہے۔ مریم فاطمہ، شہزاد خان، ثناء اے شیخ، محمد رضوان قیوم، نینا خان اور ایس امتیاز احمد کی تحاریر نے دل موہ لیا، ''پنگا'' جیسا کہ تحریر کے نام سے ہی ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ ہارر نہیں ہوگی۔ اپنی سابقہ ہارر تحریروں کو مدنظر رکھتے ہوئے آگے بڑھنا چاہئے۔ ضرغام محمود، ایس حبیب اور ساحل دعا کی تحریر کی کمی محسوس ہوئی۔ خیر قوی امید ہے کہ میرا خط ضرور شائع ہوگا۔

☆☆ عنادل صاحبہ: آپ کا خط پڑھ کر اچھا لگا۔ ویسے اب قارئین ایک دوسرے سے نرمی کا برتاؤ کر رہے ہیں اور اب رائٹر حضرات ہارر کہانیاں ارسال کر رہے ہیں، آپ کی باتیں حقیقت پر مبنی ہیں۔ آئندہ بھی آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔ Thanks۔

انوری رمضان پنڈ دادنخان سے، السلام علیکم! سب کو نیا عیسوی سال بہت بہت مبارک ہو۔ خدا کرے سب کے لئے یہ سال مبارک ثابت ہو اور جو بیت گیا اس کی روشنی میں قدم اٹھانا چاہئے۔ جس کی جو امیدیں ہیں وہ پوری ہوں اور میری بھی جو خواہش ہیں وہ پایہ تکمیل کو پہنچیں۔ (آمین) ڈرڈائجسٹ میں طویل غیر حاضری کے بعد واپسی پر بہت خوش ہوں۔ اصل میں زندگی

بہت ظالم چیز ہے۔ اپنی غمی خوشی میں یوں محو کرتی ہے کہ دن کی خبر رہتی ہے نہ رات کی۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اب کوشش ہے کہ ڈر میں باقاعدگی سے حاضری دیتی رہوں۔ میں کچھ شاعری اور اسٹوریز ارسال کررہی ہوں امید ہے ایڈیٹر صاحب کو پسند آئے گی اور وہ جلد ڈرڈائجسٹ میں شائع کریں گے۔ آخر میں جس تمام رائٹرز اور قارئین کو سلام، ڈر کی پوری ٹیم کو نئے سال کے لئے نیک تمنائیں اجازت چاہتی ہوں۔ خدا حافظ۔

☆☆انوری صاحبہ: بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ کی ڈرڈائجسٹ میں آمد ہوئی، ڈرڈائجسٹ میں ویلکم، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے اور خوشیوں سے نوازے، نوازش نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔ Thanks۔

ھما خان کوٹ رادھا کشن سے، السلام علیکم! ڈر کا شمارہ جلد مل گیا۔ سب سے پہلے ''قرآن کی باتیں'' سے مستفید ہوئے۔ پھر خطوط کی محفل میں قدم رکھا تو سب کی باتیں پڑھ کر خوشی ہوئی، ٹاپ آف دی بیسٹ کرن خان کی ''ریسٹ ہاؤس'' رہی۔ ڈروخوف میں لپٹی یہ پرتجسس کہانی تفریح کا بہترین ذریعہ تھی۔ زندہ لاش، قبر کا بچھو، خونی چمگادڑ، لیڈی ٹیکسی ڈرائیور، چھلاوا، گربہ سیاہ، خطرناک وحشی، خونی قلم، جان بچی، انجان بلا، پنگا، ڈراؤنے راز، پینٹنگ، ویمپائر ٹیچر اور جان لیوا بہترین اور ڈراؤنی کہانیاں ثابت ہوئیں۔ مجموعی طور پر شمارہ دھنک کے سات رنگ کے مترادف تھا۔ آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ ڈر ڈائجسٹ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ (آمین)

☆☆ہما صاحبہ: نوازش نامہ پڑھ کر اچھا لگا، آئندہ ماہ بھی خط لکھنا نہ بھولئے گا، کہانی اگلے ماہ شائع ہوگی۔

ایس امتیاز احمد کراچی سے، امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ ماہ رواں کا دلفریب شمارہ سامنے ہے۔ خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ تمام تر سلسلے خوب رہے۔ Story`s کا انتخاب لاجواب رہا۔ سلسلے اچھے جارہے ہیں۔ غزلیں اچھی رہیں۔ ہمارے آرٹیکلز کو جگہ دینے کا تھینکس، اسٹوریز آپ کے پاس ہونگی دیکھئے گا۔ مزید میٹرز ارسال خدمت ہیں۔ قرہی اشاعت میں جگہ دیں آپ کو اور دیگر اسٹاف اور ڈرڈائجسٹ کے خوب صورت لکھنے والے رائٹرز اور تمام خوب صورت پڑھنے والے وویورز کو دعا سلام اپنا خیال رکھئے گا۔

☆☆امتیاز صاحب: کہانی موصول ہوگئی اس کے لئے شکریہ، امید ہے آئندہ بھی نوازش نامہ ضرور ارسال کریں گے۔

سلمان یوسف علی پور سے، السلام علیکم محترم! امید ہے کہ ڈر کی پوری ٹیم بخیر و عافیت ہوگی۔ میں بچوں کا لکھاری ہوں، بچوں کے تمام رسالوں میں لکھ چکا ہوں۔ ''ڈرڈائجسٹ'' میں ایک عدد اپنی ڈراؤنی کہانی ''ایک رات قبرستان میں'' بھیج رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ کو یہ پسند آئے گی۔ پلیز آپ اسے ''ڈرڈائجسٹ'' میں ضرور چھاپئے گا۔ پلیز، میں نے بڑی محنت سے تحریر کی ہے۔

☆☆سلمان صاحب: ڈرڈائجسٹ میں خوش آمدید، کہانی مل گئی ہے، ابھی پڑھی نہیں اچھی ہوئی تو ضرور شائع ہوگی، اور ہاں آئندہ ماہ بھی ضرور خط لکھئے گا۔

طارق محمود کامرہ اٹک سے، السلام علیکم! بہت ہی اچھا سرورق جسے دیکھتے ہی دل خوش ہوا، رسالہ ڈر کا ہو تو سرورق بھی ڈر پر مبنی ہی مزہ کرتا ہے۔ بہت ہی عمدہ شاہکار سرورق بنانے والے نے کمال کیا۔ اس مہنگائی اور پنچ موبائل کے دور میں جو ادارے اچھے رسالوں جیسی تفریح پڑھنے والوں کو دے رہے ہیں ان کی دل سے پذیرائی کرتا ہوں، اتنے خرچوں کے باوجود ہر ماہ رسالہ نکالنا بہت بڑا کام ہے، مہنگائی اور پھر جو کچھ کسر تھی وہ پنچ موبائلز نے پوری کردی۔ پنچ موبائل کے آتے ہی آہستہ آہستہ کتابیں گم ہونے لگیں، کتابوں میں دلچسپی لینے والے اب پنچ موبائل میں طرح طرح کے جہانوں کی سیر کرتے ہیں اگر کبھی دل چاہے تو نیٹ ہی سے کسی کتاب کو دیکھ لیتے ہیں یہاں تک کہ بچوں کو بھی ہم لوگوں نے موبائلز کا عادی بنادیا ہے۔ اسی لئے رسالے اور کتابوں کے اداروں کو دل سے داد دینی چاہئے جو کہ کتابوں اور کہانیوں کے شوق کو پورا کئے ہوئے ہیں، اللہ ان اداروں کو یونہی قائم و دائم رکھے اور لوگوں کو کتابیں پڑھنے کا شعور عطا ہو۔ آمین۔ کہانیاں سب ہی اچھی تھیں رائٹرز خوب محنت کررہے ہیں۔

☆☆طارق صاحب: آپ کی ساری باتیں غور طلب اور حقیقت پر مبنی ہیں، کیا ہم لوگ موبائل کے نقصانات سے خوب واقف نہیں ہیں، یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی موبائل پکڑا دیا ہے، اللہ خیر کرے، کہانی اگلے ماہ شائع ہوگی۔

عامر شہزاد نکانہ صاحب سے، السلام علیکم! ماہ دسمبر کا شمارہ جلد ہی مل گیا، ٹائٹل جاندار اور خوفناک لگا، قرآنی صفحہ نے ہمیشہ

کی طرح روح خوش کردی، بلقیس خان، بلال تابش، بینا خان، بسما خان، دل نور عبیر، فریال عروج، کائنات بلوچ، خائستہ غیور، مہرینہ غلام علی، مسز خائستہ رحمان، نوری بشریٰ، روہانیہ عامر، ذیشان سمیر، ابرار بشیر، عثمان غنی، کرن خان، ہما خان، رسک نور، صبا شاہ بخاری اور عبدالجبار رومی نے بہترین خطوط لکھے۔ مگر ایس حبیب خان، نینا خان، ساحل دعا بخاری، محمد حنیف شاکر، عبدالحق اور پرویز احمد دولول کے بغیر خطوط نامکمل سے لگے، کیونکہ ان رائٹرز کے بغیر ڈر مجھے تو ادھورا لگتا ہے، خصوصاً ایس حبیب صاحبہ آپ کا خط میں ہمیشہ سب سے پہلے پڑھتا ہوں، صبا شاہ بخاری صاحبہ کو میری طرف سے ڈر میں موسٹ ویلکم، ویسے بھی آپ میرے علاقے کی ہیں۔ فلک زاہد نے ''ہارر رائٹر'' بہترین انداز سے لکھی ویلڈن، مریم فاطمہ نے ''زندہ لاش'' واقعی ایک انوکھی اور جاندار کہانی تحریر کی۔ کرن خان کی ''ریسٹ ہاؤس'' پڑھ کر دہشت سی طاری ہوگئی ویری گڈ، حافظہ مون بخاری کی ''گربہ سیاہ'' میرے لئے ناقابل فراموش کہانی کا درجہ رکھتی ہے۔ ہمیشہ کی طرح نینا خان ''پینٹنگ'' ایک اچھوتی اور سبق آموز کہانی لکھی، عثمان غنی کی ''پنگا'' پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ نینا خان کی ''پینٹنگ'' نمبرون، فلک زاہد کی ''ہارر رائٹر'' نمبر 2 جبکہ حافظہ مون بخاری کی ''گربہ سیاہ'' اور عثمان غنی کی ''پنگا'' مشترکہ طور پر نمبر تھری پر رہیں۔ جناب ایڈیٹر صاحب دراصل میں نے اپنا ٹرانسفر کروالیا تھا اس لئے نئی جگہ ایڈجسٹمنٹ میں مصروف رہا اس لیے کہانیاں ارسال کرنے میں تاخیر ہوگئی جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ انشاء اللہ جلد ہی آپ کو ریگولر کہانیاں ارسال کرنا شروع کردوں گا۔

☆☆ عامر صاحب: خط پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ امید ہے آپ حسب وعدہ جلد کہانی ارسال کریں گے۔ شکریہ۔

شیخ معین اختر چنیوٹ سے، السلام علیکم! نیا سال کی بہت بہت مبارکباد قبول ہو، دسمبر کا ڈر ڈائجسٹ 22 تاریخ کو ملا، بہن نے میسج کر کے بتایا کہ رسالہ آگیا ہے دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ گھر آ کر ڈائجسٹ دیکھا سرورق بے حد عمدہ لگا۔ قرآن کی باتیں پڑھ کر روح کو راحت بخشی۔ خطوط میں بلقیس خان، عثمان غنی، دل نور عبیر اور امرحہ خان کے تبصرے پسند آئے۔ جب اسٹوریز کی طرف آتے تو اپنی کہانی دیکھ کر خوشی ہوئی۔ اب قارئین بتائیں گے کہ چھلاوا کیسی لگی۔ قبر کا بچھو بہت اچھی لگی۔ خلیل جبار گریٹ، اس کے بعد جان بچی وری نائس، ویمپائر ٹیچر گڈ، پنگا زبردست جبکہ پینٹنگ بھی ٹھیک تھی۔ اپنا خیال رکھئے گا۔ اچھا اب اجازت دیں پھر ملیں گے۔ خدا حافظ۔

☆☆ معین صاحب: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے بہت بہت شکریہ، امید ہے آئندہ ماہ بھی خط لکھنا نہ بھولیں گے۔

شرف الدین جیلانی ٹنڈوالہ یار سے، السلام علیکم! دسمبر کا شمارہ حاصل مطالعہ ہے، ایم الیاس صاحب کسی تعریف کے محتاج نہیں۔ پہلی قسط خطرناک وحشی آغاز اچھا آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ کہانیوں پر تنقید کا حق قارئین کو ہے۔ لیکن اچھے الفاظ سے تنقید کرنی چاہئے۔ ایسے الفاظ استعمال نہ کریں کہ دل شکنی ہو، ویسے نوک جھونک چلتی رہتی ہے۔ ڈر کے ساتھی ایک خاندان کی طرح دکھ تکلیف میں بھی ساتھ ہوتے ہیں۔ شاہد صاحب امتیاز کے خط کے جواب میں لکھا پڑھ کر سردی لگے اب سردی کے موسم میں تو سردی ہی لگے ہونا تو یہ چاہئے گرمی لگے، شہزاد صاحب کا مشورہ اچھا لگا، ان کے خط سے اتفاق ہے، عثمان غنی ڈر کا سرمایہ ہے۔ رائٹر آپس میں نہ الجھیں، قارئین کی تنقید پر غور کیا جائے کہ قارئین کیا پسند کرتے ہیں۔ دوستوں کی وجہ سے میں نے موت آنکھوں سے دیکھی ہے لاکھوں خرچ ہوگیا اور ہو رہا ہے پھر بھی میں نے معاف کردیا۔

☆☆ شرف الدین صاحب: آپ کی ساری باتیں دل کو لگتی ہیں، امید ہے رائٹر اور قارئین اسے پڑھ کر غور کریں گے۔ آپ بڑے دل کے مالک ہیں۔ اللہ آپ کو کلی صحت عطا کرے۔

امرحہ خان ملتان سے، ماہ دسمبر کا ڈر ڈائجسٹ مل گیا۔ ٹائٹل بہت پیارا تھا۔ مجھے اچھا بہت لگا اور میری طرح سب کو ٹائٹل پسند آیا ہوگا۔ بلقیس خان بہنا جی۔۔۔۔!! آپ نے جو بھی لکھا بہت خوب لکھا، مگر عمل کرنے والا کوئی نہیں ملے گا۔ آپ کا خط بے حد پسند آیا۔ خطوط میں جتنے بھی لوگوں نے تبصرے کیے تھے سب بیحد پسند آئے۔ دل نور کا تبصرہ اچھا رہا۔ فریال عروج آپ کا تبصرہ بھی بہت اچھا لگا۔ صبا شاہ، ماریہ مسعود کے تبصرے داد کے قابل ہیں، عثمان غنی خان کا خط بھی اچھا لگا اور پسند آیا، کیونکہ بہترین تبصرہ تھا۔ اس ماہ کی پہلی کہانی ہارر رائٹر بہت اچھی کہانی ہے۔ فلک زاہد واقعی اسپیشل کہانی لکھتی ہیں۔ سکون خوبصورت کہانی ہے۔ زندہ لاش بھی اچھی لگی۔ خونی قلم ایس امتیاز احمد کی لاجواب رہی، پنگا عثمان غنی خان کو پڑھ کر بے حد مزہ آیا۔ یہ ایک بھرپور لو اسٹوری ہے۔ عثمان غنی خان بھائی

Pakistanipoint

بہت اچھی تحریر ہے۔ ون آف دی بیسٹ اسٹوری۔ بلقیس خان کہانی اس مہینے کیوں نہیں لکھی ہے؟ ساحل دعا بخاری نے بھی جیسے لکھنا بند کر دیا ہے۔ گربہ سیاہ آمیزنگ کہانی ہے۔ جان بچی بہت اچھی کہانی لکھی ہے۔ قبر کا بچھو بہت نائس کہانی ہے۔ سکون چونکا نے والی تحریر رہی، زندہ لاش مریم آپ کو کیا ہو گیا ہے، اس جیسی کہانیاں پہلے بھی آپ لکھتی رہی ہیں، اور خاص کہانی ثناء شیخ کی لیڈی ٹیکسی ڈرائیور رہی، کہانی بے حد عمدہ زبردست اور آمیزنگ لگی، ویسے شمارہ عثمان غنی خان، ایس امتیاز، فلک زاہد اور ضرغام محمود کے نام رہا۔

☆☆ امرحہ صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی پسند کے لئے شکریہ، ہر انسان کی پسند الگ الگ ہوتی ہے، ایک گھر میں کئی افراد رہتے ہیں، لیکن ان کی پسند بھی الگ الگ، کیوں یہ ٹھیک ہے ناں۔

بلقیس خان پشاور سے، السلام علیکم....!!! ماہ دسمبر کا ڈر ڈائجسٹ بہت جلد مل گیا۔ ٹائٹل بہت جاندار اور شاندار تھا۔ ویسے عظیم انکل! ٹائیل خاص بنایا تھا! کہانیوں کے مطابق تھا۔ پہلے قرآن کی باتیں پھر خطوط۔ میرے خط کو اپری شیٹ کرنے پر ادارے کی دل سے مشکور ہوں۔ سب سے پہلے ادارے کو دل کی گہرائیوں سے نئے سال کی مبارک قبول ہو، تمام لکھاری بہن بھائیوں کو بھی اور تمام میرے پیارے اچھے اور پرخلوص قارئین کو بھی دل سے نیا سال مبارک ہو۔ اپنے خط کو ٹاپ پر دیکھ کر ہمیں بے حد خوشی ہوئی، ویسے فلک زاہد بہن آپ بھی بہت اچھا لکھتی ہیں۔ ایس حبیب خان پلیز گم نہیں ہونا ہے۔ ویئر آر یو؟ کہانیوں پر بات کرتے ہیں، پہلی کہانی فلک زاہد کی ہارر رائٹر مجھے بہت پسند آئی۔ بے حد عمدہ طرز تحریر کو لکھ کر باذوق ہونے کا ثبوت دے دیا، سکون بھی پسند آئی۔ زندہ لاش کوئی خاص بھی پسند نہ آسکی، خونی چگا ڈر اچھی لگی۔ لیڈی ٹیکسی ڈرائیور کہانی میں کرداروں کے تاثرات مزے دار تھے، عمدہ خوبصورت اور ذوق کے درجوں کے مطابق ثناء شیخ بہن نے قلم چلایا اللہ اور توفیق دے، جب بھی آئی، کچھ اچھا مثبت نیا لائیں۔ پنگا عثمان غنی خان کی طرف دوڑ پڑے۔ اتنا عمدہ لکھنے پر دل سے مبارکباد قبول کریں اور نئے سال کی بھی مبارکی قبول کریں۔ نوران نے خوب نبھایا۔ ایس امتیاز احمد کی کہانی خونی قلم پر تبصرہ اتنا ہی کروں گی ترجمہ شدہ کہانی تھی۔ مگر معیاری تحریر ہے، گربہ سیاہ نے بھی بے حد متاثر کیا، جان بچی بس بھی اچھے موضوع کی تھی۔ ویسے شرف الدین جیلانی اللہ آپ کو سلامت رکھے، ڈر میں اب ہارر کہانیاں نہیں لگتی ہیں۔ تو جناب ڈر میں ہر ماہ ہارر کہانیاں ہی لگتی ہیں۔ آج سے پہلے پہلے ڈر کے کچھ بڑے رائٹر اکثر ہارر سے ہٹ کر اسٹوریز لکھتے رہے ہیں۔ جہاں تک نئے لکھاریوں کی بات ہے، تو چھوٹی کہانیاں زیادہ تر ہارر اور ملتی جلتی کہانیاں ہوتی ہیں، یہ تو ادارے کا بڑا پن ہے، جو لگا دیتے ہیں اور نئے لکھاری پروموٹ ہو جاتے ہیں۔ ورنہ کچھ کہانیاں تو بالکل بھی لگانے کے قابل نہیں ہوتی ہیں۔ دل کی کچھ باتیں کر کے آپ سے شیئر کر دیں، ویمپائر ٹیچر اچھی زبردست لگی۔ ویسے اچھی کوشش تھی کچھ ڈفرنٹ سی، جان لیوا محسوس ہی نہ ہوا کہ کب شروع کی کب ختم ہو گئی۔ ویلڈن....!! خطرناک وحشی کی پہلی قسط پسند نہیں آئی اور آپ کو؟

☆☆ بلقیس صاحبہ: قلبی لگاؤ سے لکھا ہوا خط پڑھ کر اچھا لگا، تمام باتیں مثبت ہیں، ویسے ہر آدمی اپنی رائے کا حق رکھتا ہے اور Dontmind اگلے ماہ بھی نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔

بینا خان اسلام آباد سے، دسمبر ماہ کا ڈر بہت جلد مل گیا۔ قرآن کی باتیں بہترین ہیں، خطوط کی محفل بے حد پسندیدہ ہے جہاں آپ سے اور باقی سب سے ہر ماہ ملاقات تو ہو جاتی ہے۔ وہاں کچھ نوک جھونک بھی دیکھنے کو مل جاتی ہیں وہاں کچھ دیر اپنے مسئلے مسائل سے ہم باہر نکل آتے ہیں۔ ماہ دسمبر کے خطوط میں نصیحتیں اچھی خاصی تھیں۔ بہت اچھا لگا آپ سب کے خطوط امن کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، مگر کائنات بلوچ کے خطوط دل کی گہرائیوں سے پسند آئے، خیر جتنا پڑھا اس پر تبصرہ کر دوں، بلقیس خان کو اول خط پر مبارکباد قبول ہو۔ ہارر رائٹر فلک زاہد کہانی پہلے صفحات پر بہت اچھی لگی اس کا موضوع بہت پیارا تھا۔ لیڈی ٹیکسی ڈرائیور ثناء شیخ کی اس کہانی نے خوب پذیرائی پائی، نیا موضوع اور اچھا لکھنا نئے لکھاری آپ سے سیکھ سکتے ہیں۔ سکون بھی پسند آئی۔ زندہ لاش مریم فاطمہ کی بورنگ رہی، گربہ سیاہ بہت نائس تھی۔ ڈراؤنے راز ویلڈن پیا سحر بہنا گڈ اسٹوری! خونی چگا ڈر بہت بہت اچھی تھی۔ خطرناک وحشی کا ہر کردار بیسٹ تھا، قبر کا بچھو بھی ٹھیک تھی۔ چھلاوا کا اچھوتا موضوع تھا۔ جان بچی بہترین کہانی تھی، خونی قلم ایس امتیاز احمد کو پڑھ کر مزہ آیا۔ بہترین لکھاری وہ ہے جو قارئین کا خیال رکھے۔ پنگا عثمان غنی خان کی بہت بہت بہت پسند آئی۔ کہانی میں کوئی فضول منظر نہیں تھا، اس لیے یہ کہانی ڈر کے اچھی کہانیوں میں گنی جاسکتی ہے۔ عثمان غنی خان صاحب مبارکباد قبول ہو، کیونکہ اس کہانی میں روانی تھی۔ شروع کرنے کے بعد آخر تک پڑھ لی، قوس قزح کے سبھی رنگ من پسند نکلے۔

Pakistanipoint

☆☆ بینا صاحبہ: دل سے لکھا ہوا نوازش نامہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، آئندہ ماہ بھی آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔ شکریہ۔

بسما خان نوشہرہ وا کینٹ سے، السلام علیکم .....!! ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کا شمارہ جلد مل گیا، کور پر جو لڑکی تھی بہت پیاری تھی، سب کو سلام، سب کے خطوط بے حد پسند آئے، اسپیشلی بلقیس خان نے جو کچھ بھی لکھا، وہ داد کے قابل ہے اور واقعی میں فضول تنقید نہیں کرنا چاہیے، کہانیوں میں کچھ کہانیاں اچھی بھی لگی ہیں۔ عثمان غنی خان بہت پیارا تبصرہ لکھا ہے۔ اول تحریر ہارر رائٹر فلک زاہد کی سب سے پہلے پڑھی۔ کہانی بہت اسپیشل ہے۔ ایک جن رائٹر اور اس کی فین کی لو اسٹوری تھی، ایس تمیاز احمد کی خونی قلم بھی اچھی کہانی ہے، آپ ہمیشہ نت نئے انداز میں لکھتے ہیں، لیڈی ٹیکسی ڈرائیور ثناء شیخ دل سے آپ کو کہانی پر مبارک باد قبول ہو۔ کہانی بہت اچھی اور شاندار و جاندار تھی۔ پنگا عثمان غنی خان کی کہانی دل سے پڑھی، عثمان غنی خان واہ۔ پنگا ناٹ چنگا۔۔۔!!

بسما صاحبہ: دلی طور پر لکھا ہوا خط پڑھ کر دل سے واہ واہ نکلا۔ آئندہ ماہ بھی خط لکھنا نہ بھولیئے گا۔

مسز خائستہ رحمان مدین بحرین سے، دسمبر کا ڈر ڈائجسٹ دیکھ کر خوشی ہوئی، سب سے پہلے قرآن کی باتوں سے شروعات کی۔ پھر خطوط کی محفل میں آئے، بلقیس خان کا خط بے حد پسند آیا، سب کو خوش آمدید.....!!!! اور سب کو سلام، دل کرتا ہے، اس بار خطوط میں کافی اچھی باتیں کی گئی تھیں۔ سب کے تبصرے مثبت تھے، اس ماہ اول صفحات پر قابل قدر تحریر فلک زاہد کی تھی، گڈ دل سے سراہنے والی تحریر ہے۔ سکون بھی اچھی کہانی ہے، عثمان غنی خان بہت اچھی عمدہ اور نیو کہانی لکھی ہے۔ ایس امتیاز احمد کی کہانی خونی قلم بہترین رہی، لیڈی ٹیکسی ڈرائیور بھی اچھی کہانی ہے۔ جان بچی بہترین کہانی ہے، گربہ سیاہ کہانی بہت بہت اچھی لگی۔ خونی چمگادڑ بے حد اچھی لگی۔ ریسٹ ہاؤس خاص نہیں تھی، پینٹنگ اچھی کہانی تھی۔ عثمان غنی خان پلیز کوئی قسط وار تحریر لکھیں۔ جان لیوا بہت اچھی جا رہی ہے۔

☆☆ خائستہ صاحبہ: خط لکھنے اور دل سے کہانیوں کی تعریف کے لئے تھینکس۔

دل نور عبیر کوہاٹ سے، ڈیئر ایڈیٹر السلام علیکم! دسمبر کا شمارہ جلدی مل گیا۔ ٹائٹل بہت خوبصورت تھا، ادارے نے جو قرآن کی باتیں دی تھیں، پہلے وہی پڑھیں۔ پھر خطوط کی طرف چلے آئے، ارے واہ۔۔۔!!! بلقیس خان کو پہلے تبصرے پر مبارک اور نیک خواہشات!! بلقیس خان کو پیارا سا سلام قبول ہو، آپ بہت اچھا خط لکھتی ہیں۔ فلک زاہد آپ کا تبصرہ بہت پیارا ہوتا ہے، فریال آپ دل کی گہرائیوں سے مطالعہ کرتی ہیں۔ مہرینہ آپ ماشاء اللہ ڈر کی جان بن گئی ہیں، روحانیہ خطوط کی محفل آپ کے بنا ادھوری لگتی ہے۔ بینا خان آپ کا خط بھی بہت پیارا تھا، صبا شاہ آپ کا خط اچھا ہے۔ عثمان غنی خان آپ کا تبصرہ بھی بہت مثبت ہوتا ہے۔ مسز خائستہ کا تبصرہ اچھا تھا، ایس حبیب خان آپ کی نئی کہانی کا ہمیں بے حد انتظار ہے۔ اب ہو جائے کہانیوں پر تبصرہ، اس مہینے کے شمارے میں پہلے صفحات پر ہارر رائٹر فلک زاہد کی تحریر بہت دم دار کہانی تھی۔ لیڈی ٹیکسی ڈرائیور ثناء شیخ کی ایک جاندار اور اچھی کہانی تھی، اس جیسی کہانیاں کم کم لکھی جاتی ہیں۔ زندہ لاش بھی بس گزارہ لائق تھی۔ امتیاز احمد کی خونی قلم زبردست رہی، ڈراؤنے راز بہت مزے دار کہانی لکھی، جان بچی بہت پیاری تحریر تھی۔ خطرناک وحشی قسط نمبر 1 نمکین سی کہانی ہے مزہ نہیں ہے۔

دل نور صاحبہ: ویری ویری تھینکس کہ آپ نے اچھا خط لکھا اس کے لئے شکریہ قبول کریں۔ آئندہ ماہ پھر ملاقات ہوگی۔ خدا حافظ۔

مہرینہ غلام علی بدین سے، السلام علیکم! امید واثق ہے کہ ادارہ بخیر و خیریت ہوگا، ڈر کا نیا شمارہ جلد مل گیا، بلقیس خان نے اچھی باتیں لکھ کر دل جیت لیا، اس لیے سربراہی ان کو سونپی گئی۔ بلقیس خان آپ کو سلام، اور آپ کی سوچ کی قدر کرتے ہیں۔ عثمان غنی خان، آپ میرے فیوریٹ رائٹر ہیں، ساحل دعا بخاری کہاں ہو تبصرہ کیوں نہیں کیا؟ حافظہ مون شاہ آپ کو اللہ اچھی صحت اور زندگی دے آمین! ماریہ مسعود آپ کب سے ڈر کو ریڈ کر رہی ہو؟ فریال عروج بہت اعلیٰ تبصرہ پیش کیا تھا۔ اول صفحات پر ہارر رائٹر بہت بے مثال تحریر ہے۔ فلک زاہد نے جادوئی قلم کا بخوبی استعمال کیا، یہ مدتوں یاد رہے گی۔ سکون کہانی بھی اچھی تھی، پنگا عثمان غنی خان آپ نے بہت پیاری تحریر لکھی۔ نگینے کی طرح فٹ تھی۔ بیسٹ اسٹوری آف دی منتھ ہے۔ لیڈی ٹیکسی ڈرائیور ثناء شیخ کی شاہکار کہانی اس ماہ کی سب سے خاص الخاص تحریر ہے۔ ویلڈن۔۔۔ جان لیوا بھی بہترین انداز میں آگے بڑھ رہی ہے۔

☆☆ مہرینہ صاحبہ: خط لکھنے، کہانیوں کی تعریف اور آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیجنے کے لئے شکریہ قبول کریں۔ Thanks۔

فریال عروج کوہاٹ سے، ڈیئر ایڈیٹر صاحب امید ہے کہ آپ خیر و عافیت سے ہونگے، جیسے ہی اس ماہ کا ڈائجسٹ ملا۔ دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ قرآن کی باتیں بہت خوبصورت اور دیدہ زیب لگیں، دل میں سکون پہنچانے کا سبب بن گئیں، پھر خطوط کی

Pakistanipoint

محفل میں پہنچے۔ پہلا تبصرہ بلقیس خان نے بے حد عمدہ لکھا تھا۔ ویلڈن بلقیس خان۔ عثمان غنی خان کا خط بہت پیارا لگا۔ روہانیہ خط آپ اچھا لکھتی ہیں، صباشاہ آپ کا خط بے حد پیارا لگا۔ ایس حبیب خان اس ماہ آپ کا خط بھی نہیں تھا۔ آپ کو مس کیا۔ ذیشان سمیر آپ کا تبصرہ بے حد پسند آیا۔ بلال کا تبصرہ بھی ٹھیک تھا۔ اللہ سب کو خوش رکھے۔ سب کو سلام قبول ہو۔ اس ماہ کہانیاں کافی اچھی تھیں۔ پہلی کہانی ہار رر رائٹر شاہکار تحریر ثابت ہوئی، پنگا عثمان غنی خان کی لکھی اس کہانی نے میرا دل جیت لیا، کہانی پڑھ کر بے ساختہ منہ سے واؤ نکلا، بہت زبردست فنٹاسٹک کہانی ہے۔ قبر کا بچھو دل سے پڑھنے اور سراہنے والی تحریر ہے۔ انجان بلا بھی پسند آئی۔ خونی قلم عمدہ تحریر لکھ، کر ایس امتیاز احمد نے دل میں جگہ پکی کر لی۔ آخری کہانی ویمپائر بس سوسو تھی۔ ڈراؤنے راز پیاسحر نے لکھنے میں کمال کر دیا، جان بچی اچھی کہانی تھی، آپ کا تو جواب نہیں۔ اس ماہ کے اچھے لکھاری عثمان غنی خان، ایس امتیاز احمد، فلک زاہد، حافظہ مون شاہ، شاائے شیخ نے بہترین تحریریں لکھیں۔ آپ سب میرے من پسند لکھاری ہیں، ان کی کہانیاں ہر ماہ لگنی چاہیے۔

☆☆ فریال صاحبہ: آپ کا نوازش نامہ پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی، اگلے ماہ بھی آپ تجزیہ ارسال کرنا نہ بھولئے گا۔

کائنات بلوچ بلوچستان سے، السلام علیکم! دسمبر کا شمارہ مل گیا، دل خوشی سے جیسے پاگل ہو گیا۔ سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں کافی دل کو سکون عطا کر گئیں۔ پھر خطوط کی محفل میں چلے گئے، بلقیس خان کا خط ٹاپ پر دیکھ کر دل خوشی سے پاگل ہو گیا، آپ اچھا لکھتی ہیں، ویسے باقی سارے خطوط بھی اچھے تھے۔ عثمان غنی خان آپ کی ہر اسٹوری جاندار شاندار ہوتی ہے، دل نور آپ نے اچھا لکھا آپ اچھا لکھ رہی ہیں۔ امرحہ خان آپ کا خط پسند آیا۔ ذیشان سمیر کا خط بہت بہت اچھا لگا۔ بلال کا خط نائس تھا، روہانیہ کا خط اچھا ہے، فریال عروج آپ کا خط اچھا ہے، سردار اعظم، صباشاہ، ماریہ مسعود کا پیارا خط تھا، پہلی کہانی ہار رر رائٹر بہت پیاری رہی، فلک زاہد نے نیا انداز اپنا کر دل خوش کر دیا۔ لیڈی ٹیکسی ڈرائیور بہت اچھی لگی۔ یہ کہانی ڈر کی جان دار کہانی ہے۔ سکون کہانی خوب تر رہی، قبر کا بچھو بہت ہی پیاری تحریر رہی، سبق آموز کہانی تھی۔ خونی چمگادڑ بھی بس اچھی تھی۔ ریسٹ ہاؤس کہانی ایسے روانی میں پڑھی، زندہ لاش تو جیسے بچوں کے لیے لکھی تھی۔ ویلڈن۔۔۔!! بچے بھی ڈر کو پڑھتے ہیں۔ انجان بلا نائس اسٹوری ہے، جان بچی بہت خوب قلم چلایا۔ پنگا عثمان غنی خان، ہائے۔ ایک اور لو اسٹوری۔ کہانی کی خاص بات مکالمے تھے۔ جو بر جستہ تھے۔ اتنا اچھا لکھنے پر مبارک باد قبول کریں۔ کچھ مکالموں پر بے حد محظوظ کر گیا۔۔۔! کچھ سین پر بے ساختہ ہنسی آئی۔ ایس امتیاز احمد کی تحریر خونی قلم بہت اچھی رہی۔ ڈراؤنے راز بہت اچھی کہانی تھی۔ اس ماہ کے بہترین لکھاری عثمان غنی خان، فلک زاہد ایس امتیاز احمد، اور شاائے شیخ نے بہت بہت اچھا لکھا۔

☆☆ کائنات صاحبہ: کائنات جی آپ نے اچھا خط لکھا جسے پڑھ کر دل بہت خوش ہوا، ویسے ہمیشہ آپ کا خط اچھا تاثر دیتا ہے، آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ ضرور بھیجئے گا۔

خانسہ غیور سوات سے، دسمبر ماہ کا ڈرڈائجسٹ بہت جلد ملا، اور اس بار کور بہت پیارا تھا، اس ماہ خطوط کافی سارے تھے۔ سب سے پہلے قرآن کی باتوں سے شروعات کی، پھر خطوط کی محفل میں آئے، ارے واہ بہت اچھے تبصرے تھے، سب کو خوش آمدید اور سب کو سلام، اس بار خطوط میں بلقیس خان نے اچھا اور مثبت تبصرہ لکھ کر، لیڈ کر لیا۔ آپ کا تبصرہ دیکھ کر خوشی سے بے حال ہو گئی۔ عثمان غنی خان کا تبصرہ بھی بہت عمدہ اچھا، نائس اور پوزیٹو تھا۔۔!! مہرینہ غلام کا خط بے حد پسند آیا۔ عامر شہزاد، آپ بہت محنت کر رہے ہیں۔ اس بار جس کہانی نے دل جیت لیا وہ ہار رر رائٹر ہے۔ فلک زاہد نے بے مثال لکھا، لیڈی ٹیکسی ڈرائیور بھی حد مزے دار کہانی رہی، شاائے شیخ بہت عمدہ لکھا۔ اس کہانی میں آخر تک کہانی دم خم موجود تھا۔ سکون اچھی لکھی، گربہ سیاہ نے واقعی میں دوسری کہانیوں پر سبقت لے لی، پنگا عثمان غنی خان کی لکھی ایک اور شاہکار تحریر رہے، ایس امتیاز احمد کی خونی قلم نے بہترین کہانیوں میں اپنے آپ کو منوایا اور کامیاب رہی۔ بہر حال میری دعا ہے کہ ڈرڈائجسٹ خوب ترقی کرے۔

☆☆ خانسہ غیور صاحبہ: آپ کا خط پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا اور امید ہے آئندہ ماہ بھی خط لکھ کر شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔

نوری بشریٰ یونی ٹاؤن سے، السلام علیکم دسمبر کا ڈر جلدی مل گیا، ٹائٹل اچھا تھا، مگر انگریز حسینہ نے جیسے اپنا دل دکھا دیا، اتنی سردی میں اس نے بھرپور خوبصورت کورٹ پہن رکھا تھا، پہلے قرآن کی باتیں دل و دماغ کو فرحت بخش سکون دے گئیں، خطوط میں بلقیس خان، عثمان غنی خان صاحب، امرحہ خان کے تبصرے دل کو چھو گئے، بلقیس خان کا لکھنے کا انداز بہت اچھا ہے، ویسے ایس حبیب، فلک زاہد کی کمی خطوط میں محسوس ہوتی رہی، خانسہ، ایس امتیاز، سردار اعظم، مہرینہ، امرحہ، فریال، دل نور، ذیشان سمیر، روہانیہ عامر، صبا،

ماریہ کے خطوط بھی پسند آئے۔اس ماہ کا ٹائٹل بہت پیارا ہے، کہانیاں جو مجھے سب سے زیادہ اچھی لگیں، اول صفحات پر موجود کہانی ہارر رائٹر پسند آئی، ایس امتیاز احمد کی خونی قلم نائس رہی، واہ امیزنگ ونڈرفل آسٹوری تھی۔گربہ سیاہ اچھا لکھا پنگا، عثمان غنی خان کی کہانی نے دل خوش کردیا۔بہت زیادہ اچھی کہانی ہے۔یہ بالکل الگ مزاج کی کہانی شائع ہوئی تھی۔بہت مزہ آیا، انٹرسٹنگ کہانی تھی ویسے، آج کل کے حالات کے مطابق کہانی تھی۔

☆☆نوری بشریٰ صاحبہ: قلبی لگاؤ سے لکھا ہوا خط پڑھ کر اچھا لگا، آپ بہت اچھا تجزیہ کرتی ہیں، اس کے لئے ویری ویری تھینکس۔

روھانیہ عامر مردان سے، ہیلو ایوری ون۔۔۔۔!!ڈردسمبر کا جلدی مل گیا تو دل خوشی سے جیسے پاگل ہوگیا۔سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں، کافی دل کو سکون عطا کرگئیں۔پھر خطوط کی محفل میں چلے گئے، بلقیس خان نے جاندار تبصرہ کرکے دل جیت لیا۔ویلڈن بلقیس خان بہت زیادہ اچھا لکھا۔عثمان غنی خان آپ کا خط بہت بہت اچھا لگا۔پہلی کہانی ہارر رائٹر فلک زاہد کی مجھے تو پسند آئی، کیونکہ یہ کہانی بہت اچھی اور بہترین تھی۔سکون بھی ایک بہترین اور اچھی کہانی ہے۔پنگا عثمان غنی خان کی اس جیسی کہانیوں کو خاص جگہ دینی چاہیے، یہ ہارر تو نہیں تھی، مگر بہت خاص الخاص تحریر تھی اور سچ پوچھیں تو مجھے دل سے پسند آگئی ہے۔ون آف دا بیسٹ دس منتھ کی بہترین کہانی پنگار ہی ہے۔عثمان غنی خان بھائی آئندہ بھی اس جیسی کہانیاں ضرور لکھیں۔

☆☆روھانیہ صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف اور آئندہ ماہ تجزیہ بھیجنے کے لئے بہت بہت شکریہ۔

ابرار بشیر یونی ٹاؤن سے، السلام علیکم ماہ دسمبر کا ڈر جلدی مل گیا، اس ماہ کا ٹائٹل کافی شاندار تھا۔خطوط میں بلقیس خان، عثمان غنی خان، عامر شہزاد، سردار اعظم، ذیشان سمیر، کرن خان، ہما خان، کائنات بلوچ، مہرینہ غلام، صبا شاہ، ماریہ مسعود، بسما خان، امرحہ خان، بینا خان کے تبصرے دل کو چھو گئے، اس ماہ بلقیس خان کو عمدہ تبصرے پر مبارک باد قبول ہو۔عثمان غنی خان پنگا سب سے پہلے پڑھی۔پپی اینڈنگ کے ساتھ کہانی اختتام پذیر ہوگئی۔نیو انداز میں تحریر تھی۔ایم الیاس کی نئی کہانی بالکل بھی ہارر نہیں تھی، مگر اچھی تھی، پسند آئی، خونی چمگادڑ بھی خاص تحریر ہے، لیڈی ٹیکسی ڈرائیور ایک بہت پیاری اور اچھی عمدہ کہانی تھی۔ہارر رائٹر پر فلک زاہد نے جادوئی قلم کا خوب استعمال کیا، نینا خان پلیز آئندہ کوئی اچھے ٹاپک پر کہانی لکھیں۔خونی قلم میں بھی لکھاری نے خوب تھرل ڈالا، یہ اچھی کہانی تھی۔گربہ سیاہ بے حد پسند آئی۔انجان بلا اچھی کہانی ہے۔میں دعا گو ہوں کہ ڈرڈائجسٹ ہر دل کا دھڑکن بن جائے۔

☆☆ابرار بشیر صاحب: آپ کا خط پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، نرم الفاظ دل کو چھو لیتے ہیں، کیوں ٹھیک ہے ناں۔

بلال تابش کوہاٹ سے، دسمبر کا منقلی شمارہ اس بار جلدی ملا، خطوط کی محفل میں اچھے خطوط تھے۔عثمان غنی خان آپ کا خط بہت اچھا اور مثبت ہوتا ہے۔مہرینہ، امرحہ، روھانیہ، صبا، ماریہ، عامر شہزاد، سردار اعظم، کرن خان، حما خان وغیرہ کے خطوط اچھے اور پسند آئے، سب کے اشعار و انتخابات بھی بہت بہت پسند آئے۔آرٹیکل بھی اچھے لگے۔لطائف بہت پیارے تھے۔ٹائٹل کور پیارا تھا۔اول صفحات سے فلک زاہد ہارر رائٹر کو شروع کردیا، ایسا لگا جیسے فلک زاہد نے اپنی کہانی خود ہی لکھی ہو۔۔۔!!ویسے کہانی اچھی نہیں بلکہ بہت اچھی تھی، پنگا عثمان غنی خان نے توقعات سے بڑھ کر رسپونس لے لیا، اتنا اچھا لکھا۔کہانی کے تینوں کردار بہت اچھے اور بیسٹ لگے۔خاص کر حوریم کا تو جواب نہیں تھا، ثنا اے شیخ ازمائی فیورٹ رائٹر، آپ بہت زیادہ اچھا لکھتی ہیں، لیڈی ٹیکسی ڈرائیور کہانی میری من پسند رہی، اس کہانی نے دل ہی جیت لیا۔خونی قلم اچھی بہترین کہانی رہی۔ڈراؤنے راز مجھے بے حد پسند آئی، جان لیوا جاندار و شاندار ہے۔

☆☆بلال صاحب: تہہ دل سے لکھا ہوا خط پڑھ کر دل جھوم اٹھا، آئندہ ماہ بھی دلکش خط کا انتظار رہے گا۔Thanks۔

عثمان غنی خان پشاور سے، سب سے پہلے پورے ادارے کو دل کی گہرائیوں سے نیا سال مبارک ہو۔سب قارئین کرام اور لکھاری حضرات کو بھی دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نئے سال کی آمد مبارک ہو۔خالد صاحب سے گزارش ہے کہ اپنی بات کا سلسلہ نئے سال کے موقع پر دوبارہ شروع کردیا جائے۔اس بار قرآن کی باتوں نے دل میں سکون کی ٹھنڈک اتار دی۔سب سے پہلے بلقیس خان کی باتیں دل سے سنیں۔آپ کی باتیں بالکل درست ہیں اور آپ نے ایک بھی غلط بات نہیں کی اللہ ڈر کو یوں ہی ترقی سے ہمکنار کرتا رہے، پلیز باقی لکھاری حضرات بھی اب اپنی بات کا یہ سلسلہ یونہی چلاتے رہنا ہے اپنی بات کے ذریعے آپ سے آدھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ڈرڈائجسٹ معیاری میگزین ہے، جس نے پاکستان میں بہت نئے لکھاریوں کی حوصلہ افزائی کی ہے اور اس ادارے نے بہت سے بڑے نام پیدا کیے، سب سے پہلے تو شرف الدین جیلانی کی ساری باتیں تحمل سے سنیں۔شرف الدین بھائی لکھنے والا بہت

زیادہ محنت کرتا ہے اور نئے زمانے میں نئے لکھاری شاید کچھ نئی کہانیوں پر قلم چلانا چاہتے ہیں، ویسے پرانے لکھاریوں نے بھی اچھا لکھا ہے، ایڈیٹر نے بہترین جواب دیا، باقی جتنے بھی لوگوں نے میری کہانیوں کو پسند کیا، ان سب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں، بینا خان، دل نور عبیر، ایس حبیب خان، مہرینہ غلام علی، بلقیس خان، کائنات بلوچ، بسما خان، صبا شاہ، شہزاد خان، عامر شہزاد، پیاسحر، گلاب خان سولنگی، سردار اعظم خان، مسز خائستہ رحمان، ایس امتیاز احمد، فلک زاہد، شرف الدین جیلانی، خدیجہ فاطمہ، سیدہ عروج فاطمہ، مریم فاطمہ، ناصر فرہاد محمود، انور فرہاد محمود، عمران قریشی، ایس امتیاز صاحب اور ان سب کا جو مجھے پسند کرتے ہیں، میری تحریروں کو پسند کرتے ہیں، آپ سب کا تہہ دل سے شکریہ کہ میری تحریریں بھی آپ سب کے باعث ڈر کے صفحات پر جگمگا رہی ہیں، اللہ محنت کا صلہ ضرور دیتا ہے۔ پنگا شائع کرنے کا تہہ دل سے شکریہ قبول کریں، بہترین کہانیوں میں ایس امتیاز احمد بھائی کا کوئی ثانی نہیں، ان کی تحریر خونی قلم بہت بیسٹ تھی، خونی چیگاڈز بہترین کہانی تھی، چھلاوا بھی عمدہ کاوش تھی۔ گربہ سیاہ بہن حافظہ مون شاہ بخاری کی بہترین کہانی تھی اور حافظہ مون کو ویلکم ان ڈر ڈائجسٹ۔ ایس حبیب خان نظر نہیں آئیں ان کو کافی مس کیا، آپ سب دعاؤں میں یاد رکھیے گا، آپ سب کا اپنا عثمان غنی، وسلام۔ اس خط کے ساتھ نئی کہانی بھیج رہا ہوں، یہ کہانی بہت خاص تحریر ہے، کچھ بڑی سی ہے، مگر ڈر کے لیے خصوصی تحریر ہے۔

☆☆ عثمان غنی صاحب: بہت خوب اور بہت اچھا لکھا، آپ کا دلکش خط پڑھ کر دل جھوم اٹھا، آئندہ ماہ بھی دلکش خط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ کہانی زیادہ طویل ہوتی جارہی ہے، آئندہ کوشش کریں کہ چھوٹی بڑی اور درمیانی بھی ہوا کریں، امید ہے غور فرمائیں گے۔ شکریہ بلکہ بہت بہت شکریہ۔

سردار اعظم خان چترال سے، دسمبر کا ڈر جلد مل گیا، قرآن کی باتیں ہمیشہ کی طرح سب سے بہترین رہیں، کہانیوں میں اس بار بھی کچھ ریگولر لکھاریوں کی تحریریں موجود تھیں، سب سے پہلے خطوط کی بات کرتے ہیں، ارے واہ بلقیس خان آپ نے کمال کا تجزیہ لکھ کر ادارے کا دل جیسے جیت لیا۔ باقی اچھے تبصرہ نگاروں میں عبدالرؤف، کائنات بلوچ، مسز خائستہ رحمان، مہرینہ، بسما، بینا، نینا، ماریہ، صبا اور عامر شہزاد کا نام قابل ذکر رہا ویلڈن.....! آپ سب کے خطوط بہت خوبصورت تھے بہت پسند آئے، دسمبر کے ڈر ڈائجسٹ کی کہانیوں کو دیکھا اور پڑھنا شروع کردیا اور روانی میں پڑھتے چلے گئے۔ ہارر رائٹر بہت بہت اچھی کہانی ہے۔ پنگا عثمان غنی خان نے تحریر کی ہے۔ بے حد اچھی عمدہ اور پیاری تحریر ہے۔ لیڈی ٹیکسی ڈرائیور کا ٹھیک اینڈ کردیا۔ بے حد مزے دار انوکھی و اچھوتی تحریر تھی واہ۔۔!! کیا بات ہے، پڑھ کر مزہ آگیا۔ ایس امتیاز کی خونی قلم واقعی بہت زبردست آمیزنگ کہانی تھی۔ انجان بلا بھی اچھی لگی، ڈراؤنے راز بھی زبردست تحریر تھی۔

☆☆ سردار اعظم صاحب: آپ کا خط بھی ہر ماہ دل کو چھو لیتا ہے اور پڑھ کر مزہ آتا ہے امید ہے آئندہ ماہ بھی دل پسند خط لکھنا بھولیں گے نہیں۔ Thanks۔

ذیشان سمیر گلاب ٹاؤن سے، دسمبر کا ڈر اس بار جلدی ملا، خطوط کی محفل میں اچھے خطوط تھے۔ خطوط میں تبصرہ بہت عمدہ طریقے سے پیش کیا گیا تھا، عثمان غنی خان بہت اچھی باتیں لکھی ہیں، ایس حبیب خان کو مس کیا، اس ماہ کائنات بلوچ، امر حہ خان، بینا خان، بلال، دل نور، فریال عروج، مہرینہ غلام، صبا شاہ، ماریہ مسعود کے خطوط پسند آئے، قوس وقزح میں سب نے اچھے رنگ بکھیرے۔ سب کے اشعار و انتخابات بہت بہت پسند آئے۔ ٹائٹل کور پیارا رہا۔ پوراڈر پڑھا۔ ڈر کا ٹائٹل کافی اچھا تھا۔ ہارر رائٹر فلک زاہد نے خوب رنگ جمایا، کہانی کا اینڈنگ تھوڑا غمگین تھا۔ پنگا عثمان غنی خان بھائی نے اس بار بھی خوب رنگ جمایا۔ کہانی کے تینوں کرداروں کے نام بہت پیارے تھے، یہ نائیس تحریر رہی اور ٹینشن کو دور کرتی رہی۔ لیڈی ٹیکسی ڈرائیور شاہے شیخ کی بہت اچھی اسٹوری لکھی ہے، یہ جاندار و شاندار تحریر ہمیشہ یاد رہے گی، ایس امتیاز کی کہانی خونی قلم بھی بے حد پسند آئی۔ ڈراؤنے راز بے حد پسند آئی۔ نئی کہانی خطرناک وحشی ابھی تک کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں، کیونکہ یہ کہانی تھرل اور ایکشن لگ رہی ہے۔ جان لیوا جو دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی ہے۔ یہ تحریر بہترین ہے اور آگے بہتر انداز میں بڑھ رہی ہے۔

☆☆ ذیشان سمیر صاحب: آپ کا خط پڑھ کر دلی خوشی ہوئی اور امید ہے آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ ضرور ارسال کر کے شکریہ کا موقع دیں گے۔ Thanks۔

☆☆

شیطان کی موت

ضرغام محمود۔کراچی

خوبرو حسینہ کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور چشم زدن میں خنجر خونی بلے کے سینے میں پیوست ہوگیا تو وہ چیختے ہوئے فرش پر ڈھیر ہوگیا اور تڑپنے لگا اور پھر وہ جہنم واصل ہوگیا۔

شیطانی خواہش پر مبنی ایک لرزہ براندام کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو دہلا کر رکھ دے گی

میں نے اپنی پولیس کی جیپ جیسے ہی ریس کورس کے پارکنگ ایریا میں روکی تو بہت سے لوگوں نے چونک کی جیپ کی جانب دیکھا پولیس کی جیپ دیکھ کر اکثر لوگ گھبرا جاتے ہیں میں نے بھی کئی آنکھوں میں تشویش کی لہر محسوس کی۔ میں نے اطمینان کے ساتھ جیپ بند کی اور آرام سے جیپ کا دروازہ کھول کر نیچے اترا، میں یہاں کسی تفتیش کی سلسلے میں نہیں آیا ہوں بلکہ میں اپنی گرل فرینڈ ماریسا سے ملنے آیا ہوں جو ایک مہینے کے لئے لندن گئی ہوئی تھی اور آج صبح ہی واپس لوٹی ہے اور اس نے مجھے ملنے کے لئے یہاں بلایا ہے میں جیپ کی چابی انگلی میں گھماتے ہوئے ایک رومانٹک گانا گاتے ہوئے ریس کورس کے اندرونی حصے کی جانب چل دیا۔ یہ ڈربن کا ریس کورس گراؤنڈ ہے جو دنیا بھر میں مشہور ہے دنیا کے شوقین مزاج امیر لوگ یہاں آکر جوا کھیلتے ہیں اور اپنی دولت لٹاتے ہیں۔ ریس شروع ہونے میں ابھی کافی دیر تھی ٹکٹ گھر پر بہت سے لوگ کھڑے تھے وہ تمام لوگ اپنے پسندیدہ گھوڑے پر رقم لگانے کے لئے قطار بنائے کھڑے ٹکٹ حاصل کر رہے تھے۔ میں ان سب کو نظر انداز کرتے ہوئے گانا گنگناتے ہوئے ریس کورس کے اندر داخل ہوا ریس کورس کے اندر ابھی اتنا رش نہیں تھا،

میں نے چاروں جانب نظر دوڑائی تو مجھے سب سے آگے سب سے الگ ریلنگ کے پاس سرخ بلاؤز اور گرے منی اسکرٹ میں کھڑی ماریسا دکھائی دی تو میں تیز قدموں کے ساتھ ماریسا کی جانب بڑھا، ماریسا ریلنگ کے پاس کھڑی دور کھڑے گھوڑوں کو دیکھ رہی تھی میں نے پیچھے سے جا کر ماریسا کو کمر سے پکڑ لیا۔

''چھوڑو مجھے پاگل'' ماریسا مچلی۔

''تم نے مجھے کیسے پہچان لیا؟'' میں مسکرایا۔

''میں تمہارے ہر لمس سے واقف ہوں'' ماریسا ہنس پڑی، میں نے ماریسا کا رخ اپنی جانب کیا اور اسے گلے سے لگا لیا پھر میں نے اس کے سرخ ہونٹوں کو اپنے ہونٹوں کی گرفت میں کیا اور ایک طویل بوسہ لیا۔

''چھوڑو'' ماریسا بوسے کی طوالت سے گھبرا گئی اور پیچھے ہٹی اور اپنا رخ دوبارہ ریلنگ کی جانب کر کے میدان میں کھڑے گھوڑوں کو دیکھنے لگی۔

''تمہارا سفر کیسا رہا؟'' میں نے ایک بار پھر ماریسا کو کمر سے پکڑا اور اس کے عریاں پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''فائن'' ماریسا نے جواب دیا میرا ہاتھ ماریسا کے عریاں پیٹ سے ہوتے ہوئے اوپر کی جانب پیش قدمی کرنے لگا، میری انگلیاں اس کے تنگ بلاؤز میں گھسنے لگی

Pakistanipoint

تو ماریسا نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارا اور میرا ہاتھ اپنے پیٹ سے ہٹا دیا۔

''زیادہ بے صبرے مت بنو۔''

''یار ایک مہینے بعد ملی ہو اور ملنے کے لئے بھی اس پبلک پلیس پر بلایا'' میں نے ناراضگی دکھائی۔

''مجھے بھوک لگی ہے کسی اچھے ریسٹورنٹ میں چلو'' ماریسا نے میرا ہاتھ پکڑا اور ریس کورس کے دروازے کی جانب چلی۔

''اور ریس۔۔۔''؟ میں نے ماریسا کی توجہ ریس کی جانب دلائی، گھوڑوں کی ریس کی ماریسا بہت شوقین ہے۔

''ریس شروع ہونے میں ابھی گھنٹے سے بھی زیادہ کا وقت ہے جب تک ہم کھانا کھا کر واپس آجائیں گے'' ماریسا میرا ہاتھ کھینچتے ہوئے بولی تو میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور ماریسا کے قریب جا کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور ریس کورس کے دروازے کی سمت چلنے لگا۔

کچھ دیر بعد ہم دونوں ریس کورس کے قریب بنے ایک چھوٹے سے مگر صاف ستھرے ریسٹورنٹ میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، کھانے کے دوران ماریسا لندن میں اپنی سرگرمیوں کے بارے میں بتانے لگی کھانے سے فارغ ہو کر جیسے ہی ہم دونوں ریسٹورنٹ سے باہر نکلے کہ میرا فون بج اٹھا۔

''افوہ اس وقت کس کا فون آ گیا؟'' میں نے بڑبڑاتے ہوئے اپنی جیب سے موبائل نکالا اور اس کی اسکرین پر آئے ہوئے نام کو پڑھنے لگا۔

''کس کا فون ہے؟'' ماریسا نے پوچھا۔

''تمہارے ابا جان کا؟'' میں نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا فون میرے چیف انسپکٹر آف پولیس کا تھا اور ماریسا میرے چیف کی اکلوتی بیٹی ہے۔

''یہ فون میرے ابا کا نہیں بلکہ تمہارے چیف کا ہے''؟ ماریسا ہنستے ہوئے بولی'' جلدی سے اٹھا لو ورنہ پنیشمینٹ ہو جائے گی''؟ جب میں نے فون اٹھانے میں دیر کرنے لگا تو ماریسا پھر ہنستے ہوئے بولی میں نے فون آن کر کے کان سے لگایا۔

''یس چیف''۔

''ہیلو۔۔پال اس وقت تم کہاں پر ہو؟'' چیف نے پوچھا۔

''سر میں اس وقت ریس کورس گراؤنڈ میں ہوں'' میں نے جواب دیا۔

''ماریسا بھی ساتھ ہے؟'' چیف نے پوچھا۔

''ہاں''۔

''تو ماریسا سے اجازت لو اور فوراً جان ہنری اولنگا کے گھر پہنچ جاؤ'' چیف نے حکم صادر کیا۔

''سر میں آدھے دن کی چھٹی لیکر آیا تھا'' میں نے احتجاج کیا۔

''تمہاری چھٹی فوراً کینسل کی جاتی ہے تم جان ہنری اولنگا کے گھر پہنچ جاؤ'' حکم ملا۔

''جی سر۔۔۔یہ جان ہنری اولنگا وہی ہے ناں جو ملک کے مشہور انڈسٹریل''؟ میں نے مری ہوئی آواز میں پوچھا۔

''ہاں تم فوراً وہاں پہنچو وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں'' چیف نے جواب دیا اور فون بند کر دیا میں نے بھی ایک ٹھنڈی سانس لیکر فون آف کر کے جیب میں رکھ لیا۔

''کیا ہوا؟'' میرا الٹکا ہوا منہ دیکھ کر ماریسا نے پوچھا۔

''کیا ہوگا۔۔دفتر میں باپ چین نہیں لینے دیتا اور یہاں بیٹی'' جملے کے آخر میں میری آواز دھیمی ہو گئی۔

''ہوا کیا ہے؟''

''مجھے فوری طور پر جان ہنری اولنگا کے گھر جانا ہے'' میں نے جواب دیا۔

''جان ہنری اولنگا وہ مشہور و معروف بزنس مین''؟ ماریسا نے پوچھا۔

''ہاں'' میرا منہ بدستور آف تھا۔

''جایئے۔۔۔آخر آپ پولیس انسپکٹر ہیں آپ کے پاس تو کسی بھی وقت کام آ سکتا ہے'' ماریسا مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''کیا مصیبت ہے میری تو قسمت ہی خراب ہے اتنے دن بعد تم آئی ہو اور میں کیس میں پھنس جاؤں'' میرا

PakistaniPoint www.pakistanipoint.com

موڈ بدستور خراب تھا۔

• ''قسمت تو میری خراب ہے پہلے وردی والے ابا کو برداشت کیا اور اب وردی والے شوہر کو برداشت کرنا پڑے گا'' ماریسا بدستور شوخ ہو رہی تھی۔

''تمہیں تو خوشی ہو رہی ہے'' میں نے ماریسا کی شوخی دیکھی تو جل کر کہا۔

''اوہ بے بی رونا نہیں'' ماریسا میرے گالوں پر چٹکی لیتے ہوئے بولی پھر اس نے میرا چہرہ اپنے ہاتھوں کے حلقے میں پکڑا اور میرے ہونٹوں کا بوسہ لیا اور کہنے لگی۔

''جاؤ دیکھو پتا نہیں جان ہنری اولنگا کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا ہے بحیثیت پولیس انسپکٹر یہ تمہاری ذمہ داری ہے'' ماریسا سنجیدہ لہجے میں بولی تو میں نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر اپنا موڈ ٹھیک کیا اور ماریسا کے گالوں پر پیار کر کے اس سے رخصت لیکر ریس کورس کے پارکنگ ایریا کی جانب تیز قدموں سے چل دیا جہاں میری جیپ کھڑی تھی۔ پارکنگ سے جیپ نکال کر میں تیزی کے ساتھ جان ہنری اولنگا کی رہائش گاہ کی جانب سفر کرنے لگا۔ جب میں ہنری اولنگا کی رہائش گاہ کے سامنے پہنچا تو میں نے دیکھا میرا اسسٹنٹ سارجنٹ جیسن برٹن پہلے سے وہاں کھڑا میرا انتظار کر رہا ہے اور جیسے ہی میں نے جیپ سڑک کنارے لگائی سارجنٹ برٹن میری جیپ کے قریب آیا اور اس نے مجھے سلوٹ کیا میں نے سر ہلاتے ہوئے اس کے سلوٹ کا جواب دیا اور جیپ بند کر کے جیپ سے نیچے اترا۔

''تم یہاں کیسے؟'' میں نے جیپ سے اترنے کے بعد برٹن سے پوچھا۔

''چیف نے مجھے یہاں بھیجا ہے انھوں نے کہا تھا کہ آپ یہاں ملیں گے'' برٹن نے جواب دیا تو میں اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کیا کوئی کیس ہے''؟ میں نے جان ہنری اولنگا کی رہائش گاہ کے مرکزی دروازے کی جانب چلتے ہوئے برٹن سے پوچھا کیونکہ وہ ہیڈ کوارٹر سے آیا تھا تو میں نے سوچا کہ شاید اسے اس سلسلے میں کچھ معلومات ہو۔

''ہنری اولنگا کو کوئی پریشانی ہے اس سلسلے میں چیف نے ہمیں یہاں بھیجا ہے بس چیف نے اتنا ہی بتایا'' برٹن نے میرے سوال کے جواب میں کہا۔

''پریشانی؟'' میں سوچتے ہوئے بڑبڑایا بقیہ راستہ ہم دونوں نے خاموشی سے طے کیا۔

''گھنٹی بجاؤ'' دروازے کے سامنے پہنچ کر میں نے برٹن سے کہا تو برٹن نے آگے بڑھ کر دروازے کی ڈور بیل پر انگلی رکھی تو فوراً ہی دروازے کے ساتھ بنی ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلی اور ایک گارڈ نما شخص نے سوالیہ نظروں سے ہماری جانب دیکھا۔

''محترم جان ہنری اولنگا سے کہیے گا کہ محکمہ سراغ رسانی سے انسپکٹر پال الیگزینڈر اور سارجنٹ جیسن برٹن آئے ہیں'' میں نے گارڈ سے کہا تو گارڈ کھڑکی بند کر کے غائب ہو گیا میں اور برٹن خاموشی سے کھڑے ہنری اولنگا کی رہائش گاہ کا جائزہ لینے لگے مکان کافی بڑی اراضی پر بنا ہوا تھا جس کے چاروں اطراف درخت لہرا رہے تھے اس مکان سے ملحق کوئی دوسرا مکان نہیں تھا میں ابھی مکان کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ مین گیٹ کھلا اور وہی گارڈ گیٹ میں نمودار ہوا۔

''آیئے۔۔۔ صاحب آپ کا ہی انتظار کر رہے ہیں'' گارڈ بولا تو میں اور برٹن خاموشی کے ساتھ گارڈ کے پیچھے گیٹ سے اندر داخل ہو گئے اندر داخل ہو کر میں نے چوکنی نظر سے چاروں طرف دیکھا رہائش گاہ کے اطراف کافی اونچی دیوار حفاظت کے نقطہ نظر سے اٹھائی گئی تھی اور دیوار کے ساتھ کئی گارڈ مسلح ہو کر پہرہ دے رہے تھے گیٹ پر بھی کئی گارڈ کھڑے تھے اور سب کے ہاتھ میں جدید اسلحہ تھا میں اور برٹن مسلح گارڈ کی رہنمائی میں رہائش گاہ کے اندرونی حصے میں پہنچے گارڈ ہمیں ایک بڑے سے کمرے میں لیکر آیا جہاں جان ہنری اولنگا اور ان کی بیوی ششلیا ہمارے منتظر تھے جان ہنری اولنگا افریقہ کے قدیم قبائل سے تعلق رکھتے ہیں ان کے آباواجداد کا تعلق قدیم افریقہ سے تھا حتیٰ کہ ان کی بیوی ششلیا کا تو پہناوا تک قدیم قبائل جیسا ہی ہے۔

''ہیلو'' میں نے کمرے میں داخل ہو کر ہنری اولنگا اور ان کی بیوی ششلیا کو ہیلو کہا تو ہنری اولنگا نے صوفے سے اٹھ کر ہمارا خیر مقدم کیا اور ہم دونوں سے ہاتھ ملایا۔ گارڈ ہمیں کمرے میں پہنچا کر واپس اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا تھا۔

''جی سر آپ کو کوئی خاص مسئلہ درپیش ہے'' جب میں اور برٹن بھی ہنری اولنگا کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئے تو میں نے ہنری اولنگا سے پوچھا۔

''میں نے شوانزٹ سے کہا تھا کہ معاملہ خفیہ ہے اس لئے اسے آفیشلی طور پر ڈیل نہ کرے'' میرے سوال کے جواب میں ہنری اولنگا نے کہا۔

''آپ چیف کے دوست ہیں؟'' میں نے سوال کیا کیونکہ جس بے تکلفی سے ہنری اولنگا نے چیف شوانزٹ کا نام لیا تھا تو یہ سوال میرے لبوں پر مچل گیا۔

''میں اور شوانزٹ اسکول کے فرینڈ ہیں'' ہنری اولنگا نے بتایا۔

''ہوں'' میں نے سوچتے ہوئے سر ہلایا ''آپ بے فکر رہے یہاں ہونے والی ساری گفتگو اور کارروائی انتہائی خفیہ رہے گی کسی کو اس معاملے کی بھنک تک نہیں پڑے گی'' میں نے ہنری اولنگا کی تسلی کرائی تو ہنری اولنگا نے ایک طویل سانس لیا اور پھر کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

''معاملہ کیا ہے؟'' جب خاموشی زیادہ طویل ہونے لگی تو میں نے پوچھا میری بات سن کر ہنری اولنگا نے اپنی بیوی ششلیا کو دیکھا ششلیا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ہنری اولنگا کو تسلی دی تو ہنری اولنگا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر سوچتے ہوئے گویا ہوا۔

''یہ معاملہ ہماری اکلوتی بیٹی ششمایا کا ہے'' ہنری اولنگا بولنے لگے۔

''جی'' میں نے برٹن کو اشارہ کیا تو وہ نوٹ بک نکال کر نوٹ کرنے لگا۔

''یہ ہماری بیٹی ہے'' ہنری اولنگا نے کمرے میں لگی بڑی سی تصویر کی جانب اشارہ کیا تو میں اور برٹن اس تصویر کو دیکھنے لگے تصویر میں ایک جوان لڑکی زندگی سے بھرپور قہقہہ لگا رہی تھی۔ میں نے بغور ششمایا کی تصویر کا جائزہ لیا ششمایا زندگی سے بھرپور ایک زندہ دل لڑکی معلوم ہو رہی تھی۔

''جی'' میں نے ششمایا کی تصویر کا جائزہ لے لیا تو پھر ہنری اولنگا کی جانب متوجہ ہوا۔

''ششمایا کو بلیوں سے بڑا لگاؤ ہے اس نے گھر میں ایک رشین بلی پالی ہوئی تھی جس سے وہ بے انتہا محبت کرتی تھی۔ یہ دو ماہ پہلے کی بات ہے کہ وہ بلی جسے ہم سب سوی کہتے تھے اچانک غائب ہو گئی ششمایا نے اسے ہر جگہ ڈھونڈا مگر سوی نہ ملی سوی کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ششمایا چھت پر چلی گئی اس رات ہمارے گھر ایک چھوٹی سی تقریب تھی جس میں میری کاروباری دوست اپنے اہل خانہ کے ساتھ شریک تھے لہٰذا ششمایا کی کمی ہر کسی کو محسوس ہو رہی تھی ششمایا کی ماں ششمایا کو بلانے کئی بار چھت پر گئی مگر ششمایا اپنی بلی کے غائب ہونے پر بے حد اداس تھی اور اس کی تلاش میں اتنی مگن تھی کہ اس نے تقریب میں آنے سے انکار کر دیا لہٰذا ہم لوگوں نے بھی ششمایا کو اس کے حال پر چھوڑا اور تقریب میں مگن ہو گئے آدھی رات کو تقریب ختم ہوئی اور مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے تو میں نے ششلیا سے کہا کہ وہ ششمایا کو پیار سے پچکار کر چھت سے نیچے لے آئے ششلیا میری بات سن کر چھت پر چلی گئی'' ہنری اولنگا یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''پھر کیا ہوا؟'' جب خاموشی طویل ہو گئی تو میں نے ہنری اولنگا سے پوچھا میری بات سن کر ہنری اولنگا نے اپنی بیوی ششلیا کو دیکھا ہنری اولنگا کے اس طرح دیکھنے پر ششلیا نے سر جھکا لیا اور وہ اپنے پیر کا ناخن فرش پر رگڑنے لگی ششلیا کی یہ حرکت اس بات کو ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کچھ سوچ رہی ہے کچھ دیر سوچنے کے بعد ششلیا نے اپنا سر اوپر کیا اور کہنے لگی۔

''ہنری نے مجھے ششمایا کو لانے کا کہا تو میں چھت پر گئی چھت پر مکمل اندھیرا تھا میں ایک طاقتور ٹارچ لیکر گئی تھی لہٰذا میں نے ٹارچ روشن کی اور چھت پر ششمایا کو ڈھونڈنے لگی ساتھ ہی میں ششمایا کو آواز بھی دے رہی تھی اچانک مجھے کسی بلے کی غیاؤں غیاؤں

کرنے کی آواز آئی آواز بہت بھاری اور بھیانک تھی میں وہ آواز سن کر ڈر گئی۔

''یہ ہماری سومی کی آواز تو نہیں ہے'' میرے ذہن میں خیال ابھرا تو میں دھڑکتے دل کے ساتھ آواز کی سمت چلی اچانک مجھے اندھیرے میں دو انگارے جیسی آنکھیں نظر آئیں۔اف وہ آنکھیں اتنی بھیانک تھیں کہ میں ڈر کے مارے جہاں تھی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔میرے پورے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا میں اپنی جگہ کھڑی لرز رہی تھی پھر بھی میں نے دل کڑا کر کے ٹارچ کی روشنی اس سمت ماری۔

میں گھبرا گئی ششمایا زمین پر پڑی تھی اور اس کے پاس ایک بڑے سائز کا کالا بھیانک بلا بیٹھا تھا وہ بلا خوفناک نظروں سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔میں نے ہش ہش کر کے اس بلے کو بھگانا چاہا مگر وہ خوفناک بلا ششمایا کے پاس بیٹھا مسلسل مجھے گھور رہا تھا ایسا لگتا تھا جیسے اسے میرا چھت پر آنا اچھا نہ لگا ہو،میں کچھ دیر کھڑی بلے کو دیکھتی رہی پھر میں نے پاس پڑا ایک پتھر اٹھایا اور بلے کو مارا پتھر تو بلے کو نہیں لگا مگر میرے اس طرح پتھر مارنے سے بلا ششمایا کے پاس سے ہٹ گیا اور اچھل کر دیوار پر چڑھ گیا اور وہاں سے مجھے شعلہ اگلتی نظروں سے دیکھنے لگا پھر اس بلے نے دیوار پر سے ایک درخت پر چھلانگ لگائی اور میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

بلے کے جاتے ہی میں فوراً ششمایا کے پاس پہنچی ت۔۔۔ت۔۔۔تو'' ششلیا کہتے کہتے رک گئی ایسا لگتا تھا جیسے انہیں الفاظ نہیں مل رہے ہوں۔

''تو پھر کیا ہوا ششمایا کی حالت کیسی تھی؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ششمایا کی حالت بہت خراب تھی۔اس کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور اس کی گردن اور جسم کے مختلف حصوں پر خراشوں کے نشان تھے میں جلدی سے ششمایا کے پاس پہنچی اور ششمایا کو سہارا دے کر اٹھایا۔

''ششمایا۔۔یہ یہ کیسے ہوا؟'' میں نے ششمایا کا لباس درست کرتے ہوئے پوچھا۔

''کیا ہوا۔۔کچھ بھی تو نہیں ہوا'' ششمایا کسمسائی مگر میں سب کچھ سمجھ رہی تھی میں بھی عورت ہوں ششمایا کا پھٹا ہوا لباس اس کے جسم پر پڑے خراشوں کے نشان اور سب سے بڑھ کر ششمایا کا دہکتا ہوا بدن بہت کچھ کہہ رہا تھا۔

''کون تھا وہ؟۔۔جس نے یہ سب کیا؟'' میں نے ششمایا سے پوچھا۔

''کون۔۔کیا ہوا؟'' ششمایا اس طرح بول رہی تھی جیسے نشے میں ہو۔

''وہ نوجوان کون ہے جس نے تمہاری یہ حالت کی؟'' میں نے کھل کر پوچھا۔

''مما۔آپ خود دیکھ لیں یہاں چھت پر کون آسکتا ہے؟'' ششمایا بولی تو میں نے ٹارچ کا رخ چھت کے مختلف حصوں کی جانب کر کے دیکھا پوری چھت خالی تھی اور ہمارے گھر کے آس پاس کوئی دوسرا گھر بھی نہیں تھا کہ جس کی چھت سے کوئی ہماری چھت پر آجا سکے اور پھر گھر کے چاروں اطراف مسلح گارڈ بھی کھڑے تھے لہٰذا کسی شخص کا کسی بھی طرح سے چھت پر آنا ناممکن تھا۔مگر ششمایا کی حالت۔۔میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا میں ششمایا کو سہارا دے کر نیچے لے آئی پھر میں نے ہنری کو ساری صورتحال بتائی تو وہ بھی پریشان ہونے کے ساتھ حیران بھی ہوئے انھوں نے بھی چھت پر جا کر پوری چھت کا باریک بینی سے معائنہ کیا مگر کوئی بھی شخص کسی بھی طرح زینے کے علاوہ ہمارے مکان کی چھت پر نہیں آسکتا تھا اور چھت پر جانے والا زینہ اس دن ہماری نظروں کے سامنے تھا۔پھر کوئی کس طرح چھت پر پہنچ گیا اور اگر کوئی چھت پر نہیں گیا۔تو ششمایا کی یہ حالت کس طرح ہوئی۔

اس واقعے کے بعد ششمایا بالکل بدل گئی ایک زندہ دل اور ہمیشہ ہنسنے ہنسانے والی لڑکی مکمل طور پر خاموش ہو گئی اور گوشہ نشین ہو گئی پارٹیز وغیرہ میں جانا اس نے بالکل ترک کر دیا۔۔پھر'' ششلیا اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی اور زمین کو گھورنے لگی میں اور برٹن خاموشی سے ششلیا کے بولنے کا انتظار کرنے لگے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ششلیا بولی۔

Paksociety.com

''کچھ دن بعد ایک شام جب ششمایا چھت پر تھی میں بھی دبے پاؤں اس کے پیچھے چھت پر چلی گئی میں نے چھت پر پہنچ کر دیکھا ششمایا اسی سیاہ بلے کو گود میں لئے بیٹھی ہے اور اسے پیار کر رہی ہے مجھے اس سیاہ بلے کو دیکھ کر بہت ڈر لگا وہ کالا بلا عام بلے کے مقابلے میں دوگنا بڑا تھا اور اس کی سرخ سرخ آنکھیں ایسا لگتا تھا جیسے شعلے برسا رہی ہوں مجھے اس بلے سے بہت ڈر لگا مجھے یہ بھی ڈر لگا کہ کہیں یہ منحوس بلا ششمایا کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔ یہ سوچ کر میں نے زور سے ششمایا کو آواز لگائی میری آواز سن کر ششمایا نے نظر اٹھا کر میری جانب دیکھا اور پھر بلے کو گود میں لیکر کھڑی ہوگئی۔

''ششمایا چلو نیچے چلو۔۔۔اور تم اس گندے بلے کو گود میں لئے کیوں بیٹھی تھی؟'' میں نے ششمایا سے کہا۔

''یہ بلا نہیں ہے۔۔یہ تو میرا جانی ہے میں اس سے پیار کرتی ہوں۔'' ششمایا بلے کو پیار کرتے ہوئے بولی۔

''پیار انسانوں سے کیا جاتا ہے بلے سے نہیں'' میں چیخی۔

''انسان انسانوں سے پیار کرتے ہیں، میں تو ایک بلی ہوں'' اتنا کہہ کر ششمایا نے بلے کو زمین پر رکھا اور پھر خود بھی چاروں ہاتھ پاؤں سے کسی بلی کی طرح چلنے لگی اور میاؤں میاؤں کی آوازیں نکالنے لگی یہ منظر دیکھ کر میں بہت گھبرا گئی اور میں نے چھت پر پڑا ہوا ایک پتھر بلے کو مارا، پتھر سیدھا بلے کے لگا پتھر کی چوٹ کھا کر بلا اچھلا اور پھر وہ پھرتی کے ساتھ دیوار پر چڑھ گیا اور غصیلی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا اس کی سرخ آنکھوں میں ایسی ہیبت تھی کہ میں خوف سے لرز گئی۔

''یہ۔۔۔یہ آپ نے کیا کیا؟ کیوں مارا میرے جانی کو؟'' ششمایا سیدھی کھڑے ہوتے ہوئے زور سے چیخی۔

''جانی۔۔جانی۔۔تم۔۔تم ناراض نہیں ہونا آؤ۔۔میرے پاس آؤ'' ششمایا بازو پھیلا کر بلے کی جانب بڑھی مگر بلا دیوار سے چھلانگ مار کے قریب لگے درخت پر چلا گیا اور نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

''آ۔۔۔آپ نے ناراض کر دیا میرے جانی کو'' بلے کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد ششمایا میری جانب پلٹی اور مجھ سے کہنے لگی۔

''چلو نیچے چلو۔۔پاگل ہوگئی ہو تم'' میں نے ششمایا کو بازو سے پکڑ کر نیچے کی جانب دھکیلا اور اسے زبردستی چھت پر سے لیکر نیچے آئی ششمایا بار بار اپنا بازو چھڑا کر چھت پر جانا چاہتی تھی مگر میں نے اس کا بازو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا جب ششمایا اپنے بازو کو میری گرفت سے نہ چھڑا سکی تو اس نے مجھے جگہ جگہ سے بالکل اس طرح نوچا جیسے کوئی بلی پنجے مارتی ہے۔ میں پریشان ہوگئی کہ آخر میری بیٹی کو کیا ہوگیا ہے بہرحال میں زبردستی ششمایا کو لیکر نیچے آئی اور اسے اس کے کمرے میں بند کر دیا' ششلیا یہاں تک کہہ کر خاموش ہوگئی میں خاموشی سے ششلیا کی باتیں سن رہا تھا اور ساتھ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ایک سراغ رساں ہوتے ہوئے میں ان کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟ طویل خاموشی کے بعد ہنری اولنگا بولے۔

''جب ششلیا نے مجھے ساری بات بتائی تو میں بہت پریشان ہوگیا میں نے فوراً چھت پر جانے والا دروازہ بند کروا کر اس میں تالا ڈلوا دیا مگر میں بہت پریشان تھا کہ آخر میری اکلوتی بیٹی کو کیا ہوگیا ہے؟ میں اس سلسلے میں کسی سے مدد بھی طلب نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اگر میڈیا کو معلوم ہو جاتا تو میری تو ساری عزت خاک میں مل جاتی آخر پریشان ہو کر میں نے تمہارے چیف سے بات کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ وہ میرا بچپن کا دوست ہے اور اس نے میری مدد کا وعدہ کیا اور تم دونوں کو یہاں بھیجا۔

''مگر ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' ہنری اولنگا کی بات سن کر میں بول اٹھا۔

''آپ لوگ اس بلے کو مار سکتے ہو شائد اس طرح اس بلے سے ہماری جان چھوٹ جائے'' ہنری اولنگا نے کہا۔

''یہ کام تو آپ کا کوئی گارڈ بھی کر سکتا ہے''؟ میں نے جواباً کہا۔

''ہاں۔۔میرا کوئی بھی گارڈ اس بلے کو گولی مار سکتا ہے مگر مجھے گارڈ کو بتانا ہوگا کہ میں بلے کو کیوں مارنا چاہتا ہوں اور پھر ایک جانور کی جان لینے کا حکم دینے کی

وجہ سے میں قانونی پیچیدگیوں میں بھی الجھ سکتا ہوں'' ہنری اولنگا نے میرے سوال کا جواب دیا۔

''جب آپ نے چھت کا دروازہ بند کر کے تالا ڈال دیا تو ششمایا کیا پھر بھی اس بلے سے ملی''؟ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں نے سوال کیا۔ میرا سوال سن کر ہنری اولنگا نے اپنی بیوی ششلیا کی جانب دیکھا اور پھر ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا۔

''ششلیا انہیں کمرے والا واقعہ بتاؤ'' ہنری اولنگا کی بات سن کر ششلیا سوچ میں پڑ گئی پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے کھنکھار کر اپنا گلا صاف کیا اور گویا ہوئی۔

''چھت پر جانے کا راستہ بند ہونے پر ششمایا نے بہت شور مچایا اور وہ بہت مچلی کہ اسے چھت پر جانا ہے اس نے ہنری سے بھی کافی ضد کی مگر ہنری نے ششمایا کو چھت پر جانے کی اجازت نہ دی۔ یہ کوئی ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے رات کے وقت مجھے بے چینی سی محسوس ہو رہی تھی اور بار بار میری نیند اچاٹ ہو رہی تھی مجھے بہت گھبراہٹ ہونے لگی تو میں اپنے کمرے سے نکل کر باہر آئی اس وقت کوئی رات کے تین بج رہے تھے سارا جہاں سو رہا تھا میں اپنی گھبراہٹ کی وجہ سے جاگ رہی تھی میں اپنے کمرے سے نکلی تو مجھے ہنسی کی آواز آئی ہنسی ششمایا کی تھی مجھے حیرانی ہوئی کہ ششمایا اتنی رات گئے جاگ رہی ہے اور ہنس رہی ہے آخر اس کے کمرے میں کون ہے جس سے وہ باتیں کرتے ہوئے ہنس رہی ہے یہ سوچ کر میں ششمایا کے کمرے کے دروازے کے پاس پہنچی مجھے ایک بار پھر ششمایا کی ہنسی کی آواز سنائی دی ساتھ ہی کسی اور کی بھی ہنسی کی آواز بھی میرے کانوں میں پڑی وہ ہنسی کسی انسان کی تو معلوم نہیں ہو رہی تھی عجیب سی غاؤں غاؤں کی آواز تھی یہ آواز سن کر میں حیران رہ گئی پھر میں نے دروازے کے کی ہول سے اندر جھانکا اندر ملگجی سی روشنی تھی کی ہول سے مجھے ششمایا کا پلنگ تو نظر نہیں آیا مگر سامنے دیوار پر دو سائے نظر آئے جو ایک دوسرے میں مدغم تھے۔

میں گھبرا گئی اور الٹے قدموں اپنے کمرے میں پہنچی اور ہنری کو جگا کر ساری بات بتائی۔ میری بات سن کر ہنری غصے میں آ گئے اور انھوں نے دراز کھول کر اپنا پستول نکالا اور ششمایا کے کمرے کی جانب بڑھے۔

ششمایا کے کمرے کے دروازے کے باہر ہنری نے بھی کان لگا کر اندر کی آوازیں سننا چاہی اندر سے آنے والی آوازوں سے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ اندر ششمایا کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔ غصے سے مغلوب ہو کر ہنری نے دروازے کا لاک گھما کر دروازہ کھولنا چاہا مگر دروازے کو اندر سے چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ دروازے کو کھولنے میں ناکامی نے ہنری کا غصہ اور بڑھا دیا اور انھوں نے طیش میں دروازے کو زور سے پیٹ ڈالا اور ساتھ ہی ششمایا کو آواز لگائی ہنری کی آواز سن کر ایسا لگا جیسے کمرے میں ہڑبونگ مچ گئی ہو تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور ششمایا دروازے میں آئی اس نے اپنے جسم پر ایک بڑی چادر لپٹی ہوئی تھی صاف نظر آ رہا تھا کہ ششمایا کے جسم پر کوئی کپڑا نہیں ہے بس اس نے چادر سے اپنا جسم چھپایا ہوا ہے۔

دروازہ کھلتے ہی ہنری غصے میں کمرے کے اندر داخل ہو گئے پستول ان کے ہاتھ میں تھا ہنری کے پیچھے میں بھی کمرے میں داخل ہوئی۔

''کہاں ہے وہ مردود۔۔۔ جو میری عزت سے کھیل رہا ہے؟'' ہنری غصے میں پستول لہرانے لگے۔

''کون مردود''؟ ششمایا نے حیران نظروں سے پوچھا۔

''کون ہے تمہارے اس کمرے میں؟'' ہنری غصے میں کمرے کا جائزہ لینے لگے میں نے باتھ روم بھی کھول کر دیکھا مگر کمرے میں یا باتھ روم میں کوئی نہیں تھا اور دروازے کے علاوہ کمرے میں آنے جانے کا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا میں حیران نظروں سے ششمایا کو دیکھ رہی تھی۔

'' میں پوچھتا ہوں کون تھا یہاں تمہارے ساتھ؟'' جب کمرے میں کسی کو نہ پایا تو ہنری ششمایا سے مخاطب ہوئے۔

''یہاں تو میرے ساتھ صرف جانی ہے'' ششمایا مسہری کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''جانی'' ہنری اور میرے منہ سے ایک ساتھ نکلا پھر ہم دونوں نے مسہری کی جانب دیکھا تو مسہری پر ششمایا کا سلیپنگ سوٹ پڑا تھا اور اس سلیپنگ سوٹ پر وہی کالا منحوس بلا بیٹھا اپنی سرخ آنکھوں سے ہمیں گھور رہا تھا۔

''یہ۔۔جانی ہے؟'' ہنری بلے کو دیکھ کر بولے۔

''ہاں۔۔اور اس وقت کمرے میں میرے اور جانی کے سوا کوئی اور نہیں ہے اب کیا ایک بلے کے کمرے میں ہونے سے بھی آپ کی عزت پر حرف آتا ہے''؟ ششمایا تلخ لہجے میں بولی۔

''تمہیں اس گندے بلے سے گھن نہیں آتی''؟ میں نے ششمایا سے پوچھا میری بات سن کر ششمایا نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا اور بولی ''یہ تو میرا جانی ہے''۔

''کیا پاگل پن ہے۔۔انسانوں سے دوستی کرو کیا جانوروں سے محبت کا راگ الاپ رہی ہو'' اتنا کہہ کر ہنری نے اپنا پستول والا ہاتھ سیدھا کیا اور بلے پر گولی چلا دی فائر ہوتے ہی بلا اپنی جگہ سے اچھلا اور کمرے سے باہر کی جانب بھاگا۔

''جانی۔۔۔جانی رک جاؤ۔۔۔رک جاؤ جانی۔۔ تمہیں میری قسم'' بلے کو کمرے سے باہر بھاگتا دیکھ کر ششمایا زور سے چیخی اور بلے کے پیچھے دوڑی مگر بلا تیزی کے ساتھ باہر بھاگ گیا۔

''آ۔۔۔آپ نے میرے جانی پر فائر کیا۔۔میں آپ کو کبھی معاف نہیں کرونگی'' ششمایا ہنری سے لڑنے لگی تو ہنری نے طیش میں آکر ششمایا کے منہ ایک تھپڑ رسید کیا تو ششمایا مسہری پر گر پڑی اور اس کے جسم پر لپٹی چادر کھل گئی ہنری نے فوراً اپنی نظریں نیچی کیں اور کمرے سے باہر کی جانب چل دیئے۔

میں جلدی سے ششمایا کے پاس پہنچی تو میں نے دیکھا کہ ششمایا کے جسم پر جگہ جگہ ناخنوں کے نشان ہیں جیسے کسی نے اسے ناخنوں سے نوچا ہے۔

''یہ۔۔یہ سب کیا ہے ششمایا؟ میں نے نشانات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''چلے جایئے آپ لوگ۔۔۔آپ لوگوں کو میری کوئی خوشی عزیز نہیں ہے جایئے''۔ ششمایا ہسٹریائی انداز میں چیخی تو میں گھبرا کر کمرے سے باہر نکل گئی ''ششلیا اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی۔

''پھر آپ لوگوں نے کیا کیا؟'' ششمایا کے خاموش ہونے پر میں نے پوچھا۔

''ہم کیا کر سکتے تھے اپنی بدنامی کے ڈر سے ہم نے بات چھپالی مگر میں نے اپنے مکان کے گرد گارڈ بڑھا دیئے اور تمام گارڈ کو حکم دیا کہ وہ کسی جانور خاص طور پر کسی بلی یا بلے کو مکان کے آس پاس بھی نہ پھٹکنے دیں'' ہنری نے جواب دیا۔

''پھر''؟۔

''پھر تقریباً ایک ماہ ہو چلا ہے وہ بلا نظر نہیں آیا''۔

''ششمایا کی حالت کیسی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ نیم پاگل سی ہوگئی ہے ہر وقت جانی جانی پکارتی رہتی ہے اور اس بلے کو یاد کرتی رہتی ہے نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔۔بڑی مشکلوں سے اسے کھانا کھلایا جاتا ہے۔۔بس ہر وقت اپنے جانی کو یاد کر کے روتی رہتی ہے۔۔۔آخر وہ بلا چیز کیا ہے جس کی محبت میں میری بیٹی گرفتار ہے'' جملے کے آخر میں ہنری اولنگا کی آواز رندھ گئی مجھے بھی افسوس ہونے لگا کہ اتنا کامیاب بزنس مین اپنی بیٹی کے ہاتھوں کس قدر مجبور ہو گیا ہے۔

''آپ ہم لوگوں سے کیا چاہتے ہیں؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''پتا نہیں''؟ ہنری اولنگا نے بے چارگی سے کہا'' میں بس اس مسئلے کا حل چاہتا ہوں''؟۔

ہنری اولنگا کی بات سن کر میں نے برٹن کی جانب دیکھا وہ بھی حیران نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس مسئلے کا کیا حل ہے اور وہ بلا کیا چیز ہے۔۔۔آخر چیف نے کس طرح کا کیس میرے حوالے کیا ہے؟''۔

''ٹھیک ہے۔۔۔دیکھتے ہیں۔۔ہم اس مسئلے میں آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟'' میں نے ڈپلومیسی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔

Paksociety.com

''ذرا ششمایا کو یہاں بلوا دیجئے یا ہمیں اس کے کمرے میں لے چلئے تاکہ میں ششمایا سے کچھ باتیں پوچھ سکوں؟'' کچھ دیر بعد میں نے سوچتے ہوئے ہنری اولنگا کو مخاطب کیا۔

''ضرور۔۔آپ لوگ ششمایا سے اس کے کمرے ہی میں مل لیجئے'' ہنری اتنا کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا تو میں برٹن اور ششلیا بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے اسی وقت ایک بڑی عمر کی عورت جو لباس سے ملازمہ معلوم ہو رہی تھی بھاگتی ہوئے آئی۔

''صاحب۔۔صاحب وہ۔۔وہ اس کے ساتھ بھاگ گئی'' ملازمہ کے منہ سے بے ترتیب الفاظ نکلے۔

''کون بھاگ گئی'' میں نے پوچھا۔

''ششمایا۔۔ششمایا بھاگ گئی اس۔۔اس آدمی کے ساتھ بھاگ گئی'' ملازمہ نے اپنے حواس بحال کرتے ہوئے کہا۔

''ششمایا بھاگ گئی۔۔کہاں بھاگ گئی گھر کے مرکزی دروازے پر تو ہم لوگ بیٹھے ہیں'' میں نے ملازمہ سے سوال کیا۔

''وہ۔۔وہ اس آدمی کے ساتھ چھت کی طرف گئی ہے'' ملازمہ بولی تو ہنری نے زینے کی جانب دوڑ لگا دی اور اس کے پیچھے میں بھی دوڑ گیا اور میرے پیچھے برٹن اور ششلیا بھی دوڑنے لگے۔

''چھت پر تو آپ نے تالا لگایا تھا؟'' بھاگتے بھاگتے میں نے ہنری سے پوچھا۔

''ہاں'' ہنری نے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ جواب دیا۔ہم چاروں زینہ چڑھ کر چھت کے دروازے تک پہنچے تو میں نے دیکھا کہ چھت کے دروازے کا تالا ٹوٹا پڑا ہے اور دروازہ چوپٹ کھلا ہوا ہے ہنری جلدی سے دروازے سے گزر کر چھت پر پہنچا تو میں بھی اس کے پیچھے چھت پر پہنچ گیا اور میرے پیچھے برٹن اور ششلیا بھی چھت پر پہنچ گئے چھت پر اندھیرا تھا چاند کی ملگجی روشنی میں مجھے دو سائے چھت پر دور جاتے نظر آئے میں نے فوراً اپنی جیب سے ایک طاقتور ٹارچ نکالی اور اس کی روشنی ان پر ماری، ٹارچ کی روشنی میں، میں نے دیکھا ایک لڑکی ایک نوجوان کا سہارا لئے چل رہی تھی۔

''وہ رہی ششمایا'' ٹارچ کی روشنی جیسے ہی ان سائیوں پر پڑی تو ہنری چیخ اٹھا۔

''رک جاؤ۔۔'' میں نے ٹارچ کی روشنی ششمایا کے ساتھ چلتے جوان پر ماری تو میں دھک سے رہ گیا ۔۔۔وہ کوئی انسان تو معلوم نہیں ہوتا تھا وہ چل انسانوں کی طرح رہا تھا۔مگر وہ انسان نہیں تھا وہ جوان مکمل طور پر ننگا تھا اس کے جسم پر لمبے لمبے بال تھے جس نے اس کی ستر پوشی کی ہوئی تھی اس کے کان کسی بلی کی طرح کھڑے ہوئے تھے ششمایا اس جوان کے کندھے پر سر رکھے اطمینان سے چل رہی تھی۔

''رک جاؤ ورنہ گولی مار دونگا'' میں پستول نکال کر اس نوجوان کا نشانہ لیا اور ٹارچ کی روشنی ششمایا اور اس جوان پر ماری تو ان دونوں کے بڑھتے قدم رک گئے پھر اس جوان نے گردن گھما کر میری جانب دیکھا ۔۔اف۔۔۔اس جوان کا چہرہ دیکھ کر میں گھبرا گیا۔وہ کسی انسان کا چہرہ نہیں تھا۔وہ تو کسی بڑے سائز کے بلے کا چہرہ تھا سیاہ چپٹی ناک، لمبے لمبے کان اور باریک لمبی مونچھیں اس کی آنکھیں سرخ ریڈیم کی طرح چمک رہی تھیں اس نے مجھے دیکھ کر اپنے دانت نکوسے اور پھر ششمایا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر آگے بڑھنے لگا ان دونوں کو آگے جاتا دیکھ کر میں نے اس بلے نما جوان کے پیروں کے پاس فرش پر گولی ماری تو ان کے اٹھتے قدم رک گئے۔

''اگلی گولی تمہارے سینے میں ہوگی اگر اب قدم بھی آگے بڑھایا تو۔۔'' میں نے گولی چلانے کے ساتھ چلا کر انہیں دھمکی دی میری دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہوا اور ان کے اٹھتے قدم رک گئے۔پھر ششمایا نے اپنی کمر سے اس جوان کا ہاتھ ہٹایا اور اس کے سامنے ڈھال بن کر کھڑی ہو گئی۔

''پہلے مجھے گولی مارو پھر اسے مارنا۔۔یہ میرا جانی ہے'' ششمایا غرائی وہ جوان ششمایا کی آڑ لیکر پیچھے ہٹنے لگا وہ فرار ہونا چاہتا تھا میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں اسے گولی مار کے روکوں، لہٰذا میں نے اپنی پوری

توانائی جمع کی اور ششمایا کیے پیروں کے درمیان سے جھانکتی اس جوان کی بالوں بھری بھیانک سیاہ ٹانگ پر گولی چلادی میرا نشانہ سچا تھا لہٰذا وہ جوان اپنا پیر پکڑ کر بیٹھ گیا اس کے منہ سے دردناک آواز نکلی اس کے پیر سے خون بہنے لگا میری گولی نے اسے زخمی کردیا تھا۔

''جانی۔۔جانی تم ٹھیک ہو''؟ ششمایا اس جوان کے پیر سے خون نکلتا دیکھ کر بدحواس ہوگئی پھر وہ خونخوار انداز میں میری جانب پلٹی اور بھاگتی ہوئی مجھ پر حملہ آور ہوئی

''تو۔تم نے میرے جانی کو زخمی کیا۔۔میں تمہارا منہ نوچ لونگی''، ششمایا میرے قریب آکر چیخی اور اپنے لمبے ناخنوں سے میرا چہرہ نوچنا چاہا مگر برٹن نے پھرتی کے ساتھ ششمایا کو کمر سے پکڑا اور زمین پر اوندھے منہ لیٹا کر اس کے دونوں ہاتھ پیچھے کرکے اسے دبوچ لیا۔ برٹن کے ششمایا کو پکڑنے کے بعد میں اس جوان کی جانب متوجہ ہوا وہ جوان اب اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا اس کے پیر سے خون کے قطرے فرش پر ٹپک رہے تھے۔

''کوئی حرکت مت کرنا ورنہ اگلی گولی تمہارے سینے میں ہوگی''، میں نے اس جوان کو تنبیہ کی تو اس نے اپنی نظریں اٹھا کر میری جانب دیکھا۔۔اف اس کی آنکھیں ایسا لگتا تھا جیسے اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہو میں اس کی آنکھیں دیکھ کر گھبرا گیا اسی لمحے کا اس نے فائدہ اٹھا اور ایک اونچی چھلانگ لگائی تاکہ چھت پر بنی دیوار پر جاسکے میں نے ٹارچ کی روشنی اس پر مارنے کی کوشش کی مگر اس کی چھلانگ بہت اونچی تھی ٹارچ کی روشنی وہاں تک نہ پہنچ سکی میں نے جلدی سے ٹارچ کی روشنی چھت پر بنی دیوار پر ماری۔۔تو۔۔ میں حیران رہ گیا کیونکہ اس دیوار پر وہ جوان نہیں بلکہ ایک بڑے سائز کا بلا بیٹھا مجھے گھور رہا تھا اس بلے کی ٹانگ سے خون نکل رہا تھا یہ منظر دیکھ کر ہم سب گھبرا گئے اور ہماری اسی گھبراہٹ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ بلا چھت کے ساتھ لگے درخت پر کود گیا اور ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

''یہ۔۔یہ بلا کیسے بن گیا''؟ ہنری کے منہ سے بے ساختہ نکلا ہم سب حیران ہونے کے ساتھ پریشان بھی ہوگئے ہمارے ماتھے پر پسینہ چمکنے لگا حالانکہ موسم اچھا خاصا سرد تھا۔ مگر سچویشن ایسی تھی کہ ہم سب بے حد خوفزدہ ہوگئے تھے میری گولی نے اس جوان کو زخمی کیا اور پھر وہ جوان۔۔۔بلا بن گیا اور ہماری نظروں سے غائب ہوگیا ہم سب خوفزدہ نظروں سے اس جانب دیکھ رہے تھے جہاں بلا غائب ہوا تھا۔ششمایا بری طرح چیخ رہی تھی اور جانی جانی کی آوازیں لگا رہی تھی وہ برٹن کی گرفت سے نکل کر اس بلے کے پیچھے جانا چاہتی تھی مگر برٹن کی گرفت مضبوط تھی ششمایا برٹن کی گرفت میں مچل رہی تھی مگر اس کی گرفت سے آزاد نہیں ہو پا رہی تھی۔ میں کچھ دیر کھڑا اس درخت کو گھورتا رہا جہاں وہ بلا غائب ہوا تھا پھر ہمت کرکے میں اس درخت کی جانب بڑھا اور میں نے ٹارچ کی روشنی درخت پر ماری درخت کے پتوں پر خون لگا ہوا تھا مگر بلا اب وہاں نہیں تھا۔

درخت کا جائزہ لینے کے بعد میں واپس سب کے پاس آیا وہ سب اب بھی خوفزدہ نظروں سے اس درخت کو گھور رہے تھے میں نے ہنری کا کندھا ہلا کر اسے نیچے چلنے کا کہا تو سب زینے کی جانب چل دیئے ششمایا کو برٹن نے کندھے پر اٹھا لیا۔ زینے اتر کے ہم گھر کے اندر پہنچے۔ گھر کے اندرونی حصے میں پہنچ کر ششمایا کو برٹن نے اس کے کمرے میں بند کردیا اور پھر ہم سب ڈرائنگ روم میں آگئے۔

''یہ۔۔۔یہ بلا کون ہے''؟ طویل خاموشی کو ہنری اولنگا نے توڑا۔

''کیا۔۔یہ کوئی جن یا بھوت ہے''؟ مششلیا کپکپاتی آواز میں بولی مگر میں نے کوئی جواب نہیں دیا میں گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

''سر آپ کیا سوچ رہے ہیں''؟ جب میں نے کسی کی بات کا جواب نہیں دیا تو برٹن نے میرا کندھا ہلا کر پوچھا۔

''میں یاد کرنے کی کوشش کررہا ہوں کس نے مجھ سے ایک ایسے آتشی مخلوق کا ذکر کیا تھا جو بلے کا روپ دھار سکتا ہے''، میں نے برٹن کو جواب دیا۔

''آتشی مخلوق۔۔۔کیا مطلب''۔

'' آتشی مخلوق مطلب آتشی مخلوق ۔۔جیسے ہم انسان خاک کی مخلوق ہیں'' میں نے جواب دیا۔

''مطلب وہ۔۔وہ انسان نہیں ہے''؟

''کیا آپ کو وہ انسان لگتا ہے۔۔کیا انسان اس طرح بلے کا روپ دھار سکتا ہے''؟ میں نے ہنری کو جواب دیا تو سب کے سر نفی میں ہل گئے۔

''اب ہم کیا کریں؟'' ہنری اولنگا نے پریشانی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''سب سے پہلے تو آپ اپنی بیٹی کو لیکر اس شہر بلکہ اس ملک سے ہی دور چلے جایئے۔۔۔کسی پرفضا مقام پر'' میں نے ہنری اولنگا سے کہا۔

''اس سے کیا فائدہ ہوگا؟''

''ایک تو ہمیں کچھ وقت مل جائے گا اور میں یہ تحقیق کرسکوں گا کہ یہ آتشی مخلوق کون ہے دوسرے ششمایا بھی اس سے محفوظ رہے گی'' میں نے جواب دیا۔

''کیا ششمایا مان جائے گی یہاں سے جانے کے لئے'' ششلیا نے پوائنٹ اٹھایا۔

''نہیں وہ آسانی سے یہ شہر چھوڑ کر نہیں جائے گی مگر آپ کو ہر حالت میں اسے اس شہر سے دور لے جانا ہے۔۔۔اور جب تک آپ کے جانے کا بندوبست نہیں ہوجاتا میں دو لیڈی کانسٹیبل کی ڈیوٹی یہاں لگا دیتا ہوں جو ششمایا کے ساتھ اس کے کمرے ہی میں رہے گی تاکہ ششمایا اس بلے سے محفوظ رہے'' میں نے جواب دیا تو ہنری اولنگا راضی ہوگیا میں نے اپنے فون سے چیف شوانزٹ کو فون کیا اور انہیں مختصر یہاں کی صورتحال بتائی اور دو لیڈی کانسٹیبل کو ہنری اولنگا کے گھر بھیجنے کا کہا تھوڑی دیر میں دو لیڈی کانسٹیبل پہنچ گئیں میں نے انہیں خاص ہدایت دی اور انہیں ششمایا کے کمرے میں بھیج دیا پھر میں نے اور برٹن نے ہنری اولنگا سے اجازت لی اور وہاں سے چل دیئے۔

''سر اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟'' ہنری اولنگا کے مکان سے باہر آنے کے بعد برٹن نے مجھ سے پوچھا

''فی الحال تو زبردست نیند آرہی ہے میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑتے ہوئے اپنے گھر جاؤنگا اور پھر آج صبح ہی ماریسا بھی آئی لہٰذا آج رات کوئی کام نہیں۔۔بس گھر چل کر آرام کریں گے'' میں نے جواب دیا تو برٹن سر ہلانے لگا۔

برٹن کو اس کے گھر ڈراپ کر کے میں اپنے گھر پہنچا تو ماریسا کو اپنا منتظر پایا میں نے اسے مختصر ہنری اولنگا کے گھر پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کیا ایک انسان نما بلے کا سن کر ماریسا حیران رہ گئی۔

''اب تم کیا کرو گے؟'' ساری بات سن کر ماریسا نے پوچھا۔

''اب میں بوٹسوانا کے شہر غنزی جاؤنگا'' میں نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

''بوٹسوانا کے شہر غنزی۔۔کیوں''؟ ماریسا حیران رہ گئی۔

'' کیونکہ میں نے ہنری اور برٹن سے جھوٹ بولا تھا کی کسی نے مجھ سے آتشی مخلوق کا تذکرہ کیا تھا؟'' میں نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

''جھوٹ کیسا جھوٹ''

''مطلب یہ کہ میں نے ان سے کہا تھا کہ کسی نے مجھ سے ایسی مخلوق کا تذکرہ کیا تھا؟۔۔مگر میں جانتا ہوں مجھے آتشی مخلوق کے بارے میں فادر جوشوا نے بتایا تھا'' میں نے ماریسا کو تفصیل سے جواب دیا۔

''اوہ۔۔اب تم فادر جوشوا سے ملنے جاؤ گے''؟

''ہاں''

''یعنی میں آئی اور تم چل دیئے'' ماریسا بولی

'' تم بھی ساتھ چلو'' میں نے ماریسا کو آفر دی

''نہیں ۔۔تم جاؤ تمہارے کام کا حرج ہوگا'' ماریسا بولی۔

''مجھے صرف معلومات حاصل کرنی ہے اور ویسے بھی میں نے ہنری اولنگا اور اس کے فیملی کو باہر کسی پرفضا مقام پر جانے کا کہہ دیا ہے وہ لوگ ایک دو دن میں کسی پرفضا مقام پر چلے جائیں گے'' میں نے جواب دیا۔

''کیسے شیطان ہو تم۔۔مگر میں پھر بھی تمہارے ساتھ نہیں جاؤنگی'' ماریسا اٹھلا کر بولی اور اٹھ کر جانے لگی تو میں نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنی جانب کھینچا تو وہ سیدھی میری گود میں آگری تو میں نے اسے اپنے سینے سے لگالیا اور لائٹ آف کردی۔

☆.....☆.....☆

تین دن بعد ہنری اولنگا اپنی بیوی ششلیا اور بیٹی ششمایا کے ساتھ سوئزرلینڈ چلا گیا ہنری کے جانے کے بعد میں نے چند ضروری کام نمٹائے اور پھر میں بھی بوٹسوانا کے شہر غنزی کی جانب روانہ ہوگیا دو گھنٹے کے ہوائی جہاز کے سفر کے بعد میں غنزی پہنچ گیا ایئر پورٹ پر میں نے پہلے ہی انتظام کر رکھا تھا لہذا ایک ٹیکسی میری منتظر تھی میں فوراً ہی غنزی کے نواحی علاقے خنجار میں فارد جوشوا سے ملنے کے لئے چل دیا پانچ گھنٹے کے طویل اور تھکا دینے والے سفر کے بعد میں خنجار پہنچ گیا خنجار پہنچتے ہی میں وہاں کے واحد چرچ پہنچا جہاں مجھے فادر جوشوا سے ملنا تھا جب میں چرچ پہنچا تو فادر کنفیشن بکس میں تھے لہذا میں ان کے انتظار میں چرچ میں لگی بنچ پر بیٹھ گیا میرے سامنے مقدس مریم کی تصویر تھی جس میں وہ اپنے ننھے بیٹے یسوع مسیح کو گود میں لئے کھڑی تھی مقدس مریم کے چہرے پر ممتا کا نور پھیلا ہوا تھا واقعی خداوندِ مسیح نے ماں کا رشتہ بھی عجیب بنایا ہے اگر انسان کے پاس ماں نہ ہوتی تو انسان کتنا اکیلا اور تنہا ہوتا محبت کا لازوال سمندر ماں ہے ماں کا لفظ ہی محبت سے گوندا گیا ہے، ماں اپنے بچے کی بقا کے لئے کسی بھی حد تک جاسکتی ہے میری نظریں مقدس مریم کے سامنے جھکی ہوئی تھی اسی وقت قدموں کی آواز ابھری تو میں نے نظر اٹھا کر دیکھا فادر جوشوا میری جانب ہی چلے آرہے تھے میں ان کے احترام میں کھڑا ہوگیا۔

''ہیلو فادر''

''گاڈ بلیز یو مائی چائلڈ'' فادر جوشوا نے میرے سلام کے جواب میں مجھے دعا دی میں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر فادر کے ہاتھ پر بوسہ دیا فادر نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر مجھے ایک بار پھر دعا دی۔

''فادر آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔۔فون پر میں نے آپ کو بتایا تھا کہ۔۔۔۔۔'' میں مدعا بیان کرنا چاہا مگر فادر جوشوا نے ہاتھ اٹھا کر مجھے بات کرنے سے روک دیا۔

''مجھے یاد ہے میرے بچے مگر اس شیطان کا ذکر یہاں مناسب نہیں۔۔۔آؤ میرے ساتھ'' فادر جوشوا نے کہا اور مڑ کر واپسی کے لئے قدم اٹھا دیئے میں بھی ان کے پیچھے ان کے قدموں کے نشان پر قدم رکھتا چل دیا۔

فادر جوشوا اپنے کمرے میں پہنچے میں بھی ان کے پیچھے ان کے کمرے میں داخل ہوگیا کمرے میں پہنچ کر فادر نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود دوسری کرسی لیکر میرے سامنے بیٹھ گئے

''ہاں اب مجھے تفصیل بتاؤ'' فادر جوشوا آرام سے بیٹھنے کو بعد بولے تو میں نے ششمایا اور اس بلے کی جو اپنی شکل تبدیل کرلیتا ہے اس کی پوری تفصیل فادر کو سنائی، فادر جوشوا نہایت توجہ اور انہماک سے میری بات سنتے رہے جب میں اپنی بات مکمل کرچکا تو فادر نے اپنا جھکا ہوا سر اوپر کیا ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے وہ گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

''اس کا مطلب ہے وہ شیطان دوبارہ پاتال سے نکل کر زمین پر آگیا'' فادر جوشوا میری بات سن کر بولے۔

''شیطان؟'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

''ہاں وہ شیطان ہے بلکہ شیطان سے بھی بڑا شیطان۔۔وہ شیطان اور ایک جنی کی ملاپ سے پیدا ہوا ہے اس لئے اسے نہ شیطان کی بستی میں قبول کیا جاتا ہے اور نہ ہی اسے جن اپنے قبیلے میں شامل کرتے ہیں وہ تنہا پاتال میں رہتا ہے وہ اپنی فطرت میں شیطان سے بھی زیادہ برا ہے آخر کیوں نہ ہو وہ شیطان ہی کا تو بیٹا ہے'' فادر جوشوا بولے۔

''اوہ مائی گاڈ'' فادر کی بات سن کر بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

''وہ صدی میں صرف ایک مرتبہ پاتال سے نکل کر زمین پر آتا ہے اور اپنی غذا تلاش کرتا ہے اور اپنی غذا کھا

کر پھر پوری صدی کے لئے پاتال میں سو جاتا ہے'' فادر نے کہا۔

''غذا کیا مطلب''؟ میں فادر کی بات نہ سمجھ سکا۔

''اس کی غذا پیدائشی بچہ ہے'' فادر بولے۔

''پیدائشی بچہ مگر وہ تو ششمایا پر۔۔۔۔۔'' میں جملہ مکمل نہیں کر سکا۔

''اس شیطان کی فطرت بلے جیسی ہے وہ اپنے بچے کو کھاتا ہے اور یہی اس کی غذا ہے'' فادر نے بتایا۔

''اوہ مائی گاڈ۔۔۔یعنی وہ شیطان ششمایا سے جسمانی تعلق قائم کرے گا اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کو کھا جائے گا؟'' میں فادر کی بات سمجھتے ہوئے بولا۔

''جسمانی تعلق قائم کرے گا نہیں بلکہ وہ جسمانی تعلق قائم کر چکا ہے'' فادر نے بتایا۔

''یعنی ششمایا حاملہ ہو چکی ہے''؟ میں نے پوچھا تو فادر نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

''پھر تو اس شیطان کو نو ماہ انتظار کرنا پڑے گا بچے کی پیدائش کے لئے''؟ میں کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''نہیں۔۔وہ انسان کا بچہ نہیں ہے جو ماں کی کوکھ میں نو ماہ کا عرصہ گزارے وہ شیطان کی اولاد ہے وہ ایک مہینے یا اس سے بھی کم عرصے میں دنیا میں آجائے گا'' فادر نے مجھے بتایا تو میں حیرت سے ان کا منہ دیکھنے لگا۔

''یس مائی چائلڈ وہ بچہ شیطان کی اولاد ہے وہ بہت جلد دنیا میں آجائے گا اور پھر وہ شیطان بلا اسے کھا کر پھر سو سال کے لئے پاتال میں سو جائے گا۔

''فادر اس شیطان کو کس طرح مارا جا سکتا ہے''؟ میں نے پوچھا۔

''اسے کوئی نہیں مار سکتا'' فادر بولے۔

''مگر۔۔مگر میری گولی سے تو وہ زخمی ہو گیا تھا'' میں حیرت سے بولا۔

''تم اسے زخمی کر سکتے ہو مگر مار نہیں سکتے۔۔اسے صرف وہ مار سکتی ہے جو اس سے پیار کرتی ہے'' فادر بولے۔

''یعنی اسے صرف ششمایا مار سکتی ہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں''۔

''مگر۔۔مگر ششمایا تو اس کے پیار میں پوری طرح پاگل ہو چکی ہے وہ بھلا اس شیطان کو کیوں مارے گی''؟ میں سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔

''تمہیں ششمایا کے سامنے ایسے حالات پیدا کرنے ہوں گے کہ جس کی وجہ سے وہ مجبور ہو کر اس شیطان کو مار دے اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے'' فادر نے کہا اور پھر اٹھ کر کمرے کے کونے میں رکھی ایک الماری کی جانب بڑھے اور الماری کھول کر انھوں نے چمڑے کا ایک چھوٹا سا ہینڈ بیگ نکالا اور بیگ لیکر میرے پاس آئے پھر انھوں نے بیگ کی چین کھولی اور بیگ کے اندر ہاتھ ڈالا جب فادر کا ہاتھ بیگ سے باہر آیا تو ان کے ہاتھ میں ایک چمکتا ہوا بڑا سا خنجر تھا۔

''یہ مقدس خنجر ہے اگر ششمایا اس خنجر سے اس شیطان پر وار کرے گی تو۔۔وہ شیطان جہنم واصل ہو جائے گا'' فادر نے اتنا کہہ کر خنجر دوبارہ بیگ میں رکھا اور بیگ کی چین بند کر کے بیگ میری جانب بڑھا دیا۔ میں نے شکریہ کہہ کر بیگ فادر کے ہاتھ سے لے لیا۔

''اب تمہیں ششمایا کے سامنے ایسے حالات پیدا کرنے ہیں کہ وہ جذبات سے مغلوب ہو کر اس شیطان پر اس خنجر سے وار کر دے'' فادر نے کہا تو میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کچھ دیر بعد میں فادر سے اجازت لیکر ان کی دعاؤں کے سائے میں رخصت ہوا اور واپس غزنی شہر پہنچا جب میں غزنی پہنچا تو رات ہو چلی تھی میں بہت زیادہ تھک گیا تھا میری فلائیٹ بھی صبح کی تھی لہٰذا میں نے ایک ہوٹل میں کمرا کرائے پر لیا اور نہا دھو کر فریش ہو کر سو گیا میں بہت زیادہ تھکا ہوا تھا لہٰذا فوراً ہی نیند کی دیوی نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا میں بہت دیر تک گہری نیند سوتا رہا۔ میرے موبائل کی گھنٹی نے مجھے نیند سے اٹھایا میں نے لائٹ جلا کر گھڑی میں وقت دیکھا صبح کے پانچ بج رہے تھے یعنی میں سات گھنٹے سوتا رہا میں نے آنکھیں ملتے

ہوئے اپنا موبائل اٹھایا موبائل کی اسکرین روشن تھی جہاں پر جان ہنری اولنگا کا نام جگمگا رہا تھا۔

''ہیلو'' میں نے جمائی روکتے ہوئے ہیلو کہا۔

''ہیلو۔۔۔انسپکٹر پال میں ہنری اولنگا بول رہا ہوں'' دوسری جانب سے ہنری اولنگا کی آواز ابھری۔

''ہاں۔۔کہیے؟'' میں بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''پال۔۔میں سوئیز لینڈ کے جنرل اسپتال سے بات کر رہا ہوں ایک انتہائی اہم خبر ہے؟'' ہنری اولنگا کے لہجے میں تجسس کے ساتھ پریشانی بھی نمایاں تھی۔

''مجھے معلوم ہے وہ اہم خبر۔۔'' میں نے مسکرا کر کہا

''تمہیں کیسے معلوم۔۔ابھی صرف مجھے اور ڈاکٹر کو معلوم ہے اور تم اتنی دور بیٹھ کر دعویٰ کر رہے ہو کہ تمہیں وہ اہم خبر معلوم ہے'' ہنری اولنگا بول اٹھا۔

''میں وہ اہم خبر آپ کو بتا دیتا ہوں۔۔۔ششمایا حاملہ ہے۔'' میں نے ہنری کو خبر بتائی تو کچھ دیر کے لئے دوسری جانب سے خاموشی چھا گئی فون پر صرف ہنری اولنگا کے سانس لینے کے آواز ابھر رہی تھی۔

''تم۔۔تمہیں کیسے معلوم ہوا؟'' کچھ دیر بعد ہنری اولنگا کے آواز فون پر ابھری۔

''جب سے آپ سوئیز رلینڈ گئے ہیں میں مسلسل اسی کیس پر کام کر رہا ہوں اور اسی سلسلے میں یوٹسوانا کے شہر غزنی میں اس وقت میں موجود ہوں'' میں نے جواب دیا۔

''تم ڈربن میں نہیں ہو؟''

''نہیں ۔۔۔مگر آج میں ڈربن پہنچ جاؤنگا ۔۔آپ یہ سب باتیں چھوڑیں اور مجھے یہ بتائیں کہ ڈاکٹر ڈیلیوری کی کب تک توقع کر رہے ہیں''؟ میں نے پوچھا۔

''ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ بچہ بہت تیزی کے ساتھ پرورش پا رہا ہے ایسا لگتا ہے کہ ہفتہ دس دن میں ڈیلیوری ہو جائے گی'' ہنری اولنگا کے لہجے میں پریشانی تھی۔

''اب آپ کیا چاہتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''مم۔۔میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں؟''

''ششمایا کی حالت کیسی ہے؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''بچے کا سن کر وہ بہت خوش ہے۔۔اور وہ واپس ڈربن آنا چاہتی ہے'' ہنری اولنگا نے بتایا۔

''ٹھیک ہے تو آپ واپسی کا بندوبست کیجئے میں چند گھنٹوں بعد ڈربن پہنچ جاؤنگا اور وہاں سارے انتظامات کر لونگا'' میں نے ہنری اولنگا کو جواب دیا۔

''انتظامات کیسے انتظامات؟''۔

'' آخر بچے کی ولادت ہسپتال میں ہوگی اور وہاں۔۔وہ شیطان بلا بھی ضرور آئے گا آخر کو وہ شیطان بلا ہونے والے بچے کا باپ ہے۔۔۔اس کے استقبال کی تیاری بھی تو کرنی ہوگی'' میں نے ہنری اولنگا کو جواب دیا۔

''کیا۔۔ہونے والے بچے کا باپ وہ شیطان نما بلا ہے؟'' ہنری اولنگا کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

''ششمایا آپ کی بیٹی ہے آپ بتائیے کیا اس بلے کے سوا کوئی اور ششمایا کی تنہائیوں میں آیا ہے؟'' میں نے ہنری اولنگا سے سوال کیا تو ہنری اولنگا کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا پھر اس کا جواب نفی میں آیا۔

''بس تو آپ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیجئے میں اس شیطان بلے کو اس کے انجام تک پہنچا کر رہوں گا آپ واپس ڈربن آنے کی تیاری کیجئے؟'' میں نے کہا تو ہنری اولنگا نے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے فون بند کر دیا فون بند ہوتے ہی میں نے اپنا موبائل مسہری کے سرہانے رکھا اور واش روم میں گھس گیا۔

☆.....☆.....☆

ہسپتال میں آج ہمیں پانچواں دن تھا میں نے ہسپتال میں سارے انتظامات ہنری اولنگا اور اس کی فیملی کے آنے سے پہلے ہی کر دیئے تھے پولیس کے کئی افراد ہسپتال کے عملے کے روپ میں مختلف کام سرانجام دے رہے تھے میں نے ہسپتال کے عملے اور ڈاکٹرز کو بھی خاص ہدایت جاری کر دی تھیں اور خاص طور پر ہنری اور اس کی بیوی ششلیا کو یہ ہدایت کی تھی کہ وہ اپنی بیٹی ششمایا کے ساتھ نہایت محبت سے پیش آئیں خاص طور پر ششلیا کو ہدایت دی تھی کہ وہ ششمایا کو بچے کی مبارکباد دے اور اسے

بچے کو پالنے کے سلسلے میں باتیں بتائیں اور اس کے دل میں ہونے والے بچے کی محبت اجاگر کرے آخر کو وہ ششمایا کی ماں تھی اور ہونے والے بچے کی نانی تھی لہٰذا میری ہدایت پر ششلیا وقتاً فوقتاً ششمایا کے کمرے میں جا کر اس سے باتیں کر رہی تھیں اور اسے بچے کے بارے میں بتا رہی تھی۔ میں نے اس کمرے میں جہاں ششمایا کا قیام تھا اس کمرے کے چپے چپے میں cctv کیمرے لگا دیئے تھے اور میں خود اس کمرے کے برابر والے کمرے میں بیٹھا مانیٹر پر ششمایا کے کمرے کی نگرانی کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں ایک منصوبہ تھا اور میں ان منصوبے پر پوری طرح عمل کر رہا تھا اگر میرا منصوبہ کامیاب ہو گیا تو وہ شیطان بلا ضرور جہنم واصل ہو جائے گا۔

میرا اسسٹنٹ برٹن بھی حیران نظروں سے میرے کیے گئے اقدامات کو دیکھ رہا تھا کیونکہ میں نے اپنے منصوبے سے برٹن کو بھی آگاہ نہیں کیا تھا۔ میں کمرے میں بیٹھا مانیٹر پر ششمایا کے کمرے کی نگرانی کر رہا تھا جہاں اس وقت ششلیا اپنی بیٹی کے ساتھ بیٹھی تھی اور اس سے باتیں کر رہی تھیں ششلیا کی زیادہ تر باتیں ہونے والے بچے کے متعلق تھیں میں دیکھ رہا تھا کہ اپنے بچے کے بارے میں ششلیا کی گفتگو سن کر ششمایا کے چہرے پر خوشی کے رمق آتی جا رہی ہے اس کے چہرے پر ممتا کا نور پھیلا ہوا ہے وہ فخریہ انداز میں کبھی کبھی اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتی اور پھر اپنی ماں کی باتیں سننے لگ جاتی۔ برٹن حیران نظروں سے مجھے مانیٹر پر یہ سب دیکھتے ہوئے دیکھتا رہا پھر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ اکتا کر بولا۔

''ششمایا کے بچے کا باپ وہ شیطان بلا ہی ہے؟''

''ہاں'' میں نے مختصر جواب دیا۔

''آپ کو یقین ہے کہ وہ بلا ششمایا سے ملنے آئے گا''؟ برٹن نے پھر پوچھا۔

''ہاں'' میری توجہ ششمایا کے کمرے کے مناظر پر تھیں۔

''ٹھیک ہے جیسے ہی وہ شیطان ششمایا سے ملنے آئے گا میں اسے اپنی گولی کا نشانہ بنا لونگا'' برٹن اپنے پستول پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

''وہ شیطان تمہاری گولی سے نہیں مرے گا'' میں نے برٹن کو بتایا۔

''کیا مطلب''؟

''اس شیطان کو کوئی نہیں مار سکتا'' میں نے پھر کہا۔

''تو۔۔تو پھر وہ شیطان کیسے مرے گا؟'' برٹن کے لہجے میں بے یقینی کے ساتھ پریشانی کا عنصر بھی تھا۔

''اس شیطان کو صرف وہ لڑکی مار سکتی ہے جو اس شیطان سے پیار کرتی ہے'' میں نے فادر جوشوا کے الفاظ دہرائے۔

''یعنی ششمایا''؟ برٹن کے لہجے میں بے یقینی برقرار تھی۔

''ہاں''

''مگر۔۔مگر ششمایا اس شیطان کو کیوں مارے گی وہ تو۔۔۔وہ تو اس کے پیار میں پوری طرح پاگل ہے'' برٹن پریشانی سے بولا۔

''میں اس کے سامنے ایسے حالات پیدا کر دونگا کہ وہ اس شیطان بلے کو اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کر دے گی'' میرے لہجے میں یقین تھا۔

''آپ کے پاس اس سلسلے میں کوئی منصوبہ ہے''؟ برٹن نے پوچھا۔

''میں اپنے منصوبے پر پوری طرح عمل کر رہا ہوں'' میں نے برٹن کو کہا تو برٹن نے اطمینان بھرے انداز میں سر ہلا دیا۔

☆.....☆.....☆

تین دن بعد ششمایا کو درد اٹھا، نرسز اسے فوراً لیبر روم میں لیکر گئیں۔ میں، برٹن، ہنری اولنگا اور ششلیا لیبر روم کے سامنے بے چینی سے ٹہل رہے تھے لیبر روم کے اندر ششمایا تھی جو ماں بننے کے عمل سے گزر رہی تھی۔ لیبر روم کا دراوزہ بند تھا اور ہم چاروں کی بے چینیاں عروج پر تھیں ہم چاروں خاموشی سے لیبر روم کے سامنے کبھی ٹہلنے لگتے اور کبھی لیبر روم کے دروازے کے ساتھ لگی بنچ پر بیٹھ جاتے ہمارے درمیان مکمل خاموشی تھی۔ کافی دیر بعد لیبر روم کا

دروازہ کھلا اور ایک بوڑھی نرس لیبر روم سے باہر نکلی اس نے اپنے گلے میں پہنی صلیب کو اپنے داہنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا اور منہ ہی منہ میں مقدس کلمات کا ورد کر رہی تھی اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑا ہوا تھا۔

''کیا ہوا سسٹر؟'' میں نے آگے بڑھ کر نرس سے پوچھا مگر نرس نے مجھے جواب نہیں دیا بلکہ تیز تیز قدموں سے مقدس کلمات پڑھتی ہوئی وہاں سے چلی گئی میں کچھ دیر اس راہداری کو تکتا رہا جہاں نرس گئی تھی پھر تھک کر بنچ پر ہنری اولنگا کے برابر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر بھی لیبر روم سے باہر آئی اس کے چہرے پر بھی خوف کی علامات نمایاں تھیں۔

''خیریت تو ہے نا ڈاکٹر؟'' میں نے ڈاکٹر کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اس۔۔۔اس بچے کا باپ کون ہے؟'' ڈاکٹر اپنے ماتھے پر آئے پسینے کو پونچھتے ہوئے بولی۔

''یہ پولیس کیس ہے اس لئے کچھ باتیں خفیہ رکھی گئی ہیں۔۔آپ بتائیے معاملہ کیا ہے؟'' میں نے ڈاکٹر کو جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے اپنی زندگی میں ایسا بچہ کبھی نہیں دیکھا ۔۔۔اس بچے کا جسم تو انسان کی طرح ہے۔مگر اس کا چہرہ بلی کی طرح ہے'' ڈاکٹر نے اٹک اٹک کر جملہ ادا کیا اس کے لہجہ اس کے خوف کی چغلی کھا رہا تھا۔

ڈاکٹر کی بات سن کر میں نے سر ہلا دیا اس چیز کا مجھے پہلے سے ہی خطرہ تھا شیطان اور انسان کے ملاپ سے اسی طرح کے بچے کا جنم ممکن تھا لہٰذا میرے لئے یہ بات اچنبھے والی نہیں تھی۔

''ششمایا اور بچے کی حالت کیسی ہے؟'' میں نے کچھ دیر بعد ڈاکٹر سے پوچھا ہنری اولنگا اور ششلیا ڈاکٹر کے منہ سے بچے کے متعلق سن کر خوفزدہ ہو گئے تھے۔

''وہ دونوں ٹھیک ہیں کچھ ہی دیر میں ان دونوں کو کمرے میں منتقل کر دیا جائے گا پھر آپ لوگ مل سکتے ہیں'' ڈاکٹر نے کہا اور واپس لیبر روم میں چلی گئی۔اور میں ہنری اولنگا اور ششلیا کو آگے کی پلاننگ سمجھانے لگا۔

دو گھنٹے بعد ششمایا اور اس کے بچے کو روم میں شفٹ کر دیا گیا اور تو میں نے ششلیا کو فادر جوشوا کا دیا گیا مقدس خنجر دیا اور اسے ایک بار پھر ہدایت کی۔ششلیا نے خنجر مجھ سے لیکر اپنے پرس میں رکھ لیا اور میری ہدایت غور سے سننے لگی۔

''جیسا میں نے کہا ویسے ہی کیجئے گا بچے کی بہت تعریف کیجئے گا اور ششمایا کو مبارکباد دیجئے گا اور موقع دیکھ کر ششمایا کو دکھا کر یہ خنجر اس کے تکیئے کے نیچے رکھ دیجئے گا'' میں نے ششمایا کے کمرے کے دروازے پر آخری بار ششلیا کو ہدایت کی میری ساری منصوبہ بندی کا انحصار ششلیا کی اداکاری پر تھا۔ششلیا نے ہاتھ اٹھا کر اپنے خدا سے مدد مانگی اور پھر ہنری اولنگا اور ششلیا دونوں ششمایا کے کمرے میں داخل ہو گئے ان دونوں کے کمرے میں جاتے ہی میں دوڑ کر ششمایا کے برابر والے کمرے میں پہنچا اور وہاں پر لگے مانیٹر پر ششمایا کے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

میں نے مانیٹر کے اسکرین پر نظر ڈالی تو میں نے دیکھا جان ہنری اولنگا ششمایا کے پلنگ کے پاس کھڑا ہے اور ششمایا کی ماں ششلیا، ششمایا کے پلنگ پر اس کے سرہانے بیٹھی ہے اور اس سے باتیں کر رہی ہے میں نے جلدی سے ہیڈ فون کانوں سے لگایا تو ہیڈ فون میں ششلیا کی آواز ابھری۔

''بہت خوبصورت بچہ ہے آخر کیوں نہ ہو ہماری بیٹی بھی تو لاکھوں میں ایک ہے۔خداوند اس بچے کو ہر دکھ درد اور بری بلاؤں سے محفوظ رکھے'' ششلیا بول رہی تھی اور میں بغور ششمایا کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا جہاں ششلیا کی باتوں سے رونق بڑھتی جا رہی تھی ششمایا کے چہرے پر ممتا کا نور پھیلا ہوا تھا ششمایا نے فخر و غرور کے مشترکہ امتزاج کے ساتھ نظر اٹھا کر اپنے بچے کو دیکھا تو ششمایا کی آنکھوں میں پیار کا سمندر امنڈ آیا وہ محبت بھری نظروں سے اپنے بچے کو دیکھ رہی تھی جو پنگوڑے میں سو رہا تھا ششمایا کے چہرے پر مجھے سکون نظر آیا وہ ممتا کے جذبے سے بھری ہوئی تھی اور بار بار نظر اٹھا کر اپنے بچے کو

دیکھتی اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ جاتی۔

اسی وقت ششلیا نے اپنے پرس سے فادر جوشوا کا دیا ہوا خنجر نکالا اور ششمایا کو دیکھاتے ہوئے اس کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

''یہ کیا ہے؟'' ششمایا نے تکیہ اٹھا کر خنجر پر انگلی پھیرتے ہوئے پوچھا

''یہ ایک ٹوٹکا ہے یہ خنجر ماں اور بچے کی حفاظت کے لئے ماں کے تکیے کے نیچے رکھا جاتا ہے کہتے ہیں ننھے بچوں پر بری بلائیں حملہ کرتی ہیں اس لئے ماں کے تکیے کے نیچے خنجر ضرور ہونا چاہیے'' ششلیا نے کہا تو ششمایا سر ہلانے لگی۔ کچھ دیر ششلیا ششمایا سے باتیں کرتی رہی پھر ہنری اولنگا اور ششلیا ششمایا کو آرام کا کہہ کر اس کے کمرے سے نکل گئے اور سیدھے میرے پاس مانیٹرنگ روم میں آ گئے۔

''گڈ آپ لوگوں نے اچھی اداکاری کی۔'' میں ہنری اولنگا اور ششلیا کی تعریف کی ہنری اولنگا کی نظریں اسکرین پر گڑی ہوئی تھیں جہاں ششمایا نظر آ رہی تھی جو اپنے بچے کی چادر ٹھیک کرنے کے بعد اب خود آرام کے غرض سے مسہری پر لیٹ رہی تھی۔

میں ہیڈ فون لگائے اسکرین پر نظر ٹکائے بیٹھا تھا میرے ساتھ میرا اسسٹنٹ برٹن۔ ششمایا کے ماں باپ ہنری اولنگا اور ششلیا بھی بیٹھے تھے ان سب کی نظریں بھی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔

دو گھنٹے گزر گئے اسکرین پر کوئی ہلچل نہیں ہوئی جس شیطان کا ہم سب کو انتظار تھا وہ ابھی تک نہیں آیا تھا ہم سب اونگھنے لگے۔

اچانک میرے کانوں میں بلی کی غرغراہٹ آئی تو میں چوکنا ہو گیا میں نے نظر اٹھا کر اسکرین کی جانب دیکھا کمرے کے واحد روشندان پر وہ شیطان بلا بیٹھا تھا اور مسلسل غرا رہا تھا میں نے سب کی توجہ اس بلے کی جانب دلائی تو سب اسکرین پر اس بلے کو دیکھنے لگے ہنری اولنگا اور ششلیا کے آنکھوں میں اس بلے کو دیکھ کر خوف کے سائے منڈلانے لگے۔ بلا روشندان میں بیٹھا مسلسل غرا رہا تھا اس کے غرانے کی آواز سے ششمایا کی آنکھ بھی کھل گئی اس نے روشندان کی جانب دیکھا اور بلے کو دیکھ کر خوش ہو گئی۔

''آؤ۔۔آؤ نیچے آؤ۔۔یہاں کوئی نہیں ہے'' ششمایا بولی تو اس بلے نے روشندان سے کمرے کے فرش پر چھلانگ لگائی اور دھم کی آواز کے ساتھ کمرے کے فرش پر کودا، روشندان سے تو وہ شیطان بلے کے روپ میں کودا تھا مگر جب وہ کمرے کے فرش پر گرا تو وہ اپنے اصل روپ میں تھا یعنی آدھا انسان اور آدھا بلا، فرش پر پر کودنے کے بعد وہ اٹھا اور ششمایا کے پلنگ کی جانب بڑھا اور پھر ششمایا کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ سیدھا بچے کے جھولے کی جانب گیا، ششمایا بھی اپنی پلنگ سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔

''دیکھو۔۔دیکھو ہمارا بچہ کتنا پیارا ہے'' ششمایا کا چہرہ ممتا کے نور سے جگمگا اٹھا اور پیار بھری نظروں سے اپنے بچے کو دیکھا پھر اس شیطان کی جانب دیکھا جو آہستہ آہستہ بچے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ شیطان کی آنکھوں میں بچے کو دیکھ کر غیر معمولی چمک آ گئی تھی وہ بچے کے جھولے کی قریب پہنچا اور اس نے بچے کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا اور اسے سونگھنے لگا۔ ششمایا آنکھوں میں محبت کی چمک لئے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

شیطان بلے نے بچے کو سونگھنے کے بعد اچانک اپنا بڑا سا منہ کھولا اور بچے کی گردن پر اپنے مضبوط دانت گاڑ دیئے تو بچے کی ہلکی سی چیخ بلند ہوئی، ششمایا گھبرا کر ان دونوں کے قریب پہنچی۔

''یہ۔۔یہ کیا کر رہے ہو؟۔۔چھوڑو میرے بچے کو۔۔یہ مر جائے گا''؟ ششمایا نے اس شیطان سے اپنا بچہ لینا چاہا مگر اس نے ایک ہاتھ سے ششمایا کو دھکا دیا تو ششمایا فرش پر گر پڑی مگر پھر تڑپ کر اٹھی اور اس شیطان سے اپنا بچہ چھیننے لگی اس چھینا جھپٹی میں بچہ کمرے کے پکے فرش پر گر پڑا اس کی گردن آدھی سے زیادہ ادھڑ چکی تھی۔

صاف نظر آ رہا تھا کہ بچہ مر چکا ہے۔

ششمایا نے پھٹی پھٹی نظروں سے اپنے بچے کی کی

جانب دیکھا جس کی ادھڑی ہوئی گردن سے تازہ تازہ خون نکل کر فرش کو لال کر رہا تھا۔

شیطان بلے نے ششمایا کو پھر دھکا دیا تو ششمایا لڑکھڑاتی ہوئی پلنگ پر گر پڑی اور ششمایا کو دور ہٹا کر اس شیطان بلے نے فرش پر سے بچے کی لاش کو اٹھایا اور پھر اپنے دانت اس کی گردن میں پیوست کر دیئے اور اس کا خون پینے لگا۔

ششمایا کچھ دیر سکتے کی حالت میں اس شیطان بلے کو اپنے بچے کا خون پیتے دیکھتی رہی پھر اس نے ایک زوردار چیخ ماری اس کی آنکھوں میں وحشت ناچنے لگی اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر تکیئے کے نیچے ڈالا اور جب اس کا ہاتھ تکیئے کے نیچے سے باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں فادر جوشوا کا مقدس خنجر تھا۔

ششمایا چیختی ہوئی جنونی انداز میں خنجر لیکر شیطان بلے کی جانب بڑھی اور پھر ششمایا کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور کھچ کی آواز کے ساتھ خنجر شیطان بلے کی پشت میں دستے تک گھس گیا۔

شیطان بلے کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور اس کے ہاتھ سے ایک بار پھر بچہ چھوٹ کر فرش پر گر پڑا، بلے نے گھوم کر حیرت سے ششمایا کو دیکھا جو خون آلود خنجر ہاتھ میں لئے اس کے مقابل کھڑی تھی۔

''تو بلا ہے۔۔۔ بلا ہی رہے گا۔ اپنے بچوں کو کھانے والا بلا۔۔۔ مگر میں تجھے اپنے بچے کو کھانے نہیں دونگی'' ششمایا جنونی انداز میں چیخی اور ایک بار پھر ششمایا کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور خنجر اس شیطان بلے کے سینے میں گھس گیا وہ بلا چیختے ہوئے فرش پر گر پڑا اور تڑپنے لگا اور پھر اس بلے کی خوفناک آنکھیں بے نور ہوگئیں اور وہ شیطان بلا اپنی تمام تر خباثتوں کے ساتھ جہنم واصل ہوگیا۔

بلے کے مرتے ہی ششمایا اپنے بچے کی جانب لپکی اور اپنے بچے کے پاس بیٹھ گئی اور اسے گود میں اٹھایا، جب ششمایا کو احساس ہوا کہ اس کا بچہ مر چکا ہے تو ششمایا کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ زور زور سے رونے لگی، وہ بین کر رہی تھی وہ رو رہی تھی وہ چیخ رہی تھی اپنے بچے کی لاش پر سر رکھے ششمایا بلک رہی تھی، ششمایا کے رونے میں اتنا درد تھا کہ ہم سب کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

''مم۔۔ میں ششمایا کے پاس جاتی ہوں'' ششلیا بے چین ہوگئی آخر کو وہ بھی ماں تھی ششمایا کا رونا اس سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔

''نہیں ابھی اسے کچھ دیر اور رو لینے دو۔۔۔ یہ ماں کے آنسو ہیں انہیں بہہ جانے دو۔۔ آنسو بہانے سے ششمایا کا دل ہلکا ہو جائے گا آپ کچھ دیر بعد چلے جایئے گا'' میں نے ششلیا کو تسلی دیتے ہوئے کہا تو ششلیا نے اثبات میں سر ہلا دیا، ششلیا کی آنکھیں اپنی بیٹی کے دکھ پر بھر آئی تھیں وہ منہ موڑ کر کھڑی ہوگئی۔

ششلیا کو جواب دے کر میں نے اپنے کانوں پر لگا ہیڈ فون اتار کر میز پر رکھا اور کمرے سے باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے اور دروازہ کھول کر باہر جانے لگا پھر کچھ سوچ کر رکا اور برٹن کو مخاطب کیا۔

''دونوں لاشوں کو نذر آتش کر دینا اور چیف کو فون کر کے اطلاع دے دینا کہ کیس ختم ہوگیا'' میں نے برٹن سے کہا

''اور آپ۔۔ چیف سے بات نہیں کرینگے''؟ برٹن نے پوچھا

''چیف سے کہنا آج بلکہ ابھی سے میں ایک ہفتے کی چھٹی پر ہوں۔۔۔ اب میں پورے ایک ہفتے بعد ہی دفتر آؤں گا اور میں اپنا فون بھی سوئچ آف کر رہا ہوں'' میں نے برٹن سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ ابھی مجھے ایک اور کام نمٹانا تھا ماریسا ناراض ہے اسے بھی تو منانا ہے اور ماریسا کو منانا زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔۔ میں اپنی گاڑی کی چابی انگلی میں گھماتا ہوا ہسپتال کے پارکنگ کی جانب چل دیا۔

Pakistanipoint

انوکھا عشق

محمد حنیف شاکر۔ ننکانہ صاحب

خوبرو حسینہ کا شوہر گھر سے باہر نکلا مگر یہ کیا چند منٹ بعد وہ پھر گھر میں داخل ہوا تو اسے دیکھ کر بیوی تحیر زدہ ہوگئی اور جب یہ راز کھلا تو وہ اچنبھے میں پڑگئی کہ.....

دل و دماغ پر.....فرحت طاری.....کرتی، رائٹر کے قلم کی اچھوتی اور.....شاہکار کہانی

یوں تو ہمارے ارد گرد ہر روز بہت سے قصے اور کہانیاں جنم لے رہے ہیں ہر انسان کی زندگی پر ایک چھوڑ کئی کئی کہانیاں بنتی چلی جارہی ہیں جس کی بنا پر اب افسانوں اور من گھڑت کہانیوں کی وقعت ہی نہیں رہی مگر میں آج یہ کہانی آپ کی خدمت میں پیش کررہا ہوں بالکل حقیقت پر مبنی ہے۔

کیا بتاؤں تنہائی کا طوفان چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے.....سائیں سائیں کی مہیب آوازیں دہشت پھیلا رہی ہیں اور دل پر گھبراہٹ طاری کرتا ہوا سکوت، شدت سے اکیلے پن کا احساس اور پھر جیسے ہی میری شادی ہوئی میں نئے گھر میں ایڈجسٹ ہوئی تو وہاں پر پیار کرنے والے بھائی بہن اور ماں باپ کی یاد ستاتی تو میں سوچوں کی گہری وادی میں گم ہوجاتی سوچتی کیا میں اکیلی ہوں۔تنہا ہوں۔دوسرے ہی لمحے میری اس سوچ پر

دوسری سوچ ابھرتی تو میں یہ کہہ اٹھتی۔ ''نہیں میں اکیلی بھی نہیں اور میں تنہا بھی نہیں۔ مجھے اپنے بہت ہی پیار کرنے والے شوہر کی رفاقت حاصل ہے تو پھر یہ تنہائی کیوں..... میں بے چین کیوں ہوجاتی ہوں، میری طبیعت کیوں مضطرب رہتی ہے، افسردگی کی یہ چادر مجھ پر کیوں مسلط ہورہی ہے، میرے بھائی بہن کیا مجھے بھول چکے ہیں۔ مجھے یاد کیوں نہیں کرتے ایک ہی شہر میں بسنے کے باوجود مجھے ملنے کیوں نہیں آتے کیا مجھے ماں باپ نے بھی بوجھ سمجھا ہوا تھا جو مجھے یوں اتار کر پھینک دیا..... کیا سب ہی مجھ سے ناراض ہیں میری کزن بھی مجھے یکسر فراموش کر چکی ہیں..... کسی نے مجھے فون تک نہیں کیا..... کیا میں ایسی ہی گئی گزری تھی جو سب نے مجھ سے یوں آنکھیں پھیر لیں کہ جیسے میں کسی کی کچھ بھی نہیں لگتی۔

ہاں شادی سے پہلے میں سب کی آنکھوں کا تارا تھی اور کیوں نہ ہوتی، اللہ تعالیٰ نے مجھے خوبصورتی سے جو نوازا تھا، میں گھر بھر میں سب سے چھوٹی تھی تو ہر کوئی مجھے پیار کرتا، میں بھائی بہنوں کے دلوں کی دھڑکن تھی، اسکول میں داخل ہوئی تو بہت سی لڑکیاں میری دوست بننے کے لئے بے چین میرے ارد گرد گھومتی تھیں۔ جو لڑکی مجھے دوست بنانے میں کامیاب ہوجاتی وہ فخر سے پھولے نہ سماتی۔

جوانی کی سیڑھی پر قدم رکھا تو محلے کے لڑکے میرے ارد گرد منڈلانے لگے لیکن میں کسی کو گھاس ڈالنا بھی پسند نہ کرتی۔ کیونکہ مجھے اپنے والدین کی عزت بہت عزیز اور پیاری تھی جنہوں نے میری بہت لاڈ پیار سے پرورش کی تھی۔ جن کی میں آنکھوں کا تارا تھی۔

گو جوانی دیوانی ہوتی ہے بلکہ مستانی ہوتی ہے، دل میں کیسے کیسے خیالات جنم لیتے مگر میں ان خیالوں کو ایک ہی جھٹکے میں ختم کردیتی تھی لیکن جیسے ہی میں ازدواجی زندگی میں داخل ہوئی تو یہ کیا۔

سابقہ زندگی ایک سپنا تھی جو آنکھ کھلتے ہی ٹوٹ گیا..... اوہ اتنی کربناک تنہائی..... کتنی خوفناک تاریکی..... کیسی غضبناک سیاہی اور یہ کتنی دہشت ناک ویرانی کیونکہ بے حد پیار کرنے والے پیا۔ مجھ پر جان چھڑکنے والے شوہر دل و جان سے قربان ہونے والے زندگی بھر کے ساتھی رات بھر پیار و الفت کی لوری سنا کر صبح و سویرے ہی تیار ہوکر اپنی کریانہ کی دکان پر چلے جاتے تو واپسی رات دس بجے ہوتی اس وقت تک ان کی یاد سابقہ خیالوں کے تانے بانے ہی میرے دل کی دنیا بسانے چلے آتے تو مجھے پرانی سوچوں کی اندوہنا کیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

یہ گہرا سکوت..... یہ خاموش سرسراہٹ اور یہ درد انگیز سائیں سائیں کرتی ہوائیں کیا کروں۔ کدھر جاؤں۔ اوہ اللہ یہ تمام زیست یوں تنہائیوں میں گزر جائے گی کیا یہ ساری زندگی ویران صحراؤں میں بسر ہوگی یہ پوری زندگی تاریکی کے گھپ اندھیروں میں بسے گی۔

سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے میں ریگستانوں کے دشوار گزار راستوں میں بھٹک رہی ہوں۔ سراب اور بگولوں میں پھنس گئی ہوں اور خار دار جھاڑیوں میں الجھ کر رہ گئی ہوں۔ جس کے نوکیلے کانٹے مجھے قدم قدم پر زخمی کررہے ہیں اور ان زخموں سے خون رس رس کر دل کی زمین کو سرخ رنگ میں تبدیل کررہا ہے میں اور کیا بتاؤں حالانکہ گھر میں میری ساس اور سسر بھی موجود ہوتے لیکن وہ بھی اپنے کمرے تک محدود اپنی ہی دنیا میں مگن رہتے۔

دکان گھر سے دو سو میٹر دوری پر تھی خیال آتا پیار کرنے والے شوہر کے پاس چلی جاؤں جنہیں دیکھ کر دل میں لگی عشق کی آگ کو بجھالوں مگر جلد ہی اس خیال کو جھٹکنا پڑتا کہ وہاں ارد گرد کے ساتھ والے دکاندار میرے بارے میں کیا سوچیں گے کہ یہ لڑکی پاگل ہے کہ اپنے شوہر کے بغیر رہ نہیں سکتی۔

جی ہاں جن کی نئی نئی شادیاں ہوئی ہوں وہ اس مرحلے کو بخوبی جانتے ہیں سمجھتے تو وہ بھی ہیں جن کو ازدواجی بندھن میں بندھے ہوئے عرصہ گزر چکا ہو لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اب ان پر (ٹوئے) یعنی گڑھے والی بات آچکی ہوتی ہے۔

کہانی پڑھنے والے سوچ میں پڑ گئے ہیں کہ یہ (ٹوئے) گڑھے والی بات کون سی تو جن لوگوں کو علم نہیں وہ

جان لیں بلکہ اس بات کو ذہن نشین کرلیں آپ اسے پڑھ کر ہنسیں گے ضرور مگر کچھ لوگوں پر یہ صادر بھی ہوچکی ہوگی یعنی سو فیصد گزر چکی بھی ہوگی۔

(ٹوئے) والی بات یہ ہے کہ جب کسی کی نئی نئی شادی ہوئی ہوتی ہے تو میاں بیوی میں اتنا پیار اور میل ملاپ ہوتا ہے کہ وہ کئی کئی دن اپنے کمرے سے باہر ہی نہیں نکلتے اگر کبھی کہیں گھومنے پھرنے یعنی سیر کرنے نکلیں بھی چاہے دن ہو یا رات تو اس وقت شوہر اپنی بیوی کا بہت خیال رکھتا ہے قدم قدم پر اسے کہتا ہے میری جان یہاں سے بچ کر گزرنا یہاں نالی ہے..... یہاں سے بچ جانا یہاں پر اینٹ پڑی ہے ارے یہاں سے بھی بچنا یہاں (ٹویا) کھڈا یا گڑھا ہے لیکن جیسے ہی کچھ عرصہ گزرتا ہے پیار کی بہار خزاں میں تبدیل ہوتی ہے۔

موج مستی کے دن ختم ہوتے ہیں تو پھر وہی جوڑی وہی میاں بیوی کہیں کسی جگہ جانے کی غرض سے اکٹھے چل رہے ہوں تو خدانخواستہ راستے میں بیوی کو ٹھوکر لگ جائے اور وہ گر پڑے تو خاوند کے تیور بدل جاتے ہیں، وہ فوراً بول پڑتا ہے۔ ''اندھی ہو اتنی بڑی بڑی آنکھیں ہیں پھر بھی گڑھا نظر نہیں آیا کدھر دیکھ کر چل رہی ہو گری تھی تو مر کیوں نہ گئی۔

آیئے اب ذرا آگے بڑھتے ہیں، کہانی کی جانب جو بالکل حقیقت پر مبنی ہے آج معمول سے ہٹ کر میرے میاں صاحب دکان سے ذرا جلدی آگئے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہنے لگے۔ ''ذرا جلدی کرو، روٹی پکائی ہے تو دے دو، نہیں تو جلدی پکادو، بھوک سے برا حال ہورہا ہے۔

میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جلد سے روٹی پکا کر آگے رکھ دی تو وہ خاموشی سے کھا پی کر چلتے بنے، میں سوچ میں پڑ گئی، آج میرے سرتاج کو کیا ہوگیا ہے، پہلے تو ہمیشہ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد آتے، مجھے پیار کرتے پھر ہم مل کر کھانا کھاتے واپس جاتے ہوئے بھی پیار کے دو بول بولے بنا نہیں جاتے تھے اور ہاں کس کئے بغیر نہیں جاتے تھے۔

صبح، دوپہر اور رات آتے جاتے ان کا یہ معمول تھا۔ لیکن آج میں حیران تھی کہ انہوں نے معمول کے مطابق ایسا کچھ بھی نہیں کیا، نہ سلام نہ دعا نہ ہی پیار اور نہ ہی کس۔

آتے ہی کھانا مانگا اور کھانا کھانے کے بعد چلتے بنے ان کے اس رویے سے میرے دل پر چھریاں چل رہی تھیں میں آج ان کے اس رویے سے بہت ہی غمگین اور اداس تھی۔

میں غمگین اور اداس کیوں نہ ہوتی جو میری زندگی کا ساتھی میری زندگی کا جزو مجھ سے ایسا کرے گا۔ یوں مجھے نظر انداز کرے گا کہ اچانک بدل جائے گا، ایسا تصور کرنا بھی میرے لئے گناہ تھا۔

مگر غم ہر انسان کی زندگی میں وقتی طور پر بادل کی طرح کبھی نہ کبھی ضرور چھا جاتا ہے۔ غم کے بعد خوشی مل ہی جاتی ہے لیکن ہنستی مسکراتی زندگی میں مگن کبھی ایسا وقت آجائے تو خوشی ملنے کے بعد بھی غم کی پرچھائیں ہمیشہ دل پر نقش رہتی ہیں..... یہ بھی اٹل بات ہے کہ غم حوصلوں کو پست کردیتا ہے اور اس کے اثر سے مضبوط سے مضبوط انسان بھی ہل جاتا ہے یہ انسان کی شخصیت کو توڑ پھوڑ دیتا ہے پھر یہ شخصیت کبھی جوڑی نہیں جاسکتی جی ہاں غم انسان کی صلاحیتوں کو زنگ لگادیتا ہے مگر غم کے بعد خوشی کا لطف بھی آتا ہے خوشیوں کا لطف اٹھانے کے لئے غم کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے..... پھر شوہر تو ایسا رومال ہے جس سے بیوی آنکھیں صاف کرتی ہے۔

آج مجھے اپنے مجازی خدا کے اس رویے سے بہت گہرا صدمہ ہوا، میں غم کی اتھاہ وادیوں میں پہنچ گئی۔ مجھے مایوسی کے عالم میں وقت گزرنے کا علم ہی نہ ہوا سوچتے سوچتے پورا ایک گھنٹہ ہوگیا کہ میرے خاوند کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ ''آج میری ملکہ کیسے بجھی بجھی سی بیٹھی ہے اور کن خیالوں میں گم ہے چہرہ بھی اترا اترا سا ہے اور اس پر پریشانی کے آثار بھی واضح ہیں پھر ان خوب صورت آنکھوں میں اشک بھی عیاں ہیں کیا بات ہے ابو یا امی نے کوئی بات کی یا خود سے کوئی غلطی ہوگئی۔''

میں نے جلدی سے اپنے دوپٹے سے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا اور کہا۔ ''مجھے کچھ نہیں ہوا بس ایسے ہی.....''

''ایسے ہی کیا۔'' میری زندگی کے جیون ساتھی نے حسب معمول مجھے پکڑ کر اٹھایا اور پیار کیا اور کہا۔ ''کھانا لاؤ میں آج دکان کھلی چھوڑ کر آیا ہوں۔'' میں یہ بات سن کر حیران رہ گئی کہ ''کیا کہہ رہے ہیں کھانا لاؤ۔'' مجھے تعجب کیوں نہ ہوتا ابھی ایک گھنٹہ پہلے تو کھانا کھا کر گئے اور میرے ساتھ جو رویہ اپنا کر گئے ہیں اسی پر تو میں ماتم کناں تھی۔

میں نے حیرانگی سے غم میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا ''آج آپ کو کیا ہوگیا۔ اتنی جلدی دوبارہ بھوک لگ گئی۔''

''دوبارہ بھوک لگنے کا کیا مطلب۔'' انہوں نے بھی اسی حیرانگی سے جواب دیا۔ ''مطلب صاف واضح ہے آپ ابھی ایک گھنٹہ پہلے کھانا کھا کر گئے ہیں۔''

''کب کھا کر گیا ہوں۔''

''ایک گھنٹہ پہلے یہ دیکھو ابھی تک برتن بھی وہیں پر ہی پڑے ہوئے ہیں۔'' میں نے انہیں اٹھایا بھی نہیں۔'' وہ کبھی مجھے دیکھتے اور کبھی پلنگ پر پڑے برتنوں کی طرف پھر بولے۔ ''مجھے تو اس منطق کی کوئی سمجھ نہیں آرہی۔''

ارے پگلی یا تو میں بیوقوف ہوں یا پھر تم کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے میں ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر آیا ہوں راستے میں ابو نماز پڑھنے جارہے تھے ملے تو انہیں کیا ابو ذرا دکان کو دیکھنا میں کھانا کھا کر جلد آجاؤں گا۔''

''ملک صاحب مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی آپ کے سامنے پلنگ پر پڑے خالی برتن میری بات کی سچائی ثابت کررہے ہیں۔''

''اچھا چلو تم کو میں غلط نہیں کہتا جو ہوا سو ہوا کھانا لاؤ۔'' میں نے بے دلی سے سوچوں کے تانے بانے بنتے ہوئے دوبارہ کھانا تیار کیا اور لاکر دسترخوان پر لگایا۔ ملک صاحب کہنے لگے۔ ''میرے دل کی رانی آؤ ہمیشہ کی طرح مل کر کھانا کھائیں۔''

''آپ کھائیں مجھے بھوک نہیں۔'' کیونکہ غم کی وجہ سے میری بھوک تو اڑ چکی تھی لہٰذا ملک صاحب نے کھانا کھا کر جاتے ہوئے مجھے پیار کیا اور کس کرتے ہوئے کہنے لگے۔ ''خوش خوش رہا کرو اگر دل پریشان ہے تو جاؤ میکے ہو آؤ بھائی بہنوں اور والدین سے مل آؤ میں رات دس بجے دکان بند کر کے تم کو لینے آجاؤں گا۔''

انہوں نے رکشہ منگوایا اور مجھے میکے روانہ کردیا، میں میکے میں آکر بھی غمگین سی رہی۔

رات ساڑھے دس بجے وہ مجھے لینے آگئے ہم رات کو بارہ بجے گھر واپس آگئے، گھر آکر انہوں نے مجھے بہت پیار کیا مجھ سے دن میں ہونے والی افسردگی و اداسی کے متعلق بہت پوچھا لیکن میں انہیں کیا بتاتی۔

اگلے روز جب وہ ناشتہ کر کے دکان پر چلے گئے، ان کو گئے ہوئے ابھی آدھا گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ دوبارہ آوارد ہوئے کہنے لگے۔ ''لاؤ ناشتہ دو۔''

میں جو کل گزرے ہوئے دن کی پریشان تھی تو آج پھر ان کی یہ بات سن کر دنگ رہ گئی کہ ابھی آدھا گھنٹہ پہلے ناشتہ کر کے گئے ہیں تو یہ پھر آکر ناشتہ مانگ رہے ہیں میں تو الجھن میں پڑ گئی سوچنے لگی انہیں کیا ہوگیا ہے۔

ابھی ناشتہ کر کے گئے دکان کھول کر واپس پھر آگئے ہیں میں حیران ہو کر ان کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگی۔ ''ملک صاحب آپ کو کیا ہوگیا ہے ابھی ناشتہ کر کے گئے ہیں۔''

''کب میں ناشتہ کر کے گیا ہوں۔'' ان کی اس بات پر میں نے غور سے ان کی طرف دیکھا تو آنکھیں سرخ ہورہی تھیں یوں محسوس ہورہا تھا جیسے آنکھیں نہ ہوں آگ کے انگارے دہک رہے ہوں۔ میں نے ذرا ان کو اور غور سے دیکھا تو یہ کیا ان کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے بھی نہیں تھے میں نے چند سیکنڈ اس سوچ میں لگا دیئے کہ کپڑے بھی ملک صاحب جیسے ہیں قد و قامت بھی ان جیسی ہے چہرہ اور سر کے بال بھی ہو بہو ان جیسے ہیں مگر آنکھیں آگ کے شعلے اگل رہی ہیں ہاتھوں کے انگوٹھے بھی موجود نہیں تھے۔

یہ دیکھتے ہی میرے تو اوسان خطا ہوگئے مجھے خوف کے مارے جھرجھری سی آگئی دوسرے لمحے میں وہاں کھڑی کھڑی دھڑام سے گری اور اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ ہوگئی۔

جب مجھے ہوش آیا تو اپنے آپ کو اسپتال کے بیڈ پر

لیئے بابا میرے جیون ساتھی اور میرے قریب بیٹھے تھے مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر میرے سسر نے کہا۔ ''بیٹی کیسی ہو۔''

''ٹھیک ہوں ابو۔''

خیر طبیعت سنبھلنے پر گھر آ گئے، دو دن گزرنے کے بعد تیسرے روز بارہ بجے کا وقت تھا وہی شکل پھر میرے سامنے آ کھڑی ہوئی اس سے پہلے کہ میں ڈر کر بے ہوش ہوتی اس نے کہا۔

''خدا کا واسطہ مجھ سے ڈرنا مت میری بات کو غور سے سنو اور پھر اس پر عمل بھی کرنا لگتا ہے میری اصلیت کا شاید آپ کو علم ہو گیا ہے پھر بھی میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میں جنات کی جنس سے تعلق رکھتا ہوں میری عمر بائیس سال ہے اور میں مسلمان ہوں اور اللہ تعالیٰ کے پاک کلام قرآن مجید فرقان حمید کتاب مبین کو حفظ کر رہا ہوں یعنی میں حافظ بن رہا ہوں۔

میں آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔''

''تو پھر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔''

''پیار.....''

''وہ تو میں پہلے ہی اپنے شوہر سے کر چکی ہوں پھر میرا اور تمہارا تعلق ایک دوسرے سے متضاد ہے میں خاکی اور تم آتشی۔''

''بالکل آپ کی بات سو فیصد درست ہے میں آپ سے جنسی تعلقات کا خواہاں نہیں ہوں۔''

''تو پھر تم کس چیز کے خواہاں ہو۔ پیار کا مطلب تو یہی ہے ورنہ اور تو کچھ نہیں۔''

''میں آپ سے غلط تعلقات قائم کر کے مسلمان ہونے کے ناطے گناہ کبیرہ کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا۔ میں نے آپ کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا مجھے آپ کے حسن نے دیوانہ کر دیا..... آپ ایک مکمل حسن کا شاہکار ہیں..... حسن کی دیوی ہیں آپ۔''

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''ادھر کہتے ہیں کہ میں گناہ کبیرہ کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا تو دوسری طرف میرے حسن کی تعریف کے پل باندھے جا رہے ہیں تو کیا یہ گناہ کبیرہ نہیں تو اور کیا ہے حالانکہ میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ محبت ایک ایسی چیز ہے جسے خریدا نہیں جا سکتا یہ خود بخود دل کی گہرائیوں میں اپنا گھر بنا لیتی ہے پھر عورت پہلے تو کسی سے محبت نہیں کرتی مگر جب کسی سے محبت کرتی ہے تو اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہے..... محبت کے بغیر زندگی بے کار اور بے سود ہے محبت کی نہیں جاتی بلکہ ہو جاتی ہے۔ مجھے بھی محبت ہو گئی ہے وہ اپنے شوہر سے لہٰذا تم اپنی راہ لو کسی اور کو ڈھونڈ لو۔''

''آپ کی بات اٹل آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن میری بھی عرض سن لیں وہ یہ کہ محبت ایک راز ہے ایک پاک اور معصوم راز جو ہوس اور بدفعلی کے الائشوں سے بالکل پاک ہے محبت فطرت کا وہ پیغام ہے جسے معصوم اور پاک ہاتھوں نے خدا کے نیک اور مقبول بندوں کے لئے تیار کیا ہے میں بھی آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ سے سچی محبت کروں گا اور کرتا ہوں کسی ہوس کے بغیر یہ وعدہ ایک حافظ مسلمان جن کا ہے۔ آپ مجھے اتنی اجازت دے دیں کہ جب کبھی میرا دل اداس ہو یا آپ کو دیکھنے کے لئے بے تاب ہو تو میں آپ کو دیکھنے کے لئے آ جاؤں۔ وہ بھی صرف اگر آپ کی اجازت ہو۔''

''اگر میں یہ اجازت نہ دوں پھر۔''

''میں آپ کو خداوند قدوس اور اس کے پیارے حبیب کا واسطہ دیتا ہوں۔ انکار نہ کریں۔''

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اب پھر کہتا ہوں کہ میں نہ تو آپ کو اور نہ ہی آپ کے گھر والوں کو کسی قسم کا کوئی نقصان یا تکلیف پہنچاؤں گا..... دوسرا میں کبھی بھی آپ کے سامنے اپنے اصلی روپ میں نہیں آؤں گا کیونکہ میرا اصلی روپ آپ دیکھ نہیں سکیں گی۔ جب بھی آؤں گا آپ کے شوہر کی شکل میں آؤں گا لیکن آپ مجھے میری آنکھوں اور ہاتھوں کو دیکھ کر پہچان لیا کرنا۔ ایک بات اور وہ یہ کہ میں صرف آپ کو نظر آؤں گا۔ آپ کے کسی بھی گھر والوں کو نظر نہیں آؤں گا آپ جو بھی حکم کریں گی وہ پورا کرنے کی کوشش کروں گا کیونکہ میں آپ سے سچا عاشق کرتا ہوں۔

خیر میرا یہ بھی آپ سے وعدہ ہے کہ میں آپ سے

ایسی بات یا کوئی کام نہ کہوں جس سے آپ مجھ سے ناراض ہوں۔ میں کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کروں گا۔"

تو میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی یہ سوچ کر کہ کہیں میرے انکار پر مجھے یا میرے گھر والوں کو کوئی گزند نہ پہنچائے لہٰذا میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے تمہارا عشق حقیقی ہے کبھی اس میں خیانت نہیں ہوگی تو آپ کو اس گھر میں آنے کی اجازت ہے۔"

یہ سن کر وہ بہت خوش ہوتے ہوئے بولا۔ "میری آپ سے التجا ہے۔"

"بتائیں۔"

"وہ یہ کہ آپ میرے بارے میں اپنے گھر والوں سمیت جس جس کو بھی بتانا چاہو بتا سکتی ہو۔ مگر کسی عامل کامل پیر فقیر کی مدد سے مجھے کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی سعی نہ کرنا یعنی یہ سوچ کر میں اس سے چھٹکارا حاصل کرلوں میری یہ عرض قبول کرنا یہ نہ ہو کہ میں بھی اپنے وعدے کو بھول جاؤں وہ بھی مجبوری اور لاچاری کی حالت میں..... میں چند منٹ کے لئے آیا کروں گا..... آپ خود میری کسی غلطی پر جو سزا دینا چاہیں اسے میں جھیلنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں گا۔"

"ٹھیک ہے میں آپ کی اس عرض کا ہر حال میں خیال رکھوں گی۔" میری طرف سے گرین سگنل ملنے پر وہ خوشی خوشی چلا گیا یعنی غائب ہوگیا۔ پھر کبھی دس دن بعد کبھی پندرہ دن بعد آتا چند منٹ رکتا پھر واپس چلا جاتا اس نے کبھی بھی میرے سامنے کوئی غیر اخلاقی حرکت یا کوئی بات نہ کی۔

میں نے اپنے سسرال سمیت سب بھائی بہنوں کو بھی بتا دیا تو سب ہی کہنے لگے یہ بات مناسب نہیں اس کو گھر سے بھگانا چاہیے۔

میں بھی اپنے بھائی بہنوں کے کہنے میں آ گئی پھر بھی میں نے سوچا کیوں نہ میں اپنے بہنوئی سے مشورہ کرلوں کیونکہ وہ اس بارے میں بہت کچھ جانتے اور علم رکھتے ہیں اس لئے میں نے شاکر بھائی کو نزکانہ صاحب سے اپنے پاس بلایا اور پھر سارا معاملہ ان کے گوش گزار کردیا۔

وہ تھوڑی دیر آنکھوں کو بند کر کے کچھ پڑھتے رہے پھر مجھ سے مخاطب ہوئے اور کہا۔ "اقرا بہن کسی کے کہنے میں نہ آیا اور نہ ہی کسی عمال کامل وغیرہ کے چکر میں پڑنا آپ نے یہ اچھا فیصلہ کیا جو اسے آنے جانے کی اجازت دے دی اسے آنے دیں کچھ عرصہ بعد وہ خود بخود نہ آنے کا سبب بن جائے گا۔"

"ٹھیک ہے بھائی جان میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گی۔"

"حکم نہیں بہن یہ ایک مشورہ ہے۔"

"ٹھیک ہے مشورہ پر عمل کروں گی۔" دوسری طرف میری بڑی بہن میاں چنوں میں رہتی تھی۔ اس کے میاں آصف خان جنہوں نے عامل بننے کے لئے کچھ عرصہ قبل چلہ کشی شروع کر رکھی تھی جب ان کو میرے بارے میں معلوم ہوا تو وہ اپنے چھوٹے بیٹے جس کی عمر نو دس سال کے قریب تھی کے ساتھ ہمارے گھر میں آن وارد ہوئے۔

چائے پانی کے بعد بولے۔ "اقرا بہن آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کے ہاں کیوں آیا ہوں، بات دراصل یہ ہے کہ میں نے آپ کے ہاں آنے والے حافظ جن کے بارے میں تمام ماجرا سن رکھا ہے جو تمہاری باجی نے مجھے تفصیلاً بتا رکھا ہے میں اسی سلسلے میں آیا ہوں۔"

"نہیں بھائی جان آپ حافظ صاحب کے بارے میں کچھ نہیں کریں گے میں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔"

"آپ فکر نہ کریں اور نہ ہی ڈریں میں ابھی اس کو حاضر کرتا ہوں اور اسے ذلیل کر کے یہاں سے بھگاتا ہوں اگر اس نے دوبارہ ادھر آنے کی غلطی کی تو اسے جلا کر خاک کردوں گا۔"

میرے انکار کے باوجود انہوں نے کمرے میں فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے اپنے تھیلے سے اگر بتیا نکال کر سلگائیں اور کچھ پڑھنا شروع کردیا ایک گھنٹہ سے کچھ زیادہ وقت پڑھنے میں صرف ہوا مگر حافظ صاحب حاضر نہ ہوئے تو بھائی ناکام ہو کر کہنے لگے۔ "بڑا ڈھیٹ قسم کا خبیث جن ہے جو حاضر نہیں ہو رہا، لہٰذا ہم چلتے ہیں میں دوبارہ اپنے استاد صاحب کو ساتھ لے کر آؤں گا پھر دیکھوں گا یہ کیسے حاضر نہیں ہوتا اور یہاں سے کیسے نہیں

جاتا۔" یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے۔

ان کے جاتے ہی حافظ صاحب حاضر ہو گئے کہنے لگے۔ "اقرا جی میں نے آپ سے کہا تھا کہ کسی عامل کامل کے چکر میں نہ پڑنا میں آپ کے بہنوئی شاکر صاحب پر بہت ہی خوش ہوں وہ بہت اچھے انسان ہیں انہوں نے میرے بارے میں آپ کو بہت اچھی رائے دی، اس دن بھی میں ادھر ہی تھا اور آج بھی ادھر ہی ہوں آپ کے اس بہنوئی آصف خان نے مجھے حاضر کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا پڑھائی میں اپنی پوری طاقت صرف کی لیکن انہیں اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے بجائے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ابھی تو وہ شرمندہ ہو کر چلتے بنے۔

وہ میرے بارے میں بہت ہی شیخی بگھار رہا تھا کہ میں ابھی حاضر کر کے بھگا دوں گا ذلیل کروں گا جلا کر راکھ کر دوں گا یہ کر دوں گا وہ کر دوں گا جب اس نے مجھے ڈھیٹ اور خبیث جیسے القاب سے نوازا تو اس وقت غصے سے میرا پارہ بہت ہی اپ ہو گیا تھا..... مگر اس میں آپ کا تو کوئی قصور نہیں آپ کے منع کرنے کے باجود اس نے اپنی اوقات دکھا دی میں چاہتا تو اس کو اس کا اسی وقت مزا چکھا سکتا تھا اس کو نقصان پہنچا تا یا اس کے بیٹے کو جو میرے پاس ہی پلنگ پر بیٹھا تھا لیکن اس نقصان کی تکلیف تو آپ کو ہی ہونا تھی پھر آپ کی تکلیف کو دیکھ کر میں خود تڑپ جاتا یہی سوچ کر میں نے برداشت کیا۔" یہ کہہ کر وہ بھی چلتا بنا۔

تقریباً ایک سال کا عرصہ اسے میرے پاس آتے گزر گیا۔

ایک دن میں اپنی امی کے گھر ملنے گئی تو وہاں پر میری بڑی دو بہنیں بھی آئی ہوئی تھیں ایک ملتان سے اور دوسری ٹوبہ ٹیک سنگھ سے، ان سے مل کر میں بہت خوش ہوئی۔ امی نے کہا۔ "بیٹا اقرا....."

"جی امی اب جبکہ حافظ صاحب آپ کے پاس تشریف لائیں تو میرے یہ چند سوالات ہیں یہ انہیں بتا کر ان کا حل بھی پوچھنا....." ٹوبہ ٹیک سنگھ والی باجی بھی بولی۔

"ہاں اقرا بہن میرا بھی ایک مسئلہ ہے یہ بھی ان سے ضرور حل کروانا۔"

دوسرے دن میں گھر واپس آ گئی لیکن اس دفعہ کافی دن گزر گئے حافظ صاحب نہ آئے دو ماہ سے کچھ اوپر دن ہوئے تو حافظ صاحب آ نکلے میں سلام دعا کے بعد امی اور باجی کے مسائل ان کو بتائے وہ خاموشی سے سنتے رہے جیسے ہی میں ان کے حل کے بارے میں پوچھا۔

تو یہ کیا حافظ صاحب چھوٹے بچوں کی طرح بلک بلک کر اونچی آواز سے رونے لگے ان کے ایسے رونے سے میں پریشان ہو گئی۔

انہوں نے روتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کی خوبصورتی پر مرمٹا تھا لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ اتنی بے حس بھی ہیں کہ مجھ سے اتنے دنوں بعد آنے کی وجہ بھی نہیں پوچھی الٹا اپنے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ میرے استاد محترم جن سے میں لاہور میں قرآن پاک حفظ کر رہا تھا وہ اللہ کو پیارے ہو گئے، میں پورے چالیس دن وہاں رہا پہلے وہ کچھ بیمار تھے تو ان کے ساتھ اسپتال میں رہا آپ سے تو اتنا بھی نہیں ہوا کہ مجھ سے میرے استاد صاحب کا افسوس ہی کر لیتی مجھے آج بہت ہی زیادہ دکھ ہوا جن پہ مجھے تکیہ تھا وہی مجھے بیگانے سے لگے۔

آپ کے مسئلے آپ کو مبارک ہوں میں جا رہا ہوں آئندہ کبھی ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ انہوں نے مجھے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا موقع ہی نہیں دیا غلطی میری ہی تھی جو اس سے میں نے اتنے دنوں بعد آنے کی وجہ نہ پوچھی اور اپنے مسائل اس کے سامنے رکھ دیئے مجھے اس کے اس طرح جانے پر بہت افسوس بھی ہوا اور پھر خوشی بھی کہ ایک جن سے جان چھوٹی۔

میں نے اسی دن یہ سوچ لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹا جیسی نعمت سے نوازا تو میں اسے قرآن پاک کا حافظ ضرور بناؤں گی تو اللہ تعالیٰ نے میری یہ خواہش پوری کی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد نرینہ سے نوازہ اور پھر خداوند قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرے بیٹے نے قرآن پاک حفظ کر لیا۔

ویمپائر

مریم فاطمہ۔کراچی

نوجوان نے اپنے پاس سے کالے رنگ کے پھول نکالے اور لائٹر کی مدد سے انھیں جلا دیا اور اس کے دھوئیں سے نجانے لڑکی پر کیا اثر ہوا کہ وہ نوجوان کی بانہوں میں جھول گئی۔

خوف وہراس کی.....دنیا میں.....تہلکہ مچاتی عجیب وغریب ناقابل.....فراموش کہانی

جولیا کو میگزین میں ویمپائر کے بارے میں ایک مضمون لکھنا تھا۔ اس کے لئے وہ ادھر ادھر سے معلومات اکٹھی کررہی تھی۔اس نے اپنے دوستوں کا بھی دماغ کھایا ہوا تھا۔اس کے دوستوں نے اسے ہر طرح کی معلومات دے دی تھیں لیکن پھر بھی جولیا کو لگتا تھا کہ جب تک کہ وہ خود کسی ویمپائر کا سامنا نہیں کرلیتی اسے ان کے بارے میں صحیح معلومات نہیں مل سکتیں وہ سوچنے لگی کہ بھلا کسی اصلی ویمپائر سے کہاں ملاقات ہوسکتی ہے۔

ایسے میں اس کے ذہن میں پہلا خیال جو گیا وہ تھا جنگل، کیونکہ وہ بچپن سے سنتی آئی تھی کہ ایسی چیزیں تنہا ویرانے میں رہتی ہیں اور پھر تو اس سے بالکل بھی صبر نہ ہوا اس نے اپنی بہترین دوست کیتھرین اور جیک کو ساتھ لے کر جنگل میں جانے کا پروگرام بنالیا۔

لیکن اس نے انہیں یہ ہرگز نہیں بتایا کہ وہ وہاں کیا کرنے جارہی ہے۔اس نے ان سے یہی کہا کہ وہ بس تھوڑی سی آؤٹنگ کرنا چاہتی ہے۔اس کے دوست تو ویسے ہی بہت ایڈونچر پسند واقع ہوئے تھے۔اس لئے وہ فوراً ہی ساتھ چلنے پر راضی ہوگئے۔

انہوں نے ساتھ میں کھانے پینے کی تھوڑی بہت چیزیں رکھ لیں۔جولیا نے ایک کیمرہ بھی رکھ لیا اور ساتھ ہی اپنی پرسنل ڈائری بھی رکھ لی۔پھر ان کا سفر شروع ہوا۔

وہ شہر سے دور جنگل کی طرف بڑھنے لگے۔

انہوں نے رات کے وقت جنگل میں کیمپ لگانے کا فیصلہ کیا تھا نقشہ جولیا کے ہاتھ میں تھا۔وہ بار بار نقشے کو کھول کر دیکھ رہی تھی۔

پھر اچانک انہیں ایسا لگا کہ وہ راستہ بھٹک گئے ہیں، نقشہ ہونے کے باوجود۔

پھر جولیا کو یوں لگا کہ وہ کبھی بھی واپسی کا راستہ نہیں ڈھونڈ پائیں گے اور اس خیال کے آتے ہی اس پر عجیب دہشت سی طاری ہوگئی۔

ابھی وہ ان ہی سوچوں میں گم تھی کہ سامنے سے اسے اس ویران جنگل میں کسی کا عالیشان گھر نظر آیا۔

''ارے دیکھو تو گھر کس کا ہوسکتا ہے۔'' اور پھر اس کے ساتھ ہی ان کی گاڑی کا ٹائر پنکچر ہوگیا۔

''اوہ ایک تو یہ مصیبت بھی ابھی آنی تھی۔'' جیک نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''چلو اس گھر کے اندر چلیں۔'' کیتھرین نے مشورہ دیا جسے جیک اور جولیا نے فوراً ہی مان لیا، انہوں نے اپنا مختصر سا سامان ساتھ لیا اور مکان کا دروازہ کھٹکھٹا دیا۔

Pakistanipoint

تھوڑی ہی دیر میں ایک نہایت خوبصورت نوجوان نے دروازہ کھولا اور انہیں دیکھتے ہی کہنے لگا۔ ''آپ لوگوں کو کیا چاہئے؟''

جیک نے جلدی سے سب کا تعارف کروایا تو اس نوجوان نے انہیں اندر آنے کا راستہ دے دیا وہ انہیں لے کر ایک بڑے کمرے میں آ گیا سب لوگ صوفوں پر بیٹھ گئے جبکہ وہ نوجوان کھڑا ہوا جولیا کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنا نام جوزف بتایا تھا۔

جوزف کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے اسے کسی بات کا ڈر نہ ہو وہ اپنے اردگرد سے بالکل بے نیاز دکھائی دیتا تھا۔ لیکن پھر بھی اسے ہر چیز کی خبر تھی۔ ''ٹھہرو میں تم لوگوں کے لئے کچھ کھانے کے لئے لاتا ہوں۔'' وہ گیا اور تھوڑی ہی دیر میں نہایت مزے دار قسم کے کھانے لے آیا۔

اتنے اچھے کھانے میز پر دیکھ کر سب کی بھوک چمک اٹھی، انہوں نے جوزف کا شکریہ ادا کیا اور خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔

کھانے کے دوران جولیا نے واضح محسوس کیا کہ جوزف کی نگاہیں اس کی جانب مبذول ہیں۔ تو جولیا پر ایک انجانا سا خوف طاری ہو گیا اس کی نظروں کی تپش اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

کھانے کے بعد اس نے سب کو ان کے کمرے دکھا دیئے اور کہا۔ ''آج رات آپ بے فکر ہو کے یہاں سو سکتے ہیں۔''

خیر سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے اور جولیا نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا اور ڈائری لکھنے بیٹھ گئی۔ جب ڈائری لکھ چکی تو سونے کے لئے بستر پر لیٹ گئی لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ بڑی دیر تک کروٹیں بدلتی رہی اور پھر تنگ آ کر اس نے چپل پہنی اور کمرے سے باہر آ گئی۔

باہر آتش دان کے پاس جوزف صوفے پر بیٹھا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ ''تم کو نیند نہیں آئی ابھی تک۔'' جوزف نے جولیا کی طرف دیکھے بغیر سوال کیا۔ تو جولیا کو حیرت ہوئی کہ مجھے دیکھے بنا اس نے کیسا جان لیا کہ یہ میں ہوں۔ ''جی ابھی تک نیند نہیں آئی۔ دراصل نیا بستر اور نئی جگہ ہے نا، اور مجھے تو اپنے بستر پر سونے کی عادت ہے۔'' جولیا نے جواب دیا۔

''نیند تو مجھے بھی نہیں آ رہی بیٹھ جاؤ، کچھ دیر باتیں کرتے ہیں۔'' اس نے اپنے سامنے والے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تو بادل ناخواستہ جولیا بیٹھ گئی۔'' ویسے ایک بات

Pakistanipoint

تو بتایئے اتنے بڑے گھر میں آپ اکیلے رہتے ہیں میرا مطلب آپ کو ڈر نہیں لگتا اور تنہائی کا احساس نہیں ہوتا۔''

''تنہائی کا میں عادی ہوں اور ڈر مجھے لگتا نہیں۔''

پھر بھی آپ نے اس طرح ہمیں اپنے گھر میں ٹھہرالیا آپ کو ڈر نہیں لگا، یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ہم کوئی لٹیرے ہوں۔''

''میرے خیال میں ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے تم لوگوں میں سے دو تو لڑکیاں ہیں اور ایک جولڑکا ہے وہ میری برابری نہیں کرسکتا۔''

جولیا اس کی بات سن کر مسکرا اٹھی۔ اسے جوزف کے انداز گفتگو میں دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔

''آیئے میں آپ کو اپنی بنائی ہوئی پینٹنگز دکھاتا ہوں۔'' وہ اسے لے کر ایک کمرے میں آ گیا یہاں طرح طرح کی پینٹنگز دیواروں پر آویزاں تھیں۔

''ٹھہریئے میں اپنے کیمرے سے ان کی تصویر اتارنا چاہتی ہوں۔'' وہ ابھی تصویر کھینچنے ہی والی تھی کہ جوزف نے اسے منع کردیا۔ ''نہیں یہاں تصویریں نہیں کھینچی جاتیں۔''

''بس چند تصویریں۔ پلیز!''

''سنا نہیں میں نے کیا کہا میرے گھر میں کوئی تصویر نہیں لیتا۔'' جوزف کے لہجے میں سختی در آئی تھی۔

جولیا ڈر سی گئی۔ ''اچھا ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی چلو واپس چلیں پینٹنگز تو تم نے دیکھ ہی لی ہیں۔ میں بہت تھک گیا ہوں بڑی دیر سے کچھ پیا نہیں۔'' وہ دونوں واپس آ گئے۔

جولیا اپنے کمرے میں چلی گئی وہ سونے کی کوشش کرنے لگی لیکن نیند نہ آئی پھر اسے کسی کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو وہ بستر سے اٹھ بیٹھی اور دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو اس نے دیکھا کہ جوزف جیک کے کمرے سے باہر نکل رہا ہے اور ایک ہاتھ سے اپنا منہ صاف کررہا ہے۔ وہ جلدی سے اندر کی طرف ہوگئی اور دروازہ بند کرلیا۔ بستر پر بیٹھنے کے بعد وہ سوچنے لگی کہ آخر جوزف بھلا اتنی رات تک کیوں جاگ رہا ہے، تب ہی اچانک اسے کمرے میں کسی کی آہٹ محسوس ہوئی اس نے پلٹ کر دیکھا تو پیچھے جوزف کو گلاب کا پھول ہاتھ میں پکڑے کھڑا دیکھ کر گرتے گرتے بچی۔

''آ.....آپ اندر کیسے میرا مطلب دروازہ تو بند تھا۔''

''نہیں بالکل نہیں دروازہ کھلا ہوا تھا۔''

''لیکن میں نے تو بند کیا تھا۔''

''تم کو ضرور غلط یاد آرہا ہے۔ دروازہ کھلا تھا اور ہاں یہ لو گلاب کے پھول تمہیں پسند ہیں ناں۔'' اس نے سرخ رنگ کے وہ خوب صورت گلاب جولیا کے بستر پر رکھ دیئے۔ وہ پھول دیکھنے لگی پھر جیسے اس نے پلٹ کر دیکھا تو جوزف وہاں سے غائب تھا۔ اسے بڑا تعجب ہوا کہ آخر یہ جوزف کو کیسے پتہ چلا کہ اسے گلاب کے پھول بہت پسند ہیں اور بند دروازے سے وہ اندر کیسے آیا۔ اس نے اٹھ کر دروازہ چیک کیا وہ ابھی بھی اندر سے بند تھا۔ اسے خوف سے جھرجھری آ گئی۔ وہ بستر پر لیٹ کر ایک بار پھر سونے کی کوشش کرنے لگی او کچھ دیر میں اسے نیند نے آلیا۔

تقریباً رات دو بجے اس کی آنکھ کھلی جوزف اس کے بستر پر بیٹھا اس کی ڈائری پڑھ رہا تھا۔ وہ جیسے کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھی۔ ''یہ آپ کیا کررہے ہیں۔ پلیز میری ڈائری مجھے واپس کریں۔'' اس نے گھبرا کے کہا۔

''ڈائری واپس کرنے کو میرا دل نہیں چاہ رہا اور میں وہی کرتا ہوں جو میری مرضی ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی اگر تم کہتی ہو تو یہ لو اپنی ڈائری۔'' اس نے ڈائری جولیا کے پاس رکھی اور کمرے سے باہر چلا گیا اس کے ساتھ ہی جولیا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ گلاب کے پھول اپنی جگہ سے غائب ہیں لیکن ان کی خوشبو سارے میں پھیلی ہوئی ہے اور اس کی ڈائری بھی وہیں رکھی ہوئی ہے جہاں جوزف چھوڑ گیا تھا۔ اس کا دل گھبرانے لگا۔

اچانک ہی اسے اس گھر سے اور جوزف سے خوف آنے لگا۔ وہ بستر سے اٹھی اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ وہ کھڑکی سے آسمان دیکھنے لگی کہ تب

ہی اپنے پیچھے سے اسے جوزف کی آواز سنائی دی۔ ''تم بھی میری طرح جاگ رہی ہو۔''

''ہاں بس کیا کروں نیند نہیں آرہی۔''

''چلو آتش دان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔''

''نہیں شکریہ میں اپنے کمرے میں جاؤں گی۔''

''کیوں؟ کیا مجھ سے ڈر لگ رہا ہے۔''

''نہیں بالکل نہیں۔ لیکن رات کے اس اندھیرے سے خوف آتا ہے۔''

''جھوٹ تمہیں مجھ سے ڈر لگ رہا ہے۔''

جولیا کا دل خوف سے بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ کچھ بولنا چاہتی تھی لیکن زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی پھر وہ ہمت کر کے بول ہی پڑی۔ ''ہاں تھوڑا تھوڑا ڈر تو لگ رہا ہے آپ سے۔'' یہ کہنے کے بعد جولیا کو اندازہ ہوا کہ اس نے کتنی احمقانہ بات کہہ دی ہے۔

جوزف کی آنکھوں میں عجیب سی چمک امڈ آئی وہ مسکرانے لگا۔ ''کیوں ڈر لگ رہا ہے مجھ سے۔''

''کیونکہ آپ نجانے بند دروازے میں سے کیسے اندر داخل ہو گئے تھے۔''

''ایسا اس لئے ہے کہ میں ایک ویمپائر ہوں۔''

اس کی بات سن کر جولیا کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ ہنسے یا روئے۔ ''کافی اچھا مذاق کر لیتے ہیں آپ۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ کوئی مذاق نہیں ہے میں نے تمہارے ساتھیوں کا خون پیا ہے۔ یقین نہیں آتا تو آؤ میرے ساتھ۔'' وہ اسے لے کر باری باری جیک اور کیتھرین کے کمرے میں گیا، وہ دونوں بے خبر پڑے سو رہے تھے جبکہ ان کی گردن میں دانتوں کے نشانات موجود تھے۔ جولیا بہت خوفزدہ ہو گئی تھی۔ اب جب یہ اٹھیں تو یہ بھی میری طرح ویمپائر بن چکے ہوں گے۔ ابھی کچھ دیر پہلے تک میری حالت بہت خراب تھی کیونکہ میں نے کافی دنوں سے کسی کا خون نہیں پیا تھا۔ لیکن اب میں بہت اچھا محسوس کر رہا ہوں۔''

''مجھے جانے دو۔'' جولیا تیزی سے بھاگی لیکن جوزف نے اس کا راستہ روک لیا۔ ''اب تم کہیں نہیں جاؤ گی بلکہ یہیں رہو گی میرے پاس تمہیں مجھ سے شادی کرنی ہو گی۔''

''نہیں! یہ نہیں ہو سکتا۔''

''بالکل ہو سکتا ہے ذرا میری حالت دیکھو بالکل تنہا اور اکیلا ہوں، میری تنہائی دور کر دو۔'' جولیا خوف سے کانپ رہی تھی۔

جوزف نے اپنے پاس سے کچھ کالے رنگ کے پھول نکالے اور لائٹر کی مدد سے انہیں جلا دیا۔ اس کے دھوئیں سے نجانے جولیا پر کیا اثر ہوا کہ وہ جوزف کی بانہوں میں سمٹتی چلی گئی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔''

''بولو میرا ساتھ منظور ہے۔'' جوزف نے پوچھا تو جواب میں جولیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی تو نہیں ہے۔''

لاجواب بات

ایک مرتبہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے اپنی مجلس میں فرمایا کہ: لوگو! اللہ تعالیٰ کے دروازے کو کھٹکھٹاتے رہو، دروازہ ضرور کھلتا ہے۔''

ایک بڑھیا نے گزرتے ہوئے ان کی بات کو سنا تو کہا: ''کیا اللہ تعالیٰ کا دروازہ کبھی بند ہوتا ہے؟''

خواجہ حسن بصریؒ نے سنا تو غش کھا کر گر پڑے اور فرمایا: ''اے اللہ! یہ بڑھیا آپ کو مجھ سے زیادہ جانتی ہے۔''

(ایس حبیب خان۔ کراچی)

Pakistanipoint

موت کی سرگوشی

مظہر الحق علوی

قسط نمبر 1

ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی جسم و جاں پر کپکپی طاری کرتی اور روح کو دہلا دینے والی کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو تحیر کے سمندر میں غوطہ زن کرکے رکھ دے گی صدیوں بعد ہارر کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے تحفۂ خاص

ایک ایسے..... شخص کی داستان حیرت جو مرنے کے بعد تابوت..... سے نکل آیا تھا

یہ سطور لکھنے والا..... یعنی میں مر چکا ہوں۔ جی ہاں۔ راقم الحروف مر چکا ہے۔ سارے ثبوت اس کے مر جانے کے گواہ ہیں..... بے شک میں مر چکا ہوں اور مجھے دفن کیا جا چکا ہے۔ میرے آبائی شہر میں کسی سے بھی میرے متعلق پوچھئے تو آپ کو بتایا جائے گا کہ میں اس طاعون کا شکار ہو گیا جو سن عیسوی 1884 نیپلز میں پھیلا تھا۔ اس وبا نے بڑی تباہی مچائی تھی۔ آئے دن انسان مکھیوں کی طرح مرتے تھے سیکڑوں، ہزاروں جانیں گئی تھیں۔ میں اسی وبا کا شکار ہو گیا اور یہ کہ میرا جسد خاکی میرے اجداد کے مقبرے میں رکھا ہوا ہے اور بقول کسی خاک کا نیا پتلا خاک میں مل رہا ہے۔''

میں مر چکا ہوں..... اس کے باوجود میں زندہ ہوں میں اپنی رگوں میں گرم اور جیتے خون کو گردش کرتے محسوس کر رہا ہوں..... میں بہاروں کا خون..... ہاں یہ میری زندگی کی بہار ہے، شباب ہے میرا اور میری اس عمر نے مجھے مکمل قوت حیات بخشی ہے، میرے شباب نے میری آنکھوں کو روشن اور نظر کو تیز کر دیا ہے۔ پٹھوں کو آہن کی طرح سخت، مضبوط اور ان ہاتھوں کی گرفت کو پر قوت کر دیا ہے اور اسی عفوان شباب کی وجہ سے میرا یہ پیکر خالی سڈول ہے تن کر کھڑا ہوا ہے اور پر وقار اور مرعوب کن ہے۔

جی ہاں میں زندہ ہوں، پوری طرح سے زندہ ہوں، صحیح معنوں میں زندہ ہوں۔ حالانکہ میرے مرنے کا باقاعدہ اور باضابطہ اعلان کیا جا چکا ہے اور مجھے باقاعدہ اور باضابطہ دفن کیا جا چکا ہے۔ بے شک میں زندہ ہوں، میری رگوں میں جتنا خون گردش کر رہا ہے، میرے رگ و ریشے میں قوت حیات ہے، میرے جسم میں گرمئی حیات ہے، میری عمر تیس برس کی ہے، دور شباب ہے میرا اور میں طاقتور ہوں، مردانگی ہے، مجھ میں اور زبردست مصیبت نے مجھ پر کوئی نمایاں اثرات نہیں چھوڑے..... سوائے ایک کے..... میرے بال جو کبھی کالی گھٹا کی طرح گھور کالے تھے، اب برف کی طرح سفید ہو چکے ہیں، حالانکہ وہ پہلے ہی کی طرح گھنگھریالے اور گھنے ہیں۔

''خاندانی میراث ہے یہ؟'' ایک ڈاکٹر نے میرے برف کے سے بالوں کو دیکھ کر پوچھا۔

''کیا ہوا۔ کسی فوری اور سخت صدمے کی وجہ سے سفید ہو گئے یہ؟'' دوسرا بولا۔ ''سخت دھوپ میں ننگے سر گھومنے کا اثر ہے یہ؟'' تیسرے نے معلوم کرنا چاہا۔ لیکن میں نے کسی کو نہ بتایا۔ ہاں ایک دفعہ بتایا تھا، میں

نے اپنی کہانی اس شخص کو سنائی تھی جس سے اتفاقاً میری ملاقات ہوگئی تھی اور جس کی طبی مہارت اور رحم دلی زبان زد عام تھی۔ اسے رحم دل ہمدرد اور اپنے فن کا استاد پا کر میں نے اسے اپنی داستان سنائی۔ شروع سے آخر تک وہ حیرت، دہشت اور بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے اور منہ کھولے سنتا رہا۔ اور پھر سر ہلا کر کہا۔ کہ یا تو میں پاگل ہو چکا ہوں اور اگر نہیں ہوا تو بہت جلد ہو جاؤں گا۔

چنانچہ اس کے بعد میں نے اپنی داستان کسی کو نہیں سنائی۔

لیکن اب میں اپنی کہانی تحریر کر رہا ہوں۔

اب میں ہر گرفت سے دور ہوں، بہت دور، میں بے دھڑک اور بے خوف حقیقت بیان کر سکتا ہوں۔ میں چاہوں تو خود اپنے خون میں قلم ڈبو سکتا ہوں اور کوئی مجھے روکنے والا نہیں کیونکہ جنوبی امریکہ کے وسیع و عریض جنگل کی ہری بھری خاموشی مجھے گھیرے ہوئے ہے قدرت کی پرشکوہ اور مکمل خاموشی۔

کیونکہ یہاں تہذیب اور انسانوں کے قدم نہیں پہنچے۔ مکمل ترین سکون کی جنت ہے اور اس کے سکون میں پرندوں کے بازوؤں کی ہلکی پھڑ پھڑاہٹیں اور ان کے نغمے ارتعاش پیدا کر دیتے ہیں یا پھر ہوا کے جھونکوں کی گنگناہٹ ہوتی ہے۔ جو لوریاں دیتی ہیں۔ البتہ کبھی کبھی یہی ہوا طوفان بن جاتی ہے اور تب قہر خداوندی معلوم ہوتی ہے۔

اس خاموش اور مسحور کن دنیا میں مقیم ہوں اور ہر طرف سے بے فکر ہو کر آرام کر رہا ہوں اور یہیں میں اپنا بوجھل دم، جو جام کی طرح لبریز ہے، اٹھا کر صفحہ قرطاس پر انڈیل رہا ہوں اور آخری قطرے تک خالی کر رہا ہوں۔

اب دنیا میری کہانی سے واقف ہو جائے گی۔

میں مر چکا ہوں۔ پھر بھی زندہ ہوں۔ آپ پوچھیں گے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میرے دوستو! ایک بات کہوں؟ برا تو نہیں منائیں گے آپ؟ اگر آپ اپنے انتقال کئے ہوئے عزیزوں سے یقینی طور پر چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو انہیں جلا دیجئے ورنہ کوئی اور نہیں کہہ سکتا کیا ہو۔ مردے کو جلانا بہترین طریقہ ہے۔ مرے ہوئے عزیز سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا پانے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے۔ یعنی میت سوزی۔ بے حد صاف ستھرا اور محفوظ طریقہ ہے۔ میں مرحوم مغفور، اپنی زندگی کے صرف ایک مختصر برس کے واقعات قلمبند کر رہا ہوں۔ ایک مختصر سا سال جس میں عمر بھر کے دکھ درد اور اذیتیں سمائی ہوئی ہیں۔ ایک چھوٹا سا برس، وقت کے خنجر کا ایک صرف ایک تیز دھار، لیکن یہ دھار میرا دل چیر گیا اور یہ زخم اب تک کھلا ہے اور اس سے خون رس رہا ہے اور اس رستے ہوئے خون کا ہر قطرہ زہریلا اور فاسد ہے۔

وہ بیماری یا مصیبت جو اس دنیا میں تقریباً عام ہے اور اس میں زیادہ تر انسان مبتلا ہیں۔ میں اس سے قطعی واقف نہ تھا..... میری مراد غربت اور افلاس سے ہے۔ میں امیر پیدا ہوا تھا۔ بقول کسی کے منہ میں سونے کا چمچہ لئے پیدا ہوا تھا۔ میرے والد کونٹ تھے۔ کونٹ فلیورومانی۔ جب ان کا انتقال ہوا تو اس وقت میری عمر صرف سترہ سال کی تھی اور میں ان کی تنہا اولاد تھا۔ چنانچہ اس کچی عمر میں اپنے والد کے گزر جانے کی وجہ سے میں ان کی بے پناہ دولت اور ان کی خوب صورت اور عظیم الشان حویلی کا بلاشریک فیئر تنہا مالک بن گیا، جب ایسا ہوا تو میرے بہت سے دوستوں اور والد صاحب کے مخلص دوستوں نے میرے مستقبل کے متعلق بہت بڑی بڑی اور فکر انگیز پیشین گوئیاں کیں۔ چند بزرگ اور محترم ہستیاں ایسی بھی تھیں جو مارے حسد اور کینہ توزی کے میری جسمانی اور دماغی تباہی کی متوقع تھیں۔

یہ وہ لوگ تھے جنہیں نہ صرف یقین تھا بلکہ وہ اس کے منتظر بھی تھے۔ اب میں بھٹک جاؤں گا۔ غلط راہ پر چل پڑوں گا۔ اور بہت جلد تباہ و برباد ہو کر بھیک مانگنے لگوں گا۔ پاگل ہو کر خودکشی کر لوں گا۔ یہ لوگ دنیا دیکھے ہوئے تھے۔ وہ تھے جن کا وقار تھا۔ عزت تھی اور جن کی باتوں میں وزن ہوتا تھا۔ جن سے لوگ مشورہ طلب کرتے تھے۔ چنانچہ میرے متعلق بھی انہوں نے جو پیشگوئی کی تھی۔ اپنے سفید سر ہلا کر جس آنے والے

خطرے کا اظہار کیا تھا۔ اس میں بھی ایک ایسا تھا چنانچہ ایک مدت تک میں ان کے بظاہر ہمدردانہ لیکن اصل میں حاسدانہ اور کینہ درانہ الفاظ کا ہدف بنا رہا تھا۔ ان بزرگوں کے اندازے کے مطابق میرے لئے جواری، فضول خرچ، شرزنی اور بدمعاش بننا مقدر ہو چکا تھا۔

لیکن حیرت ہے کہ میں ان میں سے کچھ بھی نہ بنا۔ حالانکہ میں نیو یولین ہوں اور میری رگوں میں بھی خاندان کا گرم اور آتشی جذبات سے بھرپور خون گردش کر رہا ہے۔ لیکن مجھے ہمیشہ اوچھے پن بے ہودگیوں اور نچلے طبقے کے ساتھیوں اور بدمعاشیوں سے نفرت رہی ہے۔ جو میرے نزدیک ایک بدحواسانہ حماقت ہے۔ شراب، صحت اور عقل کے لئے مضر اور عیاشی اور فضول خرچی میرے نزدیک غریبوں پر ظلم کرنا ہے۔ چنانچہ اپنی زندگی گزارنے کا اپنا راستہ خود میں نے چنا۔ میں نے اپنی زندگی کو اس ڈگر پر ڈال دیا جو سادگی عیش و عشرت کی درمیانی ڈگر تھی میں نہ تو عیاشیانہ زندگی گزار رہا تھا..... اور نہ ہی بے حد سادہ۔ نہ میں دونوں ہاتھوں سے دولت لٹا رہا تھا اور نہ ہی کنجوسی کر رہا تھا۔ گھر کا سکون اور دولت کی فراوانی چنانچہ بے فکری اور لوگوں سے میل ملاپ چنانچہ سماجی زندگی تھی۔ یوں میں زندگی گزار رہا تھا۔ ایک ایسی زندگی اور ہر سو ایک ایسی روش جس سے نہ تو میرے جسم کو اور نہ ہی میرے دماغ کو کوئی نقصان پہنچ رہا تھا۔

میں اپنے والد کی حویلی میں رہتا تھا۔ حویلی کیا تھی سفید سنگ مرمر کا ایک چھوٹا موٹا محل تھا۔ جو خلیج نیپلز کے کنارے ایک سرسبز و شاداب ٹیلے پر واقع تھا۔ یہ سرسبز بلندی میری عیش گاہ اور میری جنت تھی جس میں مہندی کی جھاڑیاں اور نارنگی کے پیڑ تھے۔ جہاں سیکڑوں بلبلیں محبت کے نغمے الاپتی تھیں اور چکور سنہری چاند سے محبت کرتا تھا۔ جہاں فواروں کا پانی بلند ہو کر مختلف پھولوں کی شکلوں میں بنی ہوئی سنگ مرمر کے حوضوں میں سامعہ نواز آواز کے ساتھ گرتا تھا۔ اور ان فواروں کی پھوار موسم گرما کی گرم ہواؤں کو خشک کرتی تھیں اور ان خاموشی اور سنسان پہروں میں نغمے بکھیرتی تھی۔

اس جنت میں چند برسوں تک میں سکون سے رہا۔ یہ میری زندگی کے خوشگوار سال تھے۔ میں کتابیں پڑھتا۔ مشہور مصوروں کی تصویریں دیکھتا اور تصویریں بناتا۔ کبھی کبھی میرے دوست مجھ سے ملنے آجاتے اور چند گھنٹے ان کے ساتھ گزر جاتے۔ یہ سب کے سب تقریباً میرے ہم عمر تھے جن کا مزاج اور ذوق مجھ سے ملتا جلتا تھا۔

رہیں صنف نازک تو میں ان سے ملتا ہی نہ تھا اور اگر کبھی ملتا بھی تو بہت کم۔ سچ ہی کیوں نہ کہہ دوں کہ عورتوں کی صحبت مجھے پسند ہی نہ تھی اور میں حتیٰ الامکان ان سے بچتا ہی رہتا تھا۔ جن لڑکیوں کی عمریں شادی بیاہ کے قابل ہو گئی تھیں ان کے والدین مجھے اپنے گھر مدعو کرتے تھے کبھی چائے پر اور کبھی کھانے پر لیکن میں ان دعوتوں میں جاتا نہ تھا جن کتابوں کا میں نے مطالعہ کیا تھا اور جو زیر مطالعہ تھیں ان میں کئی بہترین کتابوں نے مجھے عورت ذات سے خبردار کر دیا تھا اور ان سے بچتے رہنے کی گویا سخت تاکید کی تھی۔

چنانچہ یوں ہوا کہ میرے اس رجحان نے یعنی صنف نازک سے بچنے کی عادت نے مجھے نقل محفل بنا دیا۔ میرے بے تکلف دوست، جو عورتوں کے رسیا تھے، میرا مذاق اڑانے لگے اور میرے وہ دوست جو مجھ سے زیادہ بے تکلف نہ تھے وہ ذومعنی فقرے مجھ پر چست کرنے لگے اور اسے میری کمزوری کہنے لگے۔ لیکن میں نے ان باتوں کی پروانہ کی۔

اس زمانے میں مجھے پیار و محبت پر نہیں بلکہ دوستی پر بھروسا تھا خصوصاً اپنے ایک دوست پر وہ میرا جگری دوست تھا، میرا ہم پیالہ اور ہم نوالہ تھا، اتنا گہرا دوست تھا وہ میرا اور مجھے اس سے اتنا لگاؤ تھا کہ اگر اس وقت ضرورت پڑتی تو اس کی خاطر میں اپنی جان بھی خاموشی سے دے دیتا۔ اس کا نام..... جیدو فیراری..... تھا اور اکثر و بیشتر اس معاملہ میں..... یعنی عورتوں سے میرا دور رہنے اور انہیں ناپسند کرنے کے معاملے میں..... دوسروں کے ساتھ مل کر یہ جیدو فیراری بھی میرا مذاق

اڑایا۔ ''حیف ہے تم پر فابیو'' وہ کہتا ''ایسی زندگی بھی کوئی زندگی ہوتی ہے۔ میرے دوست؟ جب تک تم گرم، نرم، نم اور سرخ لبوں کا امرت نہیں پیتے تب تک تم لطف حیات سے واقف ہو ہی نہیں سکتے، جان ہی نہیں سکتے کہ زندگی کتنی حسین ہے۔ جب تک تم کنواری آنکھوں کی گہرائیوں میں نہ جھانکو گے تب تک روشن ستاروں کی سرگوشیاں نہ سن سکو گے۔ ملکوتی اور حقیقی خوشی سے تم اسی وقت واقف ہو گے جب تمہارے بازو ایک پتلی کمر کے گرد حمائل ہوں گے اور ایک دوسرا دل تمہارے دل کے ساتھ ساتھ اپنی دھڑکنیں ملا رہا ہوگا۔

اپنی ان کرم خوردہ کتابوں کو طلاق دے دو میرے دوست۔ یقین کرو یہ قنوطی فلاسفر سب کے سب مرد ہی ہیں ان کا خون پانی ہے چنانچہ ان لوگوں نے صنف نازک کے خلاف جو بکواس کی ہے وہ اصل میں انگور کھٹے ہیں والا معاملہ ہے۔ یعنی یہ خود ان فلاسفروں کا حسد اور ناکامیاں بول رہی ہیں۔ تم جانو دم کٹی لومڑی دوسری لومڑیوں کو دم کٹوا لینے کا ہی مشورہ دے گی۔

چنانچہ جو لوگ زندگی کی اس سب سے بڑی نعمت سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی اس سے محروم رہیں لیکن میرے دوست فابیو! تمہیں کیا ہوا ہے؟ جوان ہو، مرد ہو، خوش مذاق ہو، خوبصورت ہو، دولت مند ہو، آزاد ہو پھر کیوں تم زندگی کی اس سب سے بڑی نعمت سے محروم رہتے ہو؟ قدم رکھ دو محبت کی دنیا میں، میرے دوست۔''

جب میرا دوست یوں لیکچر جھاڑتا تو میں مسکراتا رہتا.....

بہر حال اس کی دلیلوں نے مجھے قائل اور باتوں نے متاثر نہ کیا..... تاہم مجھے اس کا بولنا پسند تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ گھنٹوں تک بولتا رہے اور میں سنتا رہوں کیونکہ اس کی آواز خوش الحان پرندے کی طرح رسیلی تھی اور انداز کسی بھی خطیب کے انداز سے زیادہ مسحور کن تھا۔ خدا جانتا ہے کہ مجھے اپنے اس دوست جیدو فیراری سے بے پناہ محبت تھی پرخلوص اور بے غرضانہ محبت۔ وہی معصوم انسیت اور لگاؤ جو مدرسہ میں پڑھنے والے بچے ایک دوسرے کے لئے محسوس کرتے ہیں لیکن جس کا تجربہ بڑی عمر کے لوگوں کو یا تو ہوتا ہی نہیں یا کبھی کبھار ہوتا ہے۔ اس کی دوستی اور ساتھ سے میں خوش رہتا اور اس کی صحبت سے مجھے بے حد روحانی سکون حاصل ہوتا تھا۔ غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ بظاہر میرا مخلص اور سچا دوست تھا اور میرے ساتھ بیٹھ کر وہ بھی بظاہر روحانی مسرت و سکون حاصل کرتا تھا ہمارا زیادہ تر وقت ساتھ ہی گزرتا تھا کیونکہ اس کے والدین بھی گزر گئے تھے اور میری طرح وہ بھی کم عمری میں ہی اس دنیا میں اکیلا رہ گیا تھا کہ اپنی زندگی کی راہ آپ ہی تلاش کرے اور اپنے ذوق کے مطابق زندگی جینا شروع کرے۔

چنانچہ اس نے مصوری کو اپنا پیشہ بنایا اور ہر چند کہ وہ ایک اچھا مصور تھا پھر بھی ایسا ہی غریب رہا جیسا کہ میں امیر تھا چنانچہ میں اس کی مدد مختلف طریقوں سے کرتا تھا کیونکہ میرے پاس دولت کی کوئی کمی نہ تھی۔ بے شک میں اس کی مدد کرتا تھا لیکن اس طرح کہ اس کی خود داری کو ٹھیس نہ پہنچے۔ یعنی میں اسے مختلف کام دلا دیتا تھا کہ میں اس کی مدد کر رہا ہوں اور ایسا میں اس لئے کر رہا ہوتا کہ اس کی شخصیت میں میرے لئے ایک عجیب کشش تھی، اس کا اور میرا ذوق ایک سا تھا، مزاج ایک سا تھا، پسند و ناپسند تقریباً ایک سی تھی..... مختصر یہ کہ میں اسے اپنے قریب رکھنا چاہتا تھا اور میں اس سے کچھ نہ چاہتا تھا سوائے اس کی دوستی کے اس کے خلوص کے اور اس کے اعتماد اور ساتھ کے۔

لیکن یہ عجیب واہیات دنیا ہے کہ یہاں کوئی سکھی نہیں رہ سکتا۔ غمی اور خوشی، سکھ اور دکھ، دھوپ چھاؤں ہیں گویا۔ آدمی کتنا ہی صاف دل اور مخلص کیوں نہ ہو اسے مستقل خوشی، اطمینان اور سکھ میسر نہیں مقدر یا قدرت ہمیں آرام و سکون میں اور خوش و خرم زیادہ عرصہ تک نہیں دیکھ سکتی۔ ایک معمولی سی چیز..... ایک نظر ایک بات ایک لمس اور پرانی دوستی کی مضبوط اور لمبی زنجیر ایک دم سے ٹوٹ جاتی ہے اور وہ خوشی جسے ہم پائیدار بلکہ

Pakistanipoint

دائمی سمجھے ہوئے تھے درہم برہم ہوجاتی ہے اور میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا جیسا کہ ہر ایک کے ساتھ جلد یا بدیر ہوتا ہے۔ وہ دن مجھے اچھی طرح سے یاد ہے۔

وہ ماہ مئی کی ایک گرم اور ایسی شام تھی جب کہ ہوا بند ہوتی ہے اور طبیعت گھبرانے لگتی ہے۔ ہاں وہ ایسی ہی شام تھی اور سن عیسوی تھا 1881 اور نیپلز میں تھا۔

میں اپنے بجرے میں خلیج کے پانیوں کی سیر کررہا تھا اور جتنی بھی ہوا تھی اس سے اپنے آپ کو فائدہ پہنچانے اور بدن پر سے بے چین و بے قرار کردینے والی گرمی اور گھبراہٹ کو جھاڑنے کی کوشش کررہا تھا۔ میرا دوست جیدو کسی خاص کام کے سلسلے میں چند ہفتوں کے لئے روم گیا ہوا تھا۔ چنانچہ میں اکیلا تھا اور جیدو کے بغیر تنہائی کا شدید احساس مجھے اداس و ملول کئے ہوئے تھا اور جب میرا بجرا بندرگاہ میں داخل ہوا تو اس آبی سیر کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا تھا اور اگر ہوا تھا تو یہ کہ میری طبیعت اور بھی زیادہ اداس ملول اور بے زار ہوگئی تھی۔ عجیب افسردگی طاری تھی مجھ پر، وہ چند ملاح جو گویا میرا عملہ تھے، خشکی پر قدم رکھتے ہی آزاد پرندوں کی طرح ہنستے اور چہچہاتے ادھر ادھر بکھر گئے وہ دل بہلانے کے لئے اپنے اپنے مخصوص اور پسندیدہ اڈوں کی طرف گئے یعنی شراب خانے، جوا خانے کی طرف لیکن میری طبیعت بجھی ہوئی تھی اور اسے بشاش کرنا آسان نہ تھا ہر چند کہ شہر میں میرے ملنے جلنے والے کم نہ تھے لیکن مجھے ان دلچسپیوں سے کوئی لگاؤ نہ تھا جو یہ لوگ میرے لئے مہیا کرسکتے تھے۔

بہرحال میں شہر کی مرکزی سڑک پر ہولیا اور اب میں سر جھکائے ٹیلے پر واقع اپنے گھر کی طرف آہستہ آہستہ جارہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ پیدل چلا جائے یا کوئی سواری کرلی جائے ابھی میں نے زیادہ فاصلہ طے نہ کیا تھا کہ کہیں سے گانے کی آواز سنی سر اٹھا کر دیکھا تو دور سفید عباؤں کی جھلملاہٹ دکھائی دی۔ یہ مادر مسیح مقدس مریم کا مجسمہ تھا۔ چنانچہ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ مقدس کنواری کا جلوس تھا۔ کچھ تو کاہلی کی وجہ سے اور کچھ شوق تجسس سے میں ایک طرف کھڑا ہوکر جلوس کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

گانے کی آوازیں قریب سے قریب تر آتی چلی گئیں اور پھر جلوس نظر آیا۔

آگے سفید براق چغوں میں ملبوس پادری اور راہب تھے، گرجا کے خادم تھے جو سونے کے عودوان اپنے ہاتھوں سے لٹکائے ہوئے تھے اور انہیں آگے پیچھے جھلا رہے تھے اور ان میں عود و عنبر جل رہا تھا جس کا خوشبودار دھواں فضا میں بکھر کر پورے ماحول کو عجیب مقدس و متبرک بنا رہا تھا، اور پھر وہ معتقد تھے جو سلگتی ہوئی موم بتیاں اٹھائے ہوئے تھے اور سفید لباسوں میں ملبوس اور چہروں پر باریک نقاب ڈالے ہوئے معصوم بچیاں اور لڑکیاں تھیں۔ مقدس رنگوں تقدس اور روشنیوں کا ایک اثر انگیز طوفان سا تھا جو میرے سامنے سے گزر رہا تھا اور اس میں سے ایک چہرہ سب سے الگ نظر آتا تھا ایک بے حد معصوم اور حسین چہرہ جو سرخ زلفوں کے درمیان یوں چمک رہا تھا جیسے سرخ بادلوں میں تازہ گلابی رنگت اور اس پر بچوں کی سی معصومیت، خوبصورتی کا مکمل ترین نمونہ و بے حد خوب صورت، پہاڑی جھیل کی سی اور شفاف کالی آنکھیں، چھوٹا سا دہن جس پر ہر دم ملکوتی تبسم کھلا رہتا تھا جو اچھے اچھے زاہدوں کے حواس گم کردے میں بت بنا، مسحور کھڑا اس حسینہ کو دیکھتا رہا حسن کس قدر بے وقوف بناتا ہے ہم لوگوں کو عورت..... صنف نازک..... جنس مخالف..... جو شروع سے ہی میرے لئے بے اعتبار مخلوق رہی ہے، جس پر میں نے کبھی بھروسا نہیں کیا اور جس سے میں ہمیشہ بیزار رہا ہوں۔

اس حسینہ پر شباب اپنی تمام تر فتنہ سامانیوں کے ساتھ ٹوٹ کر آیا تھا اور اس کی عمر پندرہ یا سولہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس کی نقاب چہرے پر سے اٹھی ہوئی تھی۔ خدا جانے ہوا نے الٹ دی تھی یا خود اس حسینہ نے قصداً الٹ رکھی تھی اور ایک لمحے کے لئے ان آنکھوں میں میں غرق ہوگیا، حسینہ کی مسکراہٹ نے مجھ پر سحر کردیا..... اور پھر جلوس آگے بڑھ گیا..... سحر ٹوٹ گیا..... لیکن بہتے ہوئے وقت کے اس ایک لمحے میں

میری زندگی کا ایک باب ختم ہوگیا، ہمیشہ کے لئے اور دوسرا باب شروع ہوگیا۔

بے شک میں نے اس لڑکی سے شادی کرلی ہم نیو پولین لوگ ایسے معاملات میں دیر نہیں کرتے۔ مصلحت اندیشہ سے ہم واقف نہیں ہیں نہ ہی محتاط ہیں جلد بازی ہماری فطرت ہے۔ انگلستانیوں کی رگوں میں دوڑتا ہوا خون ٹھنڈا ہوتا ہے اور آرام وسکون سے بہتا ہے لیکن ہمارا خون گرم ہوتا ہے اور صحیح معنوں میں رگوں میں دوڑتا ہے، تیزی سے دوڑتا ہے۔ جی ہاں۔ ہمارا خون گرم ہوتا ہے، شراب کی طرح اور صبح کی دھوپ کی طرح اور اس میں ہیجان پیدا کرنے کے لئے کسی بیرونی یا مصنوعی تحریک کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہم راغب ہوتے ہیں پیار کرتے ہیں اور پھر حاصل کرلیتے ہیں اور پھر......؟

لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم بیزار ہوجاتے ہیں؟ یہ جنونی قوم اس قدر متلون مزاج ہوتی ہے...... جی نہیں یہ غلط ہے ہم لوگ نہ تو مردہ دل ہیں، نہ بیزار اور نہ ہی متلون مزاج۔ لیکن بات یہ ہے کہ آپ لوگ احتیاط سے کام لیتے ہیں، اپنی بیزاری کا اظہار نہیں کرتے اور جو کچھ کرنا ہوتا ہے چپ چاپ کئے جاتے ہیں اور شریف کے شریف بنے رہتے ہیں ایک اچھا شوہر، ایک اچھا باپ اور خاندان کے عربی بنے رہتے ہیں۔

ہماری محبت اور کورٹ شپ کی داستان یہاں بیان کرنا میں ضروری نہیں سمجھتا یہ زمانہ مختصر تھا اور اس گیت کی طرح وجد آفریں جو مہارت اور استادی سے گایا جائے۔ ہماری راہ میں کسی قسم کی رکاوٹیں نہ تھیں۔ نہ سماجی اور نہ مذہبی لڑکی...... میری محبوبہ...... فلورنس جو ایک بگڑے رئیس کی بیٹی تھی جس نے جوئے کی لت میں اپنے آپ کو تباہ کرلیا تھا چنانچہ اس کی بیٹی کی پرورش اس کانوینٹ میں ہوئی جو ذہنی اور اخلاقی تربیت کے معاملے میں بے حد سخت تھا۔ لڑکی کے باپ نے اپنی آنکھوں میں ندامت کے آنسو لے کر بھرائی ہوئی آواز میں مجھے بتایا کہ ”اس کی بیٹی...... مادر مقدس مریم...... کی قربان گاہ پر اور اس کے قدموں میں رکھے ہوئے پھولوں کی طرح معصوم اور پاک ہے۔“

اور میں نے بڑے میاں کی بات کا یقین کرلیا کیونکہ وہ خوب صورت نظریں جھکا کر چلنے اور بے حد نیچی آواز میں بولنے والی دوشیزہ ایسی ہی ہوسکتی تھی۔ یعنی معصوم جس پر برائی کا سایہ تک نہ پڑا ہو۔ اور یہ خوب صورت اور بے داغ کنول میں اپنے تاج میں لگا کر اس پر فخر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے باپ نے بڑی خوشی سے میرا پیغام قبول کرکے بلا جھجک اپنی بیٹی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔ بلاشبہ بڑے میاں نے دل ہی دل میں اپنے آپ کو مبارک باد دی ہوگی کہ ان کی بیٹی ایسے امیر کی بیوی بنی اور ایسے دولت مند گھر میں گئی اور یہ کہ انہیں جہیز نہ دینا پڑا۔

جون کے آخر میں ہماری شادی ہوگئی اور میرے دوست جیدو فیراری نے اپنی موجودگی اور باتوں سے ہماری خوشیوں میں اضافہ کردیا۔

”شراب و شباب کے دیوتا باخوس کی قسم۔“ جب نکاح ہوچکا تو جیدو نے مجھ سے کہا۔ ”فابیو! میری نصیحتوں سے تمہیں زبردست فائدہ ہوا ہے۔ بظاہر خاموش رہنے والا بدمعاش اکثر و بیشتر چالاک اور عیار ثابت ہوتا ہے تمہاری مثال سامنے ہے۔ خدا کی قسم تم نے حسن کی دیوی وینس کے صندوقچے میں سے بہترین موتی چرالیا ہے۔ سسلی کی حسین ترین دوشیزہ سے تم نے شادی کی ہے میرے دوست۔“

میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر گرمجوشی سے دبایا تو میرے دل پر اداسی کا بادل سا چھا گیا کیونکہ اب وہ تنہا میرے پیار کا مالک نہ تھا بلکہ اس میں اب ایک اور ہستی بھی شریک ہوگئی تھی...... اس کا مجھے افسوس تھا...... شادی کی صبح ہی میں نے گزرے ہوئے زمانہ کو یاد کیا...... یاد کیا کیا خود بخود یاد آ گیا۔ گزرا ہوا زمانہ جو ابھی کل تک گزرا ہوا نہ تھا۔ اور اس خیال سے میں نے ایک ٹھنڈا سانس لیا کہ وہ دور اب ختم ہوا۔ وہ دن اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گزر گئے اور تب میں نے اپنی بیوی نینا کی طرف دیکھ اور ساری اداسی دور

ہوگئی۔ اس کی خوب صورتی نے چکا چوند پیدا کردی اور اس کا وجود میرے وجود پر حاوی ہوگیا۔ اس کی بڑی بڑی، خوب صورت آنکھوں کا سحر میری رگوں میں سرایت کرگیا اور پھر میرے حواس گم تھے، میرا قیاس گم تھا اور میری نظر کے آس پاس سب گم تھا اور دنیا میں کچھ نہ تھا سوائے نینا کے، میری نینا کے۔ میں کائنات کی ان بلندیوں پر تھا جہاں کچھ نہ تھا سوائے محبت کے اور جہاں محبت ہی زندگی کی اور تخلیق کائنات کی بنیاد تھی۔

میں مسرتوں اور شادمانیوں کی بلند چوٹیوں کو چھو رہا تھا۔ دن جیسے اس دنیا سے الگ، پرستان میں گزر رہے تھے اور راتیں حسین اور مستیوں بھرے خوابوں میں۔ نہیں میں نہ اکتا رہا تھا، نہ بیزار ہو رہا تھا اور نہ ہی مجھے کسی بات میں یکسانیت محسوس ہوتی تھی۔ میری زندگی زندگی نہ تھی بلکہ یاسمین کے پھولوں کا ایک سہانا خواب تھی۔ میری بیوی کا حسن مجھ پر کبھی بے کیفی طاری نہ کر رہا تھا، اس کا حسن ماند نہ پڑ رہا تھا بلکہ اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ نینا، میری بیوی، دن بہ دن زیادہ سے زیادہ حسین ہوتی جارہی تھی، ہر گزرتا ہوا دن اس کے حسن کو جلا دے رہا تھا۔ میں نے اسے ہر دم دلکش ہی پایا۔

سچ تو یہ ہے کہ میں اس کی پوجا کرتا تھا اور چند مہینوں میں ہی وہ خود میری روح کی گہرائیوں میں اتر کر میری فطرت اور کمزوریوں سے واقف ہوچکی تھی، اس نے معلوم کرلیا کہ اس کی ایک پیار بھری نظر مجھے دیوانہ بنا دیتی تھی، مجھ پر بے خودی طاری کردیتی تھی، میں سب کچھ بھول کر بے اختیار اس کی طرف کھنچ جاتا تھا۔ اسے پتہ چل چکا تھا کہ میں اس کا بے دام اور جان نثار غلام بن گیا تھا۔ وہ میری کمزوریوں کو اپنی قوتوں اور اختیارات سے ناپ لیتی تھی۔ وہ جانتی تھی۔ وہ کیا نہیں جانتی تھی؟ وہ سب کچھ جانتی تھی۔ وہ بڑی ہوشیار، بڑی چالاک تھی۔ وہ ساحرہ تھی۔

ہائے! ان احمقانہ یادوں سے میں اپنے آپ کو اب اذیت پہنچا رہا ہوں۔ ہر وہ مرد جس کی عمر بیس برس سے تجاوز کرچکی ہے۔ عورت کی عیاریوں سے تریا چلتر سے واقف ہی ہوگا۔ عورت حسین اور شوخ ساحرہ جو قوی ترین سورما کی قوت ارادی کو توڑ دیتی ہے اور اس کی طاقت کو سلب کرلیتی ہے۔

وہ پیار کرتی تھی مجھ سے؟ بے شک، میں تو یہی سمجھتا تھا۔ ان دنوں پراب میں گھوم کر نظر کرتا ہوں تو میں بلا جھجک کہہ سکتا ہوں کہ ہاں وہ مجھ سے محبت کرتی تھی جیسی کہ ہزار میں نے نو سو بیویاں اپنے شوہروں سے کرتی ہیں۔ یعنی ان چیزوں کی خاطر جو وہ اپنے شوہروں سے حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ انہیں اپنے شوہروں سے پیار نہیں ہوتا بلکہ ان کے اثاثے سے ہوتا ہے۔ میں نے نینا کی ہر خواہش پوری کی، کسی بات سے اس کے دل پر بال نہیں آنے دیا، کسی بات سے انکار نہ کیا، اگر میں نے اس کی پوجا کی، اگر میں نے اسے خاک سے اٹھا کر پاک کیا، تو نینا کا اس میں کوئی قصور نہ تھا بلکہ یہ میری حماقت تھی۔ ہمارے گھر کے دروازے کھلے رہتے تھے۔

چنانچہ ہمارا ویلا نیپلز اور اس کے آس پاس بستے ہوئے خاندانوں کے لئے مقام ملاقات بنا ہوا تھا۔ اور یہ دولت مند اور مشہور خاندان تھے اور اعلیٰ سوسائٹی سے تعلق رکھتے تھے جو میرے یہاں آتے تھے۔

میری بیوی کے حسن کے چرچے عام تھے۔ اس کا خوب صورت چہرہ اور اس کے اخلاق اور اس کی ملنساری شہر اور مضافات میں گفتگو کا موضوع بنی ہوئی تھی۔ میرا دوست جیدو فیراری ان لوگوں میں سے تھا جو نینا کی مدح سرائی میں بلند بانگ تھے اور جیدو جس بے دھڑک پن سے اور جس بے تکلفی سے نینا کے حسن کی تعریف کرتا تھا اس کی وجہ سے وہ مجھے اور بھی عزیز ہوگیا تھا۔ میں اسے اپنا بھائی سمجھنے لگا تھا اور اس پر مجھے اتنا اعتبار تھا کہ کسی کو اپنے حقیقی بھائی پر بھی نہ ہوگا۔ وہ جب چاہتا بے تکلفی سے میرے یہاں چلا آتا اور جب چاہتا اٹھ کر چلا جاتا۔ اس کے لئے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ وہ نینا کے لئے تحفے تحائف لایا کرتا تھا۔ کبھی پھول اور کبھی ایسے زیورات جو نینا کے ذوق اور پسند کے مطابق ہوتے تھے۔ نینا کے ساتھ اس کا سلوک برادرانہ اور

Pakistanipoint

پاکیزہ تھا اور وہ اس سے بے تکلف تھا اور میں نے اپنی مسرتوں اور سکھ کو مکمل سمجھ لیا تھا۔ خوبصورت بیوی کا پیار، بہت سی دولت اور ایک جان نثار، مخلص دوست اور اچھے دوست کی دوستی۔ ایک شخص کو اس سے زیادہ کیا چاہئے۔

اور پھر میری مسرت کو مکمل کرنے کے لئے ایک بات اور ہوئی سن عیسوی 1882 کے ماہ مئی کی پہلی ہی صبح کو ہمارے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا..... ایک گل گوتھنی لڑکی..... شفائق النعمان کی طرح خوبصورت اور پیاری..... میں جیدو کے ساتھ برآمدے میں بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا کہ اس نوزائیدہ ہستی کو میرے پاس لایا گیا..... جسے کشمیری شال میں احتیاط سے لپیٹا گیا تھا۔ اس نازک اور کمزور جان کو میں نے اپنے پیار بھرے ہاتھوں سے اٹھایا اور اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور اس کی آنکھیں نینا کی آنکھوں کی طرح بڑی بڑی اور خوبصورت تھیں۔

میں نے اس ننھے چہرے کو چوم لیا۔ میرے دوست جیدو نے بھی ایسا ہی کیا اور وہ شفاف اور خوبصورت آنکھیں مجھے اور جیدو کو جیسے حیرت تجسس اور مسرت سے دیکھنے لگیں۔ یاسمین کے کنج میں بیٹھا ہوا کوئی پرندہ نغمہ سرائی کرنے لگا اور ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اس نے سفید گلاب کی پنکھڑیاں توڑ کر ہمارے قدموں میں ڈال دیں۔ میں نے بچی کو منتظر کھڑی ہوئی نرس کے سپرد کر دیا اور مسکرا کر کہا۔

''میری بیوی سے کہنا کہ ہم نے اس کے ماہ مئی میں کھلے ہوئے شگوفے کو خوش آمدید کہا ہے۔''

ملازمہ بچی کو لے کر چلی گئی تو جیدو نے آہستہ سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور تب میں نے دیکھا۔ لیکن اس کی طرف دھیان نہ دیا، کہ اس کا چہرہ اس وقت غیر معمولی طور پر زرد ہو رہا تھا۔

''فابیو! تم بہت اچھے آدمی ہو۔'' اس نے ایک دم سے کہا۔

''اچھا! وہ کیسے؟'' میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح ہی ہوں۔''

''نہیں، تم دوسرے لوگوں کی طرح شکی مزاج نہیں ہو۔'' اس نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

اور پھر اس نے میری طرف منہ پھیر لیا اور اس بیل کے پتے توڑنے لگا جو برآمدے کے ستون سے لپٹی ہوئی تھی۔

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا جیدو؟ کسی پر شک کرنے کی کوئی وجہ ہے؟''

اب وہ ہنسا اور واپس ناشتے کی میز کی طرف گھوم گیا۔

''ارے نہیں۔'' وہ بولا۔ ''لیکن نیپلز میں فضا شکوک سے بوجھل ہے۔ حد کا خنجر۔ بجا طور پر یا بے جا طور پر..... وار کرنے کے لئے ہر دم تیار ہے حتیٰ کہ بچوں کی زبانیں تک برائیاں اگل رہی ہیں۔ اعتراف گناہ ان پادریوں کے سامنے کیا جاتا ہے جو خود بڑے گنہگار بلکہ شیطان ہیں اور ایسی سوسائٹی میں جہاں ازدواجی وفاداری ایک فارس، ایک ناٹک بنی ہوئی ہے۔'' وہ ایک دم سے خاموش ہو گیا اور چند ثانیوں کے توقف کے بعد بولا۔ ''ایسے ماحول اور ایسی دنیا میں، فابیو، تم جیسے آدمی کا ہونا حیرت انگیز بات نہیں ہے؟ فابیو! تم سچ مچ فرشتہ ہو کہ گھر کے ماحول اور گھر والوں کی محبت سے خوش اور مطمئن ہو اور تمہارے اعتبار پر شک کا ذرا سا سایہ تک نہیں۔''

''لیکن شک کرنے کی کوئی وجہ ہے نہیں میرے پاس۔ میری بیوی نینا اس بچی کی طرح ہی معصوم ہے جس کو آج اس نے جنم دیا ہے۔''

''سچ کہتے ہو۔'' جیدو نے اچھل کر کہا۔ ''بالکل سچ کہتے ہو۔'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور مسکرایا۔ ''کوہ ہلانک کی چوٹی پر جمی ہوئی کنواری برف کی طرف بے داغ اور پاک، خالص اور بے عیب موتی سے زیادہ پاک دامن اور آسمان میں روشن سفید ترین تارے کی طرح قابل رسائی..... سچ کہا نا میں نے فابیو؟''

میں نے بے حد سنجیدگی سے اور کچھ سوچتے ہوئے سر ہلا دیا۔ جیدو کی باتیں کچھ عجیب سی معلوم ہوتی تھیں، اس کی خوشی اور اطمینان میں اور انداز میں کوئی خاص بات تھی۔ جس نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔

بہر حال جلد ہی ہم ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے اور یہ معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ اور میں نے اس پر غور نہ کیا اور اسے بھول بھال گیا لیکن پھر وہ وقت آیا..... اور بہت جلد آ گیا وہ وقت..... جب مجھے جیدو کا کہا ہوا ایک ایک لفظ یاد آ گیا اور میرا دل پتھر ہوگیا اور..... لیکن یہ سب باتیں اپنے وقت پر۔

☆.....☆.....☆

سبھی جانتے ہیں کہ نیپلز میں 1884 کا سال اور اس سال کا موسم گرما کیسا گزرا۔ یہاں موت نے جو تانڈو رقص کیا تھا اور جو تباہی مچائی تھی اس کی تفصیلات سے ساری دنیا کے اخبارات بھرے پڑے تھے۔ طاعون ہلاک کردینے والے عفریت کی طرح آزاد گھوم رہا تھا اور اس کے لمس سے بے شمار آدمی..... جوان اور بوڑھے، امیر اور غریب..... سڑکوں پر ٹپ سے گر کر مر جاتے تھے۔ آئے دن لوگ مر رہے تھے، صفائی کا کوئی انتظام نہ تھا، فضا میں تعفن تھا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ لوگوں میں خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا اور ان کی سمجھ بوجھ رخصت ہوگئی تھی اور وہ دیوانے ہوگئے تھے شاہ ہومبرٹ کے ''یادگار کارنامے'' امیر اور رئیسوں کے لئے تھے لیکن نچلے طبقے میں، غربا میں اور عوام میں بے پناہ خوف، بے بنیاد توہمات اور خود غرضی کا دور دورہ تھا۔

صرف ایک واقعہ بیان کر رہا ہوں جس سے قارئین کی سمجھ میں آ جائے گا کہ کیسا نفسا نفسی کا عالم تھا۔

ایک ماہی گیر، جو جوان اور خاصا قبول صورت تھا، اپنی کشتی میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ اس پر طاعون نے ہلہ بول دیا۔ اس جان لیوا وبا کی ابتدائی علامتیں ظاہر ہوئیں تو لوگ اسے اٹھا کر اس کی ماں کے گھر لے گئے۔ بڑھیا گھر کے دروازے میں کھڑی اس چھوٹے سے جلوس کو آتے دیکھ رہی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ لوگ کیا اور اس کو اٹھا لا رہے ہیں تو اس نے فوراً دروازہ بند کر کے اندر سے زنجیر چڑھا دی۔

''باپ رے باپ۔'' اس نے کھڑکی کے پٹ ذرا سے کھول کر..... ان میں سے جھانکتے ہوئے چیخ کر کہا۔ ''ارے اسے یہاں نہ لاؤ۔ باہر ہی سڑک پر ڈال کر چلے جاؤ نہیں تو یہ موا اپنی ایماندار اور محنت کرنے والی ماں کو بھی وبا میں مبتلا کردے گا۔ ارے میں کہتی ہوں کہ رکھ دو اسے باہر ہی۔''

اس بدبخت چڑیل کو سمجھانا فضول تھا اور خوش قسمتی سے اس کا بیٹا بے ہوش تھا اور اپنی خود غرض ماں کی باتیں سن نہ رہا تھا ورنہ اس غریب کے دل پر خدا جانے کیا گزرتی..... بہر حال لوگوں نے اسے گھر کے دروازے کے سامنے ڈال دیا، وہیں پڑے پڑے وہ مر گیا اور بعد میں اس کی لاش کو ''بیکا مورتی'' (صفائی کرنے والے) کوڑا کرکٹ کی طرح لاری میں ڈال کر لے گئے۔

گرمی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، آسمان سلگتا ہوا گنبد بنا ہوا تھا اور خلیج کا ٹھہرا ہوا پانی یوں معلوم ہوتا تھا جیسے شیشے کی چادر ہو۔ آتش فشاں کوہ ویسیویس کے دہانے سے نکلتی ہوئی دھوئیں کی ہلکی سی لکیر اس آگ بھرے ماحول کی خوفناکی میں اضافہ کر رہی تھی۔ ماحول پر موت کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کہیں کوئی پرندہ نہ چہچہاتا تھا..... البتہ جب شام ہوتی تو میرے باغ میں بلبلیں بولنے لگتیں لیکن ان کا نغمہ شادمانی کے بجائے غم ہی معلوم ہوتا بلکہ حقیقت میں نغمہ غم ہی ہوتا۔

میں بتا چکا ہوں کہ میرا گھر بلندی پر تھا اور یہ ٹیلا جنگلات سے پر تھا اور پھر میرا اپنا باغ بھی تھا۔ چنانچہ یہاں نشیب کے مقابلے میں ٹھنڈک تھی اس کے علاوہ میں نے وبا کو یہاں سے دور رکھنے کے لئے تمام احتیاطی تدابیر کر لی تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر میں یہ نہ جانتا ہوتا کہ وبائی خطے سے افراتفری میں بھاگنے کا نتیجہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ بھاگنے والے پر وبا کا اثر فوری طور پر ہو جاتا ہے۔ تو میں نیپلز اور گھر بار چھوڑ گیا ہوتا۔ پھر یہ بات بھی

تھی کہ میری بیوی ذرا بھی پریشان اور خوفزدہ نہ تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر وہ عورت جو بہت زیادہ خوب صورت ہو، گھبرانا اور پریشان ہونا جانتی ہی نہیں۔ ان کا تکبر اور ان کی خود بینی ہر وبا اور مصیبت کے سامنے عمدہ ڈھال بن جاتی ہے، خوف اور خطرہ ان کے قریب پھٹکتا تک نہیں۔ یہ خود اعتمادی حماقت ہی سہی، یہ بے پروائی خطرناک سہی لیکن اس سے ان کی زندگی اور اس کی دلچسپیاں بہرحال بنی رہتی ہیں۔ رہی ہماری بٹی اسٹیلا، جواب دو برس کی ہو چکی تھی اور کچھ کچھ چلنے لگی تھی تو وہ بے حد تندرست بچی تھی اور مجھے اور نینا کو اس کی طرف سے کوئی فکر و تشویش نہ تھی۔

جیدو فیراری بھی آ کر ہمارے ساتھ رہنے لگا اور جب کہ شہر میں طاعون نے موت کا بازار گرم کر رکھا اور یہ وبا سینکڑوں کی تعداد میں نشیب میں رہنے والے غریب اور متوسط طبقے کے لوگوں کو اس دنیا سے اٹھا کر دوسری ان دیکھی دنیا میں پٹخ رہی تھی۔ ہم تینوں، یعنی میں، میری بیوی نینا اور میرا جگری دوست جیدو، بے فکری اور اطمینان کی زندگی گزار رہے تھے ہمیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ تھی خدمت گاروں کا چھوٹا سا قافلہ ہمارے ویلا میں خدمت کے لئے موجود تھا ہی اور پھر ان ملازموں میں سے کسی پر بھی اس وبا کا اثر نہ تھا کیونکہ انہیں شہر میں جانے کی اجازت نہ تھی۔ عمدہ اور لذیذ کھانے کھاتے، ابال کر ٹھنڈا کیا ہوا پانی پیتے، بلا ناغہ نہاتے، صبح جلد بیدار ہوتے اور جلد ہی سو جاتے اور مزے سے جی رہے تھے اور مکمل صحت کے مزے لے رہے تھے۔

میری بیوی کو خدا نے سنسنی خیز حسن کے ساتھ بے حد شیریں اور سریلی آواز بھی دی تھی۔ چنانچہ اکثر و بیشتر رات کے کھانے سے فارغ ہو کر جب ننھی اسٹیلا سو جاتی تو میں اور جیدو باغ میں بیٹھ کر سگریٹ سے لطف اندوز ہوتے تو اس وقت نینا اپنی سریلی اور شیریں آواز کا جادو جگاتی اور ایک کے بعد دوسرا گیت اس طرح گائے چلی جاتی کہ ہم پر وجد طاری ہو جاتا، ہوا ساکت ہو کر سننے لگتی اور کبھی کبھی جیدو نینا کا ساتھ دیتا اور اس کی مردانہ آواز نینا کی آواز کے ساتھ مل کر عجب سماں باندھ دیتی۔ وہ دونوں آوازیں میں آج بھی سن رہا ہوں۔ ان کا وہ گانا آج بھی میرے کانوں میں گونج کر میرا مضحکہ اڑا رہا ہے اور ''احمق۔ احمق'' کی گردان کر رہا ہے۔ ہوا کے جھونکے نارنگی اور حنا کے شگوفوں کی خوشبو لا رہے ہیں، گہرے نیلے اور تاروں بھرے آسمان میں پورا چاند مفلس کی جوانی اور بیوہ کے شباب کی طرح زرد زرد روشن ہے اور میں اب بھی دو چہروں کو ایک دوسرے کے بہت قریب، سر سے سر جوڑے، ایک عالم بے خودی میں گیت گاتے دیکھ رہا ہوں۔ ان میں ایک شفق رنگ گویا چہرہ میری بیوی کا ہے اور دوسرا گہری رنگت کا چہرہ میرے دوست جیدو کا ہے.....

میری بیوی اور میرا دوست جن کو میں نے اپنی جان سے زیادہ چاہا..... وہ دو ہستیاں جو مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھیں، جن پر میں ہزار ہزار جان سے نثار ہونے کے لئے تیار تھا۔ ہائے کس قدر حسین اور خوشگوار دن تھے وہ..... ہاں خود فریبی کے دن ایسے ہی حسین اور خوش گوار ہوتے ہیں ان لوگوں کی باتیں ہمیں بری معلوم ہوتی ہیں اور ہم انہیں حاسد سمجھتے ہیں جو ہمیں خود فریبی کے اس خواب سے بیدار کرنے اور ہمیں خبردار کرنے کی کوشش کرتے ہیں..... لیکن یہی لوگ ہمارے سچے، مخلص اور حقیقی دوست ہوتے ہیں جنہیں ہم پہچانتے نہیں اور جب پہچانتے ہیں تو وقت گزر چکا ہوتا ہے ہم بازی ہار چکے ہوتے ہیں۔

نیپلز میں اس برس اگست کا مہینہ سب سے زیادہ قیامت خیز تھا۔ وبا اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اس کے باوجود اس کا زور برابر بڑھتا جا رہا تھا اور لوگ مارے خوف کے صحیح معنوں میں پاگل ہو رہے تھے۔ چند لوگ ایسے بھی تھے جن کو موت کے خوف نے باغی اور گنہگار بنا دیا یہ سوچ کر کہ اب چند دن ہی باقی رہ گئے ہیں اور یہ کہ پھر یہ زندگی نہ ملے گی چنانچہ اس سے جتنا بھی لطف اٹھا سکتے ہو اٹھا لو، یہ لوگ نتیجے کی پروا کئے بغیر بدترین گناہوں اور برائیوں پر اتر آئے بہت سے واقعات ہیں

کہاں تک بیان کروں چنانچہ اس قسم کے مایوسانہ عیش کوشی کا صرف ایک واقعہ میں یہاں بیان کرتا ہوں۔ یہ واقعہ شہر کے سب سے زیادہ بڑے اور مشہور ہوٹل میں ہوا۔

آٹھ جوان لڑکے، آٹھ جوان اور خوب صورت لڑکیوں کے ساتھ اس ہوٹل میں آئے اور ایک پرائیویٹ کمرہ طلب کیا جو انہیں فوراً دے دیا گیا۔ وہاں، اس کمرے میں، یہ آٹھ لڑکے اور آٹھ لڑکیاں داد عشق دیتے رہے۔ جب اس سے تھک گئے تو انہوں نے آخر میں، جام لبالب بھرے، ایک لڑکے نے اپنا جام بلند کر کے کہا۔ ''طاعون کی وبا کی کامیابی کے نام''..... اس کے ساتھیوں نے تالیوں اور خوشیوں کے نعروں کے ساتھ طاعون کی کامیابی کا جام پیا اور قہقہے لگائے۔

اسی رات یہ آٹھ لڑکے اور آٹھ لڑکیاں اذیت ناک موت مر گئے۔ حسب معمول ان کی لاشوں کو بوسیدہ تابوتوں میں بند کر دیا گیا اور ایک بہت بڑا گڑھا کھود کر ان سب کو..... ایک پر ایک تابوت رکھ کر..... ایک گڑھے میں دفن کر دیا گیا۔

ایسی افسردہ کن کہانیاں ہم روز سنتے تھے لیکن ان کا ہمارے دلوں پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا ہماری ننھی بچی اسمیلا اس وبا کے خلاف گویا زندہ تعویذ تھی۔ اس کا کھیلنا کودنا، ہنسنا اور اس کی بھولی بھالی باتیں ہمیں مصروف و متوجہ رکھتی تھیں اور ہم گویا جانتے ہی نہ تھے کہ نیچے، شہر میں موت کی درانتی تیزی سے چل رہی ہے اور زندگی کی ہری بھری کھیتی کاٹ رہی ہے۔

ایک صبح..... اور موسم گرما کی وہ سب سے زیادہ گرم صبح تھی..... میں معمول کے خلاف سویرے ہی بیدار ہو گیا۔ فضا میں حیرت بخش خنکی تھی اور روح افزا ہوا کے جھونکے چل رہے تھے چنانچہ میری طبیعت للچا گئی اور جی چاہا کہ باغ میں ذرا چہل قدمی کر لی جائے۔ میری بیوی میرے پہلو میں گہری اور بے خبر نیند سو رہی تھی چنانچہ میں آہستہ سے بستر میں سے نکل آیا اور چپکے چپکے کپڑے پہن لئے۔ میں کمرے سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ کسی اندرونی تحریک نے یا میری چھٹی حس نے مجھے گردن گھما کر اپنی بیوی کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا..... کس قدر حسین تھی وہ۔ نیند میں مسکرا رہی تھی وہ۔ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ پچھلے تین برسوں سے وہ میری تھی..... صرف میری..... اور ان تین برسوں میں اس سے میری محبت برابر بڑھتی رہی تھی۔ اس کے بالوں کی ایک سنہری لٹ اس کے خوب صورت ماتھے پر پڑی ہوئی تھی۔ میں نے آہستہ سے وہ ریشمی لٹ اٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگالی۔

اور اس کے سنہرے بالوں کو یوں چوم کر میں باہر آ گیا۔

اور تب میری قسمت پر مہر لگ گئی۔

تقدیر کے لکھے سے بے خبر میں اپنی بیوی کو سوتی چھوڑ کر گھر سے باہر آ گیا۔

میں باغ کی روش پر چل پڑا تو پھولوں کی خوشبو سے معمور ہوا کے ہلکے سے جھونکے نے میرا استقبال کیا۔ ہلکی ہلکی بہتی ہوا درختوں کے پتوں کو سرسرا رہی تھی اور رات کی استوائی گرمی کو پسپا کر رہی تھی۔ چنانچہ فضا مفرح تھی۔

اپنے خیالات میں گم چلتا رہا اور جب چونکا تو دیکھا کہ میں کچھ زیادہ ہی دور نکل آیا تھا اور ایک سونی پگڈنڈی کے سرے پر کھڑا ہوا تھا۔ یہ راستہ اتر کر بندر گاہ کی طرف چلا گیا تھا۔ کسی زمانے میں ہمارے گھر کے افراد اس راستے سے بندر گاہ تک جاتے تھے لیکن اب یہ راستہ ایک عرصے سے ویران اور غیر معروف اور اجاڑ پڑا ہوا تھا۔

لاشعوری طور پر میں اس سایہ دار اور ٹھنڈے راستے پر چل پڑا یہاں تک کہ مجھے درختوں کی ہری محراب کے پرے جہازوں کے مستول اور سفید سفید بادبان نظر آنے لگے۔ ''افوہ! اب واپس چلنا چاہئے۔'' میں نے اپنے آپ سے کہا۔

اور میں پلٹنے ہی والا تھا کہ ایک آواز سن کر چونکا۔ شدید تکلیف کی کراہ تھی ایک گھٹی ہوئی چیخ جیسے

اذیت میں مبتلا کسی جانور کے حلق سے نکلی ہو۔

میں آواز کی سمت گھوم گیا۔ گھاس پر ایک لڑکا اوندھے منہ پڑا ہوا تھا وہ ایک پھل فروش تھا جس کی عمر گیارہ برس رہی ہوگی پھلوں کا ٹوکرا اس کے قریب ہی پڑا ہوا تھا جس میں بیچ، انگور، انار اور خربوزے بھرے ہوئے تھے۔

بلاشبہ بے حد لذیذ اور رس بھرے لیکن طاعون کے دور میں اتنے ہی خطرناک پھل تھے یہ۔

میں نے جھک کر لڑکے کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''کیا تکلیف ہے تمہیں لڑکے؟'' میں نے پوچھا۔

لڑکے کو تشنج سا ہوا، اس کے منہ سے ایک بار پھر کراہ کی آواز نکلی اور اس نے سر گھما کر میری طرف دیکھا۔ خاصی پیاری صورت تھی اس کی لیکن چہرہ اذیت سے زرد ہو رہا تھا۔

''طاعون سینور، طاعون۔'' وہ کراہ کر بولا۔ ''خدا کے لئے مت چھوؤ مجھے، دور رہو مجھ سے..... میں مر رہا ہوں۔''

میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ بے شک مجھے اپنی جان کی پروا نہ تھی لیکن اپنی بیوی اور بچی کی خاطر احتیاط لازمی تھی لیکن مجھے یہ بھی گوارہ نہ تھا کہ اس بے چارے لڑکے کو یوں بے سہارا مرنے کے لئے چھوڑ جاتا۔ چنانچہ میں نے سوچا بلکہ فیصلہ ہی کرلیا کہ بندرگاہ تک جا کر اس پھل فروش کے لئے طبی امداد حاصل کرلوں۔

''ہمت رکھو لڑکے۔'' میں نے بشاشت سے کہا۔ ''مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کہ ہر بیماری طاعون نہیں ہوتی۔ تم خواہ مخواہ وہم میں مبتلا ہوگئے ہو تم یہیں لیٹے رہو۔ میں ڈاکٹر کو بلا کر آتا ہوں۔''

پھل فروش لڑکے نے حیرت اور تشکر سے میری طرف دیکھا اور مسکرانے کی کوشش کی۔ اس نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا اور بولنے کی کوشش کی لیکن اس سے کوئی آواز نہ نکلی اور ایک بار پھر وہ گھاس پر گر گیا اور اس جانور کی طرح گھاس پر تڑپنے لگا جس کو شکاری نے زخمی کر دیا ہو۔

میں اسے اسی حال میں چھوڑ کر تقریباً بھاگتا ہوا بندرگاہ کی طرف چلا۔

وہاں پہنچا تو گرمی شدت کی تھی۔ چند آدمی ایک طرف سہمے سہمے کھڑے تھے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے قریب پہنچ کر میں نے لڑکے کی حالت بیان کر کے مدد کی درخواست کی۔ میری بات سنتے ہی وہ لوگ مجھ سے دور ہٹ کر کھڑے ہوگئے۔ کوئی میرے ساتھ چلنے کو تیار نہ تھا۔ میں نے روپیہ دینے کا نہ صرف وعدہ کیا بلکہ مٹھی بھر کے سکے ان کی طرف بڑھا بھی دیئے لیکن سونے کا لالچ بھی انہیں میرے ساتھ چلنے کو تیار نہ کر سکا۔

ان کی بزدل سوچ پر ان کو صلواتیں سناتا میں کسی ڈاکٹر کی تلاش میں چل پڑا آخر کار مجھے ایک دبلا پتلا فرانسیسی شخص مل گیا۔ جس نے بڑے صبر و سکون سے میری بات سنی۔ چنانچہ میں نے پھل فروش کی حالت تفصیل سے بیان کر دی اور بتایا کہ میں اسے کس حال میں چھوڑ کر آیا تھا۔ سب کچھ سننے کے بعد فرانسیسی نے فیصلہ کن انداز میں اپنا سر ہلا کر میرے ساتھ چلنے سے صاف انکار کر دیا۔

''وہ لڑکا تو اب بچے گا نہیں چنانچہ اسے مردہ ہی سمجھو۔'' اس نے بڑے ٹھنڈے دل سے کہا۔ ''چنانچہ بہتر ہوگا کہ مسار کورڈیا کے گرجا میں چلے جاؤ۔ وہاں کے رحم دل پادری اس کی لاش اٹھوانے کا انتظام کر دیں گے۔''

''بڑے پتھر دل ہو تم! انسانیت جیسی کوئی چیز ہی نہیں ہے تمہارے میں۔''

میں نے چیخ کر کہا۔ ''اگر تم کسی کی جان بچا سکتے ہو تو کیا نہ بچاؤ گے؟''

فرانسیسی بظاہر خوش خلقی لیکن حقیقت میں طنز سے میرے سامنے جھک گیا۔

''موسیو مجھے معاف فرمائیں۔ طاعون سے مرے ہوئے آدمی کی لاش کو چھو کر میں خود اپنی صحت کو خطرے میں ڈال دوں گا۔ چنانچہ موسیو! اب میں اجازت چاہتا ہوں۔''

اور اس نے دھڑام سے دروازہ بند کردیا۔ اب میں بے بس و مایوس کھڑا تھا اور حالانکہ شدید گرمی اور دھوپ میں جلتی ہوئی سڑکوں کی تپش مجھ پر غشی سی طاری کررہی تھی اور میں وبا زدہ شہر میں کھڑا تھا۔ اس کے باوجود میں وہ خطرہ بھول گیا تھا جو یہاں کھڑے رہنے سے میری جان کو لاحق ہوسکتا تھا۔ میں ہر خطرے سے بے پرواہ کھڑا سوچ رہا تھا کہ مدد حاصل کرنے کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے کہ ایک گھمبیر اور ہمدرد آواز نے بے حد قریب سے ہی پوچھا۔

''میرے بچے! کس قسم کی مدد کی ضرورت ہے تمہیں؟''

میں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ ایک بلند قامت راہب سامنے کھڑا ہوا تھا جس کے جبے کی کلاہ اس کے ماتھے پر اتنے نیچے تک آئی ہوئی تھی کہ اس کا چہرہ نصف تک چھپ گیا تھا۔ یہ ان رحم دل سورماؤں میں سے ایک تھا..... جو خدا باپ اور یسوع مسیح کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے..... اس وبائی شہر میں مصیبت زدوں کی مدد کرنے آئے تھے اور انہیں کسی وبا کا بلکہ موت کا بھی خوف نہ تھا۔ ہاں خدا کے یہ نیک بندے اس شہر میں آئے تھے جہاں سے مذہب کے دوسرے ٹھیکے دار خوفزدہ خرگوشوں کی طرح بھاگ گئے تھے۔ مذہب اور اس کا کوئی بندہ، خدا اور اس کا کوئی حکم انہیں موت کے اس شہر میں نہ روک سکا تھا۔

اسے دیکھ کر میں خوش ہوگیا۔ میں نے ادب سے جھک کر اسے سلام کیا اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

''میں چلوں گا۔'' راہب بولا۔ اس کی آواز میں خدا ترسی تھی۔ ''خدا کرے اب تک وہ لڑکا..... خیر دوائیں ہیں میرے پاس۔ خدا کرے کہ ہمیں دیر نہ ہوچکی ہو۔''

''میں بھی چل رہا ہوں آپ کے ساتھ۔'' میں نے کہا۔ ''انسانیت کا تقاضا ہے کہ آدمی کتے کو بھی یوں بے سہارا مرنے نہ دے اور یہ غریب تو انسان ہے اور معلوم ہوتا ہے دنیا میں اس کا کوئی نہیں۔''

''ہا۔آ! خدا رحم کرے۔'' راہب بولا۔

جب ہم اس طرف جارہے تھے تو راہب نے غور سے میری طرف دیکھا۔

''تمہارا قیام نیپلز میں نہیں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

میں نے اسے اپنا نام بتایا۔ معلوم ہوا کہ وہ میرے نام سے واقف تھا پھر میں نے اسے اپنے ویلا کا محل وقوع سمجھایا۔

''مقدس باپ! وہاں..... اس بلندی پر ہم لوگ مکمل ترین صحت کے مزے لے رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''شہر میں جو خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے میں اسے سمجھ نہیں سکا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسی بزدلی وبا کو شہ دیتی ہے۔''

''سچ کہتے ہو۔'' راہب نے سر ہلایا۔ ''لیکن ہم کیا کرسکتے ہیں؟ یہاں کے لوگوں کو عیاشیاں پسند ہیں۔ اس دنیا کی چند روزہ زندگی کو انہوں نے سب کچھ سمجھ لیا۔ چنانچہ جب موت..... جس سے کسی کو مفر نہیں..... اس کے درمیان کود پڑتی ہے تو یہ لوگ ان بچوں کی طرح خوفزدہ ہوجاتے ہیں جنہوں نے بھوت دیکھ لیا ہو۔ اس نے ایک سرد آہ بھر کر اضافہ کیا۔ ''مذہب بھی انہیں قابو میں نہیں رکھ سکتا۔''

''لیکن آپ مقدس باپ.....'' میں نے کہا لیکن پھر فوراً ہی خاموش ہوگیا کیونکہ میں اپنی کنپٹیوں میں شدید دھڑکتا ہوا درد محسوس کررہا تھا۔

''میں تو خدا کے بیٹے مسیح کا خادم ہوں۔'' راہب نے کہا۔ ''چنانچہ مجھے وبا کا اور موت کا کوئی خوف نہیں ہے۔ میں گنہگار ہوں اور اس کے قابل نہیں ہوں۔ تاہم میں آقا مسیح کی خاطر ہر طرح کی موت کے سامنے جانے کا خواہش مند ہوں۔''

یہ بات اس نے بڑے یقین سے لیکن تکبر اور فخر کے بغیر کہی تھی۔ میں نے احترام اور تعریفی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور میں اس سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک عجیب طرح کی.....

انوکھی کہیں جسے..... غشی مجھ پر طاری ہونے لگی..... میں نے گرنے سے بچنے کے لئے راہب کا بازو پکڑ لیا۔ زمین طوفان میں پھنسے ہوئے جہاز کی طرح

ہچکولے لینے لگی اور آسمان میرے چاروں طرف نیلی آگ کے دائرے کی طرح گھومنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد مجھے قدرے سکون ہوا تو میرے کانوں میں راہب کی آواز آئی جو معلوم ہوتا تھا جیسے بہت دور سے آرہی ہو۔

''کیا ہوا بیٹے؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''میرے خیال میں گرمی کا اثر ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ میری آواز سو سال کے بوڑھے کی طرح کمزور تھی۔ ''مجھ پر غشی سی طاری ہو رہی ہے۔ سر چکرا رہا ہے..... مقدس باپ! آپ مجھے یہیں چھوڑ دیں اور جا کر اس پھل فروش لڑکے کی خبر لیں خدایا!''

میرے اعضا دفعتاً جواب دے گئے اور میں نے ایسی شدید تکلیف محسوس کی جیسے تلوار..... ٹھنڈی اور استرے کی سی تیز تلوار..... میرے بدن کے آر پار کر دی گئی ہو۔ میں نے اپنے پورے جسم میں ایک عجیب طرح کی اینٹھن محسوس کی اور ساتھ ہی میں زمین پر گر گیا۔

ذرا بھی ہچکچائے بغیر اس دبلے پتلے اور اونچے قد والے راہب نے مجھے اٹھایا اور کچھ چلاتا اور کچھ گھسیٹتا اور کچھ اٹھاتا ہوا مجھے قریب کے ایک ریسٹورنٹ میں لے گیا۔ یہاں اس نے مجھے چوبی بنچ پر لٹا کر ریستوران کے مالک کو بلایا جو اس کا شاید دوست یا واقف کار تھا۔ ہر چند کہ مجھے بے انتہا تکلیف تھی لیکن میں ہوش میں تھا اور جو کچھ ہو رہا تھا اسے دیکھ اور سن رہا تھا۔

''پیٹرو!'' راہب نے ریستوران کے مالک سے کہا۔ ''جی جان سے خدمت کرنا ان کی۔ یہ صاحب کوئی اور نہیں بلکہ دولت مند کونٹ فابیو رومانی ہیں۔ چنانچہ تمہیں تمہاری خدمت کا صلہ ضرور ملے گا اور خوب سا ملے گا۔ میں ایک گھنٹے میں واپس آتا ہوں۔''

''کونٹ رومانی! سانتی سینا میڈونا! یہ تو وبا میں آگئے ہیں۔''

''بیوقوف۔'' راہب نے غصے ہو کر کہا۔ ''یہ تم نے ایسے یقین سے کہہ دیا؟ لوکا اثر ہے یہ اور لوکا اثر طاعون نہیں ہوتا، احمق..... خبر گیری کرو ان کی ورنہ یسوع مسیح اور سینٹ پیٹر کی قسم تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔''

کانپتا ہوا ریستوران کا مالک پیٹرو اس دھمکی سے سہم گیا اور تکیے لے کر میری طرف آیا۔ اس نے یہ تکیے میرے سر کے نیچے رکھ دیئے۔ اب راہب نے ایک گلاس میرے لبوں سے لگا دیا۔ گلاس میں کوئی دوا تھی میں یہ دوا بالکل میکانکی طور پر پی گیا۔

''بیٹے! تم یہیں آرام کرو۔'' راہب نے تسلی بخش لہجے میں مجھ سے کہا۔ ''یہ اچھے لوگ ہیں! تمہارا خیال رکھیں گے۔ میں اس لڑکے کے پاس جا رہا ہوں۔ جس کے لئے مدد حاصل کرنے تم یہاں آئے ہو۔ ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں واپس آجاؤں گا تمہارے پاس۔''

میں نے بازو پکڑ کر اسے روک لیا۔

''ٹھہرو، مقدس باپ۔'' میں نے کہا۔

''میں بری سے بری خبر سننے کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ بتاؤ کہ کیا میں وبا کی لپیٹ میں آگیا ہوں؟''

''میرے خیال میں تو نہیں۔'' اس نے ہمدردی سے کہا۔ ''اور اگر خدانخواستہ ایسا ہوا بھی تو کیا؟ تم جوان ہو طاقتور ہو، گرم خون ہے تمہارا چنانچہ تم وبا کا مقابلہ کر سکتے اور اسے شکست دے سکتے ہو۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔''

''میں ڈر نہیں رہا۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن مقدس باپ! میں وعدہ چاہتا ہوں آپ سے۔''

''کہو۔ سنے بغیر ہی میں وعدہ کر رہا ہوں۔''

''آپ میری بیماری کی خبر میری بیوی کو نہ دیں گے۔ کہیے قسم کھا کر مجھے میرے گھر نہ لے جایا جائے گا۔ مقدس باپ! وعدہ کیجئے..... قسم کھائیے..... جب تک آپ وعدہ نہ کریں گے مجھے چین نہ آئے گا حتیٰ کہ میں سکون سے مر بھی نہ سکوں گا۔''

''میں قسم کھاتا ہوں بیٹے۔'' راہب نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''خدا باپ، مسیح اور ہر مقدس ولی کی قسم کھاتا ہوں کہ ایسا ہی کروں گا جیسا تم نے کہا ہے۔''

اور میں نے بے پناہ اطمینان محسوس کیا۔ کیونکہ اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ ہستیاں موجود رہیں گی جس سے

مجھے پیار تھا۔ میں نے ہلکے سے خاموش اشارے سے راہب کا شکریہ ادا کیا، میری نقاہت اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ میں اور کچھ کہہ ہی نہ سکتا تھا۔ راہب چلا گیا اور میرے خیالات عجیب وغریب گلیوں میں برہنہ پا بھٹکنے لگے۔

میں اپنی اس وقت کی دماغی حالت کو بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

میں اس بڑے کمرے کو نہایت تفصیل سے اور صاف طور پر دیکھ رہا ہوں۔ جس میں ایک چوبی بنچ پر میں پڑا ہوا تھا۔ وہ سامنے ریستوران کا سہا ہوا مالک ایک کپڑا لئے بوتلیں اور گلاس صاف کررہا ہے اور وقتاً فوقتاً وہ خوفزدہ نگاہ میری طرف ڈال لیتا ہے۔ لوگ گروہ در گروہ آتے ہیں، دروازے میں سے اندر جھانکتے ہیں اور مجھے بنچ پر پڑا دیکھ کر سر ہلاتے اور خوفزدہ اشارے کرتے وہاں سے بھاگ لیتے ہیں۔

میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں...... میں جانتا ہوں کہ میں کہاں ہوں۔ اس کے باوجود...... میں کوہ آلپس کی ایک گھاٹی کی عمودی دیوار چڑھ رہا ہوں۔ ٹھنڈی برف میرے قدموں تلے ہے...... میں ہزاروں سیلابی ندیوں کے تیزی سے بہتے پانیوں کا شور اور بلندی پر سے گرتے ہوئے سینکڑوں آبشاروں کی گرج سن رہا ہوں۔ سفید گلیشیر کی چوٹی پر ایک سرخ رنگ کا بادل تیر رہا ہے اور وہ بادل آہستہ آہستہ بیچ میں سے سمٹ رہا ہے اور اب اس کے روشن مرکز میں ایک بے حد حسین چہرہ مسکرا رہا ہے۔

''نینا! میری پیاری! میری زندگی! میری روح۔'' میں چیختا ہوں۔

میں اپنے بازو پھیلا دیتا ہوں۔ میں اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیتا ہوں۔ وہ مجھ سے لپٹ جاتی ہے...... توبہ...... لعنت ہے یہ تو وہ گندہ لیکن ہمدرد ریستوران کا مالک ہے جس نے مجھے اپنی بدبودار بانہوں میں سمیٹ رکھا ہے...... میں اس کی گرفت سے نکلنے کی دیوانہ وار جدوجہد کرتا ہوں میں ہانپنے لگا ہوں۔

''ہٹ جاؤ، بیوقوف۔'' میں اس کے کان میں چیختا ہوں۔'' مجھے جانے دو میری پیاری بیوی کے پاس۔ اس کے ہونٹ میرے بوسوں کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ ہٹ جاؤ...... ہٹ جاؤ...... جانے دو مجھے۔''

ایک اور آدمی آگے بڑھتا ہے...... وہ مجھے پکڑ لیتا ہے...... اب وہ اور ریستوران کا مالک مجھے جبراً لٹا دیتے ہیں...... وہ دونوں مجھے دبوچ لیتے ہیں۔ قابو پالیتے ہیں مجھ پر...... میں ہاتھ پاؤں چلاتا ہوں۔ یہاں تک کہ تھک جاتا ہوں۔ میری قوت جواب دے جاتی ہے...... میں نڈھال ہوجاتا ہوں...... میں ہاتھ پاؤں ڈال دیتا ہوں۔ پیٹرو اور اس کا وہ مددگار ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ پھر وہ دونوں میری طرف دیکھتے ہیں۔

''ای مورتو!'' وہ آپس میں سرگوشی کرتے ہیں۔

میں سنتا ہوں اور مسکراتا ہوں...... مرگیا؟...... نہیں...... میں نہیں مرا میں زندہ ہوں...... جلتی ہوئی، جھلسا دینے والی دھوپ، ریستوران کے کھلے ہوئے دروازے میں سے اندر آرہی ہے...... پیاسی مکھیاں اونچی اور نمایاں آواز میں مسلسل بھنبھنا رہی ہیں۔ میں چند آوازیں سن رہا ہوں جو ''لافیتادی اماپلی'' گا رہی ہیں۔ میں اس گیت کے بول سن رہا ہوں، سمجھ رہا ہوں۔

''سیا گنا رولا میا ساونتور
سی نون تورنے روزیلا''

واہ کیا عمدہ گیت ہے میری نینا...... سچ کہا ہے شاعر نے تم ایسی ہی ہو۔ اور جیدو نے کیا کہا تھا...... بے داغ ہیرے کی طرح پاک وشفاف۔ بہترین ستارے کی طرح ناقابل رسائی۔

وہ الو پیٹرو اب بھی بوتلیں اور گلاس کپڑے سے صاف کررہا ہے۔ میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ صاف طور سے دیکھ رہا ہوں۔ اس کا احمقوں کا سا گول اور مسکین چہرہ پسینے اور دھول سے چکنا ہورہا ہے۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی کہ یہ پیٹرو یہاں کیسے آگیا! کیونکہ میں ایک استوائی دریا کے ساحل پر ہوں جہاں ناریل کے عظیم الشان پیڑ دہشت ناک بے ترتیبی سے اگ رہے ہیں اور خوفناک مگرمچھ ریت پر پڑے دھوپ سینک رہے ہیں۔ ان کے زبردست منہ کھلے ہیں اور

Pakistanipoint

ان کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں خوفنا کی سے چمک رہی ہیں۔ ایک ہلکی پھلکی، چھوٹی کشتی پرسکون پانیوں پر تیر رہی ہے اور اس میں ایک سڈول بدن اور لمبے قد والا ہندوستانی کھڑا ہوا ہے۔ وہ حیرت انگیز حد تک جیدو سے مشابہہ ہے۔ وہی ماتھا، وہی آنکھیں، وہی ناک اور دہانہ..... چہرے کے تمام نقوش جیدو کے سے ہیں۔ کشتی ساحل کے قریب آ گئی۔ ہندوستانی نے ایک سیدھی، لمبی اور تیز نیام تلوار بے نیام کی اور..... واہ! بہادر ہندوستانی! وہ ریت پر اس کے انتظار میں پڑے ہوئے خوفناک مگرمچھوں کا تن تنہا خاتمہ کردے گا۔ وہ کشتی سے کود کر کنارے پر آ گیا۔

میں مسحور کھڑا اسے دیکھ رہا ہوں۔ لیکن اس نے مگرمچھوں پر حملہ نہ کیا۔ وہ ان کے درمیان سے نکلا چلا آ رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا وجود اور عدم وجود اس بہادر ہندوستانی کے لئے برابر ہے۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا، بلا جھجک میری طرف آ رہا ہے۔ سیدھا میری طرف آ رہا ہے۔ اسے تو میری تلاش ہے۔ وہ تو مجھ پر حملہ کرنے آ رہا ہے۔ اب اس کے ہاتھ میں تلوار نہیں ہے۔ ہلالی خنجر ہے۔ وہ خنجر میرے سینے میں اتار دیتا ہے۔ خنجر کی ٹھنڈک میں اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں۔ تیز اور فولادی ٹھنڈک۔ وہ ہندوستانی خنجر میرے دل میں اتار دیتا ہے۔

پہلا وار۔ وہ اسے واپس کھینچتا ہے پھر اتار دیتا ہے۔ دوسرا وار۔ پھر کھینچتا ہے۔ خنجر سے خون ٹپک رہا ہے۔ میرا خون۔ میرے دل کا خون۔ وہ تیسری دفعہ میرے دل میں خنجر اتار دیتا ہے۔ لیکن میں نہیں مرتا۔ پتہ نہیں کیوں؟ میں نہیں مرسکتا ہوں تڑپتا ہوں۔ میں انتہائی تکلیف کے عالم میں کراہنے لگتا ہوں۔ اور پھر کوئی اندھیری کالی چیز میرے اور آگ برساتے ہوئے سورج کے درمیان حائل ہوگئی۔ کوئی ٹھنڈی اور سائے دار چیز۔ میں ایک دم سے اس چیز پر ٹوٹ پڑا۔ دو کالی آنکھیں میری طرف دیکھ رہی ہیں اور ایک آواز کہہ رہی ہے۔

''صبر۔ میرے بچے۔ صبر۔ اور اپنے آپ کو مسیح کے حوالے کردو۔''

یہ میرا ہمدرد دوست راہب ہے۔ میں نے اسے پہچان لیا اور میں خوش ہوگیا۔ وہ اپنا رحمدلانہ کام کرکے واپس آ گیا تھا۔ ہر چند کہ میں بدقت بول سکتا تھا۔ تاہم میں نے اپنے آپ کو بولتے سنا۔ میں اس پھل فروش لڑکے کی خبر پوچھ رہا ہوں۔ مقدس باپ اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنا رہا ہے۔

''خدا اس کی مغفرت کرے بیٹے۔ جب میں وہاں پہنچا ہوں تو وہ مر چکا تھا۔''

اس پر میں خوابناکی سے حیرت زدہ رہ گیا۔ اتنی جلدی؟ میں سمجھ نہ سکا اور ایک بار پھر میرے خیالات میرے دماغ کی تپتی ہوئی ویران گلیوں میں برہنہ پا بھٹکنے لگے۔

میں اب اس وقت پر نظر کرتا ہوں تو کہتا ہوں کہ اس وقت کی یادیں میرے ذہن میں محفوظ نہیں ہیں۔ چنانچہ میں نہیں کہہ سکتا کہ پھر کیا ہوا میرے ساتھ البتہ اتنا ضرور یاد ہے کہ میں سخت اذیت میں مبتلا تھا۔ ناقابل برداشت تکلیف تھی مجھے اور یہ کہ میں صحیح معنوں میں جیسے صلیب پر لٹکا ہوا تھا اور یہ کہ میرا دماغ ماؤف ہو رہا تھا اور یہ کہ اس حالت میں بھی بھنبھناہٹ سن رہا تھا جو انجیل کی آیتیں گنگنا رہی تھیں۔ اور مجھے دھندلا دھندلا یہ بھی یاد ہے کہ میں گھنٹیوں کی آوازیں سن رہا تھا جو روح کے جسم سے نکلتے وقت بجائی جاتی ہیں۔ لیکن یہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کیونکہ میرا دماغ گھوم رہا تھا۔ اور مجھ پر غشی طاری ہو رہی تھی البتہ یہ مجھے ضرور یاد ہے کہ لامتناہی تکلیف میں چیختا تھا۔

''نہیں نہیں۔ میرے گھر نہیں۔ تم وہاں نہ لے جاؤ گے میں اسے کبھی معاف نہ کروں گا جو میری حکم عدولی کرے گا۔''

اس کے بعد مجھے ایک بے حد خوفناک احساس ہوا تھا۔ ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں ایک بے حد بھیانک بھنور میں ڈوب رہا تھا اور وہاں سے میں نے اپنے دونوں ہاتھ اس رحم دل راہب کی طرف اٹھا دیئے تھے جو میرے سرہانے ہی کھڑا ہوا تھا اور میں نے اپنی

آنکھوں کے سامنے ایک چمکتی ہوئی چاندی کی صلیب دیکھی اور پھر آخر کار۔ ایک بلند اور آخری چیخ کے بعد میں بھنور میں غرق ہوگیا۔ میں ڈوبتا چلا گیا۔ اندھیری گھومتی ہوئی گہرائیوں میں جہاں کچھ نہ تھا۔ نہ کوئی آواز نہ کوئی صورت نہ کوئی روشنی۔

بس نیستی ہی نیستی تھی۔

اس کے بعد ٹھہراؤ گہری خاموشی اور اندھیرے کے سایوں کا دور شروع ہوا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں ایک لطیف بے سدھی اور غفلت کے تاریک کنویں میں گر گیا ہوں۔ خواب کی شبیہیں اب بھی میرے تصور کے پردے پر تیر رہی تھیں۔ ابتدا میں یہ خواب غیر واضح تھے پھر وہ ایک واضح اور خاص صورت اختیار کرنے لگے۔

عجیب طرح کے پھڑ پھڑاتے ہوئے جانور میرے چاروں طرف منڈلا رہے تھے۔ گھور کالے اور بے اتھاہ اندھیروں میں سے تنہا آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔ ہوا میں کچھ پکڑنے کی کوشش کرتی ہوئی لمبی، استخوانی انگلیاں اشارے کر رہی ہیں۔ خدا جانے وہ مجھے کسی آنے والے خطرے سے خبردار کر رہی تھیں یا میرا مضحکہ اڑا رہی تھیں۔

اور پھر تصور کے پردے پر ایک سرخ بادل نمودار ہو کر آہستہ آہستہ پھیلنے لگا۔ جیسے بے حد طوفانی فضا ہو اور سورج غروب ہو رہا ہو۔ اور پھر اس خون کے سے بادل یا دھند میں سے ایک بہت بڑا ہاتھ نکل کر میری طرف اترا۔ وہ میرے سینے پر گھونسے مارنے لگا۔ اس نے اپنی عفریتانہ گرفت میں میرا گلا دبوچ لیا اور مجھے آہنی بوجھ سے دبا رکھا۔ میں دیوانہ وار ہاتھ پاؤں چلانے لگا۔ میں جدوجہد کرنے اور تڑپنے لگا۔ میں اونچی آواز میں چیخنا چاہتا تھا اور اس کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس زبردست گرفت اور اس کے جناتی دباؤ نے میرے بولنے کی قوتیں سلب کر لی تھیں۔ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش میں دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں تڑپ رہا تھا۔ میرے صیاد نے مجھے ہر طرف سے باندھ دیا۔ اس کے باوجود میں نے ہمت نہ ہاری اور میں اس زبردست اور ظالم مخالف قوت سے مقابلہ اور جدوجہد کرتا رہا۔ آہستہ آہستہ ایک ایک انچ کر کے کامیابی اور فتح قریب آتی گئی۔ اور پھر آخر کار۔ ایک آخری کوشش۔ اور فتح میں بیدار ہوگیا۔

رحم خدا! میں کہاں تھا؟ کون سے بھیانک ماحول میں۔ کون سے دبیز اندھیرے میں؟

آہستہ آہستہ مجھے ہوش آتا چلا گیا۔ یادیں بیدار ہونے لگیں اور تب مجھے اپنی حالیہ علالت یاد آئی۔

وہ راہب۔ ریستوران کا مالک پیٹرو۔ کہاں تھے وہ؟ یہ کیا کیا انہوں نے میرے ساتھ؟

رفتہ رفتہ مجھے احساس ہوا بلکہ یہ انکشاف ہوا کہ میں ہاتھ پاؤں لمبے کئے پیٹھ کے بل، سیدھا اور چپت لیٹا ہوا تھا اور یہ کاؤچ، جس پر میں لیٹا ہوا تھا، واقعی بہت زیادہ سخت تھا اور یہ ان لوگوں نے میرے سر کے نیچے سے تکیے کیوں نکال لئے تھے؟

ایک بے چین کر دینے والا چبھتا ہوا احساس میرے رگ وریشے میں سرایت کر گیا۔ مجھے خود اپنے ہاتھ عجیب سے معلوم ہو رہے تھے۔ خود میں نے انہیں چھو کر دیکھا۔ وہ گرم تھے اور نبض چل رہی تھی۔ حالانکہ قدرے رک رک کر چل رہی تھی لیکن ہر دھڑکن زوردار ہوتی تھی۔

لیکن یہ کیا چیز میرے سانس لینے میں رکاوٹ پیدا کر رہی تھی؟ ہوا۔ ہوا۔ خدایا!..... ہوا چاہئے مجھے۔

میں نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے۔

میں لرز گیا۔ یہ کیا؟

میرے ہاتھ کسی سخت، ٹھوس اور مضبوط چیز سے ٹکرا گئے تھے اور یہ سخت، ٹھوس اور مضبوط چیز میرے عین اوپر تھی۔

اور پھر بجلی کی سی تیزی سے حقیقت مجھ پر آشکار ہوگئی۔

مجھے دفن کر دیا گیا تھا۔

اور یہ چوبی قید خانہ جس میں، میں لیٹا ہوا تھا۔ تابوت تھا۔

شدید، بے پناہ دیوانہ غصہ جو زخمی اور بپھرے

ہوئے شیر کے غصے کو بھی مات کردے، دفعتاً مجھ پر حاوی ہوگیا۔ اپنے ہاتھوں اور ناخنوں سے میں ان لعنتی تختوں کو نوچنے کھسوٹنے لگا اپنے شانوں اور بازوؤں کا سارا زور لگا کر میں نے بند ڈھکن کو توڑنے، اٹھانے اور کھولنے کی کوشش کی۔

لیکن..... میری ہر کوشش بیکار گئی۔ غصے اور خوف کی شدت سے میں اور بھی زیادہ دیوانہ بن گیا۔ خون خوار کی حد تک دیوانہ۔ میری اس موت کے مقابلے میں دوسری تمام موتیں کتنی آسان ہیں۔

میرا دم گھٹ رہا تھا۔ میں اپنی آنکھوں کو پھیلتے، ابھرتے اور حلقوں سے نکلتے محسوس کررہا تھا۔ میرے منہ اور نتھنوں سے خون بہنے لگا اور ٹھنڈے پسینے کے برفیلے قطرے میرے ماتھے پر سے ٹپکنے لگے۔

میں نے گھڑی بھر کے لئے اپنی کوششیں ترک کردیں۔ میں سانس لینا چاہتا تھا۔

اور پھر ایک دیوانہ وار کوشش کرنے کی غرض سے میں نے اپنی ساری جسمانی قوت سمیٹی اور مایوسی اذیت اور آخری امید کی آڑ اس میں لگائی اور اپنے تنگ قید خانے کے ایک پہلو سے اپنے جسم کو ٹکرا دیا۔

تختہ چرچرایا۔ وہ ٹوٹ گیا۔

اور پھر ایک بھیانک خیال نے میرے رونگٹے کھڑے کردیئے۔ میں رک گیا۔ میرا سانس تیز تیز چلنے لگا۔ میں ہانپ رہا تھا۔

اگر مجھے زمین میں دفن کردیا گیا ہے تو..... میرا بھیانک خیال یوں تھا۔ تو پھر تابوت توڑ کر نکلنے اور مٹی میں ملنے سے کیا فائدہ؟..... نم اور کیڑوں بھری مٹی مردوں کی ہڈیوں سے بھری ہوئی مٹی۔ ہر مسام میں گھس جانے والی مٹی جو میری آنکھیں پٹ کردیں گی، میرے منہ اور ناک پر مہر لگادے گی اور یوں میرا دم گھٹ جائے گا اور آخر کار میں مرجاؤں گا۔

اس خیال نے مجھ پر لرزہ طاری کردیا اور میرا دماغ الٹنے کے قریب ہوگیا۔ میں دیوانگی کی سرحد پر پہنچ گیا۔

میں ہنسا۔ ذرا سوچئے تو۔ میں ہنسا۔

اور میری ہنسی خود میں نے سنی اور وہ ایسی تھی جیسے مرتے ہوئے آدمی کے حلق سے آخری خرخراہٹ نکل رہی ہو۔

لیکن اب میں نسبتاً آسانی سے سانس لے سکتا تھا۔ شدید خوف نے مجھے مخبوط الحواس کردیا تھا لیکن اس حالت میں بھی بس ہوا کو محسوس کررہا تھا۔

ہاں۔ مبارک ہوا کہیں سے اور کس طرح سے در آئی تھی۔

ہوا محسوس کی تو میری ہمت بندھی۔ جسم میں توانائی آگئی اور امید نے اپنے بازو پھیلا دیئے۔

میں دونوں ہاتھوں سے ٹٹولنے لگا یہاں تک کہ مجھے وہ دراز مل گئی جو میری کوششوں نے بیداری کردی تھی۔ بڑی قوت سے اور وحشت ناک عجلت سے میں اس طرف کے تختے کو دھکیلنے اور کھینچنے لگا یہاں تک کہ تابوت کا اس طرف کا پورا پہلو باہر کی طرف جھک گیا اور تب میں تابوت کا ڈھکن اٹھانے میں کامیاب ہوا۔

میں نے اپنے بازو اوپر اٹھائے۔ مٹی کا بوجھ ان کی راہ میں حائل نہ ہوا۔ میں نے کچھ محسوس نہ کیا سوائے ہوا۔ خالی ہوا کے۔ خوشی اور امید کی پہلی لہر میں، میں اٹھا اور اپنے تابوت میں سے باہر کود پڑا۔ اور میں کچھ دور گرا۔ اپنے ہاتھوں اور پیروں پر گرا اور میں نے اپنی ہتھیلیوں اور گھٹنوں کے نیچے پتھر کا فرش محسوس کیا۔ کوئی وزنی چیز بھی میرے ساتھ ہی ایک دھماکے کے ساتھ میرے قریب ہی فرش پر گری۔ اندھیرا گھپ تھا لیکن سانس لینے کی جگہ تھی اور فضا خشک تھی اور فرحت بخش تھی۔ قدرے وقت سے اور اپنے اعضا میں تکلیف محسوس کرکے میں، جہاں گرا تھا وہیں اٹھ کر بیٹھنے میں کامیاب ہوگیا۔ میرے اعضا اکڑ اور اینٹھ گئے تھے اور میں یوں کانپ رہا تھا جیسے مجھے جاڑا چڑھ آیا ہو۔ لیکن میرے حواس بجا تھے۔ میرے خیالات اب ایک مسلسل لڑی میں، ترتیب سے جیسے پرو دیئے گئے تھے۔ میری پچھلی دیوانی بے چینی اور غصے کو رفتہ رفتہ قرار آرہا تھا اور اب میں صورت حال پر ٹھیک سے غور کرسکتا تھا۔

اب اس میں تو کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ رہ گئی تھی کہ مجھے زندہ دفن کردیا گیا تھا۔

وبا اور اس کی شدید تکلیف نے بڑھ کر مجھ پر سکتہ طاری کردیا تھا۔ اس ریستوران والوں نے۔ جہاں مجھے لے جا کر لٹایا گیا تھا۔ یقین کرلیا کہ میں طاعون کی وبا کا شکار ہوگیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے بے حد خوفزدہ ہوکر، خوف جو اس وقت نیپلز میں عام تھا، اپنا اطمینان کئے بغیر مجھے اٹھا کر اس بے ڈھنگے تابوت میں ڈال دیا جو ان دنوں دھڑا دھڑ، سینکڑوں کی تعداد میں، روزانہ بنائے جارہے تھے، یہ تابوت کیا تھے پتلے اور کمزور تختوں کے خول سے تھے۔ اور ان تختوں کو کیلوں کے ذریعہ آپس میں جوڑ دیا گیا ہوتا تھا۔ پہلے میں ان تابوت بنانے والوں کو برا بھلا کہتا تھا کہ روپیہ کمانے میں ایسے خودغرض اور تقریباً بے دین بن گئے ہیں کہ مردوں کا احترام تک نہیں کرتے کہ ان کے لئے ایسا اچھا اور مضبوط تابوت تو بنائیں جس میں وہ ابدی نیند سوسکیں۔ لیکن آج میں تابوت بنانے والوں کی اسی ''خودغرضی'' اور بے ڈھنگی عجلت کو دعائیں دے رہا تھا۔ اگر مجھے مضبوط اور خوب صورت تابوت میں لٹایا گیا ہوتا تو کیا ہوتا؟ میں اپنی تمام جسمانی قوت صرف کرنے کے بعد بھی قیامت تک اسے نہ تو توڑ سکتا اور نہ ہی اس سے باہر نکل سکتا۔

اس خیال سے میں کانپ گیا۔

لیکن پھر بھی ایک سوال تو ابھی باقی ہی تھا۔

میں کہاں تھا؟

میں نے ہر پہلو سے صورت حال پر غور کیا اور دیر تک کوئی اطمینان بخش نتیجے تک نہ پہنچ سکا۔

لیکن..... ہاں..... ٹھہرو۔

میں نے اس راہب کو اپنا نام بتایا تھا..... ہاں، یاد آیا بتایا تھا۔ چنانچہ وہ جانتا تھا کہ میں رئیس رومانی خاندان کی تنہا یادگار تھا۔

اس کے بعد کیا ہوا ہوگا؟

بے شک اس نیک دل راہب نے وہی کیا جو اس کا فرض تھا اس نے کفن دفن کی ساری رسومات ادا کرکے مجھے میرے اجداد کے مقبرے کے تہہ خانے میں رکھوادیا۔ یہ بے حد قدیم اور وسیع وعریض تہہ خانہ تھا جس کا دروازہ آخری دفعہ اس وقت کھولا گیا جب میرے والد کی نعش کو بڑے تزک واحتشام کے ساتھ یہاں دفنانے کے لئے لایا گیا تھا۔

جتنا زیادہ میں اس پر غور کررہا تھا میرا شک یقین میں بدلتا جارہا تھا۔ خاندان رومانی کے مقبرے کا تہہ خانہ!

جب میں والد صاحب کے جنازے کے ساتھ تہہ خانہ میں آیا تھا اور اس طاق کی طرف بڑھا تھا جس میں والد صاحب کی نعش کا تابوت رکھا جانے والا تھا تو یہاں اندھیرے نے میرے دل پر عجیب خوف طاری کردیا تھا اور جب مجھے اس آبنوس کی لکڑی کے بنے ہوئے تابوت کی طرف دیکھنے کو کہا گیا تھا جس پر منڈھا ہوا کپڑا جھیر جھیر ہوکر لٹک گیا تھا، تو میں نے گردن دوسری طرف پھیر لی تھی۔ وہ تابوت میری والدہ کا تھا۔ اس تابوت میں میری والدہ کی اب ہڈیاں ہی تھیں اور میری والدہ جوان مری تھیں تب مجھ پر غشی سی طاری ہونے لگی تھی، سر چکرانے اور جسم ٹھنڈا ہونے لگا تھا اور اس تہہ خانے سے باہر آنے اور تازہ ہوا کے جھونکے اپنے چہرے پر محسوس کرنے اور سر پر نیلے آسمان کا گنبد دیکھنے کے بعد ہی میری طبیعت سنبھلی اور اب میں اسی تہہ خانے میں بند تھا۔ قید تھا۔

''اور یہاں سے نکلنے کی کوئی امید؟'' میں نے مایوسی سے سوچا اور خود ہی نفی میں جواب دیا۔

مجھے یاد ہے کہ تہہ خانے میں داخل ہونے کے راستے پر آپس میں قریب قریب گتھی ہوئی آہنی سلاخوں کے دروازے لگے ہوئے تھے جہاں سے پتھر کا ایک زینہ نیچے اترتا تھا۔ نیچے، تہہ خانے میں جہاں اس وقت شاید میں تھا۔ فرض کرو کہ میں ہی اس دبیز اور گھپ اندھیرے میں راستہ ٹٹولتا ہوا زینے تک پہنچ گیا تو.....؟

تو کیا ہوگا؟ ہاں۔ واقعی کیا ہوگا اس سے؟

وہ دروازہ بند تھا۔ بند کیا تھا مقفل تھا باہر سے۔ اس میں نہ صرف یہ کہ بڑا تالا لگا ہوا تھا بلکہ اس میں آڑ بھی لگائی گئی تھی۔ اس کے علاوہ یہ مقبرہ یہ تہہ خانہ

قبرستان کے انتہائی سرے پر واقع تھا۔ چنانچہ قبرستان کا رکھوالا ہفتوں تک اس طرف نہ آتا ہوگا بلکہ اس کا امکان تھا کہ مہینوں اس طرف نہ آئے۔

تو پھر کیا مجھے بھوکا رہنا ہوگا؟

یا کیا مجھے پیاس سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا ہوگا؟

ان خیالات سے پریشان ہو کر میں اٹھ کھڑا ہوا میرے پیر ننگے تھے اور وہ پتھر ٹھنڈے تھے جن پر میں کھڑا تھا اور پتھروں کی یہ ٹھنڈک میری ہڈیوں کے گودے تک پہنچ رہی تھی۔ یہ میری خوش قسمتی تھی۔ میں نے سوچا کہ لوگوں نے مجھے طاعون زدہ نعش سمجھ کر دفن کیا تھا چنانچہ میرے جسم پر آدھے سے زیادہ کپڑے رہنے دیئے تھے اس خوف سے کہ کہیں جراثیم انہیں نہ لگ جائیں۔ چنانچہ میرے اوپری جسم پر فلالین کی قمیض تھی اور نچلے جسم پر پتلون میری گردن میں بھی کوئی چیز پڑی ہوئی تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا تو حسین اور اداس یادوں کا سیلاب آ گیا۔

یہ ایک ہلکی پھلکی سونے کی زنجیر تھی جس کے سرے سے لٹکتے ہوئے لاکٹ میں میری بیوی اور بچی کی تصویریں تھیں۔

میں دیوانہ وار ان تصویروں کو چومنے اور رونے لگا۔ یہ میرے پہلے آنسو تھے جو مجھ پر موت کا سا سکتہ طاری ہونے کے بعد بہے تھے۔ بے تحاشہ اور بے اختیار بہتے ہوئے آنسو۔ آنکھوں میں سوزش پیدا کرتے ہوئے تلخ اور مایوس آنسو۔

جب تک نینا کی مسکراہٹیں دنیا کو حسین بنائے ہوئے ہیں تب تک جینا ضروری ہے ہاں۔ نینا کی وجہ سے زندگی جینے کے قابل ہے۔ وہ دنیا جینے کے قابل ہے جس میں نینا ہے۔

اور میں نے زندہ رہنے کے لئے جدوجہد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کتنی ہی ہولناک دہشتناکیاں میرے لئے مقدر ہو چکی ہوں، میں جیوں گا۔

نینا! میری شریک حیات! میری پیاری! اس نعش گھر کے سرد خانہ بھیانک اندھیرے میں نینا کا خوبصورت چہرہ میری نگاہوں کے سامنے چمکنے لگا۔ اس کی آنکھیں مجھے بلانے لگیں۔ اس کی وہ خوب صورت آنکھیں..... جو یقین تھا۔ میرے مرنے پر اور میری یاد میں آنسو بہا رہی ہوں گی۔

اور میں نے تصور کی نظروں سے دیکھا کہ میری پیاری بیوی کمرے کی تنہائی میں بیٹھی رو رہی ہے۔ ہاں یہ وہی کمرہ ہے جہاں ہم نے ایک دوسرے کو ہزاروں دفعہ آغوش میں لیا ہے۔ اس کے بال پریشان ہیں اور اس کا چہرہ رنج و غم سے اتر گیا ہے۔ بگڑ گیا ہے اور میری بچی اسٹیلا! بے شک وہ بھی حیران ہوگی کہ میں کہاں چلا گیا۔ گھر کیوں نہیں آیا کہ اسے جھولا جھلاؤں جو میں نے نارنگی کے پیڑ کے ایک تہنے سے اسی کے لئے باندھا تھا۔ اور جیدو۔ میرا مخلص، دلیر اور سچا دوست میں پیار سے اس کے متعلق سوچ رہا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ میری موت سے اسے کس قدر صدمہ ہوا ہوگا، کیا گزر رہی ہوگی اس کے دل پر۔

نہیں۔ میں اپنی بیوی، بچی اور اپنے دوست کی خاطر اس نعش گھر سے نکل جاؤں گا۔ اور پھر وہ لوگ مجھے دیکھ کر اور یہ معلوم کر کے کہ میں مرا نہیں ہوں بلکہ زندہ ہوں، خوشی سے سچ مچ دیوانے ہو جائیں گے کیا شاندار استقبال کیا جائے گا میرا کس طرح نینا میری آغوش میں سما جائے گی! میری بچی کس طرح مجھ سے لپٹ جائے گی جیدو کس گرمجوشی سے میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے گا۔

اور میری آمد سے ویلا میں جو خوشیاں منائی جائیں گی ان کا تصور کر کے میں آپ ہی آپ مسکرانے لگا۔ میرا یہ پیارا گھر جہاں میرا پیار پلتا تھا میری وفادار بیوی تھی اور جہاں سچی دوستی تھی میرا مخلص اور جان نثار جیدو تھا۔

ایک گہری گونجتی اور گرجتی آواز میرے کانوں کے پردوں سے ٹکرائی۔ میں چونک پڑا ایک دو تین میں ضربیں شمار کرنے لگا اور میں نے بارہ تک شمار کیں۔ یہ کسی گرجا کا گھنٹہ تھا جو وقت کے گجر بجا رہا تھا۔ میرے خوش آئندہ خواب بکھر گئے اور اب لرزہ خیز حقیقت سامنے تھی۔

بارہ بجے تھے؟ دن کے یا رات کے؟ ظاہر ہے کہ یہ میں نہ کہہ سکتا تھا اور میں حساب لگانے لگا۔

(جاری ہے)

ڈیول ڈائر

ساجد بشیر۔میانوالی

گھبرائی ہوئی آواز گونجی تمہیں قتل کا کنٹریکٹ دے کر اپنی زندگی خطرے میں ڈالی مگر پھر بھی کامیابی نصیب نہ ہوئی لیکن مجھے سہارے کی ضرورت تھی لیکن مر کر بھی مجھے سکون نہ ملا۔

کیا روحیں بھی اپنا انتقامی منصوبہ مکمل کرتی ہیں، یہ جاننے کے لئے یہ کہانی ضرور پڑھیں

شہر میں تین روز سے موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ کیلی فورنیا اور اس کے ملحقہ علاقوں میں سونامی کی وارننگ جاری کردی گئی تھی۔ ساحلی علاقوں کو پبلک کے لئے خالی کرادیا گیا تھا۔ رات کا آخری پہر تھا۔ تیس منزلہ بلڈنگ میں مکمل طور پر اندھیرے کا راج تھا۔ مگر ایک اپارٹمنٹ کی لائٹ ابھی بھی کھڑکیوں سے چھن چھن کر باہر آرہی تھی۔ اس اپارٹمنٹ میں کوئی چالیس سالہ آدمی جس کے سخت چہرے پر پرانے زخموں کے نشانات واضح تھے۔ اس کے بازوؤں کی تڑپتی ہوئی مچھلیاں اس کی طاقت کا چیخ چیخ کر اعلان کررہی تھیں۔ وہ کچن میں موجود میلے برتنوں کو سنک میں دھو کے بڑے قرینے سے سجا رہا تھا۔ برتن دھو کے وہ اپنے بیڈ روم کی طرف آیا اور ایزی چیئر پر بیٹھ کر ایک کتاب پڑھنے میں مصروف ہوگیا۔

اس کا بیڈ روم کسی لائبریری سے کم نہیں تھا۔ ابھی

اسے کتاب پڑھتے چند ہی منٹ ہوئے تھے کہ ڈور بیل کی آواز آئی۔ اس نے کتاب بند کرکے ایک جگہ رکھی اور مین ڈور کی جانب بڑھا۔ اس نے دروازہ کھولا تو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے اس کا استقبال کیا اس نے اردگرد دیکھا مگر ڈور بیل بجانے والے کا کہیں دور دور تک نام ونشان نہیں تھا۔

تو اس کی نظر زمین پر پڑے ایک خاکی پھولے ہوئے لفافے پر پڑی۔ اس نے لفافہ اٹھایا اور دروازہ اندر سے لاک کردیا۔ وہ دوبارہ بیڈ روم میں آیا اور لفافے کو کھولنے لگا۔ لفافہ کھولتے وقت اس کے چہرے پر ذرا بھی تجسس نہیں جھلک رہا تھا۔ جیسے اسے معلوم ہو کہ اس میں کیا ہے۔ اس نے لفافہ کھولا اور اس میں ہاتھ ڈالا، جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس نے ہاتھ میں ڈالر کے نوٹوں کی ایک بھاری گڈی تھی، اور ساتھ میں ایک تصویر تھی اس نے نوٹوں کی گڈی بے پرواہی سے بیڈ کی جانب اچھال دی۔

تصویر کی بیک سائیڈ پر ایک ایڈریس لکھا ہوا تھا۔ اس نے ایک نظر ایڈریس پر ڈالی اور تصویر کو پلٹ کر دیکھا، اس کی آنکھوں میں حیرت کی ایک لہر دوڑ گئی کیونکہ تصویر پندرہ سالہ ایک خوب صورت لڑکی کی تھی اس نے جیب سے لائٹر نکالا اور جلا کے تصویر کو شعلہ دکھایا تو تصویر دھڑ ادھڑ جلنے لگی اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

☆.....☆.....☆

وہ سیاہ رنگ کی مسٹینگ (Mostang) میں سوار اخ بنگلے کے آگے سے گزرا۔ رات کا آخری پہر تھا، اس نے کار کی لائٹس آف کیں اور کار کوٹاؤن کے سنسان گوشے میں پارک کردیا۔ اس نے ایش بورڈ میں سے ایک بھاری بھرکم ریوالور نکالا۔ اس نے ریوالور کھول کے چیک کیا تو وہ لوڈڈ تھا، اس ریوالور کی ناں کے آگے سائلنسر لگایا اور کار سے باہر نکل آیا۔ اب اس کے قدم اس بنگلے کی جانب تھے۔ اس نے سیاہ رنگ کا تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ تاریکی کا حصہ معلوم ہورہا تھا۔ وہ بنگلے کے قریب پہنچا اور بغلی دیوار پھلانگتا ہوا بنگلے کے لان میں پہنچ گیا۔ اس نے چند لمحوں تک اردگرد کا جائزہ لیا۔ مگر کسی کو نہ پایا۔ اس کے قدم اندر کی جانب بڑھے۔

پورے بنگلے پر ہو کا عالم طاری تھا۔ وہ احتیاط سے گیلری میں داخل ہوا اور ریوالور ہاتھ میں تھامے چوکنی نظروں سے اردگرد دیکھنے لگا کہ اچانک ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور کوئی بھاگتا ہوا آیا اور اس سے لپٹ گیا ایک لمحے کے لئے وہ چونکا مگر ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس نے آنے والے شخص کی گرفت سے خود کو آزاد کرلیا۔ اس نے دیکھا بکھرے بال اور خود آلود ہاتھ لئے وہی لڑکی اس کے سامنے موجود تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ سچویشن کو سمجھتا اسی کمرے سے ایک ادھیڑ عمر بھاری بھرکم آدمی پیٹ پر ہاتھ رکھے لڑکھڑاتا ہوا باہر آیا۔ اس کے پیٹ سے خون ابل ابل کر باہر آرہا تھا۔

لڑکی سہم کے اس کے پیچھے چھپ گئی۔ وہ آدمی زمین پر منہ کے بل گرا اور ہاتھ اٹھا کر انگلی کا اشارہ لڑکی کی جانب کرکے کچھ بولنے کی کوشش کررہا تھا مگر اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی یہ کیفیت دو تین لمحے رہی اور اس کے بعد اس کا سر ڈھلک گیا۔ وہ اس تمام منظر کو یوں دیکھ رہا تھا۔ جیسے یہ اس کے لئے روٹین کی بات ہو۔ اس آدمی کے مرتے ہی وہ لڑکی کی جانب پلٹا اور ریوالور کی ٹھنڈی نال لڑکی کے ماتھے پر لگادی۔

"پ.....پ، پلیز میں نے کچھ نہیں کیا۔ میرا سٹیپ فادر بہت گھٹیا شخص تھا یہ مجھے ریپ کرنا چاہتا تھا میں نے جو کیا خود کو پروٹیکٹ کرنے کے لئے کیا۔"

لڑکی نے آنکھیں بند کرکے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کی بند آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ اس نے لڑکی کے چہرے پر پھیلی معصومیت کو ایک نظر دیکھا اور ٹریگر دبادیا۔

☆.....☆.....☆

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل شاور کے نیچے کھڑا تھا۔ گرم پانی سے اڑتی ہوئی بھاپ کو وہ غور سے دیکھتا ہوا سوچ کی گہرائی میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر آخر اس نے شاور بند کیا اور کپڑے پہن کر باہر نکل آیا۔ وہ خود کو خاصا فریش محسوس کررہا تھا۔ پھر وہ ایک روم میں گیا وہاں پر وہی لڑکی ایک چیئر پر رسیوں کی مدد سے بندھی ہوئی دکھائی دی۔

لڑکی کے منہ پر ٹیپ لگی تھی۔ اس کی آنکھیں بند اور سانس گہری تھی۔ وہ بے ہوش تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر لڑکی کے ناک پر ہاتھ رکھا تو چند لمحوں میں وہ تڑپ اٹھی اور اس کی آنکھیں کھل گئیں اس نے اس کی ناک چھوڑ دی۔

"اگر تم شور نہ مچانے کا وعدہ کرو تو میں تمہارے منہ سے یہ ٹیپ ہٹا سکتا ہوں۔" اس نے لڑکی کو سرد لہجے میں کہا تو لڑکی نے ہاں میں سر ہلا دیا۔ تو اس نے آگے بڑھ کر اس کے منہ سے ٹیپ ہٹادی۔ ٹیپ کے ہٹاتے ہی لڑکی چلائی۔

"ہیلپ می......" لڑکی کے چلاتے ہی اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اب تم چلائی تو تمہارے منہ سے نکلنے والی یہ آخری آواز ہوگی۔" اس نے غرا کر کہا تو لڑکی سہم گئی۔ وہ پیچھے ہٹا اور اس کے سامنے موجود کرسی پر بیٹھ گیا۔

"دیکھو لڑکی میں نہیں جانتا کہ تمہارا سوتیلے باپ کے ساتھ کیا جھگڑا چل رہا تھا تم نے میرے پوچھنے سے پہلے اسے کیوں مارا یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ تم نے ایک قتل کیا تھا جس کی سزا یونائیٹڈ نیشن میں موت ہے۔ اس لئے گولی میں نے تمہارے بجائے اس لاش کی کھوپڑی پر چلائی تاکہ قتل کا الزام گمنام قاتل پر آئے تمہارے اسے قتل کرنے کے تمام ثبوت میں نے صاف کر دیئے ہیں۔" اس نے کہا۔

"اگر ایسی بات ہے تو تم مجھے یہاں لے کر کیوں آئے ہو؟" لڑکی نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے لگتا ہے کچھ لوگ تمہاری جان کے دشمن ہیں اور وہ تمہیں ہر قیمت پر مارنا چاہتے ہیں اس لئے میں تمہیں وہاں سے لے آیا۔"

"میری جان کی حفاظت کرنا اسٹیٹ کا کام ہے اور اس کام کے لئے (NYPD) موجود ہے۔ یہ تمہاری جاب نہیں۔ ویسے بھی تم ہاتھ میں گن لئے میرے گھر میں کر کیا رہے تھے۔" لڑکی نے غصے سے کہا۔

"مجھے بھی سوشل ورک کرنے کا شوق نہیں۔ تمہارے پیچھے جو لوگ پڑے ہیں ان سے تمہیں NYPD تو کیا FBI بھی نہیں بچا سکتی۔ رہا سوال میرے وہاں موجود ہونے کا تو میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میں وہاں چوری کی نیت سے داخل ہوا تھا۔ اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو تم یہاں میرے گھر میں کچھ ٹائم کے لئے رک سکتی ہو۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ یہاں تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی بشرطیکہ تم خود کسی مصیبت میں نہ پڑو۔ یہاں پر بیڈ موجود ہے تم یہاں سو سکتی ہو لیکن اس سے پہلے میرے خیال میں تمہیں نہا لینا چاہئے۔ ساتھ میں اٹیچ ہے۔ میں اب سونے جا رہا ہوں۔ تم بھی سو جانا اور ہاں تمہارے بھلے کے لئے میں باہر سے دروازہ لاک کر رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم پھر کوئی بے وقوفی کرو۔" اس نے کہا اور لڑکی کو سوچوں میں ڈوبا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل آ گیا۔

☆......☆......☆

ڈور بیل کی آواز گونجی تو اس نے بک کو شیلف میں رکھا اور جا کر دروازہ کھولا تو ایک لمبا تڑنگا نیگرو اندر داخل ہوا۔

"وہ لڑکی کہاں ہے؟" اس نے بدتمیزی سے اسے مخاطب کیا۔

"کیسی لڑکی؟"

"ڈچ اس گھر سے لڑکی کی لاش نہیں ملی۔ اس کے بجائے اس گھر سے اس کے سوتیلے باپ کی لاش ملی ہے۔ لڑکی کا وہاں پر نام و نشان نہیں تھا۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس لڑکی کی لاش کہاں گئی۔ اگر تم نے اسے مارا ہے تو۔" نیگرو نے غرا کر کہا۔

"دیکھو ڈینو مجھے اس لہجے میں بات کرنے والے لوگ پسند نہیں۔" ڈچ نے سرد لہجے میں کہا۔

"آخر تمہاری پرابلم کیا ہے۔ اگر ٹارگٹ تمہارے لئے مشکل تھا تو تم انکار کر سکتے تھے۔ اب مجھے صرف اتنا بتا دو کہ وہ لڑکی کہاں ہے باقی میں سنبھال لوں گا۔"

"میں نہیں جانتا وہ لڑکی کہاں ہے میرے وہاں جانے سے پہلے ہی وہ وہاں سے جا چکی تھی۔" ڈچ نے بے زاری سے کہا۔

"تم کیسے بیوقوف بنا رہے ہو۔ اس کے باپ کے سر میں ایک گولی لگی تھی جو تمہارے ہی ریوالور کی تھی مگر

Pakistanipoint

صرف اتنا ہی نہیں اس کے پیٹ میں چھریوں کے گہرے زخموں کے نشان تھے جو تمہارا اسٹائل نہیں تھا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ لڑکی نے پہلے اپنے باپ کو زخمی کیا اور پھر تم نے اس پہ گولی چلادی اور اگر ایسا نہیں ہے تو پہلے تم نے لڑکی کے باپ پہ گولی چلائی اس کے بعد لڑکی نے اپنا غصہ نکالنے کے لئے چھریاں مار کر اس کے پیٹ سے انتڑیاں باہر کردیں۔'' ڈینو نے طنزیہ انداز میں کہا تو ڈچ نے آگے بڑھ کر مین ڈور کھولا اور ہاتھ کے اشارے سے ڈینو کو باہر جانے کا کہا تو ڈینو سر ہلاتا ہوا دروازے کے قریب پہنچا اور رک کر باہر کی جانب دیکھنے لگا۔

''میں نہیں جانتا کہ تمہارے دماغ میں کیا چل رہا ہے صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ تم پھر وہیں پہنچ گئے ہو جہاں سے 8 سال پہلے چلے تھے۔''

''دفع ہو جاؤ اور دوبارہ یہاں مت آنا۔'' ڈچ نے سخت لہجے میں کہا۔

''تمہارے پاس دو دن ہیں۔ دو دن بعد میں پھر آؤں گا۔ لڑکی کہاں ہے اس سوال کا جواب تیار رکھنا۔ تم اچھی طرح جانتے ہو تمہاری دوستی میں، میں اگر یہاں نا بھی آیا تو کوئی آئے گا اور اگر آنے والا ناکام ہوا تو پھر کوئی اور آئے گا اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہے گا جب تک انہیں اپنے سوالوں کے جواب نہیں مل جاتے۔ اس لئے تمہارے لئے بہتر یہی ہے وہ کام ختم کرو جو تم نے خود شروع کیا ہے کیونکہ ہمارے دھندے میں دوسرا کوئی آپشن نہیں ہوگا۔'' ڈینو نے کہا اور باہر نکل گیا۔

وہ دروازہ لاک کر کے واپس پلٹا تو اس لڑکی کو خوف زدہ نظروں سے خود کو دیکھتے ہوئے پایا۔

''تو تم جاگ گئیں بریک فاسٹ کچن میں تیار ہے اور کچن سامنے ہے۔ تمہارے کپڑے بہت خراب ہو رہے ہیں۔ سامنے موجود ٹیبل پر ٹی شرٹ ٹراؤزر پڑا ہے وہی پہن لو۔'' ڈچ نے کہا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔

''وہ کیا واپس آئے گا؟'' لڑکی نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

''اس کی فکر تم مت کرو میں سنبھال لوں گا۔'' ڈچ نے کہا اور کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

لڑکی بے زاری سے لنچ کر رہی تھی جبکہ اس کے سامنے بیٹھا ڈچ بے فکری سے کھانے میں مصروف تھا۔

''میرے خیال میں لنچ تمہیں کچھ زیادہ پسند نہیں آیا۔'' ڈچ نے سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے بس مجھے بھوک نہیں۔'' لڑکی نے دھیرے سے کہا۔

''بھوک دو صورتوں میں نہیں لگتی یا تو آپ ضرورت سے زیادہ خوش ہوں یا انتہائی پریشان، خوش تم ہو نہیں سکتیں۔ ظاہری بات ہے تم شدت سے پریشانی میں مبتلا ہو۔'' ڈچ نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''آپ پوچھ تو ایسے رہے ہیں جیسے میری پریشانی کے بارے میں آپ کو علم نہیں۔''

''ویل میرے خیال میں جس مسئلے کا حل آپ کے پاس نہ ہو اس کے بارے میں سوچنا آپ کو مزید پریشانی کے علاوہ کچھ نہیں دے سکتا۔'' ڈچ نے برتن ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔

''میں آپ پر کیوں بھروسہ کروں، میں آپ کو جانتی تک نہیں۔''

''اچھا تو یہ پرابلم ہے آپ کا۔'' ڈچ نے مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''علیزہ.....علیزہ لینیسٹرز۔'' لڑکی نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال میں اب ہم اجنبی نہیں رہے۔'' ڈچ نے مسکرا کر کہا۔ تو علیزہ نے غور سے اسے دیکھا کیونکہ اب تک اس نے پہلی بار ڈچ کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''کیا صرف نام جاننے سے کسی شخص کی پہچان ہو سکتی ہے؟''

''تو اور کیا جاننا ہے میرے بارے میں؟'' ڈچ نے سنجیدگی سے کہا۔

''بہت سے سوالات ہیں۔ مثلاً آپ کون ہیں، آپ کا باقی خاندان اور آپ کا کام، میں نے آپ کے

دوست کو جو باتیں آپ سے کرتے ہوئے سنیں اس کے مطابق آپ مجھے میرے گھر میں مارنے کی نیت سے آئے تھے۔ میں نہیں جانتی آپ نے مجھے کیوں چھوڑا۔ نہ صرف چھوڑا بلکہ یہاں بھی لے آئے۔'' علیزہ نے اس کی آنکھیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس سوال کا جواب تو خود میرے پاس بھی نہیں کہ میں تمہیں وہاں سے کیوں یہاں اپنے ساتھ لے آیا ہوں شاید میں تمہیں غیر ارادی طور پر بچا کر سوشل ورک کرنا چاہتا تھا۔''

''ایک مکر اور سوشل ورک، آپ کو نہیں لگتا یہ دو چیزیں متضاد ہیں۔ کیا آپ کی فیملی کو آپ کے اس کام کے بارے میں پتا ہے؟''

''فیملی سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''آپ کی بیوی، بچے یا پھر گرل فرینڈ۔'' علیزہ نے کہا تو ڈچ اسے خالی نظروں سے چند لمحے دیکھتا رہا اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''میری اسٹڈی کا ٹائم ہو گیا ہے۔ تم یہاں لاؤنج میں بیٹھ کے TV دیکھ سکتی ہو۔'' ڈچ نے کہا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

9 بجے تک انتظار کرنے کے بعد جب ڈچ اپنے کمرے سے باہر نہ آیا تو علیزہ اس کے کمرے کی جانب بڑھی۔ اس نے ڈور ناک کرنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تو اسے محسوس ہوا ڈور کھلا ہے۔ اس نے دروازہ پر دباؤ بڑھایا تو وہ بے آواز انداز میں کھلتا چلا گیا۔ وہ آہستہ سے کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے دیکھا ڈچ ایزی چیئر پر بیٹھ کر ایک تصویری البم کو دیکھ رہا تھا۔ تصویروں میں ڈچ کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکی اور ایک کیوٹ سی بچی تھی۔ وہ سکتے کے انداز میں تصویروں کو دیکھے جا رہا تھا۔

''کیا آپ ٹھیک ہیں؟'' اس نے ڈچ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''یہ آج سے 10 سال پہلے کی بات ہے۔ میں اس وقت ایک گینگ کے لئے کام کیا کرتا تھا۔ چوری، ڈکیتی اور قتل تک میں اور میرا پارٹنر ڈینو بے دردی سے کر دیا کرتے تھے۔ پھر ایک دن ہم دونوں نے ایک بک اسٹور لوٹنے کا پروگرام بنایا۔ وہ کوئی زیادہ بڑی دکان نہیں تھی ایک چھوٹا سا اسٹور تھا۔ جس کی مالک ایک جوان سالہ لڑکی تھی۔ اس کے ساتھ ایک ملازم ہوا کرتا تھا۔ شام کے وقت ملازم کی شفٹ ختم ہو جایا کرتی تھی اور شاپ پہ لڑکی اکیلی ہوا کرتی تھی۔ لہٰذا اس اسٹور کو لوٹنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم دونوں اسٹور میں داخل ہوئے لڑکی اس ٹائم اسٹور بند کرنے کی تیاری کر رہی تھی۔ میں نے سیدھ جا کے لڑکی کے سر پہ گن تان دی۔ ڈینو تیزی سے کیش کاؤنٹر کی جانب بڑھا اس نے کیش بکس کھولنا چاہا کہ وہاں بیٹھے ایک آٹھ سالہ بچی نے کیش بکس پر ہاتھ رکھ دیا۔ شاید وہ ڈینو کو کیش نکالنے سے روکنا چاہتی تھی۔ واردات کے وقت ڈینو بلاک وحشی درندہ بن جایا کرتا تھا۔ اسے لڑکی کی یہ حرکت اس کے خون کو مزید کھولا گئی۔ اس نے لڑکی کو ایک زوردار تھپڑ رسید کیا تو بچی گھومتی ہوئی زمین پر جا گری اس کے منہ سے خون نکلنے گا اور گال سوج گیا۔ اس کے باوجود کانپتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈینو کو کیش بکس کھولنے سے روکنے لگی۔ اب ڈینو کا غصہ اپنی آخری حد کراس کر چکا تھا۔ اس نے پسٹل کا بولٹ چڑھایا اور ریوالور کا رخ بچی کی جانب کر دیا۔

بچی پر گن تنے دیکھ کر اس کی ماں جو پہلے سکتے کی کیفیت میں کھڑی تھی کہ اچانک چلاتے ہوئے ڈینو کی جانب بڑھی۔

میں نے ڈینو کی آنکھوں میں پھیلی وحشت کو دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ اب وہ گولی چلانے میں ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں کرے گا۔ میں نہیں جانتا اس ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں میرے دل میں ایسا کون سا جذبہ پیدا ہوا کہ میں نے اپنے ریوالور کا رخ ڈینو کی جانب کیا اور گہری سانس لے کر گولی داغ دی۔ گولی ڈینو کے ہاتھ کو گھائل کرتے ہوئے نکل گئی اور اس کے ہاتھ میں موجود پسٹل گر گیا۔ ڈینو میں ہمیشہ غضب کی برداشت رہی ہے۔ انڈر ورلڈ کی دنیا میں وہ کلنگ مین کے نام سے جانا جاتا

تھا۔ اس نے اپنے زخمی ہاتھ کو نظر انداز کیا اور کیش بکس سے پیسے نکالے اور بیگ میں ٹھونسنے لگا۔ میں نے ان دونوں ماں بیٹی کی جانب دیکھا۔ بچی اب بے ہوش ہوچکی تھی اور اس کی ماں روتی ہوئی چلا کر ہم دونوں کو وہاں سے جانے کے لئے کہہ رہی تھی۔ ہم دونوں وہاں سے نکل آئے۔ مگر میرا ذہن بار بار اس ماں اور بچی کی جانب جارہا تھا۔ میں نے کبھی قتل کرتے وقت بھی اتنا نہیں سوچا تھا جتنا اس ڈکیتی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

ڈینو مجھ سے ناراض تھا کہ میں نے اس پر گولی کیوں چلائی لیکن مجھے اس کی ناراضگی کی ذرا برابر بھی پرواہ نہیں تھی۔ میرا ذہن بار بار اس ڈکیتی میں الجھ جاتا تھا۔

آخر کار جب ایک ہفتے تک مجھے ذہنی سکون نہ ملا تو ایک دن میرے قدم خود بخود اس علاقے کی جانب بڑھ گئے۔ جہاں ہم نے وہ شاپ لوٹی تھی۔ میں نہیں جانتا میں اس وقت کس جذبے کے تحت جارہا تھا۔ ہمدردی رحم یا کچھ اور شاید اپنے دل کو پرسکون کرنے کے لئے ایک کوشش کرنا چاہتا تھا۔ میں وہاں پہنچا تو اسٹور کھلا تھا اور وہاں لڑکی کسٹمر کو خوش اخلاقی سے ڈیل کرنے میں مصروف تھی۔ اس کے چہرے سے پریشانی صاف ظاہر تھی۔ اس کی سرخ آنکھیں پکار پکار کے کہہ رہی تھیں کہ وہ کافی دنوں سے پرسکون نیند نہیں سوئی۔ میں بھی باقی کسٹمروں کی طرح ریک میں لگی بکس دیکھنے لگا۔ میں نے فلاسفے کی ایک بک اٹھائی اور کاؤنٹر پر جا کر اس لڑکی کو دکھائی۔ واردات کے وقت میں نے اور ڈینو نے ماسک پہن رکھے تھے۔ اس لئے اس وقت مجھے پہچانے جانے کا ڈر نہیں تھا۔

"A song Ice and fair" ''ٹوم ہولنز'' آپ کا ٹیسٹ (چوائس) بہت اچھا ہے۔ عورت نے خوش اخلاقی سے کہا۔

''اس کے کتنے ہوئے؟'' میں نے پوچھا۔

''20 ڈالرز'' لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

''آپ کی بچی آج نظر نہیں آرہی۔'' میں نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''آپ کو کیسے پتا کہ میری ایک بیٹی بھی ہے۔'' لڑکی نے ایک دم سنجیدہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں پہلے ایک بار آیا تھا اس وقت بچی کو یہاں بیٹھے ہوئے دیکھا تھا تو اندازہ لگایا کہ شاید وہ آپ کی بیٹی ہے۔ آپ کی اور اس کی آنکھوں کا کلر سیم تھا۔''

''میری یادداشت اتنی کمزور نہیں ہے۔ میری معلومات کے مطابق آپ یہاں پہلی بار آرہے ہیں۔'' اس عورت نے یہ بات ایسے انداز میں کہی کہ میرے لئے وہاں کھڑا رہنا مشکل ہوگیا۔ میں وہاں سے باہر آگیا۔ اس کے بعد میں وہاں کتابیں خریدنے کے بہانے گاہے بگاہے جانے لگا۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گا وہ عورت غیر ارادی طور پر میرے حواس پر چھا گئی تھی۔ میں اس سے شدید قسم کی یکطرفہ محبت کر بیٹھا تھا۔ لیکن میں جب بھی اس سے ملنے گیا تو اس نے مجھے خوش اخلاقی سے ڈیل نہیں کیا۔ شاید اسے مجھ پر شک ہوگیا تھا۔

ایک دن میں بک لینے کی غرض سے اس کی شاپ پر گیا تو میں نے دیکھا وہاں بینک کے نمائندے آئے ہوئے تھے اور وہ لڑکی کو بینک کی قسط دینے کے لئے مجبور کررہے تھے۔ بصورت دیگر شاپ کو بینک کی تحویل میں لے لینا چاہتے تھے۔ میں نے چپکے سے ایک کتاب خریدی اور واپس آگیا۔ ہماری ڈکیتی کی وجہ سے شاید وہ شدید قسم کی مالی مشکلات کا شکار ہوگئی تھی۔ ہم نے اس کی شاپ سے جتنے پیسے لوٹے تھے اتنی رقم میں نے ایک خاکی لفافے میں رکھ کے نظر بچا کے کیش بکس کے ساتھ رکھ دی۔ دوسرے دن میں شاپ پر گیا تو ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک کونے کی جانب لے گئی۔

''آپ نے میری شاپ میں ڈکیتی کی یہ بات میں پہلے ہی دن آپ کو دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی۔ لیکن آپ کے سامنے اس بات کا اظہار نہ کرسکی کیونکہ یہ بات مجھے کسی بھی طرح سود مند نہیں لگ رہی تھی۔ لیکن آپ نے پیسے واپس کرکے ثابت کردیا کہ ایک اچھے انسان ہیں۔ یہ صرف پیسوں کی وجہ سے نہیں ہے۔ آپ کے لئے میرے دل میں پہلے بھی عزت تھی کیونکہ آپ نے اپنے ساتھی کے ہاتھوں میری بچی کی جان بچائی تھی۔'' عورت نے کہا

Pakistanipoint

تو میرے سینے سے ایک بوجھ اتر گیا۔ جیسے میں کسی قید سے آزاد ہوگیا ہوں۔

اب میں اکثر و بیشتر بک شاپ پہ جانے لگا۔ وہاں اس کی بیٹی سے ملاقات ہوجایا کرتی تھی۔ وہاں کتابوں کو دیکھ دیکھ کے کتابوں سے ایک ان چاہا سا رشتہ بن گیا اور مجھ میں مطالعہ کا شوق پیدا ہوگیا۔ اب میرا اپنے کام میں دل نہیں لگتا تھا۔ ڈینو کو مجھ سے شکایات رہنے لگیں۔ لیکن میں نے اس کی تمام باتوں کو نظر انداز کر کے مطالعہ جاری رکھا اور بلا ناغہ شاپ پر جانے لگا۔ عورت کا شوہر آرمی میں تھا اور ایک بم بلاسٹ میں اس کی جان چلی گئی تھی اس کے بعد وہ اور اس کی بچی بھری دنیا میں اکیلے رہ گئے تھے۔ میں بتانا ہی بھول گیا اس لڑکی کا نام سارہ تھا اور اس کی بیٹی کا نام اینجل تھا۔ اس کی بیٹی کو ہمیشہ سے اپنے اس نام سے اعتراض تھا۔ اسے یہ نام لڑکوں والا لگتا تھا۔ میں اینجل کے ساتھ بہت گھل مل گیا۔ میں نے اس کو اپنے بارے میں تمام حقیقت بتادی تو سارہ نے مجھے جرائم کی دنیا چھوڑنے کو کہا۔

حقیقت تو یہ تھی میرا ابھی اب اس دنیا میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ کیونکہ میں سارہ اور اینجل کے ساتھ ایک نئی دنیا بسانا چاہتا تھا۔ میں نے ایک دفتر میں آفس بوائے کی جاب کرلی اور جرائم کی دنیا سے مکمل طور پر ناطہ توڑ لیا۔

ڈینو جو بچپن سے میرا دوست اور پارٹنر تھا اس بات پر بہت چلایا اور مجھے ڈرایا دھمکایا بھی کہ جرائم کی دنیا کے علاوہ میرے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ مگر میں نے اس کی باتوں کو نظر انداز کیا اور اپنے فیصلے پر قائم رہا۔ میں نے سارہ کو پرپوز کیا کیونکہ جرائم کی دنیا چھوڑ کر میں اس کا دل پہلے ہی جیت چکا تھا۔ اس لئے اس نے خوشی خوشی ہاں کہہ دی۔ ہماری شادی ہوگئی اور پتہ ہی نہ چلا کب ایک سال گزر گیا۔ اس ایک سال میں مانو سارہ اور اینجل کے ساتھ میں نے بہت سی زندگیاں جی لیں۔ ایک اچھا شوہر اور ایک اچھا باپ اور ایک شریف شہری بن گیا۔ مگر شاید اوپر والے کی نظر میں میرے سابقہ گناہ ناقابل معافی تھے۔ اس لئے میری خوشیاں نہایت عارضی ثابت ہوئیں۔

ہماری شادی کی پہلی سالگرہ تھی۔ میں نے چار ماہ کی سیونگ سے ایک خوب صورت انگوٹھی خریدی اور وہ لے کے میں اپنے گھر پہنچا تو گھر کے باہر لوگوں اور پولیس کی بھیڑ لگی تھی۔ معلوم ہوا میرے گھر میں ڈکیتی ہوئی ہے۔ ڈاکوؤں نے نا صرف گھر کو لوٹا بلکہ سارہ اور اینجل کو بھی مار ڈالا۔ مارنے والے نے انتہائی بے دردی سے ایک ایک گولی ان کے سروں میں اتار کے انہیں ہمیشہ کے لئے ابدی نیند سلا دیا۔ گھر کے فریج میں ایک بڑا سا کیک موجود تھا۔ جس پر پہلی اینی ورسری لکھا ہوا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ سارہ ہماری شادی کی سالگرہ بھول چکی ہے اور میں رنگ دے کر اسے سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ مگر میں غلط تھا۔ وہ ہمیشہ سے بہت اسمارٹ رہی تھی۔ وہ بھلا کیسے ہماری شادی کی ڈیٹ بھول سکتی تھی۔'' ڈچ یہاں تک کہہ کر خاموش ہوگیا۔

''سن کے بہت افسوس ہوا۔ تو کیا ان کے قاتل ملے؟'' علیزہ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''نہیں وہ ایک نیویارک کے حساب سے عام ڈکیتی تھی۔ افسوس صرف اس بات کا ہے کہ انہیں جو کچھ چاہئے تھا وہ آسانی سے لے جاسکتے تھے۔ سارہ اور اینجل کو مار کے آخر انہیں کیا ملا۔''

ڈچ نے دوسری جانب منہ پھیر کے کہا۔

''شاید وہ اپنے چہرے پر پھیلے تاثرات علیزہ کو نہیں دکھانا چاہتا تھا۔

''آپ کو برا نہ لگے تو ایک بات پوچھ سکوں گی؟''

''پوچھو۔'' ڈچ نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''جرائم کی دنیا چھوڑنے پر سب سے زیادہ تکلیف کسے ہوئی؟ میرا مطلب ہے کس کو آپ کا شریف شہری بننا اچھا نہیں لگا تھا۔'' علیزہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟'' ڈچ نے حیران ہوکر کہا۔

''یہی کہ آپ کی نئی دنیا اس نے برباد کی ہوگی جس کو آپ کا شریف بننا پسند تھا۔ ڈکیتی تو اپنی زندگی میں آپ نے بھی بہت سی کی ہوگی تو کیا آپ جنہیں لوٹتے ہیں انہیں بے دردی سے قتل کردیتے ہیں؟'' علیزہ نے

سوالیہ نظروں سے ڈچ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہرگز نہیں ہر ڈکیتی کرنے والے کا اصول ہوتا ہے کہ اگر کوئی سامنے سے مزاحمت کرے تو اس پے ایسے فائر کیا جاتا ہے جس سے وہ معمولی سا گھائل ہو نہ کہ وہ مرجائے۔''

''یہی تو میں آپ کو سمجھانے کی کوشش کررہی ہوں کہ وہ ڈکیتی نہیں تھی بلکہ اس کا مقصد ان دونوں کو جان سے مارنا تھا اور یہ کرنے والا اچھی طرح جانتا تھا کہ ان دونوں کے مرتے ہی آپ جرائم کی دنیا میں واپس آجائیں گے۔'' علیزہ نے کہا اور خاموش ہوگئی۔

چند لمحے کمرے میں موت کا سناٹا چھایا رہا اور پھر ڈچ کے لبوں نے حرکت کی۔ ''ایسا تو صرف ایک ہی آدمی کرسکتا ہے۔'' ڈچ نے مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا اور ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں ایک کام نمٹانے جارہا ہوں۔ تم دروازہ اندر سے لاک کرلینا۔ باہر جانے کا سوچنا بھی مت۔ کیونکہ بہت سے قاتل بھوکے بھیڑیوں کی طرح تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔'' ڈچ نے دراز سے بھاری ریوالور نکال کے لوڈ کرتے ہوئے کہا اور پھر باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی علیزہ کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆.....☆.....☆

ڈچ سیاہ رنگ کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس ایک کھنڈر نما عمارت میں پہنچا۔ اس عمارت کے بیسمنٹ کے آہنی گیٹ پر مخصوص انداز میں دستک دی۔ وہی ایک موٹے تازے نیگرو نے گیٹ کھولا۔ وہ ڈچ کو دیکھ کے مسکرایا۔ مگر اس کی یہ مسکراہٹ نہایت عارضی ثابت ہوئی کیونکہ ڈچ کے ریوالور سے نکلتی ہوئی گولی اس کے سینے میں سوراخ کرتی ہوئی پار ہوگئی۔ اس کے بھاری بھرکم وجود کے گرتے ہی ڈچ تیزی سے اندر داخل ہوا اندر انتہائی لاؤڈ آواز میں میوزک چل رہا تھا۔ سامنے کرسی پر موجود ایک آدمی نے نیگرو کو مرتے ہوئے دیکھا تو اس نے ساتھ رکھی مشین گن اٹھانے کی ناکام کوشش کی کیونکہ ریوالور سے نکلی دو گولیاں اس کا کام تمام کرگئیں۔ ڈچ پلٹا تو اس نے سامنے ایک رشین کو کھڑے ہوئے پایا۔ جو سینے پر ہاتھ باندھے سے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ ڈچ نے ریوالور اپنے بیلٹ میں ہولسٹر میں رکھا اور ایک ٹیبل پر موجود خنجر اٹھالیا۔ وہ جیسے ہی رشین کے قریب پہنچا رشین نے اسے چہرے پر مکا مارنا چاہا مگر ڈچ نے اپنے بائیں ہاتھ سے اس کے مکے کو پکڑا اور دائیں ہاتھ میں موجود خنجر اس کی گردن کے آر پار کردیا۔ اسی اثنا میں ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک خوب صورت لڑکی جینز اور لیدر کی جیکٹ میں ملبوس باہر نکلی۔

''رک جاؤ ڈچ۔'' لڑکی نے پتھریلی نگاہوں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو بیکی کہ میں رکنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' ڈچ نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں اندر جانے نہیں دوں گی۔''

''دیکھتے ہیں۔'' ڈچ نے کہا اور تیزی سے اس کی جانب بڑھا اور انتہائی سرعت سے اس نے بیکی کی گردن پکڑلی۔ بیکی نے اپنی جیکٹ کی جیب سے چھوٹا سا خنجر نکال کے ڈچ کے پیٹ میں مارنا چاہا۔ مگر ڈچ نے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔ اس کی گردن چھوڑ کے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کے خنجر والا ہاتھ انتہائی نفاست سے اس کی صراحی دار گردن پر پھیر دیا۔ وہ پانی سے نکلی مچھلی کی طرح تڑپنے لگی۔ اس کی شہ رگ کٹ چکی تھی۔ گردن سے نکلتا ہوا خون اس کے خوبصورت جسم کو غسل دینے میں مصروف تھا۔ ڈچ نے سامنے موجود دروازہ کھولنا چاہا مگر دروازہ اندر سے لاک تھا۔ ڈچ ایک قدم پیچھے ہٹا ہولسٹر سے ریوالور نکال کے دروازے کے لاک پر گولیاں برسانے لگا۔ چوتھے فائر پر لاک ٹوٹ گیا۔ اس نے دروازے کو ایک جھٹکے سے کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔ سامنے جہازی سائز کے صوفے پر ڈینو بیٹھا تھا اور وہ سامنے موجود ٹیبل پر جھک کے آئیں ہیروئن کو سونگھ کے اس کا نشہ کرنے میں مصروف تھا۔ ڈچ کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے سر اٹھا کے ڈچ کی جانب دیکھا۔

''ڈچ میرے بھائی خوش آمدید۔ مجھے پتہ تھا تم

ضرور آؤ گے۔لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ 48 گھنٹے کے نوٹس کے جواب پر تم صرف 24 گھنٹوں میں ہی میرے پاس پہنچ جاؤ گے اور وہ بھی اتنی دھوم دھام سے اس کی مجھے قطعی امید نہیں تھی۔'' ڈینو نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

''تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟'' ڈچ نے اس کے سامنے تن کے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''مجھے نہیں لگتا میں نے آج تک تمہارے ساتھ کچھ برا کیا ہو۔سو جو بھی کیا تمہارے فائدے کے لئے ہی کیا۔'' ڈینو نے تحمل سے کہا۔

''میری بیوی اور اس کی بچی کو مارنا کیا میرے لئے فائدہ مند تھا؟'' ڈچ نے زہر خند لہجے میں کہا تو ڈینو قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

''فائنلی تمہیں پتہ چل ہی گیا کہ یہ کارنامہ مجھ ناچیز کا ہے۔''

''کیا تمہیں مجھ سے ذرا برابر بھی خوف محسوس نہیں ہوا کہ اس حقیقت کے کھلتے ہی میں تمہارا کیا حشر کروں گا؟'' ڈچ نے اسے قہر برساتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''دیکھو ڈچ اس دنیا میں تمہارے سوا میرا اور کوئی نہیں ہے۔ہم دونوں ایک دوسرے کی فیملی ہیں۔میں نے ان دونوں کو اس لئے مارا کیونکہ مجھے کہا گیا تھا کہ میں تمہیں ہر صورت واپس لاؤں گا۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو تمہیں ماردوں اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہیں ایک خروچ پہنچانا بھی میرے لئے مشکل تھا اس لئے میں نے وہ وجہ ہی ختم کردی جس کی بنا پر تم ہماری دنیا سے دور ہوئے تھے اور مجھے اس بات کا کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔اگر مجھے مارنا چاہو تو میرے بھائی میں تمہارا ہاتھ نہیں روکوں گا۔ہاں اتنا ضرور کہوں گا اگر تم مجھے مار ڈالو تو یہاں تمام ثبوت جو تمہارے خلاف ہوں صاف کردینا۔میں نہیں چاہتا ہمارا ایشین بوس تمہاری جان کا دشمن ہے۔'' ڈینو نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اعتماد سے کہا۔

''مجھے اس کی فکر نہیں ہے اور تم میرے بھائی نہیں ہو۔'' ڈچ نے سرد لہجے میں کہا اور ریوالور کا ٹریگر دبا دیا۔

دوسرے ہی لمحے ڈینو کی کھوپڑی کئی حصوں میں تقسیم ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

دوسرے دن ڈچ صبح سے لے کے رات تک اپنے کمرے سے باہر نہ نکلا۔اس میں جینے کی امید ہی ختم ہوگئی تھی۔رات کا کھانا اس نے علیزہ کے ساتھ کھایا مگر اس کے ساتھ کوئی گفتگو نہ کی اور نہ ہی علیزہ نے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی۔کھانا کھاتے ہی وہ سو گیا۔رات کے آخری پہر اس کی آنکھ کھلی کمرے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ایک سایہ اس کے اوپر جھکا ہوا تھا۔ہیولے سے اسے کچھ اندازہ ہوا۔

''علیزہ۔'' ڈچ کے منہ سے نکلا۔

''شی.....'' علیزہ نے اپنی انگلی اس کے ہونٹوں پے رکھ کے کہا تو ڈچ اسے حیرانگی سے دیکھنے لگا۔پھر علیزہ کے ہونٹ اس کے ہونٹوں پر جھکنے لگے۔ڈچ کو اس کے ہونٹوں کی نرمی اپنے ہونٹوں پر محسوس ہوئی۔ڈچ نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کے اس کو پیچھے دھکیلنا چاہا۔مگر علیزہ نے کس کے اس کی گردن کو اپنے نازک بازوؤں کے حصار میں جکڑ لیا۔اب ڈچ بھی اس کے ساتھ بہکنے لگا۔اس نے کروٹ لی تو علیزہ نیچے اور وہ اس کے اوپر تھا۔اب جسم آہستہ آہستہ کپڑوں کی قید سے آزاد ہونے لگے۔ان دونوں کی دہکتی سانسیں ایک دوسرے میں گھل مل رہی تھیں۔کمرا جذباتی باتوں سے گونج رہا تھا۔

ڈچ کی سوچ سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوچکی تھی۔اس کی سوچ علیزہ کے جسمانی نشیب و فراز میں کہیں کھو چکی تھی۔علیزہ گرم جوشی سے اس کے بپھرے ہوئے جذبات کو مزید اشتعال دلا رہی تھیں۔ان کے وحشی پن سے بیڈ زوردار انداز میں لرزا۔بیڈ کے ہلنے کی وجہ سے اس کے ساتھ منسلک ٹیبل پر رکھا پانی کا جگ ہلا اور فرش پر گر کے چکنا چور ہوگیا۔جگ کے گرنے کی دھماکے دار آواز سے ایک لمحے کے لئے وہ دونوں چونک اٹھے۔آواز کی وجہ سے ڈچ اپنے ہوش میں واپس آ گیا۔علیزہ نے اسے کھینچ کے دوبارہ اپنے اوپر گرالیا مگر ڈچ خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

Paksociety.com

''نہیں ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔'' ڈچ نے نیچے گری شرٹ اٹھائی اور پہن کے بٹن بند کرنے لگا۔ علیزہ فوراً بیڈ سے اٹھی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال کے اسے اپنے قریب کرنا چاہا۔

''ہم کچھ غلط نہیں کررہے۔'' علیزہ نے نشیلے لہجے میں کہا۔

''دیکھو تمہیں یہاں لانے کا مقصد صرف تمہاری حفاظت کرنا تھا۔ اس کے علاوہ میرا ایسا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور نہ ہی میں تمہارے بارے میں ایسا کچھ سوچ سکتا ہوں۔'' ڈچ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''تو اب سوچ لو۔'' علیزہ نے اس کے شرٹ کا کالر پکڑ کر ایک بار پھر ڈچ کو اپنے قریب کرنے کی کوشش کی۔ تو ڈچ نے اس کا ہاتھ سختی سے پکڑ لیا۔

''بس بہت ہوا۔ چپ چاپ جا کر اپنے کمرے میں سو جاؤ۔'' ڈچ نے سختی سے کہا۔

''سوچ لو۔'' علیزہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''گیٹ آؤٹ۔'' ڈچ نے دانت چباتے ہوئے کہا۔

''اب تم مجھ سے دور نہیں جا پاؤ گے۔'' علیزہ نے یک دم بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ ڈچ کو لگا اس کی آواز میں سینکڑوں لوگ بول رہے ہوں۔ ایک لمحے کے لئے ڈچ کے جسم میں سرد لہر دوڑ گئی اور وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''ڈرو مت تمہیں کاٹوں گی نہیں۔'' علیزہ نے سنجیدگی سے کہا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑی اور ہنستے ہنستے کمرے سے باہر چلی گئی اور ڈچ ہکا بکا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ ڈچ دیوار کے قریب پہنچ کے اردگرد دیکھنے لگا۔ کسی کو نہ پا کر وہ دیوار پھلانگ گیا۔ بنگلے میں مکمل سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ یہاں پہلے بھی آچکا تھا اس لئے راہداری راستوں کا اندازہ تھا۔ تمام کمروں کے دروازے پولیس نے سیل کردیئے تھے۔ مگر دروازوں پر لگی سلیں اسے روکنے کی طاقت نہیں رکھتی تھیں۔ وہ ایک ایک کر کے کمروں کی تلاشی لینے لگا۔ جیسے وہ کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔

آخر کار ایک کمرے کی الماری میں اسے کپڑوں کی تہہ میں چھپی ایک ڈائری مل گئی۔ جو شاید پولیس والوں کی نظروں سے بچ گئی تھی۔ ڈچ نے وہ ڈائری اٹھائی اور ٹارچ کی روشنی میں اسے پڑھنے لگا۔ جوں جوں وہ پڑھتا گیا اس کی آنکھیں حیرت سے کھلتی چلی گئیں۔ دو گھنٹوں میں وہ مکمل ڈائری پڑھ چکا تھا اور پھر کچھ سوچ کے وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

رات کے آخری پہر ڈچ اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا لاؤنج کی جانب بڑھا۔ علیزہ سامنے صوفے پر نیم دراز تھی۔ اس نے اپنے پیر سامنے موجود ٹیبل پر ٹکا رکھے تھے۔ اس نے سیاہ رنگ کا باریک نائٹ سوٹ پہن رکھا تھا۔ جس سے اس کا شفاف بدن جھلک رہا تھا۔

''یہ مجھے تمہاری الماری سے ملا تھا۔ شاید یہ سوٹ تمہاری بیوی سارہ کا رہا ہوگا۔ وہ یقیناً اس میں بہت اچھی دکھتی ہوگی۔ میں نے یہ اس لئے پہنا تھا کہ تم ماضی کی ان یادوں کو دوبارہ زندہ کرسکو۔'' علیزہ نے غمآلود لہجے میں کہا تو ڈچ نے اس کی بات پر جواب دینے کے بجائے ڈائری ٹیبل پر پٹخ دی۔

''یہ کیا ہے؟'' علیزہ نے حیرانگی سے کہا۔

''یہ تمہارے سوتیلے باپ کی ہے۔ اس میں اس نے تمہارے بارے میں ہر وہ بات لکھی ہے جو تم شاید مجھے کبھی نہ بتاتیں۔''

''کیا لکھا ہے اس میں؟'' علیزہ نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

''کیا تم نہیں جانتی اس میں کیا لکھا ہے؟ اگر نہیں تو میں لکھی باتوں کو دہرا دیتا ہوں۔ تمہارے باپ کے مطابق اس کے تین بیٹے تھے۔ اسے اور اس کی بیوی مارتھا کو شدت سے بیٹی کی خواہش تھی مگر قدرت نے انہیں بیٹوں سے نواز دیا۔ اس کے باوجود وہ ایک بیٹی چاہتے تھے۔ انہوں نے تمہیں ایک چائلڈ ہوم سے ایڈوپ کیا۔ تم

ان کے ساتھ رہنے لگیں۔ جب سے تم ان کے گھر میں گئیں اس دن سے ان کے گھریلو حالات یکسر بدل گئے۔

تینوں بھائی جن میں پہلے بہت پیار تھا وہ آپس میں لڑنے لگے اور ان کی یہ لڑائی خطرناک رخ لینے لگی۔ جیسے کہ ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو ٹیرس سے دھکا دے دیا۔ جس کی وجہ سے ایک بھائی کی موت ہوگئی۔ لوگوں نے اسے ایک اتفاقی حادثہ قرار دیا۔ پھر ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو سوئمنگ پول میں ڈبو کے مار ڈالا! اسے بھی لوگوں نے اتفاقی حادثہ سمجھا۔ مگر تمہارے سوتیلے ماں باپ سمجھ گئے کہ کچھ تو گڑبڑ ہے۔ پھر باقی بچ جانے والے بھائی نے خودکشی کرلی۔ جس کا غم تمہاری سوتیلی ماں برداشت نہ کرسکی اور مرگئی۔ اب تمہارے ڈیڈ کو تمہاری اصلیت کا پتہ چل چکا تھا اس لئے انہوں نے تمہیں مارنے کا کنٹریکٹ ہمارے گروہ کو دیا۔ مگر میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی تم نے اپنے سوتیلے باپ کو مار ڈالا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟'' ڈچ نے سوالیہ نظروں سے علیزہ کو گھورتے ہوئے کہا۔ علیزہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی اور پھر مسکرا کر بولی۔

''تمہاری اسٹوری میں بہت سے جھول ہیں۔ وہ تینوں آپس میں لڑ کے مرے ہیں اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔'' علیزہ کی بات سن کے ڈچ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

''کیا تم مجھے اتنا بے وقوف سمجھتی ہو کہ میں بنا ثبوت کے تم پہ اتنا بڑا الزام لگاؤں گا۔ تمہارے سوتیلے باپ کے مطابق تم خود کسی کو نہیں مارتیں۔ تم لوگوں کو آپس میں لڑاتی ہو۔ ان کی کمزوریوں کا فائدہ اٹھا کر تمہارے باپ نے تم سے چھپ کر اس مسئلے پر ہر لحاظ سے ریسرچ کی۔ آخر کار اسے پتہ چل گیا کہ تم کون ہو اور یہ بات اسے فادر آرتھر نے بتائی۔

''کیا بتایا فادر نے؟'' علیزہ نے پتھریلے لہجے میں کہا۔

''کہ تمہارا اصل نام سرسی ہے۔ شیطان کی بیٹی یعنی ڈیول ڈاٹر۔'' تم صدیوں سے اسی روپ میں نظر آرہی ہو یعنی تم صدیوں سے اسی طرح جوان ہو۔ تمہارا یہ راز فاش ہوجاتا۔ اگر تم زیادہ عرصہ ایک جگہ رہتی تو اس لئے تم تیزی سے اپنے گھر بدلتی رہتی ہو۔ ہر بار ایک نئی شناخت کے ساتھ اور لوگوں کو اسی طرح آپس میں لڑاتی رہتی ہو۔ کیونکہ تمہارے باپ ڈیول کی جانب سے تمہارے ذمہ یہی کام سپرد کیا گیا ہے۔'' ڈچ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''کیا میں تمہیں جن بھوت نظر آتی ہوں؟'' علیزہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''یہی تمہاری سب سے بڑی خوبی ہے۔ تمہاری ماں ایک انسان اور تمہارا باپ ایک شیطان تھا۔ یہ جسم تمہیں اپنی ماں کی بدولت ملا ہے اور تمہاری عمر اپنے باپ پر گئی ہے۔ اس لئے اپنے باپ کی طرح ہزاروں سالوں سے دنیا میں فساد برپا کررہی ہو۔'' ڈچ نے کہا تو علیزہ نے ایک طویل سانس لیا۔

''تمہیں تو میرا شکر گزار ہونا چاہئے۔ تم انتہائی بے وقوف انسان ہو۔ اتنے سالوں سے تمہیں اپنی بیوی اور بیٹی کے قاتل نہ مل سکے۔ میری بدولت تم ڈینوتک پہنچ پائے۔ اگر میں نہ بتاتی تو کبھی بھی ڈینوتک نہ پہنچ پاتے اور

اعلان

اخباری نمائندے نے ٹرین حادثے کے واحد گواہ سردار صاحب سے پوچھا۔

پلیٹ فارم پر کھڑے ہوئے سارے مسافر کیسے مرگئے۔ سردار جی نے بتایا۔

ایک اعلان ہوا کہ ٹرین فلاں پلیٹ فارم پر آرہی ہے۔ یہ سن کر سارے سرداروں نے ڈر کے مارے پٹڑی پر چھلانگ لگادی۔ پھر آپ کیسے بچ گئے۔ نمائندے نے حیرت سے پوچھا۔ میں خودکشی کرنے کے لئے پٹڑی پر لیٹا ہوا تھا۔

اعلان سنا تو پلیٹ فارم پر جا کر لیٹ گیا۔ سردار جی نے منہ بسورتے ہوئے جواب دیا۔

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈوالہ)

Pakistanipoint

بدلے کا بوجھ لئے قبر میں اتر جاتے۔"

"تم صرف یہی کر سکتی تھی۔ یہی تو تمہارا کام ہے لوگوں کو آپس میں لڑانا اور پھر انہیں مرتا ہوا دیکھنا۔ تمہاری عمر بے شک تمہارے باپ کی جانب سے ملی ہوگی۔ مگر جہاں تمہارے اندر تمہارے باپ کی خوبیاں ہیں وہیں تم میں تمہاری ماں کی خامیاں بھی پوشیدہ ہیں۔ اس لئے تمہیں بھی کسی عام انسان کی طرح مارا جاسکتا ہے۔ میں نے زندگی میں کوئی اچھا کام نہیں کیا مگر شاید اس بار قدرت نے مجھے ایک موقع دیا ہے کہ میں تمہیں مار کے اس دنیا کو تم جیسی بلا سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا دلا دوں۔" ڈچ نے کہا اور ریوالور نکال کے علیزہ پر تان دیا۔

یہ دیکھ کر علیزہ ہنس پڑی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے ڈارلنگ اگر مجھے مارنا اتنا ہی آسان ہوتا تو کیا میں صدیوں تک جی پاتی؟ میں انسانوں کی طرح دکھتی ضرور ہوں مگر مجھ میں دماغ اپنے باپ والا ہے۔ ویسے اب بھی تمہیں ایک آفر دے رہی ہوں۔ تم میری حقیقت تو جان ہی چکے ہو۔ تم اس دنیا میں اکیلے ہو۔ ہم دونوں ساتھ میں اچھا وقت گزار سکتے ہیں۔ مانا کہ تم چند سالوں میں بوڑھے ہو کر مر جاؤ گے اور میں اسی طرح جوان رہوں گی مگر میرا وعدہ ہے کہ تم جتنے سال میرے ساتھ رہو گے مرتے وقت تک ان برسوں کے کسی ایک پل کو بھی تم نہیں بھول سکو گے۔ اگر تمہیں لگتا ہے کہ میرے باپ نے تمہیں مارنے کے لئے پیسے دیئے تھے اس لئے میرا قتل تم پہ فرض ہے تو بے وقوف آدمی وہ قتل کا کنٹریکٹ میرے سوتیلے باپ نے نہیں بلکہ میں نے دیا تھا جیسا کہ تم جانتے ہو اس گھر میں میرے لئے اب کچھ باقی نہیں رہا تھا اور مجھے نئے سہارے کی ضرورت تھی جو مجھے تمہاری صورت میں ملا۔

مانا تمہیں اپنے قتل کا کنٹریکٹ دے کر اپنی زندگی خطرے میں ڈالی مگر وہ زندگی ہی کیا جس میں ایڈونچر نہ ہو اور یہ بات تم سے بہتر کون جانتا ہے تم بھی تو اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالتے ہو پیسوں کے چند ٹکڑوں کے لئے۔" علیزہ نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے فرق نہیں پڑتا کہ کنٹریکٹ کس نے دیا تھا۔ تمہیں مار کے زندگی میں ایک نیک کام کرنا چاہتا ہوں۔" ڈچ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں جانتی تھی کہ تم میری آفر قبول نہیں کرو گے۔" علیزہ نے طویل سانس لے کر کہا۔ تو ڈچ کا ٹریگر پر دباؤ بڑھنے لگا۔

"تمہارا وقت اب....." ڈچ نے اتنا ہی کہا کہ فائر کی آواز گونجی اور ڈچ کا وجود کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین بوس ہو گیا۔

علیزہ نے دیکھا کہ ڈچ کے پیچھے سیاہ رنگ کے ٹی شرٹ ٹراؤزر میں موجود ملبوس ایک نقاب پوش کھڑا تھا جس کی آنکھیں انگارے کی طرح دہک رہی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں موجود ریوالور کی نال سے دھواں نکل رہا تھا۔ اس کے بازوؤں کی پھولی ہوئی رگیں اور تڑپتے ہوئے مسلز دیکھ کے اس کی طاقت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

"شکر ہے آپ وقت پر آ گئے ورنہ یہ جانور مجھے مار ہی ڈالتا۔" علیزہ نے دوڑ کے نقاب پوش سے لپٹ کے کہا۔ "تم نے میرا کنٹریکٹ نمبر کیسے ڈھونڈا؟" نقاب پوش نے بھاری آواز میں کہا۔

"ڈچ کی پرسنل ڈائری سے آپ کا نمبر بوس کے نام سے لکھا تھا۔ اس نے ہی آپ کے دیگر آدمیوں کو بے دردی سے مار ڈالا۔ مجھے امید تھی کہ اس وحشی سے صرف آپ ہی مجھے بچا سکتے تھے۔" علیزہ نے سسکتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" نقاب پوش نے بھاری آواز میں کہا۔

"اگر تمہارا کوئی گھر نہیں ہے تو تم چند دن کے لئے میرے ساتھ رہ سکتی ہو۔" نقاب پوش نے اپنی مخصوص آواز میں کہا تو علیزہ نے ہتھیلی سے آنسو صاف کرتے ہوئے سر ہلا دیا۔ نقاب پوش نے اس کا ہاتھ تھاما اور بیرونی دروازے کی جانب بڑھا جب کہ ڈچ کا تڑپتا ہوا جسم کب کا سرد ہو چکا تھا۔

Pakistanipoint

موت کی جیت

مہر پرویز احمد دولو-میاں چنوں

اچانک بیماری نے حملہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا غرور خاک میں مل گیا۔ کینسر نے جکڑلیا اور موت سے جانبر نہ ہوسکا، بیٹے کے بعد خود بھی موت کے منہ میں چلا گیا، غرور کا سر نیچا ہوا تو.....

تقدیر کے فیصلے پر شاکر نہ رہنے والوں کے لئے تحیر انگیز اور سبق آموز دل گرفتہ کہانی

زن، زر، زمین کی وجہ سے انسان میں حرص کے بادل کھل کر برستے ہیں اور پانی میں اس کا سب کچھ بہا کر لے جاتے ہیں اور جب آدمی کو محسوس ہوتا ہے تو اس وقت وہ مکمل برباد ہو چکا ہوتا ہے۔ ان تین چیزوں کے حصول کے لئے انسان دینی، دنیاوی اصول وضوابط، نظریات، شرائط، پابندیوں کو روندتا چلا جاتا ہے اور اس بے حسی پر ذرہ برابر دکھ غم پریشانی شرمندگی ندامت یا جھجک محسوس نہیں کرتا بلکہ ان انسانیت اور رشتوں کے دشمن دولت کے ذخائر کو سینے سے لگا کر رکھتا ہے۔

زندگی کے قیمتی ماہ وسال اس کے حصول کے لئے صرف کر دیتا ہے، رشتوں، ناطوں کی بھینٹ چڑھاتا ہے، زندگی اور معاشرے کے اصول وضوابط کا مذاق اڑاتا ہے۔ مگر دولت کے یہ انبار بے وفا دوست کی طرح عین مشکل کے وقت منہ موڑ لیتے ہیں اور زندہ درگور کر کے

Pakistanipoint

اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ دولت کو جمع کرنے کے لئے زندگی کی دہائیاں گزر جاتی ہیں، مگر استعمال نصیب میں نہیں ہوتا۔ بڑا عجیب قانون ہے دولت جائز ناجائز طریقے سے کوئی جمع کرتا ہے اور عیاشی کی زندگی اس کے بل کوئی اور گزارتا ہے۔

مال مفت دل بے رحم لوگ بے رحمی کے ساتھ خرچ کرنے کے بعد کوڑی کوڑی کے محتاج ہو جاتے ہیں جبکہ یہ مال کسی اور کی خوشیوں کو گھپ اندھیری راہوں پر پردیسی کرنے کے لئے روانہ ہو جاتا ہے۔''

☆.....☆.....☆

میاں رمضان کٹے ہوئے شلجم کی دکان پر واپس آیا کہ ان سے بدبو آرہی ہے۔ میرے دس روپے واپس دو۔

کچھ دن بعد عید الفطر تھی، ہر مسلمان خوشیوں سے نہال۔ یکم رمضان سے عید کی تیاریاں شروع کر دی گئی تھیں، پورا گاؤں انتہائی جوش و جذبے اور مذہبی وارفتگی کے ساتھ تیاریوں میں مگن تھا۔

عید کا چاند نظر آتے ہی پورا گاؤں خوشی کے قمقموں سے جگمگا اٹھا۔ ہم لوگ روزے رکھیں نہ رکھیں عید کی نماز پڑھنے کا گناہ سر ذہیں ہونے دیتے۔

علی الصبح میٹھی سویاں اور زردے چاولوں کی تین پلیٹیں کھانے کے بعد خوشی خوشی مسجد میں نماز عید پڑھنے گیا۔

ہزاروں کی آبادی والا گاؤں ہے لیکن عید گاہ نہیں۔

میاں رمضان کو اور مجھے ایک ہی صف میں ساتھ جگہ ملی۔

امام صاحب کی خدمت کے لئے اس کے دوست بڑی شد و مد کے ساتھ اسپیکر پر بار بار اعلان کر رہے تھے۔

مولوی صاحب کی خدمت کرنے والوں کو دس، بیس، پچاس اور سو روپے کے بدلے جنت الفردوس میں محل الاٹ کر رہے تھے۔

میاں رمضان نے دو روپے کا نوٹ نکالا۔

''مجھے دبا کر دیا اور بولا جاؤ، میری طرف سے مولوی صاحب کی خدمت کر آؤ۔'' میں نے بڑی عاجزی اور شرمندگی سے کہا۔

''میاں صاحب! اس نوٹ کو تو بند ہوئے چھ ماہ ہو چکے ہیں، مولوی صاحب کی خدمت صرف دو روپے اور وہ بھی کھوٹے۔

کچھ خدا کا خوف کرو، آپ گاؤں کے سردار ہیں، آپ کو تو اتنے کم پیسے دینا زیب نہیں دیتا۔'' اولڑ کے! اپنی عمر اور قد سے بڑی باتیں نہ کر۔''

''ایمانداری سے بتاؤ! مجھے کبھی مسجد میں آتے دیکھا ہے آج سال بعد آیا ہوں۔ اب پورا سال مجھے مسجد میں نہیں دیکھو گے۔'' میاں صاحب نے جواب دے کر مجھ لاجواب کر دیا۔

شرمندگی کے ساتھ دو روپے کا نوٹ پکڑا۔ اور جنت دینے والے کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

میاں رمضان، میاں نواز اور میاں ریاض میاں جیون خاں کے فرزند ارجمند تھے، وہ لمبی چوڑی جائیداد چھوڑ کر فوت ہوئے تھے۔

گاؤں میں چوہدراہٹ زمین کے بدلے ہوتی ہے، جس کے پاس جتنا زیادہ رقبہ ہوگا، وہ اتنا ہی بڑا گاؤں کا سردار ہوگا۔

والد صاحب کی وفات کے بعد سرداری ان کے حصے میں آئی۔

شادی کے بندھن میں بندھنے کے باوجود اکٹھے ہی رہتے ہیں۔ زمین کا بٹوارہ تو نہ ہوا لیکن جس کو جتنا حصہ آتا تھا وہ سرکاری کاغذات میں الاٹ کر دیا گیا۔

میاں رمضان کا ایک بیٹا شاہ زیب پیدا ہوا جبکہ میاں نواز کی چار بیٹیاں اور میاں ریاض کی ایک بیٹی پیدا ہوئی، یہ دونوں بھائی اولاد نرینہ کی نعمت سے محروم رہے۔

شاہ زیب کی پیدائش پر حویلی میں دل کھول کر خوشیاں منائی گئیں، دیسی گھی کے تیل کے دیئے، صدقہ خیرات کی صورت میں میٹھی دیگیں چالوں کی اور غربا اور

Pakistanipoint

مانگنے والوں کو خوب نوازا گیا۔ تینوں بھائیوں کی آنکھ کا تارا شاہ زیب دیسی گھی اور خالص دودھ پی کر دنوں میں جوان نظر آنے لگا۔

مہینوں کا سفر دنوں میں طے کر کے جوانی کی دہلیز پر کھڑا دستک دینے لگا۔

ایسے نواب زادے آنکھوں کا تارا اور ہتھیلی کا چھالہ ہوتے ہیں، لاڈ پیار کے جھولے میں جھلا کر پروان چڑھایا جاتا ہے، کوئی بھی سختی ان کو سخت ناگوار گزرتی ہے۔ یہ لاڈلا بھی بڑی مشکل سے تھرڈ ڈویژن لے کر میٹرک پاس کرسکا۔ والدین اس کارکردگی پر بھی آپے سے باہر تھے اور خوب جشن منا کر کامیابی کا ڈھنڈورا پیٹا گیا۔ ویسے بھی بگڑے، لاڈلوں جوانوں نے پڑھ کر کون سا نوکری کرنی ہوتی ہے، برائے نام تعلیم بھی جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتی ہے۔

کھانے پینے اور سرداری کرنے لمبی چوڑی جائیداد تھی، اسی لئے تعلیم کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔

☆.....☆.....☆

ماموں پولیس میں بہت بڑا آفیسر تھا، اس نے چہیتے بھانجے کو بھرتی کروادیا۔ اب جائیداد کے ساتھ تنخواہ کی صورت میں بھی دولت میں اضافہ ہونے لگا۔ آمدنی کی فصل تھی کیا سیلاب کے پانی کی طرح منہ زور رفتار سے بڑھتی جارہی تھی۔ خوش حال اور اکلوتا صاحب جائیداد سمجھ کر ماموں نے بہن پر زور دے کر بیٹی کا رشتہ بھانجے سے طے کردیا۔

دس ایکڑ رقبے کے ساتھ گاڑی اور بہت سا قیمتی جہیز بیٹی کو دیا۔ دولت کی دیوی نے موسلا دھار بارش کی طرح شاہ زیب کے گھر پر برسنے لگی۔

باپ نے گھر کی جائیداد گھر میں رکھنے کے لئے بھتیجی کا رشتہ سوکن پر شاہ زیب کے لئے لے لیا، بھائی بھی اسی حق میں تھا کہ جائیداد باہر نہ جائے سو وہ بھی بہت خوش ہوا۔ بیٹی اور جائیداد دونوں گھر میں ہی رہے۔

اب شاہ زیب اپنے حصے کے رقبے کے ساتھ بیوی کی مد میں کافی رقبہ اکٹھا کرچکا تھا۔ دولت کی دیوی نے اسے نشئی بنادیا۔

اب تو وہ نوکری اور گھر پر دولت اکٹھی کرنے کے منصوبے بناتا رہا، اس کارخیر میں باپ نے بڑھ چڑھ کر اس کی حمایت کی اور آمدنی کا کوئی بھی ذریعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

☆.....☆.....☆

شاہ زیب چوں کہ دو شادیاں کرچکا تھا، مزید شادی خاندان میں کرنا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ ماموں کی بیٹی نے بڑی مشکل سے کڑی شرائط پر شاہ زیب کو چچازاد سے شادی کی اجازت دی تھی۔

میاں نواز کی چار بیٹیاں جن کے نام دس دس ایکڑ زمین تھی، شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھیں، شاہ زیب مزید شادی کی صورت میں ان کو قائل نہ کرسکا اور اگر ہو بھی جاتیں تو شادی تو ایک سے ہونی تھی، باتین سے تو وہ شرعی طور پر شادی نہیں کرسکتا تھا۔ اگر شادی نہ کرتا تو تمام جائیداد غیروں میں جانے کا خدشہ تھا۔

اس مسئلے نے باپ بیٹے کی نیند حرام کررکھی تھی، لوگ الگ بولیاں بول رہے تھے۔

''کیسے ظالم لوگ ہیں جوان بچیوں کی شادی نہیں کررہے۔''

کافی سوچ بچار اور مشورے کے بعد ایک حل باپ بیٹے کے ذہن میں آگیا جس سے سانپ بھی مرجاتا اور لاٹھی بھی ٹوٹنے سے بچ جاتی۔

باپ بیٹے نے چاروں بچیوں کو ایک شام سامنے بیٹھا کر کہا۔

''آپ ہماری بچیاں ہیں۔ آپ کی عزت، مستقبل اور حالات کے ہم ذمہ دار ہیں۔ آپ شادی کی عمر کو پہنچ چکی ہیں۔ ظاہر ہے غیروں میں شادی کرنی ہے، آپ کے نام لگا رقبہ آپ کے ساتھ جائے گا۔

ہم ان لوگوں پر یہ احسان کررہے ہیں کہ اپنا لخت جگر دے رہے ہیں اور ساتھ ہی لاکھوں کا سامان بھی۔

اگر رقبہ بھی ان کے پاس چلا گیا تو ہم برادری میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے، ہماری

غیرت والی چادر داغدار ہو جائے گی۔

اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کی شادی بھی ہو جائے اور برادری میں ہمارا بھرم بھی قائم رہے تو آپ اپنے حصے کا رقبہ شاہ زیب کے نام الاٹ کروادیں، آپ جہاں کہیں گی وہاں آپ کی شادی کردی جائے گی اور منہ مانگا جہیز دیا جائے گا۔

لڑکیوں میں انکار کی جرأت کہاں تھی، جانوروں کی طرح ہاں میں ہاں ملاتی گئیں۔ رشتے لینے والوں کو شرائط بتائی جاتیں ساتھ ہی ان سے جہیز کا سامان مانگا تھا۔ بہرحال چاروں بچیوں کی شادیاں ہوگئیں۔ اپنے حصے کا رقبہ شاہ زیب کے نام لگوایا۔ لڑکے والوں سے جہیز لے کر بچیوں کو الوداع کیا گیا۔ اس شادی میں ایسے واعظین بھی شامل ہوئے جو بیٹیوں کے حقوق پر ہر جمعہ کے دن لمبا چوڑا خطبہ دیتے تھے غریب کی زندگی کی طرح بڑھتی دولت کی عکاس بیل نے شاہ زیب کے اندر کے انسان کو دولت کا حریص بنا دیا تھا۔ اس کی سوچ فکر دولت کو بڑھانے کے بارے میں ہوتی۔

☆.....☆.....☆

شرعی طور پر جب لڑکی لڑکا بالغ ہو جائیں تو انہیں زندگی کا فیصلہ کرنے کی آزادی ہے۔ شادی جیسے بندھن میں باندھنے کے لئے دونوں کی رائے جاننا ضروری ہے۔

لیکن انسان کی ازلی دوست اور دشمن دولت نے انسان کی عقل پر جہالت کی پٹی باندھ رکھی ہے ہمیشہ اپنے پانے کے لئے ہر جائز ناجائز طریقہ کو مستحسن قرار دیا ہے۔ آج تک اس نے کسی کے ساتھ وفا نہیں کی، لوگوں کی زندگیوں کو موت کے حوالے کرکے خود غیروں کے سنگ چل دیتی ہے اور پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتی لڑکی کو گائے بھینس کی طرح کسی بھی کھونٹے سے باندھ کر والدین، رشتے دار عزیز اس کی آزادی چھین کر مرضی کے مقاصد اور فوائد حاصل کرکے شرعی فرض سے سبکدوش ہوتے ہیں۔

کاش لڑکی سے شادی کے بارے میں مرضی پوچھ لی جائے لیکن یہاں تو بھیڑ بکری کی طرح ہانک کر غیر مرد کے حوالے کردیا جاتا ہے، نصیب نیک ہوں تو ٹھیک وگرنہ ساری زندگی دکھ کے جہنم میں جلنا پڑتا ہے۔

☆.....☆.....☆

شمیم کی شادی چچازاد اعجاز سے کردی گئی، انتہائی نکما، نکھٹو، کام چور گھر والوں کی روٹیوں پر پلنے والا۔

غیر عورتوں سے مراسم رکھتا، ان کے ہر حکم کی پیروی کرتا، شہر سے ضرورت کی چیزیں لاکر دیتا، ان کے بچوں کو کھلونے لاکر دیتا، روتے ہوؤں کو چپ کرواتا، دن طلوع ہوتے گھر سے نکلتا رات گئے تاروں کے سائے میں واپس لوٹتا۔

اپنے حصے کی زمین ٹھیکے پر دے کر خواتین کے لئے خدمت خلق کا منبع بنا ہوا تھا۔ شمیم والدین کی اکلوتی اولاد چار ایکڑ زمین کی مالک تھی، مگر اعجاز کو ایک آنکھ نہ بھاتی، بچوں والی خواتین پر صدقے واری جاتا، جبکہ شمیم کو منہ نہ لگاتا، اس کا کوئی بھی حق ادا نہ کرتا، وقتاً فوقتاً جیب خرچ کی مد میں روپے اینٹھنا اور غیر عورتوں پر لٹاتا۔ اس کا دل دکھی کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا، ہر ممکن اس کا جی جلا کر نفرت کرنے کا موقع فراہم کرتا۔

خاوند کی بے رخی، بے راہ روی اور نفرت حد سے بڑھی تو شمیم روٹھ کے میکے آ گئی، بوڑھی ماں کی خدمت کو زندگی کا شعار بنالیا، مستقل میکے میں رہ کر بقیہ زندگی کا قرض چکانے لگی۔

اعجاز کو کھل کر کھیلنے کا موقع مل گیا، بیوی کا تھوڑا بہت ڈر تھا وہ ختم ہو گیا۔

وقت اور دولت غیر خواتین پر خرچ کرکے تسکین حاصل کرنے لگا۔

یہ میاں بیوی شاہ زیب کے قریبی رشتے تھے۔ شمیم کے روٹھنے پر اس گھر میں ابر رحمت بن کر برسنے لگا۔

بہانے سے اس در پر حاضری دینے لگا، پھل فروٹ کے شاپر زکے ساتھ تحائف کا تبادلہ ہونے لگا اور آخر کار شمیم کو دوستی کے شکنجے میں ڈھالنے میں کامیاب ہو گیا۔

شمیم خاوند کی بے رخی سے تنگ آئی ہوئی، پیار کی

پیاسی، چاہت کی طلب گار اور بانہوں میں جھولنے کی خواہشمند۔

شاہ زیب کا پیار پاتے ہی ہواؤں میں اڑنے لگی، شاہ زیب نے بھی دل کھول کر اس پر خرچ کرنا شروع کردیا۔

شاہ زیب کی دن رات کی محنت رنگ لائی، وہ میاں بیوی کے درمیان نفرت کی عمیق کھائی کھودنے میں کامیاب ہوگیا۔

شاہ زیب نے شمیم کو دل کی نگری کی شہزادی بنانے کا عندیہ دیا تو وہ خوشی سے نہال دولت کے جھولے میں سکون سے آنکھیں بند کئے ہلکورے لینے لگی۔

شاہ زیب کے مشورے پر شمیم نے خلع کا دعویٰ کردیا۔

عدالت سے اطلاع تاریخ لانے والا اہلکار شاہ زیب کا دوست تھا۔ وہ اطلاعی فارم شاہ زیب کو دے دیتا۔

تین تاریخوں کا اعجاز کو پتہ نہ چل سکا، یک طرفہ فیصلہ ہوگیا، شمیم کو عدالت سے طلاق مل گئی۔

شاہ زیب کا منصوبہ کامیاب ہوگیا۔

اس نے شروع دن سے شمیم کی چار ایکڑ زمین کو ہتھیانے کا منصوبہ بنایا تھا شادی کے ایک سال بعد وہ منزل پانے میں کامیاب ہوگیا۔

طلاق یافتہ لڑکی کو معاشرے میں کون منہ لگاتا ہے۔ وہ پورے معاشرے کے لئے گالی تصور کی جاتی ہے۔ طلاق لینے میں چاہے سارا قصور لڑکے کا ہو، مگر مورد الزام لڑکی کو ٹھہرایا جاتا ہے۔

آوارہ تنکے کی طرح پاؤں کی ٹھوکر پر رکھ کر اس کو جینے کی سزادی جاتی ہے۔ شمیم بھی خاوند کی چھت سے محروم ہوکر معاشرے کے رحم وکرم پر جینے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگی۔

ان کشیدہ اور پریشان حالات میں شاہ زیب ابر رحمت بن کر برسا، اس نے شمیم کو اپنانے کا فیصلہ کیا۔

کسی نے ناراضی کا اظہار کیا، کوئی خوش ہوگیا، کسی نے شاہ زیب کو لالچی قرار دیا۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔

شاہ زیب اپنے منصوبے میں کامیابی پر خوش تھا، چار ایکڑ اور رقبہ اس کو مل رہا تھا۔ یوں وہ بہت بڑے رقبے کا مالک بن کر علاقے میں راج کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔ شاہ زیب کو شادی اور شمیم کی خوشی کم اور رقبہ ملنے کی خوشی زیادہ تھی۔ خوشی سے پھولا پھرتا تھا۔

لیکن قدرت نے اب اس کی رسی کھینچنے کا فیصلہ کرلیا۔

پے درپے خوشیوں اور رقبے میں دن رات اضافے نے اس کا غرور آسمان پر پہنچادیا لیکن نظر بدنے اب اثر دکھانا شروع کردیا۔

شاہ زیب دو بیٹوں کا باپ تھا، اللہ کی قدرت ایک کو کینسر ہوگیا، بیماری کا نام سنتے ہی شاہ زیب کا دن سکون اور رات کی نیند اڑگئی۔ بیٹے کا ہر ممکن علاج کروایا، پورے پنجاب میں دم درود، تعویذ اور علاج میں بیٹے کی کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن کینسر کا مرض جیت گیا اور معصوم بچہ ہار گیا۔ بیٹے کی موت نے شاہ زیب کو توڑ کر رکھ دیا۔

سب خوشیاں، رونقیں ماند پڑگئیں، بیماری نے نچوڑ کر رکھ دیا۔ CMH اسپتال میں داخل کروایا گیا۔ لیکن بیٹے کے روگ نے لاغر کردیا۔ زندگی کی رعنائیاں اور پیار خزاں کی نظر ہوگئیں تقریباً چھ ماہ تک زندگی اور موت کی جنگ رہی اور آخر کار ایک بار پھر موت جیت گئی اور زندگی ہار گئی، شاہ زیب زندگی کی بازی ہار گیا۔

چالیسویں کے بعد اس کی تمام جائیداد کا بٹوارہ ہوا۔ تین بیویاں اور ایک بیٹا حصے دار تھے۔

شمیم کو تیسری بیوی کی حیثیت سے چار ایکڑ رقبہ ملا جبکہ یکمشت پینشن کی مد میں دس لاکھ روپے اور ہر ماہ پندرہ ہزار روپے ماہانہ پنشن کی مد میں مل رہے ہیں۔

اپنے حصے کا رقبہ اور شاہ زیب سے ملنے والا رقبہ ٹھیکے پر دے رکھا ہے۔ عین جوانی میں طلاق کا کلنک سجانے والی شمیم حق حلال کے ہزاروں روپے میں ہر ماہ کھیل رہی ہے، اب شاید اس کا تیسری شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔

Pakistanipoint

اندھیرا ایکسپریس

عمران قریشی-کوئٹہ

خوبرو حسینہ بغیر شادی شدہ تھی بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ اس کی کسی مرد سے دوستی تک نہ تھی، وہ صرف اپنے کام سے کام رکھتی تھی، اس کے باوجود وہ پریگننٹ ہوگئی تھی، لیکن کیسے؟

عقل وشعور میں نہ آنے والے برسوں ذہن سے محو نہ ہونے والی..... حقیقی شاہکار کہانی

میں نے بمشکل آنکھیں کھول کر سر کو دونوں ہاتھوں سے تھاما اور گلے میں اٹکتے ہوئے سانس کو باہر خارج کردیا۔ دماغ میں دھماکوں کا سلسلہ ایسے چل نکلا۔ جیسے بارودی سرنگ میں یکے بعد دیگرے دھماکے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ رات کا کھایا پیا تمام کھانا منہ کے راستے باہر نکلنے کی تیاری کرنے لگا۔ میں نے عجلت کے عالم میں قریب رکھے ہوئے سلیپر پہنے اور باتھ روم میں گھس گئی۔ واش بیسن میں سب کچھ اگل دینے کے بعد کچھ اطمینان محسوس ہوا اور میں نے کمرے کے ساتھ واقع کچن میں داخل ہوکر چولہے پر چائے کا پانی رکھ دیا۔ گزشتہ رات تک میری طبیعت خراب نہیں تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا۔ میں نے کھانے کے بعد ایک گلاس میں الائچی ملا دودھ پیا تھا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر مجھے دوبارہ بھوک لگی۔ میں نے ایک گلاس مزید دودھ میں الائچی ڈالی اور ٹیرس پر چہل قدمی کے دوران مختلف وظائف کرکے آرام گاہ میں آ گئی تھی۔ میری طبیعت ہشاس بشاش تھی۔ بستر پر لیٹنے کے بعد میں نے سورۃ الملک کا ورد کیا۔ یہ سب میرے روزمرہ کے معمولات کا ایک حصہ تھا۔ مجھے نیند بہت اچھی آئی۔ تاہم غیر یقینی طور پر فجر کے وقت میری آنکھ نہ کھل سکی۔ یہ میری پینتیس سالہ زندگی میں پہلی دفعہ ہوا تھا۔

میں نے دس سال کی عمر میں پانچ وقت کی نماز پڑھنا شروع کردی تھی اور جوانی میں قدم رکھنے کے بعد تہجد پڑھنا میرے معمول کا حصہ بن کر رہ گیا تھا۔ گزشتہ رات تہجد کے علاوہ فجر کے وقت بھی میری آنکھ کھلنے نہیں پائی۔ میں نے کھولتے ہوئے پانی میں حسب ضرورت پتی اور چینی ڈال کر گیس کو مزید کھول دیا دودھ والی چائے کے متعلق سوچنے پر ہی مجھے دوبارہ ابکائی کا احساس ہونے لگا تھا۔ میں نے سٹنگ روم میں لگی ہوئی گھڑی پر نگاہ دوڑائی۔ مجھے اپنے ہاتھوں کے طوطے اُڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔

دن کے بارہ بجنے والے تھے۔ فجر اور تہجد نا سہی۔ سات بجے سو کر اٹھنا میری مجبوری تھی۔ نو بجے اکیڈمی کی کلاسوں کا آغاز ہوتا تھا اور ساڑھے آٹھ بجے تمام اساتذہ عمارت میں حاضری دیتے تھے۔

میں عموماً آٹھ بجے اپنے اپارٹمنٹ سے باہر نکل جایا کرتی تھی۔ اکیڈمی کی بس آٹھ پانچ پر مجھے بس اسٹاپ سے اٹھاتی تھی اور آٹھ بیس پر اکیڈمی کے سامنے اتار دیتی تھی۔ بارہ بجے کا مطلب یہ تھا کہ میں نے آج کی تمام کلاسیں مس کردی تھیں۔ یہ میرے ساتھ ہو کیا رہا

تھا۔ میں نے قہوے کو کیتلی میں منتقل کیا اور کیتلی کو اٹھا کر سٹنگ روم میں آ گئی۔ ٹیلی فون کے پاس سے گزرتے ہوئے میں نے کیتلی کو سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور اکیڈمی کے معلوماتی آفس کا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف سے رضوانہ کی آواز سنائی دی۔

''ملک حیات اکیڈمی۔ آپ نے کس سے بات کرنی ہے۔'' میں نے اس سے معذرت کرتے ہوئے طبیعت کی ناسازی کے متعلق بتانے کی کوشش کی۔ تب وہ بات کاٹتے ہوئے مسرت بھرے لہجے میں بولی۔

''ٹیچر بسمہ مجھے آپ کی آواز سن کر نہایت مسرت محسوس ہو رہی ہے۔ یقین جانیے۔ ایک ماہ کی یہ دوری میرے لئے سوہان روح بن کر رہ گئی تھی۔ آپ جانتی ہیں۔ اکیڈمی آف ہونے کے بعد میں آپ سے قرآن شریف کی تفسیر کی کلاس لیتی تھی۔ آپ کے چلے جانے کے بعد وہ کلاس نہایت متاثر ہوئی۔

میں نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''کیا میں نے کل اکیڈمی کی کلاسوں میں شرکت نہیں کی۔ شاید مجھے اعزازی طور پر خصوصی انعامات سے نوازنے کی بات چیت بھی ہوئی تھی۔''

رضوانہ کی آواز سنائی دی۔

''یہ تو ایک ماہ قبل کی بات ہے۔ اس دن غیر متوقع طور پر آپ کا استعفیٰ موصول ہوا۔ پرنسپل طاہرہ نے آپ سے بات چیت کرنے کے لئے فون کیا۔ تب انہیں بتایا گیا کہ آپ غیر ملکی دورے پر بیرون ملک جا چکی ہیں۔ اعزازی تقریب میں آپ کی غیر حاضری پر مجھے دلی افسوس محسوس ہوا۔ تاہم آپ کا ایوارڈ اور اسناد میرے پاس محفوظ ہیں۔''

مجھے ایک دفعہ پھر اپنے دماغ میں دھماکے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔ ابکائی کا احساس ہوا۔ میں نے بے اختیار ریسیور کو کریڈل پر پٹخا اور عجلت کے عالم میں باتھ روم کی طرف بھاگ پڑی۔ واش بیسن میں سب کچھ اگلنے کے بعد جب میں نے کمرے کا رخ کیا تو مجھ پر غشی طاری ہونے لگی تھی۔ میں بے دم ہو کر بستر پر گر گئی۔

نجانے کتنا وقت یوں ہی گزر گیا۔ کافی دیر بعد جب مجھے ہوش آیا۔ تب میں نے فون کر کے جبران کو فلیٹ میں بلایا۔ مجھے اس کے اس وقت اپارٹمنٹ میں ملنے کی توقع نہیں تھی۔ تاہم غیر متوقع طور پر اس نے کال اٹینڈ کر لی۔ میں نے نقاہت بھرے لہجے میں اسے بتایا۔

''میری طبیعت بہت ناساز ہے۔ اگر تم کسی لیڈی ڈاکٹر کے متعلق جانتے ہو۔ تو مہربانی کر کے مجھے اس کے پاس لے چلو۔'' اس نے معاملے کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے بات چیت کرنے کی کوشش نہیں کی اور فون بند کر دیا۔ وہ میرے ساتھ والے اپارٹمنٹ میں مقیم تھا۔ میری اور اس کی جان پہچان چند دنوں پر مشتمل تھی۔ تاہم ٹیچر ہونے کی وجہ سے وہ میرا دل سے احترام کرتا تھا۔ پانچ منٹ کے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا۔ وہ سامنے کھڑا تھا۔ اس کی عمر بمشکل تمام پچیس سے تیس سال کے درمیان تھی۔ چہرے کے نقوش دلفریب اور بے انتہا حیرت بھرے تھے۔ قد لمبا اور بال فوجی انداز میں کٹے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

''آپ کی طبیعت کافی حد تک ناساز دکھائی دے رہی ہے۔ خیر تو ہے۔ ضرور بد پرہیزی ہوئی ہوگی۔''

میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے سلمٰی ریاض کے کلینک لے چلو۔ باقی کی تفصیل بعد میں بتاؤں گی۔'' اس نے سر اثبات میں ہلایا اور میرے ساتھ اپارٹمنٹ سے باہر آ گیا۔

دن کے پونے دو بج رہے تھے۔ سڑک پر ٹریفک کا اژدہام تھا۔ اسے ڈرائیونگ میں دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس لئے بات چیت کا موقع نہیں ملا۔

ڈاکٹر سلمٰی ریاض کا کلینک شہر کے مصروف ترین حصے میں واقع تھا۔ میری ان کے ساتھ اچھی خاصی جان پہچان تھی۔ گورنمنٹ سروس سے ریٹائر ہونے کے بعد انہوں نے حال ہی میں کلینک کھولا تھا۔ تاہم کام کی زیادتی کا یہ عالم تھا کہ مریضوں کو ایک ہفتہ قبل نمبر حاصل کرنا ہوتا تھا۔

Pakistanipoint

جبران نے چپراسی کے ہاتھوں میں سو کا نوٹ پکڑاتے ہوئے اسے ڈاکٹر کو اپنی آمد سے مطلع کرنے کی سفارش کی۔ میں رشوت دینے اور لینے کے حق میں کبھی بھی نہیں تھی۔ لیکن طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے مجھے اس کے متعلق معلوم نہیں ہوسکا۔ جبران نے مجھے بعد میں بتایا۔

چپراسی نے نوٹ کو جیب کے اندر منتقل کیا اور دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے باہر آ کر ہمیں اندر جانے کے لئے کہا۔ ہم نے کمرے کے اندر قدم رکھ دیا۔ ڈاکٹر سلمٰی پچپن سے ساٹھ کے درمیان قدم رکھتی ہوئی نہایت قابل رشک صحت کی مالک تھیں۔ چہرے پر دبیز شیشے والی عینک شخصیت میں رعب و دبدبے کا باعث تھی۔ مجھے اندر داخل ہوتے دیکھ کر شفقت بھرے لہجے میں مسکراتے ہوئے بولیں۔

''آج غیر متوقع طور پر تمہیں کلینک میں دیکھ کر مجھے حیرت محسوس ہورہی ہے۔ تاہم تین چار دن پہلے بل میں نے اپارٹمنٹ فون کیا۔ تو مجھے بتایا گیا کہ تم غیر ملکی دورے پر بیرون ملک گئی ہوئی ہو۔''

میں سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر نے پریشان کن نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

جبران نے بتایا۔ ''میری طبیعت ناساز ہے اور مجھے شدت کے ساتھ علاج کی ضرورت ہے۔'' ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر میری نبض چیک کی اور مجھے قریب رکھے ہوئے بنچ پر لیٹ جانے کے لئے کہا۔ ان کے چہرے پر نہایت تفتیش بھرے تاثرات تھے۔ تاہم میں نے کچھ پوچھنے کی کوشش نہیں کی۔ چیک اپ کے بعد انہوں نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ پھر کاغذ پر چند ٹیسٹ لکھ کر جبران کے حوالے کئے اور مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولیں۔

قبل از وقت کچھ کہنے سے پہلے اگر ٹیسٹوں کی رپورٹ کا انتظار کرلیا جائے تو میرے خیال میں بہتر ہوگا۔''

مجھے دوبارہ متلی کا احساس ہونے لگا۔ تاہم خالی پیٹ ہونے کی وجہ سے یہ احساس جلد ہی ختم ہوگیا۔ میں نے پوچھا۔

''کیا کوئی تشویش ناک بیماری ہے۔ مجھے صبح سے الٹیاں آرہی ہیں۔ شاید بلڈ پریشر بھی کم ہے۔''

ڈاکٹر نے قلم کو میز پر رکھ دیا اور کرسی کے ساتھ پشت لگانے کے بعد دھیمے لہجے میں بولیں۔

''کوئی بھی عورت اس کیفیت کو محسوس کر کے باآسانی بیماری کی تشخیص کرسکتی ہے۔ لیکن مجھے کچھ کہتے ہوئے اس لئے جھجک محسوس ہورہی ہے کہ تم شادی شدہ نہیں ہو۔ تمہارے پریگنٹ ہونے کی وجہ میرے لئے ناقابل فہم ہے۔''

میرے دماغ کو زوردار جھٹکا لگا اور میں کمرے کے ساتھ بنے ہوئے باتھ روم کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ واش بیسن میں زہریلا پانی اگلنے کے دوران مجھے اپنی قوت سماعت پر شک محسوس ہورہا تھا۔ ڈاکٹر سلمٰی جو کچھ کہہ رہی تھیں۔ اس کا اندازہ مجھے شادی نہ ہونے کے باوجود بھی ہوگیا تھا۔ تاہم بات غیر یقینی تھی۔ میں نے واش بیسن کا نل کھولا اور چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے کے بعد باتھ روم سے باہر آ گئی۔

جبران اور ڈاکٹر سلمٰی میرے منتظر تھے۔ میں نے ڈاکٹر سلمٰی کو الٹیاں روکنے کی دوائی لکھنے کے لئے کہا تو انہوں نے پیڈ پر لکھ دیں اور میں جبران کے ساتھ کمرے سے باہر آ گئی۔ میڈیکل اسٹور سے دوائیاں لینے کے بعد ہم پارکنگ میں کھڑی جبران کی گاڑی کی طرف آ گئے۔

دوران سفر میرا دماغ مختلف سوچوں کے گھیرے میں تھا۔ معاملہ نہایت پراسرار اور گھمبیر تھا۔ میری آنکھوں کا دیر سے کھلنا۔ نمازوں کا قضا ہوجانا۔ ان سب سے قطع نظر ایک رات کے اندر پریگنٹ ہونا نہایت غیر یقینی بات تھی۔ میں اسلامک اکیڈمی میں قرآن مجید و تفسیر کی معلّمہ تھی۔ ہماری اکیڈمی کے اندر مَردوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ میں باپردہ اور دین دار قسم کی نہایت

Paksociety.com

معمولی شکل وصورت کی عورت تھی۔ مجھے مَردوں میں قطعی دلچسپی نہیں تھی۔ نہ جانے یہ سب کیسے ہوا۔ جبران نے اپارٹمنٹ کے سامنے گاڑی روکی اور میں دوائیوں کا شاپر ہاتھ میں لئے کمرے کے اندر آ گئی۔ میں نے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق چند گولیاں حلق میں انڈیلیں اور کافی کا پانی چولہے پر رکھنے کے بعد سٹنگ روم میں آ گئی۔

جبران میرا منتظر تھا۔ اس کے چہرے پر شش و پنج کے تاثرات تھے۔ تاہم نگاہوں کا مرکز میں نہیں تھی۔ بلکہ میرا مختصر اٹیچی کیس تھا۔ جو داخلی دروازے کے پاس رکھا ہوا تھا۔ میں عموماً غیر ملکی دوروں کے دوران اس اٹیچی کیس کو استعمال کرتی تھی۔ اگر وہ باہر رکھا تھا۔ تب اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ میں نے واقعی بیرون ملک سفر کیا تھا۔ لیکن میرے حافظے میں سفر سے متعلق کوئی بھی یاد محفوظ نہیں تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ چند دن قبل کی ان یادوں کو شعور سے غائب کر دیا گیا ہو۔ لیکن ایسا کرنے والا کون ہو سکتا تھا۔

میرے اردگرد مَردوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ جبران اور ملک حیات دو ایسی ہستیاں تھیں۔ جن کے متعلق مجھے کچھ اندیشہ لاحق تھا۔ اکیڈمی کے سربراہ ملک حیات جیسے شریف النفس انسان کے متعلق سوچنا معیوب تھا۔ لیکن میرا زیادہ اٹھنا بیٹھنا ان کے ساتھ تھا۔

جبران کو چند ہفتوں میں قرآن و تفسیر سے متعلق مختصر وقت صرف اس لئے دے رہی تھی کہ وہ میرا ہمسایہ تھا اور میں ہمسایوں کے حقوق سے واقف تھی۔ میں نے ایک دفعہ پھر اس کے سراپے کو نگاہوں میں لاتے ہوئے تنقیدی نگاہوں سے تفصیلی جائزہ لیا۔ سرخ سفید رنگ، معصومیت بھرے نقوش، قد لمبا اور قابل تعریف شخصیت، کردار و فعل کے لحاظ سے نہایت شریف اور فطرتاً شرم و حیا اور پرخلوص طبیعت کا مالک تھا۔ مختصر عرصے کے دوران اس نے کبھی بھی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کی تھی۔ یہ بات سوچنا بھی شرم اور نہایت گھٹیا سوچ کے مترادف تھی کہ وہ دوران غفلت میرے ساتھ معیوب حرکت کرنے کا متحمل ہو سکتا تھا۔ اس کے باوجود بھی صنف مخالف کی ذات سے کچھ بعید نہیں تھا۔

میں نے اسے کچن میں جا کر کافی تیار کرنے کے لئے کہا۔ وہ خاموشی کے ساتھ اندر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے بریف کیس کا جائزہ لیا۔ ہینڈل کے پاس پیلے رنگ کا ٹیگ لگا ہوا تھا۔ میں نے اسے اتار لیا۔ ٹیگ کے پچھلی طرف اندھیرا ایکسپریس بوگی نمبر پانچ سیٹ نمبر ایک سو بیس تحریر تھا۔

میں نے زیر لب نام دہرایا۔

اندھیرا ایکسپریس بوگی نمبر پانچ سیٹ نمبر ایک سو بیس۔ یقیناً کسی نامعلوم اور پراسرار ٹرین کا نام تھا۔

ٹیگ لگے ہونے کی وجہ سے یہ کہنا بعید از قیاس نہیں تھا کہ میں نے اس کے ذریعے کسی دور دراز علاقے کا سفر کیا تھا۔ جس کے متعلق میری یادداشت میں کچھ بھی درج نہیں تھا۔ میں نے بریف کیس کو کھول دیا۔ وہ ضروریات زندگی کے سامان سے بھرا ہوا تھا۔ ٹوتھ پیسٹ، کنگھی، سرمہ، مختصر ملبوسات اور دوران سفر پڑھنے والی کتابوں کا مجموعہ، کپڑوں کو الٹنے پلٹنے پر مجھے ایک مختصر کاغذ پر چند الفاظ کی صورت میں نامعلوم ایڈریس ملا۔ میں نے نگاہ الفاظ پر دوڑائی۔

علی پور سیداں محلہ دوتاراں۔ امروہہ۔

حیرت انگیز طور پر تحریر میری اپنی تھی۔ میں نے کب اور کیوں لکھی۔ مجھے اور باتوں کی طرح اس کے بارے میں بھی کچھ یاد نہیں تھا۔

جبران کافی کے مگ تھامے سٹنگ روم میں داخل ہوا۔ وہ کافی بہت اچھی بناتا تھا۔ میں جب بھی اس کے اپارٹمنٹ میں تفسیر و تعلیم کے سلسلے کے لئے جاتی تھی۔ تب کافی سے شغل ضرور ہوتا تھا۔ وہ میرے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا اور کھوجتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے پوچھا۔

''کبھی ٹرین میں سفر کیا ہے؟ یا پھر ان کی تفصیل سے واقف ہو؟'' اس نے انکار میں سر ہلایا۔

مجھے اندھیرا ایکسپریس کے نام کی ٹرین کے متعلق

معلومات درکار ہیں۔ کہاں جاتی ہے۔ کہاں سے آتی ہے۔ ٹائمنگ شیڈول کیا ہے؟ اور کہاں کی ٹرین ہے۔

جبران نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''کچھ عجیب سا نام ہے۔ اندھیرا ایکسپریس۔ میں نے پہلے کبھی نہیں سنا ہوسکتا ہے کہ حال ہی میں اس کا قیام ہوا ہو۔ بکنگ آفس میں میرا جاننے والا ہے۔ میں اچھی طرح فون کرکے معلومات حاصل کرتا ہوں۔'' وہ اُٹھ کر فون کی طرف چلا گیا۔

گولیاں کھانے سے میری طبیعت بحال ہوگئی تھی اور مجھے بھوک لگنے لگی تھی۔ میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ جبران نمبر ڈائل کررہا تھا۔ میں نے اسے فون سے فارغ ہونے کے بعد اپارٹمنٹس کی عمارت سے متصل ریسٹورنٹ سے کھانا منگوانے کے لئے کہا اور وضو کرنے کے لئے باتھ روم میں آگئی۔ ظہر کی نماز کا وقت گزرتا چلا جارہا تھا۔ میں نے نہایت اہتمام کے ساتھ وضو کرنے کے بعد نماز ادا کی اور مختصر تسبیح سے فارغ ہوکر سٹنگ روم میں آگئی۔

جبران میرا منتظر تھا۔ وہ کھانے کا آرڈر دے چکا تھا۔ میں نے تفہیمی لہجے میں پوچھا۔

''ٹرین کے متعلق کچھ معلوم ہوا؟'' اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے بتایا۔

''نہیں۔ تاہم ایک اسٹیشن ماسٹر سے میری جان پہچان ضرور ہے۔ جو ہمیں بہتر معلومات مہیا کرسکتا ہے۔ وہ ریٹائر ہوچکا ہے اور نواحی علاقے میں رہائش رکھتا ہے۔ کھانے کے بعد ملاقات کے لئے چلیں گے۔'' میں نے اثبات میں سر ہلایا اور قریبی صوفے پر بیٹھ گئی۔

☆.....☆.....☆

جبران بہت بڑے جاگیردار کی سوتیلی اولاد تھا۔ شہر پڑھائی کی نیت سے آیا تھا۔ تاہم دل اچاٹ ہوجانے کی وجہ سے کالج کو خیرباد کہہ کر دینی تعلیمات میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ وہ میری دل سے قدر کرتا تھا۔ کھانے کے بعد ہم اس کی گاڑی میں بیٹھ کر عمارت سے باہر آگئے۔ اس کی واقفیت جس اسٹیشن ماسٹر سے تھی۔ اس کی رہائش شہر سے باہر کسی چھوٹے سے گاؤں میں تھی۔ دوران سفر جبران نے مجھ سے معاملے کے متعلق بات چیت کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے ٹال دیا۔

میں خود معاملے کی اندیکھی گتھیوں میں الجھ کر رہ گئی تھی۔ اسے بھلا کیا بتاتی۔ اسٹیشن ماسٹر کا گھر دو کمروں پر مشتمل تھا۔ ہمیں کرسیوں پر بٹھانے کے بعد اس نے جبران سے آنے کی وجہ دریافت کی۔ جبران کے کچھ بولنے سے قبل میں نے اسے اندھیرا ایکسپریس کے متعلق بتانے کے بعد تفصیل کے متعلق پوچھا۔ اس نے حسب توقع لاعلمی کا اظہار کیا۔

''میں ایسی کسی بھی ٹرین کے متعلق نہیں جانتا۔ نام بھی کچھ پراسرار ہے۔ شاید غیر معروف پہاڑی علاقے کی طرف چلنے والی معمولی اہمیت کی حامل کوئی ٹرین ہو۔ آپ پہاڑی علاقے میں معلومات کیجیے۔'' میں نے پرس میں سے کاغذ کا ٹکڑا باہر نکالا۔ جس پر نامعلوم ایڈریس تحریر تھا اور بوڑھے کے ہاتھوں میں تھمادیا۔ اس نے چند لمحے نظر ثانی کی۔ پھر گویا ہوا۔

''ہمسایہ ملک کا ایڈریس لگتا ہے۔ امروہہ وہیں کا علاقہ ہے یقیناً ٹرین کا تعلق بھی وہیں سے ہوگا۔ کافی عرصہ ہوا دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی کی وجہ سے ٹرینوں کے سلسلے کو منقطع کردیا گیا۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ کسی ٹرانسپورٹ جیسے ٹیکسی یا پھر بس وغیرہ کا نام ہو۔''

میں نے پوچھا۔

''آپ کسی ایسے آدمی کے متعلق جانتے ہیں۔ جو اس اسرار سے پردہ اٹھا سکے۔''

اسٹیشن ماسٹر بولا۔

''حتمی طور پر کچھ کہہ نہیں سکتا۔ تاہم ایک قریبی دوست سے پوچھ گچھ کے بعد شاید آپ کی کچھ مدد کرسکوں۔ وہ قریبی پہاڑی علاقے میں رہتا ہے۔''

میں نے وہاں جانے سے پہلے عصر کی نماز پڑھی اور آگے سفر کا آغاز کیا۔ اسٹیشن ماسٹر کا جاننے والا بوڑھا آدمی نہایت مفلسی و افلاس کی زندگی گزار رہا تھا۔ بیوی فوت ہوگئی تھی اور بچے اسے تنہا چھوڑ کر شہر منتقل ہوگئے

Pakistanipoint

تھے۔ گزر بسر گاؤں والوں کی نذر کی ہوئی رقم یا پھر کھانے پینے کی امداد پر میسر تھی۔ میں نے ہزار کا نوٹ اس کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے اندھیرا ایکسپریس کے متعلق پوچھا۔ اس نے غیر متوقع طور پر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بتایا۔

''میں جانتا ہوں۔ تاہم معلومات کے لئے ہزار کا نوٹ قابل قبول نہیں۔ مجھے دو ہزار کی رقم درکار ہے۔''

میں نے دلاسہ دینے والے لہجے میں کہا۔

''اگر معلومات اس قابل ہوئیں کہ مجھے اس سے کچھ فائدہ ہوسکا تو میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کو مطلوبہ رقم ضرور دوں گی۔''

بوڑھا تلخ لہجے میں بولا۔

''تمہیں رقم قبل از وقت دینا ہوگی۔ میں تم پر اعتبار نہیں کرسکتا۔ میں نے پرس کھول کر رقم اس کے ہاتھوں میں تھمادی۔ اس کے بے رونق چہرے پر شادابی کی لہر دوڑتی چلی گئی اور اس نے نہایت احتیاط کے ساتھ نوٹوں کو نیفے میں اڑسا۔ پھر دھیمے لہجے میں بولا۔

''درحقیقت اندھیرا ایکسپریس کوئی باقاعدہ ٹرین نہیں ہے۔ یہ ایک نہایت خفیہ قسم کی سرنگ میں چلنے والی گاڑی کا نام ہے۔ جس کے ذریعے دو ملکوں کے درمیان ہر قسم کی اسمگلنگ حتیٰ کہ انسانوں تک کو غیر قانونی طور پر دوسرے ملک منتقل کیا جاتا ہے۔ اسمگلر کا نام ہاشم خان ہے۔ اس کی رہائش فیروز آباد کے نواحی علاقے میں کہیں ہے۔ میں کچھ صحیح طرح بتا نہیں سکتا۔ تاہم تم تیمور خان سے رابطہ کرو۔ فیروز آباد میں اس کا چائے کا ہوٹل ہے۔ میرا نام بتادینا۔ تمہارا کام ہوجائے گا۔''

مغرب کا وقت ہونے والا تھا۔ میری طبیعت میں دوبارہ اتھل پتھل ہونے لگا تھا۔ اس لئے میں نے ہاشم خان سے ملاقات کا ارادہ دوسرے دن کے لئے ملتوی کردیا اور اسٹیشن ماسٹر کو اس کے گھر اتارنے کے بعد ہم اپارٹمنٹ آگئے۔

مجھے اپارٹمنٹ میں چھوڑنے کے بعد جبران واپس چلا گیا۔ میں نے وضو کیا اور ٹیرس پر جائے نماز لگا کر عشاء کی نماز ادا کی اور نہایت خشوع وخضوع سے روتے ہوئے اپنے حق میں بہتری کی دعا کی۔ چند وظائف پر مشتمل آیات کا ورد کیا اور بستر پر آگئی۔ معاملہ میری عقل وفہم سے باہر تھا۔ تاہم حقیقت سامنے تھی۔ ہر چند کے میرے اردگرد مردوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس کے باوجود بھی وہ سب کچھ ہوا تھا۔ جس کا ذمہ دار کسی شخص کو ہی گردانا جاسکتا تھا۔ میں نے ایک دفعہ پھر اردگرد موجود افراد پر نگاہ تنقید ڈالی۔ سرفہرست اکیڈمی کے سربراہ ملک حیات تھے۔ ان کے ساتھ چند دنوں سے میری شادی کا معاملہ زیر بحث تھا۔ تاہم ابھی خاص پیش رفت نہیں ہوسکی تھی۔ وہ نہایت خاموش طبع اور سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ پانچ وقت کے نمازی پرہیزگار ہونے کے علاوہ غیر شادی شدہ تھے۔ ان کی عمر پینتالیس سے پچاس کے درمیان تھی اور ان کی طرف سے کبھی کوئی غیر اخلاقی حرکت سرزد نہیں ہوئی تھی۔

اپارٹمنٹس کا مالک بیوی بچوں والا زن مرید قسم کا شوہر تھا۔ بیوی کی اجازت کے بغیر پانی پینے کو بھی گناہ سے تشبیہ دیتا تھا۔ سیکورٹی آفس میں کام کرنے والے چند افراد جن سے میرا تعلق صرف سلام ودعا کی حد تک محدود تھا۔ جبران کی زندگی محرومیوں اور غموں کی آماجگاہ تھی۔ اس کے جاگیردار باپ نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی شادی سے اسے دو لڑکیاں ہوئیں۔ وہ جائیداد کی وارث نہیں بن سکتی تھیں۔ اس کے باپ نے وارث کے حصول کے لئے دوسری شادی کی۔ اس شادی سے ایک لڑکا ہوا۔ پہلی بیوی اور اس کی دونوں لڑکیوں نے رقابت کے جذبے سے دلبرداشتہ ہوکر جبران کی ماں کو اس کی آنکھوں کے سامنے گلے میں رسی کا پھندا ڈال کر پنکھے کے ساتھ لٹکا دیا اور خودکشی کی صورت دینے کے بعد معاملے کو دبادیا۔

جبران کا باپ ان دنوں بیرون ملک گیا ہوا تھا۔ اس کے واپس آنے تک موت کو خودکشی کی وجہ گردان کر فائل کو بند کردیا گیا۔ جبران پر سکتے کی کیفیت طاری تھی۔ ہوش وحواس میں آنے کے بعد اس نے تمام

معاملہ باپ کے گوش گزار کرنے کی کوشش کی۔ تاہم اس کی دماغی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے باپ نے توجہ نہیں دی اور اسے پڑھنے کے لئے شہر بھیج دیا۔ اس کی حالت کافی عرصے تک متاثر رہی۔ پھر قرآن شریف کی تعلیم کے ذریعے کچھ سکون حاصل ہوا اور اس نے باقاعدگی کے ساتھ کلاس لینی شروع کردی۔

اچانک میرے دماغ میں ایک خیال پیدا ہوا۔ اگر میں اپارٹمنٹ سے باہر گئی تھی۔ تب سیکورٹی اہلکاروں کو اس کے متعلق ضرور معلوم ہونا چاہئے تھا۔ میں بستر سے اتر کر سٹنگ روم میں آ گئی۔ میں نے اپارٹمنٹ کے سیکورٹی آفس سے فون کے ذریعے رابطہ کیا اور اپنا تعارف کروانے کے بعد گیٹ پر متعین کسی فرد سے بات چیت کی خواہش کا اظہار کیا۔ دوسری طرف چند منٹوں کے لئے خاموشی طاری ہوئی۔

پھر جس مرد کی آواز سنائی دی۔ میں اس سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ عبدالرحیم تھا۔ میں نے اسے معاملے سے آگاہ کرنے کے بعد اپنی غیر موجودگی کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے بتایا۔

''میں ایک ماہ قبل مختصر سامان کے ساتھ ایئرپورٹ گئی تھی۔ میرا سامان ٹیکسی میں اسی نے رکھا تھا۔ میں نے کال منقطع کرنے کے بعد ہاشمی صاحب کا نمبر ملایا۔ غیر ملکی دوروں کی وجہ سے ایئرپورٹ پر میری بہت جان پہچان تھی۔ دوسری طرف سے فون ہاشمی صاحب نے ریسیو کیا۔ میں نے رسمی بات چیت کے بعد بیرون ملک روانگی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد مجھے بتایا کہ میں وہاں آئی ضرور تھی۔ تاہم فلائٹ میں میری سیٹ بک نہیں تھی۔ اور ان سے بات چیت سے قبل سرخ رنگ کی نیسان قریب آ کر رکی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر نوعمر لڑکا بیٹھا تھا۔ میں اس کے ساتھ بیٹھ کر شہر سے باہر جانے والی سڑک کی طرف چلی گئی۔ میں نے جھٹکے کے ساتھ ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

سرخ نیسان جبران کے پاس تھی۔ اگر وہ مجھے بیرون ملک لے کر گیا تھا۔ تب حتمی طور پر معاملے میں ملوث تھا۔ میں نے دوبارہ اپارٹمنٹس کے سیکورٹی آفس کا نمبر ملایا اور ان سے جبران کی غیر حاضری کے متعلق دریافت کیا۔

دوسری طرف سے دماغ کو جھنجھوڑ دینے والا انکشاف ہوا کہ وہ ایک ماہ قبل میرے جانے کے بعد باہر گیا تھا۔ اور اس کی واپسی گزشتہ رات میرے آنے کے ساتھ ہوئی تھی۔ میں نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا اور بستر پر لیٹنے کے بعد پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یہ بے بسی کے آنسو تھے۔ میں نے زندگی میں پہلی دفعہ کسی مرد پر اعتبار کیا تھا۔ اور اس کا خمیازہ مجھے اپنی عصمت کھو دینے کی صورت میں ملا تھا۔

میری دماغی کیفیت اعتدال پر نہیں تھی۔ مجھے کسی مستحکم سہارے کی اشد ضرورت تھی۔ جسے میں دل کی کیفیت بتا کر دماغ کا بوجھ ہلکا کرسکتی۔ لیکن میرے ارد گرد ایسا کوئی نہیں تھا۔ اس لئے بے اختیار ہو کر روتی رہی۔ تا آنکہ مجھ پر غشی کی کیفیت طاری ہوگئی اور میں بے سدھ ہوتی چلی گئی۔

رات کے تین بجے میری آنکھ کھلی۔ مجھے متلی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے گولی حلق میں انڈیلی اور وضو کرنے کے بعد ٹیرس پر آ گئی۔ چودھویں کا چاند اپنے جوبن پر تھا۔ چار سو چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے جائے نماز بچھا کر تہجد ادا کی اور قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہوگئی۔ میری طبیعت اعتدال پر آنے لگی۔ سوچنے سمجھنے کی کیفیت بیدار ہوگئی۔ میں نے معاملے پر دوبارہ نظر ثانی کی۔

جبران کے معاملے میں ملوث ہونے کے امکان نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس کی دبی ہوئی شخصیت ایسے دلیرانہ اقدام کی متقاضی نہیں ہوسکتی تھی۔ پردے کے پیچھے کوئی اور تھا۔ جبران کو صرف ڈمی کے طور پر استعمال کیا جارہا تھا۔

اندھیرا ایکسپریس کے متعلق اتنی آسانی کے ساتھ معلوم ہونا اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ مجھے صحیح راستے پر ڈالنے کے لئے اس کا نہایت خوبصورتی کے

ساتھ استعمال کیا جارہا تھا۔ میں نے جائے نماز کو سمیٹا اور قرآن شریف کو الماری میں منتقل کرنے کے بعد بستر پر لیٹ کر اپنے اگلے لائحہ عمل پر غور کرنے لگی۔

جبران یقیناً اس شخص سے واقف تھا۔ جس نے میری زندگی کو تباہ کیا تھا۔ اگر میں اس پر زور زبردستی کرتی۔ تب وہ خوفزدہ ہو کر مجھے اس کے متعلق بتا سکتا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا ہمسایہ ملک میں پوشیدہ تھا۔ اکیڈمی ختم ہوجانے کی صورت میں میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں اندھیرا ایکسپریس کے ذریعے ہمسایہ ملک کا سفر کرتی اور اس شخصیت سے ملنے کے بعد اس غیر انسانی فعل کا بدلہ لینے کی کوشش کرتی۔ مجھے نیند کچھ دیر سے آئی۔

☆.....☆.....☆

فجر کی نماز میں نے قضا پڑھی اور ناشتہ کرنے کے بعد جبران کے فلیٹ کی طرف آ گئی۔ دروازے کو تالا لگا ہوا تھا۔ صبح کے آٹھ بج چکے تھے۔ وہ اتنی جلدی اٹھنے کا عادی نہیں تھا۔ میں نے معلوماتی کاؤنٹر سے اس کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ رات کو اپارٹمنٹ چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ میں نے منیجر سے اس کے اپارٹمنٹ کی چابی حاصل کی اور کمرے میں آ گئی۔ وہ اپنا تمام سامان سمیٹ کر گیا تھا۔ تاہم ٹیلی فون سیٹ کے پاس رکھی ہوئی نوٹ بک میں مختلف ایڈریسوں اور نمبروں کے ساتھ ہمسایہ ملک کا وہ ایڈریس بھی لکھا ہوا تھا۔ جو میرے بریف کیس سے ملا تھا۔ میں نے نوٹ بک میں لکھے ہوئے ایڈریس سے اس کا موازنہ کیا۔

علی پور سیداں۔ محلہ دوتاراں۔ امروہہ۔

ایڈریس وہی تھا۔ جو میرے پرس میں رکھے ہوئے کاغذ پر تحریر تھا۔ دوران تلاش ایڈریس کے علاوہ مجھے اور کوئی مفید چیز دستیاب نہیں ہوسکی۔ میں نے اپارٹمنٹ کی چابی منیجر کے حوالے کی اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ میرا ارادہ مستحکم ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی چارہ کار باقی نہیں بچا تھا کہ میں اندھیرا ایکسپریس کے ذریعے ہمسایہ ملک کی طرف سفر کرتی۔ وہاں کچھ ایسا تھا۔ جس کے لئے مجھے وہاں بلائے جانے کے لئے مجبور کیا جارہا تھا۔ میں نے بریف کیس میں سامان پیک کیا اور دوائیوں پر مشتمل لفافے کو بریف کیس میں رکھ کر اپارٹمنٹ سے باہر آ گئی۔ بینک سے رقم نکالنے کے بعد مجھے فیروز آباد تک کا سفر بذریعہ ٹرین کرنا پڑا۔

تیمور خان کے چائے کا ہوٹل گاؤں کے مصروف ترین مقامات میں سے ایک تھا۔ میں نے اسے بوڑھے شخص کا حوالہ دینے کے بعد جب ہاشم خان سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ تب تیمور خان کاؤنٹر پر اپنے لڑکے کو بیٹھا کر میرے ہمراہ ہوٹل سے باہر آ گیا۔ ہاشم خان کا گھر زیادہ دور نہیں تھا۔ حویلی کی طرز پر بنا ہوا یہ گھر پکا اور کافی بڑا تھا۔ دروازے پر کھڑے دربان کو تیمور خان نے میرے متعلق بتایا۔ دربان ہمیں حویلی سے منسلک بیٹھک میں بیٹھا کر اندرونی کمروں کی طرف چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد تیمور خان نے پوچھا۔

''اگر تم غیر قانونی طور پر ہمسایہ ملک جانا چاہتی ہو۔ تو مناسب رقم کا بندوبست کرلو۔ اس کے بغیر بات چیت کرنے سے بھی وہ اجتناب کرے گا۔'' میں نے اسے جھوٹ بتایا کہ میرے پاس کچھ رقم موجود ہے۔ باقی کا انتظام میں مطلوبہ مقام پر پہنچنے کے بعد بآسانی کرلوں گی۔ وہ خاموش ہوگیا۔

کچھ دیر بعد ہاشم خان کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا چہرہ کرخت، آنکھیں خونخوار، قد لمبا اور وہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ تیمور خان نے اٹھ کر اسے سلام کیا۔ اور میرے متعلق بتانے کے بعد کمرے سے باہر نکل گیا۔ ہاشم خان نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''ہمسایہ ملک کے اندر جانے کا معاوضہ دس ہزار ہے۔ ہمارا سفر رات کے اندھیرے میں شروع ہوگا اور صبح کے اجالے پر ختم ہوجائے گا۔ ابھی دن کا ڈیڑھ بجا ہے۔ فیروز آباد میں کوئی قابل رہائش ہوٹل نہیں ہے۔ اس لئے میری حویلی کے اندر بنے ہوئے کمروں کا کرایہ ایک دن کے حساب کے مطابق پانچ سو روپے

ہوگا۔کھانے پینے کے اخراجات اس کے علاوہ ہیں۔''

میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''سرنگ میں سفر کے بعد تم مجھے کہاں اتارو گے۔ ظاہر ہے ویرانے میں اتارنے کی صورت میں مجھے مشکل درپیش آئے گی۔''

اس نے بتایا۔''محترمہ سہولیات رقم کو مدنظر رکھتے ہوئے دی جاتی ہیں۔ بارڈر سے مزید آگے آپ جہاں جانا چاہیں گی میرے آدمی آپ کو وہاں لے جائیں گے۔ اس کا مطلوبہ معاوضہ آپ کو ملکی کرنسی میں ادا کرنا ہوگا۔

میں نے کچھ اور سرسری معلومات کے متعلق بات چیت کی اور حویلی میں بنے صاف ستھرے کمرے میں آ گئی۔ کمرے میں چارپائی اور کرسی کے علاوہ باتھ روم کی سہولت بھی موجود تھی۔ میں نے وضو کیا اور ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد کھانے کا انتظام کرنے لگی۔ کھانا سادہ لیکن مزیدار تھا۔ کھانے کے بعد میں آرام کی نیت سے چارپائی پر لیٹ گئی۔

بہت سے خدشات دماغ میں گردش کررہے تھے۔ دیارِ غیر میں جہاں میرا جاننے والا کوئی نہیں تھا۔ وہاں مجھے پریشانی کی حالت میں جانا چاہئے تھا یا نہیں۔ ابھی کچھ نہیں ہوا تھا۔ اگر میں واپس چلی جاتی تو مجھے با آسانی کہیں اور ملازمت مل جاتی۔ تاہم ایسی صورت میں حقیقت سے پردہ نہیں اٹھ سکتا تھا۔ جو میرے بڑھتے ہوئے تجسس کی تسکین کے لئے نہایت ضروری تھا۔

امروہہ ضلع علی پور سیداں میں وہ سب کچھ تھا۔ جسے میں لاشعوری طور پر دیکھ چکی تھی۔ یقیناً جبران بھی وہیں تھا۔ میں ہاشم خان کے ذریعے وہاں تک جا کر بخوبی واپس آ سکتی تھی۔ اگر کوئی قباحت تھی تو صرف کاغذات کی غیر موجودگی اور جان پہچان نہ ہونے کی تھی۔ انہی سوچوں کے درمیان میری آنکھ لگ گئی۔

ہلکی دستک کی آواز پر آنکھ کھلی۔ میں نے چارپائی سے اتر کر دروازہ کھولا۔ ہاشم خان سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ہمراہ دو خواتین بھی تھیں۔ جن کے ہاتھوں میں سربند ڈبے تھے۔ ہاشم خان نے اندر داخل ہونے کے بعد مجھ سے پیشگی معاوضے کا تقاضا کیا۔ میں نے رقم اس کے حوالے کردی۔ اس نے پیچھے کھڑی ہوئی عورتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے بتایا۔

''یہ آپ کو دیس بھیس بدلنے کے لئے ملبوسات اور میک اپ کا استعمال کریں گی۔ ان سے تعارف کیجیے گا۔ تاہم میک اپ پر آنے والے اخراجات معاوضے میں شمولیت نہیں رکھتے۔'' اس نے عورتوں کو اشارہ کیا۔ وہ ڈبوں کو کھولنے لگیں۔ ہاشم خان نے کمرے کے دروازے کی طرف جاتے ہوئے مجھے روانگی کے وقت سے مطلع کیا۔ پھر باہر نکل گیا۔

میں نے عورتوں کی طرف دیکھا۔ وہ ڈبوں میں سے سفید رنگ کی ساڑھی، اسفنج کی جوتیاں اور ہمسایہ ملک کی کرنسی باہر نکال رہی تھیں۔ میں نے اپنے ساتھ لائی ہوئی رقم کے ساتھ کرنسی کو تبدیل کیا اور ساڑھی باندھنے کے بعد چپلیں پہن لیں۔ انہوں نے رقم کو محفوظ رکھنے کے لئے ہمسایہ ملک کا بنا ہوا مختصر پرس میرے حوالے کیا اور کمرے سے باہر چلی گئیں۔

میں نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نگاہ دوڑائی۔ مغرب کا وقت ہونے والا تھا۔ ساڑھی میں الجھن محسوس ہورہی تھی۔ لیکن مجھے اس کی عادت کو اپنانا تھا۔ عورتوں نے جانے سے پہلے مجھے بتایا تھا کہ میرا موجودہ بھیس ایک ہندو بیوہ کا ہے۔ جو سندور، تلک اور چوڑیوں سے محروم ہوتی ہے۔ سفید کپڑوں کے علاوہ اور کسی بھی قسم کا لباس زیب تن کرنے پر اسے ممانعت ہوتی ہے۔ اس لئے مجھے ان باتوں کا وہاں لحاظ رکھنا تھا۔ میں نے وضو کیا۔ اور مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد چند وظائف جن پر مجھے عبور حاصل تھا۔ کرنے کے بعد روانگی کا انتظار کرنے لگی۔

آٹھ بجے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا۔ دونوں عورتیں میری منتظر تھیں۔ انہوں

نے روانگی کی اطلاع دی۔ میں نے ساڑھی کے اوپر برقعہ پہنا اور دونوں کے ساتھ حویلی سے باہر آئی۔ دروازے کے پاس تانگہ کھڑا تھا۔ عورتوں نے مجھے اس میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ میں برقع کو سنبھال کر پیچھے والے حصے میں بیٹھ گئی کوچوان نے گھوڑے کو چابک دکھایا اور گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

رات اندھیری تھی۔ پہاڑی علاقے میں ہُو کا عالم طاری تھا۔ بھیڑیوں کے چلانے کی وقتاً فوقتاً آواز کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اردگرد کا منظر اندھیرے میں پوشیدہ تھا۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ میں ارادے کی تکمیل کے لئے سب کچھ کرنے کے لئے آمادہ تھی۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ اس سفر میں میرے علاوہ اور کوئی شریک نہیں تھا کہ باقی مسافروں سے ملاقات اندھیرا ایکسپریس میں ہونے کی امید تھی۔

مجھے سردی محسوس ہونے لگی تو میں سمٹ سکڑ کر تانگے کے کونے میں دبک کر بیٹھ گئی۔ عشاء کی نماز میں نے تانگے میں بیٹھے بیٹھے پڑھی۔ گھوڑے کو مخصوص رفتار کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے گھنٹے سے زیادہ کا وقت ہوگیا تھا۔ ابھی تک منزل مقصود کے آثار دکھائی نہیں دیئے تھے۔ نماز پڑھنے کے بعد میں نے گردن موڑ کر سڑک سے نیچے کی طرف دیکھا تو مجھے اندھیرے میں چند روشنیاں جگمگاتی ہوئی دکھائی دیں۔ جو تیزی کے ساتھ قریب آرہی تھیں۔

میں نے اٹیچی کیس پر گرفت مضبوط کی اور ساڑھی کے پلو کو سنبھالنے کے بعد برقعے کا پردہ آگے کردیا۔ تانگہ پکی سڑک سے اتر کر کچی میں داخل ہوگیا اور کچھ آگے جانے کے بعد درختوں کے جھنڈ میں رک گیا۔ کوچوان نے مجھے نیچے اترنے کے لئے کہا۔ میں نیچے اتر آئی۔ کچے راستے کے ساتھ ایک ذیلی راستہ نیچے ترائی کی طرف جارہا تھا۔ کوچوان نے میرا اٹیچی کیس سنبھالا اور اس راستے پر آگے بڑھنے لگا۔ میں نے اس کی تقلید کی۔ اس راستے کے اختتام پر وہ روشنیاں موجود تھیں۔ جنہیں میں نے تانگے میں سے دیکھا۔ روشنیوں سے آگے سنگلاخ چٹیل پہاڑوں کا ہیولہ دکھائی دے رہا تھا۔ ہم آہستہ رفتار کے ساتھ چلتے ہوئے روشنیوں کے درمیان تک پہنچ گئے۔ یہ چند پرانی طرز کی بنی ہوئی لالٹینوں کی روشنیاں تھیں۔ زمین کے پچاس ساٹھ گز کے حصے کو ہموار کرکے پلیٹ فارم کی شکل دی گئی تھی۔

چند بنچوں پر آٹھ دس افراد بیٹھے تھے۔ ان میں تین عورتیں تھیں جو میری طرح ہمسایہ ملک کے مخصوص کپڑوں میں ملبوس تھیں۔ پلیٹ فارم کے ساتھ ریل کی آہنی پٹری پہاڑ کے اندر جارہی تھی۔ ریلوے کا کچھ نظام کسی حد تک یہاں موجود تھا۔ تاہم مجھے یقین تھا کہ اس میں حکومت ملوث نہیں تھی۔ یہ سب غیر قانونی تھا۔

پلیٹ فارم میں داخل ہونے کے بعد کوچوان نے مجھے عورتوں والے بنچ پر بیٹھنے کے لئے کہا اور خود کچے راستے پر چلتا ہوا واپس گھوڑا گاڑی کی طرف چلا گیا۔ میں نیچے بنچ پر بیٹھ گئی۔ ان عورتوں میں سے ایک کا نام زبیدہ تھا۔ وہ جلد ہی میرے ساتھ گھل مل گئی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا۔

''ہمارے بہت سے رشتے دار ہمسایہ ملک میں رہتے ہیں اور ہمیں جب بھی ان سے ملنے کے لئے وہاں جانا ہوتا ہے تو ہم اندھیرا ایکسپریس کا انتخاب کرتے ہیں۔ یہ محفوظ اور سستا راستہ ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا کوئی ٹرین وغیرہ کا چکر ہے۔ پلیٹ فارم سے نیچے دکھائی دینے والی پٹری اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ایک چھوٹی سی ٹرین ہے۔ درحقیقت کافی عرصہ قبل یہاں کوئلہ نکالنے کی کان ہوا کرتی تھی۔ اس کے متروک ہوجانے کے بعد ہاشم خان نے سب کچھ گورنمنٹ سے لیز پر حاصل کرلیا۔ کوئلے کی کان کو مضبوط اور محفوظ سہارے دینے کے بعد اس نے مزید کھدائی کروائی اور سرنگ کا دوسرا راستہ ہمسایہ ملک کی سرحد کے پار باجوڑہ گاؤں کے پاس نکالا۔ سرنگ کے اندر آہنی پٹری گورنمنٹ کی طرف

سے نصب تھی۔ کوئلہ نکالنے والے ڈبے اور مختصر انجن بھی اسے حکومت کی طرف سے ملا تھا۔ ان سب کو مرمت اور ردوبدل کی ضرورت تھی۔

ہاشم خان نے گورنمنٹ سے قرض لے کر ڈبوں اور انجن کی حالت کو بہتر بنایا۔ پٹریوں کے جال کو ملکی حدود کے اندر تک پھیلا دیا۔ پلیٹ فارم کو مختصر اسٹیشن کی صورت دی اور اپنے کام کا آغاز کر دیا۔

میں حیرت بھرے چہرے کے ساتھ اس کی باتوں کو سن رہی تھی۔ اس کے خاموش ہونے پر میں نے پوچھا کہ اتنے دور دراز کے علاقے تک تشہیر اور معلومات کو عام کرنے کے لئے اس نے ایسا کیا کیا جو مسافر قانونی راستے کو چھوڑ کر غیر قانونی راستے کی طرف کھنچے چلے آئے۔ زبیدہ نے بتایا۔

ہمسایہ ملک کی ایمبیسی میں ہاشم خان کا چھوٹا بھائی چپراسی لگا ہوا ہے۔ وہ لوگوں کو آسان اور سستے راستے کا لالچ دے کر فیروز آباد لاتا ہے۔ ایک دفعہ جو اس راستے کا انتخاب کر لیتا ہے۔ وہ دوبارہ قانونی راستے کے بجائے اسی کو ترجیح دیتا ہے۔ میں نے آج سے تین سال قبل جب پہلی دفعہ اندھیرا ایکسپریس کے ذریعہ ہمسایہ ملک کا سفر کیا۔ تب قانونی راستے کو نظر انداز کر دیا۔ یقیناً تم بھی اسی راستے پر سفر کرنے کے بعد اپنے خاندان کو اس پر سفر کی نصیحت کرو گی۔ یہی نصیحت ہاشم خان کی ترقی کا ذریعہ ہے۔

آج اس کے پاس ایسے مقصد اور مستقل مسافر ہیں جو ہر دو تین مہینوں کے بعد ہمسایہ ملک تک جاتے اور واپس آتے ہیں۔ ان میں اسمگلروں کی تعداد زیادہ ہے۔''

ہماری بات چیت درمیان میں رہ گئی۔ مبہوم سی گڑگڑاہٹ کی آواز سے ماحول گونج اٹھا۔ قریبی پہاڑوں میں سے اندھیرا ایکسپریس کا پراسرار ہیولہ جو غیر واضح سائے کی صورت اختیار کئے ہوئے تھا۔ نمودار ہو کر مختصر اسٹیشن کی طرف بڑھنے لگا۔

بنچوں پر بیٹھے ہوئے افراد کے جسموں میں بے چینی کی لہر دوڑی اور وہ اپنا سامان ہاتھوں میں تھام کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں چند ایسے تھے جن کا سامان لکڑی کے کریٹوں میں بند تھا۔ یہ سب اسمگلنگ کی نیت سے اپنا مال ہمسایہ ملک لے جا رہے تھے۔ گڑگڑاہٹ کی آواز میں شدت پیدا ہوئی اور کالے رنگ کا بھدا انجن مختصر اسٹیشن کی عمارت میں داخل ہو کر جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔ اس کے پیچھے چند بوگیاں لگی ہوئی تھیں۔ یہ عام ٹرین کی بوگیوں سے چھوٹی تھیں۔ ان کی سائیڈ کی زیادہ تر دیواریں خالی اور مختصر آہنی ڈنڈوں پر مشتمل تھیں۔ یہ بالکل کسی پارک میں چلنے والی گاڑی کے ڈبوں کی مانند تھی۔ کسی بھی ڈبا یا پھر انجن کے اندر لائٹ کا نام و نشان نہیں تھا انجن کے ساتھ والا ڈبہ سامان رکھنے کے لئے مختص تھا۔ اس ڈبے میں سے ایک ادھیڑ عمر آدمی نیچے اتر کر مسافروں کی طرف آ گیا۔

مسافروں نے اپنا سامان اس کے حوالے کرنا شروع کر دیا۔ وہ سامان لینے کے بعد اس پر ٹیگ لگا کر بوگی نمبر اور مسافر کا نام تحریر کرتا۔ پھر سامان کو اٹھا کر انجن کے پیچھے لگے ہوئے ڈبے میں منتقل کر دیتا۔ مسافر بوگی نمبر اور سیٹ نمبر لے کر اپنے ڈبے کی طرف چلا جاتا۔ مجھے بوگی نمبر تین اور سیٹ نمبر پندرہ ملی۔ یہ فیملی ڈبہ تھا۔ زبیدہ کی سیٹ میرے ساتھ تھی۔ سیٹ سخت اور سرد تھی۔ پہاڑی علاقے میں گرمیوں کے موسم میں بھی رات نہایت ٹھنڈی اور یخ بستہ ہوتی ہے۔ مجھے اپنے جسم میں کپکپی کی لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میرے پاس کپڑوں کا فقدان تھا۔ تاہم زبیدہ مکمل تیاری کے ساتھ آئی تھی۔ اس نے شاپنگ بیگ میں سے کمبل باہر نکالا اور ہم دونوں نے اوڑھ لیا۔ اس کا شوہر اور بچے سامنے والی سیٹ پر بیٹھے تھے۔

میں نے آیت الکرسی کا ورد کیا۔ پھر سفر کی دعا پڑھنے کے بعد گاڑی چلنے کا انتظار کرنے لگی۔ انجن کو ڈبوں سے اتار کر مخالف جانب لگایا جا رہا تھا۔ میں نے زبیدہ سے پوچھا۔

''سفر کتنے گھنٹوں پر محیط ہوگا؟''

اس نے بتایا۔ ''کم و بیش ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ہم

ہمسایہ ملک کی حدود میں داخل ہوجائیں گے۔ آگے کا سفر ہمیں پیدل طے کرنا ہوگا۔ یوں سمجھو کہ ہمارے سفر کا یہ نہایت حساس معاملہ ہوگا۔ پہاڑ کے اوپر ہمسایہ ملک کی فوج تعینات ہے اور ہلکی سی آواز بھی انہیں اپنی طرف متوجہ کرسکتی ہے۔ حالات سے کچھ بعید نہیں۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ سرنگ میں سفر کرنے والے تمام مسافر ہمیشہ محتاط رہیں گے۔'' میں نے پوچھا۔

''سرنگ سے باہر نکلنے کے بعد ہمیں قریبی شہروں تک پہنچانے کے لئے کیا اقدام ہونگے۔''

زبیدہ نے بتایا۔ ''باجوڑا گاؤں میں ہاشم خان کے بڑے بھائی کا ہوٹل ہے۔ تمام مسافر ایک دن کے لئے وہاں قیام کریں گے۔ ہاشم خان کے بھائی کا اثر و رسوخ وہاں قابل قدر ہے۔'' ریل گاڑی پہاڑی علاقے میں داخل ہوئی۔ گڑگڑاہٹ کی آواز میں زیادتی پیدا ہوئی۔ میں نے اونچی آواز میں زبیدہ سے پوچھا۔

''یہ تمام غیر قانونی کام حکومت کی آنکھ سے بچا کر کرنا ممکن نہیں۔ وہ سب کچھ کیسے کررہا ہے۔''

زبیدہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''حکومت کے کاغذات میں ہاشم خان نے یہ پہاڑی سرنگ لیز پر حاصل کی ہے۔ دن کے وقت اسے کوئلہ نکالنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسمگلنگ کا کام رات کے اندھیرے میں ہوتا ہے۔ یہاں اردگرد آبادی نہیں ہے۔ کوئلے کی کان میں کام کرنے والے تمام مزدور ہاشم خان کے ساتھ فیروز آباد سے آتے ہیں۔ وہ صبح سے شام تک کام کرتے ہیں اور ہاشم خان کی ہمراہی میں واپس چلے جاتے ہیں۔

اندھیرا ایکسپریس کے متعلق کسی کو بتانے والا یہاں کوئی نہیں پایا جاتا۔ گاڑی اچانک ہی سرنگ میں داخل ہوگئی۔ گھپ اندھیرا پہلے ہی طاری تھا۔ اب اس میں مزید اضافہ ہوگیا۔ ہمارے یخ بستہ جسموں کو یکلخت گرمی کا احساس ہوا۔ چند لمحے یہ گرمی نہایت فرحت بخش محسوس ہوئی۔ اس کے بعد جسم پسینے میں شرابور ہونے لگے۔ زبیدہ نے کمبل اتار کر شاپنگ بیگ میں منتقل کردیا۔ ٹرین کی رفتار آہستہ ہوئی۔ پھر وہ جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ سرنگ میں قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر ٹارچ کی محدود روشنی میں چند افراد نے مسافروں کو آکسیجن ماسک اور اس سے منسلک مختصر سلنڈر پکڑانے شروع کردیئے۔ وہ ان کے استعمال کا طریقہ بتاتے چلے جارہے تھے۔ میں نے سلنڈر کو سیٹ پر رکھ دیا۔ ابھی اس کے استعمال کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ٹرین دوبارہ آگے بڑھنے لگی۔ سرنگ کو لکڑی کے شہتیروں سے سہارا دیا گیا تھا۔ چھت سے زمین کی اونچائی ٹرین کے ڈبوں کو مدنظر رکھتے ہوئے رکھی گئی تھی۔ کچھ ہی دیر میں ہمارے جسم پسینے میں شرابور ہوگئے۔ ہوا میں آکسیجن کی گیس انتہائی حدود سے بھی آگے نکلنے لگی۔ تب آکسیجن سلنڈروں نے کام دکھایا۔ ڈبے کے اندر گھمبیر خاموشی طاری تھی۔ میں نے آنیوں کا ورد شروع کردیا۔

تب مجھے وقت کا کچھ پتا ہی نہیں چلا۔ سفر کتنا طویل تھا اور کتنا وقت گزرا تھا۔ ہوش مجھے تب آیا۔ جب ٹرین جھٹکے کے ساتھ رک گی۔ میں اور زبیدہ ڈبے سے نیچے اتر آئے۔ یہاں ملگجی روشنی طاری تھی۔ گاڑی ایک مختصر پلیٹ فارم پر کھڑی تھی۔ سرنگ آگے جا کر گھوم رہی تھی۔ تاہم زمین پر پٹری نہیں تھی۔

زبیدہ نے بتایا۔ ''کہ ہم کچھ ہی دیر میں ہمسایہ ملک کی حدود میں داخل ہوجائیں گے۔'' پلیٹ فارم پر اس کا شوہر اور بچے کھڑے تھے۔ وہ حضرات جنہیں اسمگلنگ کے لئے سامان آگے لے جانا تھا۔ انہیں قلی درکار تھے اور یہ قلی اندھیرا ایکسپریس کے منتظمین کی جانب سے سرنگ میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ وہ سیاہ کپڑے پہنے دیواروں کے ساتھ کھڑے تھے۔

زبیدہ بولی۔ ''ان کے ریٹ مخصوص کردہ ہیں۔ ان میں کمی وبیشی ممکن نہیں۔ زیادہ سامان کی مناسبت سے ان کے پاس ریڑھے بھی ہیں۔ سامان ان ریڑھوں میں منتقل کیا جارہا تھا۔ زبیدہ اور اس کے گھرانے کے پاس سامان کی تعداد کچھ زیادہ تھی۔ اس لئے انہوں نے بھی قلی کا انتخاب کیا۔ زبیدہ نے زبردستی میرا بریف

کیس بھی قلی کو تھما دیا اور گیس ماسک کے ساتھ لگے مختصر سلنڈروں کو ہاتھوں میں اٹھائے ہم نے ہمسایہ ملک کی حدود میں سفر کا آغاز کردیا۔

زمین پتھریلی لیکن ہموار تھی۔ اس کے باوجود بھی قلیوں کو سامان سے بھری ریڑھیوں کو آگے لے جانے میں دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ غیر ملکی حدود میں داخل ہونے کے فوراً بعد ہاشم خان کے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر عورتوں سے برقعے اور دیگر ایسا سامان جس میں آیتوں پر مشتمل کتابیں، تعویذ، پاکستانی کرنسی اور وہ ملبوسات شامل تھے جن کے ذریعے ہماری شناخت ہوسکتی تھی۔ ہم سے امانتاً لے لئے اور پاکستانی کرنسی کی مناسبت سے ہمیں ہمسایہ ملک کی کرنسی دے دی گئی۔ ہم سے لئے گئے سامان اور برقعوں پر انہوں نے ہمارے ناموں کی پرچیاں چسپاں کردیں۔ یقیناً واپسی پر یہ سامان ہمیں واپس مل جانا تھا۔ ایک دفعہ پھر آگے کا سفر شروع ہوا۔

میں نے زبیدہ سے پوچھا۔ ''میں پہلی دفعہ وہاں جارہی ہوں۔ مجھے راستوں اور مقامات کے متعلق کچھ علم نہیں۔ مجھے وہاں کیا کرنا ہوگا۔''

وہ بولی۔ ''وہاں گائیڈ بھی ہیں اور ہاشم خان کے آدمی معقول معاوضہ لے کر جہاں کہو وہاں پہنچا دیتے ہیں۔ تاہم میرے خیال میں گائیڈ زیادہ بہتر ہیں۔ وہ سب مسلمان ہیں۔ تمہارے ساتھ بھرپور تعاون کریں گے۔''

ہمارا سفر مزید ایک گھنٹے پر محیط ثابت ہوا۔ بچے تھک کر رونے لگے۔ ان کے ماں باپ نے انہیں گود میں اٹھالیا۔ لیکن آکسیجن کے سلنڈر کی وجہ سے چلنا دشوار ثابت ہونے لگا۔ تب اس کے لئے جو قلی حضرات کی خدمات یا عوض معاوضہ حاصل کی جانے لگیں۔

سرنگ کے دہانے کے پاس پہنچ کر مسافروں کو ٹھنڈی بوتلیں اور مختلف کھانے پینے کا سامان فروخت کیا گیا۔ یہ سب ایک نہایت وسیع اور منظم کاروبار پر مبنی تھا۔ یہاں ہر سہولت موقع کی مناسبت سے دستیاب تھی۔ آپ پیسہ دے کر سب کچھ حاصل کرسکتے تھے۔

سرنگ کے خارجی دہانے کے پاس متعدد بنچ رکھے تھے۔ مسافر ان بنچوں پر بیٹھ گئے ان سے گیس ماسک اور سلنڈر واپس لے گئے تھے۔ ابھی رات کا کچھ حصہ باقی تھا اور ہمیں منہ اندھیرے ہاشم خان کے ہوٹل تک پہنچنا تھا۔ آدھا گھنٹہ آرام کرنے کے بعد ہم سرنگ سے باہر آگئے۔ ٹھنڈی اور معطر ہواؤں نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ تاہم اندھیرے کی دبیز چادر اب بھی قائم ودائم تھی۔

راستہ ناہموار تھا۔ ہمیں سنبھل کر قدم رکھنا پڑ رہے تھے۔ کچھ آگے جانے کے بعد ہم کچے راستے پر پہنچ گئے۔ قریب ہی کوئی ندی بہہ رہی تھی۔ مینڈکوں کے

ایک سوال

اشفاق احمد کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے ایک سوال نے بہت پریشان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ملنے والوں سے اس سوال کے بارے میں پوچھا۔ مگر مجھے کسی نے بھی اس سوال کا جواب نہیں دیا، سوال یہ تھا: ''کہ مومن اور مسلمان میں کیا فرق ہے؟'' ایک دفعہ میں ایک گاؤں گیا۔ وہاں ایک بزرگ سے ملا، تو اس کے پاس گیا، اور اس سے پوچھا کہ مومن اور مسلمان میں کیا فرق ہے؟

اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور پھر کچھ دیر کے بعد بولا۔ مسلمان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اور مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی مانتا ہے۔

(عثمان غنی۔ پشاور)

Pakistanipoint

ٹرانے کی آوازیں اور آبی پرندوں کی مخصوص آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ آبادی کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا۔ تھوڑا آگے جانے کے بعد ہمیں درختوں کے جھنڈ کے درمیان دو ٹرک کھڑے دکھائی دیئے۔

قلیوں نے سامان کو پچھلے ٹرک میں منتقل کرنا شروع کردیا جبکہ ہمیں دوسرے ٹرک میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہاں بیٹھنے کے لئے مناسب انتظام نہیں تھا۔ ٹرک کی زمین آہنی تھی۔ لیکن زبیدہ کے کہنے کے مطابق سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ مسافروں کے بیٹھتے ہی ٹرکوں نے آگے کا سفر شروع کیا۔ کچے علاقے میں یہ سفر نہایت دشوار اور تکلیف دہ ثابت ہوا۔ تاہم سڑک پر پہنچنے کے بعد مستقل لگنے والے جھٹکوں میں کمی واقع ہوگئی اور ٹرکوں کی رفتار میں بھی اضافہ ہوگیا۔

صبح ساڑھے چار بجے کے قریب ہم شہباز خان کے ہوٹل تک پہنچ گئے۔ رقم کی ادائیگی اور مختلف حفاظتی ہدایات کے بعد ہمیں ہوٹل میں کمرے دے دیئے گئے۔

میرا کمرہ زبیدہ کی فیملی کے ساتھ والا تھا۔ مجھے ایک دفعہ پھر متلی کا احساس ہونے لگا۔ کھانے کی خواہش بھی سر ابھار رہی تھی۔ میں نے روم سروس کو فون کرکے ناشتہ لانے کے لئے کہا۔ اور الٹی روکنے والی گولی کھانے کے بعد باتھ روم میں آگئی۔ میں نے نہایت اہتمام کے ساتھ وضو کیا اور نماز پڑھنے کے بعد چند سورتوں کا وظیفہ کرنے لگی۔ اس اثنا میں ویٹر نے ناشتہ ٹیبل پر رکھ دیا۔ وہ مجھے نماز پڑھتے ہوئے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ وظائف سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اسے ٹپ دی۔ تب وہ بولا۔

''پچھلی دفعہ آپ کے ساتھ دو افراد اور بھی تھے۔ وہ اس دفعہ ساتھ نہیں آئے۔'' میں نے چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ پھر مزید ایک نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

''انہی کی تلاش میں یہاں آئی ہوں۔ کیا تم مجھے بتاسکتے ہو کہ ان کا حلیہ کیا تھا۔''

ویٹر بولا۔ ''مجھے حیرت ہے کہ آپ ان کے متعلق کیوں پوچھ رہی ہیں۔ وہ آپ کے قریبی رشتے دار تھے۔ تاہم مجھے سروکار نہیں۔ میں بتائے دیتا ہوں۔ ان میں سے ایک نوجوان لڑکا اور دوسرا ادھیڑ عمر تھا۔'' اس کے بعد اس نے جو حلیہ بیان کیا۔ وہ سننے کے بعد مجھے یہ جاننے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ جبران اور حیات اکیڈمی کے سربراہ ملک حیات تھے۔

حیرت کا شدید پہاڑ میرے سر پر ٹوٹ پڑا۔ مجھے جبران پر شک تھا۔ تاہم ملک حیات صاحب کے متعلق میرے وہم وگمان میں جو نہیں تھا۔ سوچنے کی بات یہ تھی کہ مجھے ہمسایہ ملک کیوں لایا گیا۔ کیا معاملے کے پیچھے کوئی خاص مقصد کارفرما تھا۔ یا پھر جسمانی ضرورت پوری کرنے کے لئے مجھے استعمال کیا گیا تھا۔ ویٹر اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا تھا۔

میں نے ناشتے کی ادائیگی کی۔ اور اس کے جانے کے بعد بے دلی کے ساتھ ناشتہ کرنے لگی۔ میرا دماغ مختلف سوچوں کے گھیرے میں تھا۔ جبران اور ملک حیات صاحب مجھے ایک ماہ ہمسایہ ملک میں گھوماتے پھراتے رہے۔ لیکن میرے دماغ میں اس کے متعلق کچھ جو موجود نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان گزرے واقعات کو میرے دماغ میں سے کھرچ کر باہر نکال دیا گیا ہو۔ میں نے فجر کی نماز اسی وضو میں ادا کی اور آرام کی نیت سے بستر پر لیٹ گئی۔

تمام رات کی تھکن نے رنگ دکھایا۔ اور میں گہری نیند سوگئی۔

دن کے ڈیڑھ بجے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا۔ ویٹر سامنے کھڑا تھا۔ اس نے معذرت طلب کرتے ہوئے مجھ سے کھانے کے متعلق دریافت کیا۔ میرا کھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ تاہم ویٹر کا دل رکھنے کے لئے میں نے کچھ آرڈر دے دیا۔ وہ جانے لگا۔

تو میں نے اسے روکتے ہوئے پوچھا۔ ''مجھے کچھ مزید معلومات ان دونوں افراد کی مناسبت سے درکار ہیں؟ مثلاً ان کی باجواڑا گاؤں سے آگے کی منزل

کیا تھی۔ یا پھر ان کے رشتے داروں نے تعلق جو بھی معلوم ہو جائے۔ تو میں تمہیں معقول معاوضہ دینے کے لئے تیار ہوں۔'' ویٹر سوچ میں پڑ گیا۔

پھر ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''میرے لئے بتانا مناسب تو نہیں۔ لیکن آپ کو نماز پڑھتے دیکھ کر میرے دل میں آپ کے لئے عزت و احترام کا گوشہ بیدار ہو گیا ہے۔ میں آپ کی مدد ضرور کروں گا۔ تاآنکہ کہ مجھے ان دونوں افراد کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ معلوم نہیں کہ ان کا براہ راست تعلق آپ کے ساتھ تھا۔ اس کے باوجود بھی میں ایک ایسی ہستی سے واقف ہوں۔ جو ان دونوں کے ان مقامات کے متعلق جانتی ہے۔ جہاں ان کا آنا جانا تھا۔''

میں نے پرس میں سے چند نوٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کہا۔

''میں تمہاری ہمیشہ احسان مند رہوں گی۔ اگر تم نے میرے لئے اتنا بھی کر دیا۔''

اس نے نوٹ واپس کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ میں بغیر کسی مفاد کے آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے نوٹ واپس لے لئے۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ دوبارہ بولا۔

''ہمارے ہوٹل کی مخصوص سروس میں چند پرائیویٹ ٹیکسیاں بھی کام کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک روپا کی ہے۔ آپ کے ساتھ آنے والے دونوں افراد نے اسی کی ٹیکسی کا انتخاب کیا تھا۔ روپا اس جگہ سے آگاہ ہے۔ جس کے متعلق انہوں نے اسے بتایا ہوگا۔ آپ کھانا کھا کر تیار ہو جایئے۔ میں روپا کے متعلق معلوم کرتا ہوں۔'' وہ آرڈر کی تکمیل کے لئے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے وضو کیا۔ اور ظہر کی نماز کے لئے چادر بچھا کر کھڑی ہوئی۔ نماز کے بعد میں نے چند آیتوں کا ورد کیا۔ میرے فارغ ہونے سے قبل ویٹر نے میز پر کھانا لگا دیا۔ میں نے چادر کو جسم کے گرد اوڑھا اور کھانا کھانے میں مشغول ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

روپا میری ہم عمر سانولی سلونی تیکھے نقوش والی عورت تھی، وہ سرخ شلوار قمیض پہنے ہوئے تھی۔ اس کی ٹیکسی بہت پرانی اور زنگ آلود تھی۔ تاہم اس کے کہنے کے مطابق انجن عربی گھوڑے کی مانند طاقتور اور تازہ دم تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے پہچان لیا۔ اور دونوں ہاتھ سینے کے پاس جوڑتے ہوئے بولی۔

''رام کی کرپا ہونی چاہئے۔ میرا دماغ کمپیوٹر کی مانند تین ماہ پہلے کی اس فہرست کے متعلق بھی اچھی طرح جانتا ہے۔ جنہیں میں نے مختلف جگہوں سے اٹھایا۔ اور مختلف جگہوں تک پہنچایا۔ آپ سے ملاقات تو صرف ایک ماہ قبل ہوئی تھی۔''

میں نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تو پھر تمہارے دماغ کا امتحان ہو جائے۔ میں نے اسی جگہ جانا ہے۔ جہاں تم نے ایک ماہ قبل میرے ساتھ آئے ہوئے افراد کو چھوڑا تھا۔''

روپا نے بتایا۔ ''وہ جگہ کافی دور ہے۔ مجھے علاقہ یاد ہے۔ امروہہ علی پور سیداں محلہ دوتاراں۔

میں نے مطمئن انداز میں سر سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک دیا۔ یہ وہی ایڈریس تھا۔ جو مجھے ایٹچی کیس سے ملا تھا۔ روپا نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ ہمسایہ ملک میں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کو معیوب خیال نہیں کرتیں۔ غربت اور مفلسی کا یہ عالم ہے کہ کھربوں کی آبادی میں آدھے سے زیادہ افراد کا تعلق غریب طبقے سے ہے۔ ان میں بہت سوں کی پیدائش فٹ پاتھ پر ہوتی ہے۔ جوانی اور بڑھاپا جو فٹ پاتھ پر گزرتا ہے اور آخر میں موت بھی فٹ پاتھ پر ہی واقع ہو جاتی ہے۔ روپا ان میں سے ایک تھی۔

تاہم فرق صرف اتنا تھا کہ دس جماعتیں پڑھنے کے بعد کسی اور کی ٹیکسی بھاڑے پر چلا رہی تھی۔ غیر شادی شدہ تھی۔ چار بہن بھائیوں کی واحد کفیل ہونے کی وجہ سے اپنا گھر بسانے کے لئے اسے وقت نہیں ملا اور جب ملا تب عمر کا کافی حصہ گزر چکا تھا۔ حالانکہ معقول عمر کی قبول

صورت تھی۔ لیکن جہیز نہ ہونے کی وجہ سے معاشرے نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ نہایت باتونی عورت تھی۔ میں نے باتوں سے بچنے کے لئے آنکھیں موند لیں۔ عصر کی نماز میں نے ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے ادا کی اور آیت الکرسی پڑھنے کے بعد اپنے چاروں طرف دم کیا۔

ٹیکسی شہر سے باہر سفر کر رہی تھی۔ ساڑھے پانچ بجے کے قریب روپا نے ٹیکسی کو سڑک کے کنارے روک دیا۔ یہ دہلی کا نواحی علاقہ تھا۔ امروہہ اچھے خاصے بڑے شہر کی مناسبت سے جانا جاتا تھا۔ تاہم مضافات میں واقع علی پور سیداں کی آبادی مختصر تھی۔

روپا نے مجھے بتایا کہ ''اس نے دونوں افراد کو ذیلی سڑک کے پاس اتارا تھا۔ میں نے میٹر کے مطابق رقم ادا کی اور ٹیکسی سے اتر کر قریب دکھائی دینے والی آبادی کی طرف بڑھنے لگی۔ یہ ایک صاف ستھرا کاروباری طبقے سے تعلق رکھنے والا علاقہ تھا۔ انڈسٹریل ایریا نواح میں دکھائی دے رہا تھا۔

مجھے جبران اور حیات صاحب کی یہاں آمد کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی اور اس سوچ سے بالاتر انہیں وسیع و عریض علاقے میں تلاش کرنا بھی ممکن دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے کمرشل ایریے میں قدم رکھ دیا۔ یہاں مختلف کمپنیوں کے دفاتر اور کالج کی عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں۔ پیدل چلنے والوں کی تعداد نا ہونے کے برابر تھی۔ اکا دکا اسٹوڈنٹ کتابیں ہاتھوں میں تھامے گھومتے دکھائی دے رہے تھے۔ میں پہلی گلی سے نکل کر دوسری میں داخل ہوگئی۔ تھوڑا آگے جانے پر مجھے غیر متوقع طور پر ملک حیات اکیڈمی کا مختصر بورڈ دکھائی دیا۔

میرے اٹھتے قدم جہاں تھے وہیں جم کر رہ گئے۔ ہماری اکیڈمی ہمسایہ ملک میں کام کر رہی تھی۔ میں اس سے آگاہ نہیں تھی۔ تاہم جھماکے کے ساتھ ایک خیال دماغ میں ابھرا۔ جبران اور حیات صاحب کی آمد اکیڈمی کے قیام سے متعلق ہو سکتی تھی۔ اسی مناسبت سے اس کی رہائش اکیڈمی کی عمارت میں متوقع ہو سکتی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر گیٹ پر لگی ہوئی بیل پر انگلی رکھ دی۔

دور کہیں گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ میرے جسم میں یکلخت بے چینی کی لہر دوڑنے لگی۔ میں وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ جہاں مجھے لاشعوری نیند کے دوران لایا گیا تھا۔ یقیناً حالات سے پردہ اٹھنے والا تھا۔ قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ ایک چپراسی کی وردی پہنے آدمی کی صورت دکھائی دی۔

میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''ملک حیات صاحب کو بتاؤ کہ ہمسایہ ملک سے ان سے ملاقات کے لئے کوئی آیا ہے۔'' آدمی نے غیر متوقع طور پر اثبات میں سر ہلایا اور مجھے اندر آنے کے لئے کہا۔ میں نے عمارت کے اندر قدم رکھ دیا۔ کار پورچ کے سامنے برآمدہ بنا ہوا تا۔ جس میں چار کمروں کے دروازے دکھائی دے رہے تھے۔ میرے آگے چلنے والا آدمی تیسرے دروازے کے پاس رک گیا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے حیات صاحب کی آواز سنائی دی۔

''عبدالرحیم باہر جو کوئی بھی ہے۔ اسے اندر بھیج دو۔'' آدمی نے دروازہ کھولا اور مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں نے ہچکچاتے ہوئے کمرے میں قدم رکھ دیا۔

یہ ایک طویل و عریض ہال کمرہ تھا۔ باقی دو کمروں کے دروازے اسی ہال میں کمرے سے منسلک تھے۔ کمرے کے اندر دس کے قریب افراد میرے منتظر تھے۔ یہ سب جانے پہچانے چہرے تھے۔

غیر متوقع صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے مجھے متلی کا احساس ہونے لگا۔ دماغ پہلے ہی سائیں سائیں کر رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے کمرہ یکلخت گھومنے لگا اور میں چکرا کر زمین پر گر گئی۔ گرنے سے قبل مجھے احساس ہوا کہ جیسے کسی نے پھرتی کے ساتھ آگے بڑھ کر مجھے تھام لیا ہو۔ آنکھیں بند ہونے سے قبل۔

میں نے حیات صاحب کے چہرے کو اپنے چہرے کے قریب دیکھا۔ پھر بے خود ہو کر ان کے بازوؤں میں جھول گئی۔

☆.....☆.....☆

وہ شاید فرحت بخش ٹھنڈک کا احساس تھا۔ جس نے میرے دماغ میں ہلچل پیدا کردی۔ مدھم آوازوں نے مجھے ہوش وحواس سے آشنا کرنا شروع کیا۔ سب جانی پہچانی آوازیں تھیں۔ دیار غیر میں اپنوں کا احساس نہایت سکون بخش محسوس ہوا اور میں نے آسودگی کے شدید احساس سے مغلوب ہوکر آنکھیں کھول دیں۔ ماحول یکلخت تالیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ وہ سب اپنی خوشی کا اظہار تالیاں بجا کر کررہے تھے۔ ان میں ملک حیات، جبران، رضوانہ، اسلامک اکیڈمی کی پرنسپل طاہرہ مجیب الرحمن اور اکیڈمی سے تعلق رکھنے والے تمام اساتذہ بدرجہ اتم موجود تھے۔

پہلا احساس مجھے یہ ہوا کہ میں اپنے ملک میں واقع اکیڈمی کی عمارت ہوں۔ پھر تمام واقعات فلم کی طرح پردہ سیمیں پر پھیلنے لگے۔ اور میں ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ سب میرے سامنے مسرت بھرے چہرہ لئے کھڑے تھے۔ ملک حیات صاحب مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولے۔

''ہم تمہیں ہمسایہ ملک کی سرزمین پر خوش آمدید کہتے ہیں۔ میں تمہاری دماغی کیفیت کے متعلق بہ خوبی اندازہ لگاسکتا ہوں۔ اس لئے تمہاری حیرت کو جلد دفاع کرنے کی کوشش کروں گا۔ بات کوئی غیر معمولی یا فطرت سے ہٹ کر نہیں ہے۔ لیکن مجھ سے نادانستگی میں جو گناہ سرزد ہوا۔ میں اس کی تلافی کے لئے اپنے آپ کو تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ تم مجھے جو سزا بھی دو گی۔ وہ مجھے منظور ہوگی۔''

وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوگئے۔ رضوانہ نے پانی کا گلاس بھر کر میرے ہاتھوں میں تھمادیا۔ میرا حلق سوکھ کر کانٹا ہورہا تھا۔ میں نے ایک ہی گھونٹ میں پانی حلق میں انڈیل لیا۔ حواس کچھ بحال ہوئے۔ میں نے اردگرد نگاہ دوڑائی۔ وسیع وعریض ہال میں کرسیاں اور میزیں رکھ کر لیکچر روم کی صورت دی گئی تھی۔ میں جس کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس کے آگے نہایت قیمتی لکڑی سے بنی ہوئی میز رکھی تھی۔ اکیڈمی کے اساتذہ اور دوسرا اسٹاف کرسیوں پر براجمان تھا۔ ملک حیات صاحب دوبارہ گویا ہوئے۔

''تم مجھ سے زیادہ اچھی طرح جانتی ہو کہ دین و تبلیغ کا سلسلہ صدیوں سے چلتا آرہا ہے۔ اس بھلائی کے کام میں صرف انسان ہی نہیں بلکہ جنات بھی حتی المقدور حصہ لے رہے ہیں۔ تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ہماری اکیڈمی میں بھی جنات ہیں۔

یہ انسانوں کے علاوہ غیر مسلم جنات پر بھی تبلیغ میں ہمارا ساتھ دے رہے ہیں۔ ان غیر مسلم جنات کی تعداد ہمارے ملک کی نسبت ہمسایہ ملک میں زیادہ ہے۔ یہ ہماری طرح سوچ وفکر اور حالات و واقعات کو اپنے لحاظ سے استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ہندو جنات میں شر پسندی زیادہ ہوتی ہے۔ انسانوں کو پریشان کرنا۔ انہیں غلط راستوں کی طرف راغب کرنا۔ ان کے محبوب مشغلوں میں شامل ہے۔ ہماری اکیڈمی کی اب تک کی تمام برانچیں مسلم ممالک کی حد تک محدود تھیں۔ تاہم ضرورت اس امر کی تھی کہ غیر مسلم ممالک میں بھی ان کا انعقاد کیا جائے۔

بارش کے پہلے قطرے کی طرح ہم نے ہمسایہ ملک کو پہلا ہدف بنایا اور جنات پر مشتمل جماعت کو یہاں منتقل کیا۔ دینی امور اور تبلیغ کے سلسلے کو مدنظر رکھتے ہوئے گزشتہ ماہ علی پور سیداں کی اکیڈمی میں مختصر میٹنگ رکھی گئی۔ اس میٹنگ کی سربراہی میں نے کی۔ تاہم دینی امور پر بات چیت کے لئے تمہیں استعمال کیا گیا۔

تمہارے شعور کو سلا کر لاشعور کے ذریعے معاملے کو آگے بڑھایا گیا۔ کام نہایت تسلی بخش رہا۔ تاہم مجھ سے انجانے میں غلطی سرزد ہوگئی۔ جس کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑا۔ میں ایک دفعہ پھر اپنے اس غیر ارادی فعل پر شرمندگی محسوس کرتے ہوئے تم سے معافی کا خواستگار ہوں۔ ہمارے درمیان شادی کے رشتے کی بات کافی دنوں سے چل رہی تھی۔

تمہاری طرف سے نیم رضامندی کا اظہار بھی

ہو چکا تھا۔ شاید اس اظہار کو مدنظر رکھتے ہوئے میں انجانے میں اس فعل کا مرتکب ہوگیا۔

ملک واپسی کے بعد شرمندگی کے احساس نے مجھے نظریں چرانے پر مجبور کیا اور میں چند دنوں کے لئے دوبارہ ہمسایہ ملک آ گیا۔

جنات کی جماعت کا اصرار تھا کہ تم ہمسایہ ملک میں ان کے ساتھ کام کرو۔ اس لئے ملک کی اکیڈمی میں تمہارا استعفیٰ بھجوادیا گیا اور حالات کے دھارے میں چھوڑ کر تمہیں جبران کی ہمراہی میں ہمسایہ ملک کی طرف بھجوادیا گیا۔''

میں نے پھٹ پڑنے والے لہجے میں ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''دین و تبلیغ کے خوبصورت سلسلے کے درمیان آپ نے جو شرپسندی کی انتہا کی ہے۔ میرے خیال میں آپ کے اس اقدام پر شیطان بہت خوش ہوا ہوگا۔ اور اس فعل سے نگاہیں چرانے کے لئے آپ نے مجھے بیچ منجدھار میں اکیلا چھوڑ کر فرار ہونے کو ترجیح دے کر مزید دو غلے پن کا مظاہرہ کیا۔ میں اس کے لئے آپ کو تمام زندگی معاف نہیں کروں گی۔''

اکیڈمی کی پرنسپل طاہرہ مجیب الرحمٰن اپنی جگہ سے کھڑی ہوتی ہوئی بولیں۔

''ٹیچر بسمہ انسان خطا کا پتلا ہے۔ اس لئے اس سے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ اگر نہ ہو تو فرشتے اور انسان میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا رحمت علیہ سے جنت میں غلطی سرزد ہوئی اور دنیا میں زندگی کا آغاز ہوا۔ قابیل اور ہابیل سے اپنی بہن کے لئے قتل ہوا۔ اور شرپسندی کے سلسلے کو تقویت ملی۔ تاہم معاف کردینے کی جو فضیلت اسلام میں ہے۔ اس سے تم اچھی طرح واقف ہو۔

درحقیقت حیات صاحب کا قصور اتنا زیادہ نہیں ہے۔ جتنا دکھائی دے رہا ہے۔ اس فعل کے لئے اکسانے کی وجہ وہ میٹنگ تھی جو گزشتہ ماہ علی پور سیداں کی اس اکیڈمی میں منعقد ہوئی۔ فراغت کے بعد ملک صاحب نے باقاعدہ اس بات کا اعلان کیا تھا کہ وہ جلد ہی تمہارے ساتھ رشتہ ازدواج میں بندھنے کے بعد ہمسایہ ملک میں باقاعدہ دین و تبلیغ کے سلسلے کے لئے اپنی بقایا زندگی نذر کرنے والے ہیں۔

اس تقریب کے دوران ہم سب نے مختصر رسم کے طور پر تم دونوں کو اسٹیج پر بیٹھا کر سلامی دی تھی اور تم دونوں اسی وقت نہ دکھائی دینے والے مضبوط بندھن میں بندھ گئے تھے۔ شاید اس بندھن کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے ملک صاحب سے غلطی سرزد ہوگئی۔

ہم سب اکیڈمی والوں کی سفارشات کو مدنظر رکھتے ہوئے برائے مہربانی ملک صاحب کو معاف کردو اور اگر تمہاری رضامندی ہو۔ تو آج ہی ہم مختصر تقریب کے دوران تم دونوں کا نکاح پڑھوانا چاہتے ہیں۔''

ہال میں بیٹھے افراد نے تالیاں بجا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور میں نے اظہار رضامندی کے طور پر سر جھکالیا۔

پرنسپل طاہرہ دوبارہ گویا ہوئیں۔ ''ہمسایہ ملک میں کام کرنے سے قبل میں تمہیں بتادینا چاہتی ہوں کہ ملک حیات صاحب، جبران اور میرے علاوہ یہاں سب ممبرز جنات کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

جبران نے حال ہی میں اکیڈمی کو منتخب کیا ہے۔ وہ معاشرے کا ٹھکرایا ہوا فرد ہے۔ تمہاری اسلامی تعلیم نے اسے بہتر راستے کے انتخاب میں مدد دی اور آج وہ ہمسایہ ملک میں ہمارے ساتھ دین و تبلیغ کے کام کا آغاز کرنے والا ہے۔ آخر میں یہ بھی بتاتی چلوں کہ قانونی طور پر کام کرنے کے لئے ہمیں تمہارے کاغذات درکار ہیں تاکہ کسی قانونی پیچیدگی کے بغیر کام کی شروعات کی جاسکے۔''

ہال کمرہ ایک دفعہ پھر تالیوں کی زوردار آواز سے گونج اٹھا۔ اور میں نے مطمئن انداز میں آنکھیں موندلیں۔

جان بچ گئی

خلیل جبار

اچانک چڑیل کی آواز گونجی اب یہ تیری قبر ھے اس قبر میں نہ جانے تجھ جیسے کتنے نوجوان دفن ھوچکے ھیں اور کسی کو کانوں کان خبر نھیں ملتی میں خون پیتی ھوں اور.....

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ، ذہن سے محو نہ ہونے والی انوکھی.....اور.....شاہکار کہانی

بس نے جب مجھے شہر میں اتارا۔ رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ مجھے ابھی اور آگے سفر کرنا تھا۔ میں حیدر آباد میں اپنے ایک عزیز کی شادی کی تقریب میں شرکت کرنے آیا تھا۔ دفتر سے دو دن کی چھٹی لے کر حیدر آباد روانہ ہونے کے لئے دفتر سے نکل آیا تھا۔

ڈرائیور بس میں سواری کم ہونے پر بار بار راستے میں بس کو روک کر سواری بیٹھا رہا تھا۔ اس کے کئی بار بس کے رکنے پر مسافروں نے احتجاج بھی کیا کہ اس طرح تم ہمیں لیٹ کردو گے مگر ڈرائیور کہاں کس کی سنتے ہیں جو کہ ان کے دل میں آتا ہے وہی کرتے ہیں۔

شادی والا گھر زیادہ دور نہ تھا پھر بھی میں چاہ رہا تھا کہ رکشے میں بیٹھ کر جلدی سے پہنچ جاؤں لیکن رکشہ کا کہیں بھی نام ونشان نہ تھا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی حالانکہ میں کئی بار حیدر آباد آچکا ہوں کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ رکشہ نہ ملا ہو کچھ دیر رکشے کا انتظار کرکے میں نے پیدل ہی گھر جانے کا فیصلہ کرلیا۔ میں تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا آگے بڑھا۔ راستے میں ایک قبرستان آتا تھا لیکن مجھے قبرستان میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں۔ سڑک کے راستے آگے بڑھنا تھا۔ میں ویسے بھی ڈرپوک واقع ہوا ہوں۔ قبرستان کا نام سن کر ہی عجیب سا خوف دل میں پیدا ہوجاتا ہے۔ قبرستان قریب آنے پر میرے من میں خوف سا پیدا ہوا، لیکن میں نے اس خوف کو جھٹک دیا کہ ڈرنے کی کون سی بات ہے میں کون سا قبرستان کے اندر سے جاؤں گا۔ جو ڈروں قبرستان کے کنارے سڑک پر سے آگے بڑھنا ہے۔ نا چاہتے ہوئے بھی قبرستان آنے پر میرے دل میں خوف پیدا ہوگیا تھا۔ خوف کی وجہ یہ تھی کہ سڑک پر دور تک سناٹا تھا۔ کوئی گاڑی یا انسان نظر نہیں آرہا تھا ایسے مواقع پر لٹنے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ اچانک کوئی شخص اسلحہ لے کر سامنے ظاہر ہوجائے۔ ایسا ہونے پر سب کچھ نقدی وغیرہ دینا پڑجاتی ہے۔

سڑک کے کنارے کچھ فاصلے پر درخت کے پاس مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی چھپا ہوا ہے۔

"یہ ضرور کوئی ڈکیت ہے اور یہ کسی بھی راہ گیر کو لوٹنے کے ارادے سے چھپا ہوا ہے۔" میرے دل میں خیال آیا۔

میں بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ لوگوں کو لوٹنے والے بڑے بے رحم لوگ ہوتے ہیں۔ شکار کو ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر فائر کرنے میں دیر نہیں لگاتے۔ مجھے جانا بھی وہیں سے تھا اور کوئی اگر راستہ تھا وہ قبرستان سے ہوکر جاتا تھا۔ رات کی تاریکی میں قبرستان سے گزرنا میرے اختیار میں نہ تھا۔ اس لئے میں نے سڑک پر ہی آگے بڑھنے کا فیصلہ کرلیا۔ جو میری

Pakistanipoint

قسمت میں لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ یہ سوچ کر میں آگے ضرور بڑھ رہا تھا لیکن دل میں خوف اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔

جیسے ہی میں درخت کے قریب پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ درخت کے پاس کوئی آدمی نہیں بلکہ کوئی خاتون ہے۔ مجھے سخت حیرت ہوئی کہ ایسے سناٹے میں میرا یہاں سے گزرنے میں خوف کے مارے برا حال ہے اور یہ عورت ہو کر یہاں بیٹھی ہوئی ہے۔

''کون ہو تم اور یہاں کیوں بیٹھی ہوئی ہو۔'' میں نے اپنے خوف پر کچھ قابو پالیا تھا۔ اس لئے اس سے ہاں کرنے کی ہمت ہوگئی تھی۔

''وہ..... وہ..... میرے تعاقب میں ہے۔'' وہ گھبراتے ہوئے بولی۔

''کون ہے وہ اور کیوں تمہارا تعاقب کر رہا ہے۔''

''مجھے اکیلا دیکھ کر پکڑنے کو جھپٹا تھا۔ میں بڑی مشکل سے اس سے بچتی بچاتی قبرستان میں گھس گئی تھی۔ وہ بھی قبرستان میں گھس گیا۔ میں کسی طرح قبرستان سے نکل کر اس درخت تک پہنچ گئی ہوں۔ فوری بھاگنے پر دیکھ لی جاؤں گی۔ میں اس کے قبرستان سے نکل جانے کا انتظار کر رہی ہوں۔ اس کے جانے پر ہی میں آگے بڑھ سکتی ہوں۔''

''تم کہاں جانا چاہتی ہو؟''

''میں کراچی جانا چاہتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''اس وقت تمہیں کراچی جانے کے لئے کوئی گاڑی نہیں مل سکتی۔ اس لئے بہتر ہے، واپس اپنے گھر چلی جاؤ۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔

''میرا گھر یہاں نہیں کراچی میں ہے۔''

''یہاں کسی کے گھر نہیں آئی۔ میں اپنا علاج کرانے کے لئے ڈاکٹر قیصر کے پاس آئی ہوں۔ اس کے ہاتھ میں بہت شفا ہے۔ بہت سارے مریض اس سے فیض یاب ہو چکے ہیں میں اس کی شہرت سن کر آئی تھی۔ ڈاکٹر کے پاس مریضوں کی بہت بھیڑ تھی۔ اس لئے مجھے دوائی لینے میں دیر ہوگئی۔ جب میں ڈاکٹر قیصر کے کلینک سے نکل کر کچھ فاصلے پر پہنچی ہوں۔ وہ غنڈا میرے پیچھے لگ گیا۔ اس سے بچنے میں مزید لیٹ ہوگئی۔ اب مجھے کسی ہوٹل میں قیام کرنا پڑے گا۔''

''میں بھی کراچی سے ایک شادی میں آیا ہوں۔ ہوٹل سے بہتر ہے تم میرے ساتھ چلو، رات گھر میں گزار کر صبح کراچی چلی جانا۔'' میں نے کہا۔

''شادی کے گھر والے تم سے یہ نہیں پوچھیں گے تم مجھے کیسے جانتے ہو۔'' وہ بولی۔

''میں کہہ دوں گا کہ تم میرے دوست کی بہن ہو اور صبح ہونے پر اپنے ایک عزیز کے گھر چلی جاؤ گی۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ویسے بھی میں نے سنا ہے ہوٹلوں کا ماحول اچھا نہیں ہے۔ اکیلی عورت کو دیکھ کر خواہ مخواہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو جائیں گے اور غلط سلط قسم کے سوالات بھی کریں گے۔'' اس نے کہا۔

''ہاں میں اس لئے تمہیں شادی والے گھر چلنے کا مشورہ دے رہا ہوں۔''

میرے کہنے پر وہ میرے ساتھ چل دی۔ تھوڑی دور چلنے پر اس کی رفتار سست ہوگئی۔

''ارے کیا ہوا تم اتنے پیچھے کیوں رہ گئی ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''میں تمہاری طرح تیز، تیز نہیں چل سکتی۔''

''ٹھیک ہے میں اپنی رفتار کم کئے لیتا ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میرے اپنے چلنے کی رفتار کم کرنے پر اچانک مجھے محسوس ہوا کہ میرے کندھوں پر بھاری وزن آ گیا ہے۔ میں نے اپنے کندھوں کو دیکھا۔ کندھوں پر کچھ بھی نہیں تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کندھوں پر بھی کچھ نہیں ہے اور کندھوں پر بوجھ اتنا آ گیا ہے جیسے منوں کے حساب سے کوئی چیز میرے کندھوں پر آ گئی ہو، قبرستان کے پاس سے گزرنے پر ممکن تھا کوئی آسیبی چیز نے مجھ پر حملہ کر دیا تھا اس لئے میں نے قرآنی آیت پڑھ کر اپنے کندھوں پر پھونک ماری۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ میرے کندھوں پر سے بوجھ اتر گیا اور میں ہلکا پھلکا ہو گیا ابھی چند قدم اٹھائے تھے کہ میری ٹانگوں میں اتنی جان نہیں رہی تھی کہ آگے کی جانب ایک قدم اٹھا سکوں اور میں وہیں سڑک پر بیٹھ گیا۔ اچانک میری جو

اس خاتون پر نگاہ پڑی تو حیران رہ گیا وہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔

"میری ٹانگوں کو پتا نہیں کیا ہوگیا ہے، میں چل نہیں سکتا۔" میں نے کہا۔

"تم اب کہیں نہیں جاؤ گے، تمہاری یہی منزل ہے۔"

"یہی منزل ہے میں سمجھا نہیں۔" میں نے کہا۔

"تم میرا شکار ہو، اس لئے اب کہیں نہیں جاسکتے۔"

"یہ تم کیا کہہ کر رہی ہو؟" میں بری طرح چونکا۔

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں، آج تک جو بھی میرا شکار بنا ہے اسے پھر یہاں سے جانا نصیب نہیں ہوا۔ میں تمہارے جسم کا سارا خون پی جاؤں گی۔"

"تم میرا خون پیو گی۔" میں نے گھبرا کر اس کے پاؤں کی طرف دیکھا۔

اس کے پاؤں الٹے تھے۔ یہ دیکھ کر مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی تھی کہ میں چڑیل سے دھوکہ کھا گیا ہوں۔ "خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو اور جانے دو۔" میں نے اس سے التجا کی۔

"کیسے جانے دوں، کوئی ہاتھ آئے شکار کو بھی جانے دیتا ہے۔" وہ غصے سے غرائی۔

میں خاتون سے ہمدردی کرنے کے چکر میں پھنس گیا تھا۔ بزرگ ٹھیک کہتے ہیں کہ سوچ سمجھ کر کسی سے ہمدردی کرنا چاہئے۔ اس سے ہمدردی کرنا میرے گلے پڑ گیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس چڑیل سے کیسے اپنی جان چھڑاؤں۔ اس چڑیل نے مجھے پکڑ کر گھسیٹنا شروع کردیا۔ وہ قبرستان کے اندر جارہی تھی۔ مجھ میں اتنی جان نہیں رہی تھی کہ خود کو کسی طرح سے اس سے بچالوں۔ قبرستان میں چاروں طرف سناٹا اور گھپ اندھیرا تھا۔ میں اپنے بچاؤ کے لئے چیخنا چاہتا تھا۔ مگر میری آواز گھٹ کر رہ گئی تھی۔ کچھ دور لے جا کر اس نے مجھے ایک ٹوٹی ہوئی قبر کے پاس پھینک دیا۔ "یہ قبر دیکھ رہے ہو۔" وہ بولی۔

"آ..... ہاں....." میں نے بڑی مشکل سے اتنا ہی کہہ سکا۔

"اب یہ تیری قبر ہے، اس قبر میں نا جانے کتنے، تجھ جیسے نوجوان دفن ہو چکے ہیں۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ملتی۔ رات میں کیا ہوا ہے۔ میں نوجوان کا خون پی کر اس کی لاش کو اس قبر میں ڈال دیتی ہوں۔" چڑیل نے کہا۔

اچانک ایک طرف سے اس کے جیسی چند اور چڑیلیں آگئیں۔

"ارے واہ آج تم نے اچھا شکار پھانسا ہے۔ اس کے خون سے ہم سب کا پیٹ بھر جائے گا۔" ایک بولی۔

"میں تم چڑیلوں کا خوب خیال رکھتی ہوں۔"

"ہم سے کوئی شکار پھنستا نہیں ہے اور تم بڑی آسانی سے شکار کو پھانس لیتی ہو۔" دوسری بولی۔

میرے پاس وقت نہیں تھا وہ کسی بھی لمحے مجھ پر حملہ آور ہو کر میرا خون پی سکتی تھیں۔ اس لئے میں نے جو کچھ کرنا تھا وہ فوراً کرنا تھا۔ موت کے خوف سے میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ آیت الکرسی پڑھی جائے یہ خیال آتے ہی میں نے آیت الکرسی پڑھنا شروع کردی۔ میرے اس عمل سے وہ چڑیلیں جو بہت خوش تھیں، خوف زدہ ہوگئیں، مجھے لکڑی کے ڈنڈے دکھانے لگیں۔

"یہ جو تم پڑھ رہے ہو اس کو بند کردو ورنہ ہم ان ڈنڈوں سے تمہارا سر پھوڑ کر رکھ دیں گے۔"

میں نے ان کی پرواہ نہیں کی اور آیت الکرسی پڑھتا ہی رہا۔ وہ چڑیلیں مجھے ڈراتے ڈراتے مجھ سے دور ہونے لگی تھیں اور پھر یکا یک غائب ہوگئیں آیت الکرسی مکمل پڑھنے پر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے جسم میں پہلے کی طرح سے پھرتی اور توانائی آگئی ہے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اپنے جسم پر دم کیا اور قبرستان سے باہر نکل آیا۔ سڑک پر آکر میں تیز، تیز قدم بڑھاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ میں نے اپنے چڑیل سے بچ جانے پر خدا کا شکریہ ادا کیا۔

شادی والے گھر میں جب میں نے جب وہ واقعہ سنایا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے کہ میں چڑیل سے بچ گیا تھا۔

Pakistanipoint

جان لیوا

راشد نذیر طاہر

قسط نمبر:23

برس ہا برس سے پراسرار قوتوں کو مسخر کرنے کے لئے سرگرداں انسانوں کی پراسرار ہولناک داستان حیرت، قدم قدم پر سحر جادو اور عملیات کی حیرت انگیز مناظر پڑھنے والوں کو انگشت بدنداں کرکے اچنبھے میں ڈال دیں گے، ایک بالکل نئے طرز کی حیرت ناک دلوں پر دھشت طاری کرتی کھانی۔

ایک نادیدہ اور پراسرار ہستی کی ہولناک روداد دلوں کی دھڑکنیں تیز کرنے والا سلسلہ

میں نے مختصراً جبران کو صورت حال بتادی۔

وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

آخر میں اس نے کہا۔

''سدو کو شہر بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی وین میں انہیں شہر بھجوادوں گا.....!!''

''ویری گڈ.....!!'' سدو اچھل پڑا: ''جبران بھائی.....زندہ باد.....!!''

جبران زور سے ہنس پڑا، میں بھی مسکرادیا۔

''دراصل میں یہاں تفریح کے موڈ میں آیا ہوں.....اور اگر سدو چلا گیا تو سارا مزہ کرکرا ہوجائے گا.....!!''

''بس ایک مسئلہ ہے.....!!'' میں آہستہ سے بولا۔

''وہ کیا.....؟''

''بستی والے اس لڑکی کو یہاں سے نکالنے میں روڑے اٹکائیں گے.....!!''

''کیوں.....؟'' جبران نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ اپنی قوم کی لڑکی کو باہر نہیں بھیجیں گے..... یہ ان کا رواج نہیں ہے.....!!''

''تم بھگا کر تو نہیں لے جارہے.....'' جبران بولا: ''وہاں لے جا کر شادی کرو گے..... اس میں اعتراض کی کیا بات ہے.....!!''

''بادل نے تو یہی بتایا ہے.....'' میں بولا: ''تب ہی ہم لوگوں نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ رات کی تاریکی میں ان دونوں کو یہاں سے نکالا جائے.....!!''

''نہیں..... یہ طریقہ تو مناسب نہیں ہے.....'' جبران نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو پھر کیا کریں؟'' میں نے پلکیں جھپکائیں۔

''یار..... اب میں آ گیا ہوں.....!!'' جبران آہستہ سے بولا: ''تم فکر مت کرو..... میں تمہاری محبوبہ کو بانگ دہل یہاں سے لے کر جاؤں گا..... ہاں..... جبران ہے میرا نام.....!!''

☆.....☆.....☆

بادل تو بے چارہ جو کر رہا تھا وہ اپنی جگہ تھا..... لیکن تھوڑی ہی دیر میں بستی کے کئی گھروں سے کھانے پینے کی ان گنت چیزیں بھیج دی گئیں۔

یوں جب دستر خوان لگا تو جگہ بھی کم پڑ گئی، جبران بول اٹھا۔

''یہ کیا بھئی.....؟ ہم لوگ انسان ہیں بھئی.....

Pakistanipoint

اتنا کون کھائے گا؟''

''میں نے بھی بستی والوں کو یہی بولا تھا.....!!''

بادل مسکرایا: ''لیکن ہر کوئی آپ لوگوں کی آؤ بھگت کرنا چاہتا ہے.....!!''

''اچھا.....!!'' جبران مسکرایا: ''تو پھر اس کی ایک ترکیب ہے.....!!''

''وہ کیا.....؟''

''میں ابھی یہاں رہوں گا.....!!'' جبران بولا: ''اور جب تک میں بستی میں ہوں، تو روزانہ ایک ہی گھر میرے لئے تکلیف کرے..... ورنہ اس طرح تو کھانا ضائع ہوگا.....!!''

''میں بتادوں گا.....!!'' بادل نے کہا۔ ''ویسے بستی کے لوگ آپ سے ملنے کے بھی خواہاں ہیں.....!!''

''میں سب سے ملوں گا.....'' جبران نے جواب دیا۔ ''لیکن تمہارے ایک بندے کی دست یابی کے بعد.....''

چنانچہ کھانے سے فراغت حاصل کرتے ہی جبران نے بادل کو مخاطب کیا:

''چلو بھئی.....!! اب ہمیں اس جگہ کی نشان دہی کرو، جہاں تمہارا بندہ پھنسا ہوا ہے.....!!''

''میں بھی ساتھ چلتا ہوں جناب.....'' بادل بولا۔

''نہیں..... یہ مناسب نہیں ہے۔'' جبران کچھ سوچ کر بولا: ''تم ہمیں راستہ بتادو، باقی کام ہمارا ہے۔''

بادل نے راستہ بتادیا تھا، لیکن اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ خود بھی شامل ہونا چاہتا ہے۔

جبران نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی، پھر اس نے کہا:

''چلو بھئی..... میرے جوانو اٹھ کھڑے ہو جاؤ..... ملکان صاحب کو واپس لانا ہے.....!!''

گاڑی کی مناسبت سے راستہ بے حد دشوار تھا..... بستی کے قریب پہنچنے سے قبل ہی چاروں طرف اندھیرا پھیل چکا تھا اور پھر..... وین کو ایک مناسب جگہ روکنا پڑا۔

جبران دروازہ کھول کر سب سے پہلے باہر نکلا تھا..... یہاں سے آگے ایک ڈھلان تھی..... جس میں جابجا جھاڑیاں اور گڑھے موجود تھے اور یہ بات بادل نے اس وقت بتائی تھی جب وہ بستی کا پتا سمجھا رہا تھا.....!!

ہمیں تو فی الحال اندھیرے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ وین کی ہیڈ لائٹس پورے علاقے کو کور کرنے کے لئے ناکافی تھیں.....!!

جبران نے آگے بڑھ کر جائزہ لیا اور پھر واپس پلٹ کر بلند آواز میں اپنے اہلکاروں سے مخاطب ہوا۔

''پچھلے حصے میں کچھ ٹارچیں موجود ہیں..... وہ نکال لو.....!!''

فوراً ہی اس کے حکم کی تعمیل ہوئی اور اہلکاروں نے تین ٹارچیں ہمیں تھمادیں۔

جبران نے ڈھلان کی طرف قدم بڑھادیئے اور پھر ٹارچ کی تیز روشنی کا دائرہ بھی ڈھلان میں اتر گیا۔

''واقعی.....!!'' جبران کی آواز گونجی: ''وین آگے نہیں بڑھ سکتی۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے اہلکاروں کی طرف گھوما:

''تم لوگ وین میں یہیں رکو..... اگر ضرورت پڑے گی تو میں ٹرانس میٹر پر تم سے رابطہ کرلوں گا..... او کے.....؟''

''جی بہتر سر.....!! جو آپ کا حکم.....!!'' ایک نے جواب دیا۔

''سر.....!! اگر آپ ہمیں بھی لے جائیں تو بہتر ہوگا.....!!'' ایک اور اہلکار نے آگے بڑھ کر کہا: ''وہاں نہ جانے کیا صورت حال پیش آئے.....!!''

''پریشان نہ ہو.....'' جبران نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا: ''میں ایسا کچھ محسوس نہیں کر رہا.....

ہاں.....ضرورت ہوئی تو اشارہ کردوں گا.....!!''

''ٹھیک ہے سر.....ہم لوگ یہاں الرٹ رہیں گے.....!!'' وہ فرمانبرداری سے بولا۔

''شاباش..... مجھے اپنے عملے سے یہی امید ہے.....!!''

یہ کہہ کر اس نے مجھے اور سدو کو اشارہ کیا، ساتھ ہی اس نے ڈھلان میں چھلانگ لگادی۔

قدم اس طرح آگے بڑھ رہے تھے، جیسے کوئی عقب سے دھکے دے رہا ہو۔ جلد ہی ہم بستی کی حدود میں داخل ہوچکے تھے.....!!

یہاں بھی گھاس پھوس کے گھر بنے ہوئے تھے اور کچھ لوگ چہل قدمی کرتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے.....!!

ہمیں دیکھ کر وہ چوکنا ہوگئے تھے، ان میں سے کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں ریوالور بھی تھے.....

جبران بے دھڑک آگے بڑھ رہا تھا..... اس کے انداز میں بے پناہ اعتماد اور اطمینان تھا.....!!

''رک جاؤ..... ورنہ ہم گولی مار دیں گے.....!!'' ایک بھاری بھرکم آواز ابھری: ''کون ہو تم لوگ؟''

''پولیس.....!! جبران نے سر پر رکھے ہوئے مخصوص ہیڈ پر ٹارچ کی روشنی گھمائی۔ ''ہمارا تعلق پولیس سے ہے.....!! اور اس وقت تمہاری بستی کو ہم لوگوں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے.....!!''

ان لوگوں کو گویا سانپ ہی سونگھ گیا، کافی دیر بعد وہی آواز ابھری:

''پولیس.....لیکن کیوں.....؟''

''یہ بات ہم تمہیں نہیں بتاسکتے.....!!' جبران کا لہجہ ٹیڑھا سا تھا: ''اپنی بستی کے کسی معزز آدمی کو بلاؤ..... میں اس سے بات کروں گا.....!!''

ان لوگوں نے آپس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، ایسے میں سدو نے میرے کان میں سرگوشی کی:

''استاد.....!! اگر ان لوگوں کی کھوپڑی الٹی تو اس ویرانے میں کوئی دعا پڑھنے والا بھی نہیں ملے گا.....!!''

''مرنے کے بعد تمہیں کیا پتہ کہ کون آیا اور کون گیا.....!!'' میں ہنسا؟ ''کوئی نہ ملا تو نہ سہی.....!!''

''یہ بات بھی ٹھیک ہے.....'' سدو نے سر ہلایا: ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلوں.....؟''

''ہاں..... ہونا تو یہی چاہئے تھا تمہارے ساتھ.....!!'

عین اسی وقت وہی آواز گونجی جس نے پہلے انہیں مخاطب کیا تھا:

''ٹھیک ہے.....!! میں بلاتا ہوں.....!!''

تھوڑی دیر بعد ہی ایک ادھیڑ عمر شخص بھیڑ کو چیرتا ہوا ہماری طرف بڑھا، اس کا انداز نپا تلا سا تھا.....!!

اس نے دھوتی اور بنیان زیب تن کر رکھا تھا اور کاندھے پر بڑی سی چادر لٹکا رکھی تھی۔

اس نے معائنہ کرنے والے انداز میں ہماری طرف دیکھا اور پھر بولا:

''جی صاحب لوگ.....!! ہم کیا خدمت کریں آپ کی.....؟''

''تم کون ہو؟'' جبران کا لہجہ ذرا تیکھا تھا۔

''میں اس بستی کے سرپنچ میں سے ہوں.....!!''

''اچھا.....'' جبران نے جیسے مطمئن ہو کر سر ہلایا: ''میرا تعلق پولیس سے ہے اور اس بستی کو میرے کارندوں نے گھیر رکھا ہے۔''

''لیکن کیوں صاحب؟'' وہ بولا: ''ایسا کیوں؟''

''ہمیں اطلاع ملی ہے کہ ملکان اس بستی میں ہے۔'' جبران کا لہجہ کرخت تھا۔ ''اور وہ حکومت کو سختی سے مطلوب ہے.....!!''

''ملکان.....؟'' ادھیڑ عمر کے چہرے پر حیرت

ابھر آئی۔

''ہاں.....!! تمہارا نام کیا ہے؟''

''جازال.....!!''

''ٹھیک ہے مسٹر جازال.....!!'' جبران کا انداز نرم گرم تھا: ''اگر مکان یہاں ہے تو اسے ہمارے حوالے کردو..... کیونکہ جو اسے پناہ دے گا وہ بھی حکومت کے عتاب کا شکار ہوگا.....!!''

''ہم نے اسے پناہ نہیں دی.....!!'' ادھیڑ عمر کے عقب سے کسی نے چیخ کر کہا: ''وہ ہمارے محترم جازال کا جانی دشمن ہے اور ہم نے اسے اس جرم کی سزا دے رکھی ہے.....!!''

''کیسی سزا.....؟'' جبران چونکا: ''جلدی بتاؤ..... ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے جسے ضائع کیا جائے.....!!''

''ٹھیک ہے.....'' جازال نے سر ہلایا۔ ''میں دکھا دیتا ہوں.....!!''

پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف گھوما اور آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اس شخص پر برہم ہو رہا ہو جس نے مکان کی موجودگی ظاہر کی تھی.....!!

اب جازال نے خود کو پرسکون کیا اور ہماری طرف متوجہ ہو کر بولا:

''آجاؤ تھانیدار صاحب.....''

پھر جازال کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے..... یعنی ہم لوگوں سمیت چھوٹا سا قافلہ تھا جو اندرونی حصے کی طرف بڑھ رہا تھا.....!!

درختوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ٹارچوں کی روشنی میں مجھے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ جبران پوری طرح چوکنا تھا اور اس کا بایاں ہاتھ اپنی جیب کے اندر ریوالور کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھا.....!!

جلد ہی یہ قافلہ ایک درخت کے قریب آ کر رک گیا..... اور پھر میری آنکھوں نے ایک ظلم و بربریت کا اندوہناک منظر دیکھا.....!!

ایک شخص کو درختوں کی مضبوط شاخوں سے الٹا لٹکایا گیا تھا اور رسیوں سے اس کے پاؤں بری طرح بندھے ہوئے تھے.....!!

اس کا جسم برہنہ تھا اور اس پر جا بجا زخموں کے نشان بنے ہوئے تھے، جن سے خون رس رہا تھا.....!!

میرا دل کانپ کر رہ گیا..... انسان کتنا سفاک اور ظالم ہے..... اگر اسی طرح چلتا رہا، تو کیا اس حضرت انسان کو درندوں میں شمار نہ کیا جائے گا.....؟ اوہ..... ایک انسانی جان پر ظلم کی انتہا تھی.....!!

''ہوں.....!!'' جبران نے شاید اپنی غراہٹ کو قابو کیا تھا: ''تم لوگوں نے اس کے ساتھ کافی نرم برتاؤ کیا ہے..... جہاں ہم اسے لے جائیں گے، وہاں اس کے ساتھ اس سے بھی برا سلوک کیا جائے گا..... کھول دو اسے.....!!''

یہ کہہ کر جبران نے اپنا ٹرانس میٹر نکالا اور اپنے جوانوں کو بلا لیا.....!!

ظلم کا نشانہ بننے والا شخص مکان ہی تھا..... جلد ہی اسے کھول دیا گیا..... اور اگر جبران کے ساتھیوں نے اسے سنبھالا نہ ہوتا تو وہ زمین پر کٹے ہوئے شہتیر کی طرح آ گرتا.....!!

اس کے ساتھ ہی جبران نے ادھیڑ عمر جازال کی طرف ہاتھ بڑھایا اور مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔

''تعاون کا شکریہ..... اب ہم جا رہے ہیں، ہو سکتا ہے کہ جلد ہی دوبارہ ملاقات ہو.....!!

مکان مکمل طور پر بے ہوش تھا، وین بستی میں داخل ہوئی تو بستی میں ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔

گویا رات جاگ اٹھی تھی، مکان کی واپسی نے ہر طرف خوشی اور مسرت کی لہریں دوڑا دی تھیں.....!!

مکان کو اس کے گھر والوں کے سپرد کرتے ہوئے جبران نے کہا: ''تمہارے بندے کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے..... صبح تک اگر اس کی حالت بہتر نہ ہوئی تو میں شہر میں اس کا علاج کرواؤں گا.....''

''بہت بہتر صاحب جی.....!!'' یہ شاید ملکان کی ماں تھی: ''آپ تو فرشتہ بن کر ہماری بستی میں آئے ہیں.....!! خدا آپ کو سلامت رکھے.....!!''

اور پھر وہ مسلسل دعائیں دیتی رہی، بستی کے لوگ کافی خوش دکھائی دے رہے تھے.....

ایک بار پھر بادل کے گھر کا رخ کیا گیا..... بادل بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن وہ جبران سے بری طرح مرعوب تھا، شاید اسی وجہ سے وہ کوئی بات کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔

چنانچہ گھر میں داخل ہوتے ہی میں نے جبران سے کہا: ''آپ نے تو میلہ ہی لوٹ لیا..... ملکان کو اس طرح نکال لائے جیسے مکھن سے بال نکالتے ہیں.....!!''

''اس وقت یہی حکمت عملی مناسب تھی۔'' وہ مسکرایا: ''اگر میں یہ چال نہ چلتا تو خون خرابہ بھی ہوتا اور وقت بھی ضائع کرنا پڑتا، میں نے ان دونوں کو ہی بچالیا.....!!''

''ان لوگوں نے ملکان کو آپ لوگوں کے حوالے کیسے کردیا؟'' بادل نے بھی موقع دیکھ کر پوچھ لیا۔

سدو تو شاید اسی لمحے کے انتظار میں تھا، اس نے بادل کو اشارہ کیا اور پھر اس کے پہلو میں بیٹھ کر اس نے اپنی لاف گذاف شروع کردی۔

جبران نے ایک طویل سانس لی اور بولا:

''شکیل بھیا.....!! اب فی الحال تو یہ مسلہ حل ہوگیا ہے..... لیکن ملکان کی یہاں موجودگی جب جازال وغیرہ کے علم میں آئے گی تو ایک بار پھر وہی صورت حال پیدا ہوجائے گی.....!!''

''تو پھر.....؟'' میں نے پوچھا۔ ''اس کا کیا حل ہے؟''

''اس.....کا.....حل.....!!'' جبران نے کچھ سوچتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دیا: ''حل صرف یہ ہے کہ دونوں پارٹیوں میں صلح ہوجائے۔ سب سے پہلے تو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ یہ دونوں بستیاں ایک دوسرے کی دشمن کیوں ہیں.....!! کیا خیال ہے.....؟''

☆.....☆.....☆

سارنگا اور دھوک کی دشمنی کس طرح ہوئی.....؟

کافی عرصے پہلے یہاں کے لوگ آپس میں اس طرح تھے، جیسے ایک ہی بستی کو دو جگہ منقسم کردیا گیا ہو..... لیکن پھر اچانک ہی ان بستیوں کے لوگ ایک دوسرے کی جان کے دشمن بن گئے..... بس اچانک ہی.....!!

''آخر اس کی وجہ کیا ہے؟'' میں نے بادل سے پوچھا تھا: ''ایسا کیوں ہوا؟''

''یہ بات تو مجھے بھی نہیں معلوم۔'' اس نے سر کھجایا۔ ''بس میں یہ جانتا ہوں کہ اچانک ہی ایسا ہوا تھا..... اور پھر اگر ہمارا کوئی فرد ان کی بستی میں چلا جاتا تو وہ لوگ اسے مار پیٹ کر بھگا دیتے اور ان کا کوئی ادھر کا رخ کرتا تو ہم لوگ اس کے ساتھ وہی سلوک کرتے.....!!''

''تو کیا ملکان ان کی بستی میں گھس گیا تھا.....؟''

''نہیں.....'' وہ آہستہ سے بولا: ''اس کا کچھ اور معاملہ ہے.....!!''

''کیا معاملہ ہے بھئی.....؟'' جبران نے اسے گھورا۔

بادل کے انداز میں ہچکچاہٹ نمودار ہوگئی۔ پھر وہ بولا:

''بات یہ ہے کہ..... وہ دھوک بستی کی ایک لڑکی سے محبت کرتا ہے.....!!''

''گڈ.....!!'' جبران مسکرایا: ''یہ تو اچھی بات ہے.....''

''بالکل اچھی بات ہے جناب.....!!'' بادل نے سر ہلایا: ''لیکن جہاں دشمنی کا بول بالا ہو، وہاں ایسی باتیں بہت بڑا گناہ تصور کی جاتی ہیں.....!!''

''یہ بات بھی ٹھیک ہے.....!!''

''بس پھر..... یہی وجہ ہے کہ ملکان ادھ موا پڑا ہے..... میرا خیال ہے کہ اگر آپ وہاں نہ پہنچتے تو شاید

ڈھلان کے کسی کونے میں ملکان کی لاش پائی جاتی.....!!''

''میری وجہ سے ہرگز ایسا محسوس نہیں ہوا۔''

جبران فوراً بولا: ''ملکان کی زندگی تھی، اس لئے شاید ہم لوگ بروقت وہاں پہنچ گئے.....!!''

''بالکل ٹھیک کہا آپ نے.....!!'' سدو بول اٹھا: ''جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے.....!!''

''ہاں بھئی..... اب یہ بتاؤ کہ ان دونوں بستیوں میں کیسے دشمنی ہوئی تھی؟''

''میں واقعی اس بارے میں نہیں جانتا.....!!''

''تو پھر کس سے معلوم ہوگا؟''

''بستی کے بڑے اس بارے میں بتائیں گے.....!!''

''ٹھیک ہے..... تو جبران سے کب ملاقات ہوگی.....؟''

''اب تو کافی رات ہو چکی ہے.....!!'' بادل آہستہ سے بولا: ''کیا میں ابھی ان لوگوں کو بلوالوں؟''

''نہیں.....'' جبران بولا: ''یہ کام صبح پر اٹھا رکھو..... اور ان کو یہاں بلانے کی ضرورت نہیں ہے، میں خود ان کے پاس چل کر جاؤں گا.....!!''

بادل نے عجیب سے انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا، بولا کچھ نہیں۔

☆.....☆.....☆

ملکان کی حالت زیادہ اچھی نہیں تھی، جبران خود اس سے جا کر ملا تھا۔

رات وہ اس کے ماتحت ایک ہی کمرے میں سوئے رہتے اور اپنے چھوٹے سے مکان پر بادل شرمندہ دکھائی دے رہا تھا۔

اس وقت جبران نے ہنس کر اس کا کندھا تھپتھپایا اور بولا:

''تم فکر مت کرو..... ہم لوگ ان سب باتوں کے عادی ہی ہیں..... اگر کبھی پتھر پہ سر رکھ کر سونے کا موقع مل جاتا ہے تو ہم لوگ اس سے بھی گریز نہیں کرتے۔''

''جی..... وہ تو ٹھیک ہے، مگر آپ لوگ تو مہمان ہیں.....!!'' بادل نے کہا۔

''ارے کس بات کے مہمان.....؟'' جبران بولا: ''مہمان صرف ایک وقت کا ہوتا ہے، پھر وہ..... خیر چھوڑو..... میں نے شہر کی باتیں یہاں شروع کر دیں.....!!''

''اور پھر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسی کمرے میں ڈھیر ہو گیا تھا.....!!''

ملکان اب ہوش میں تھا، لیکن اپنے زخموں کی بدولت اسے کسی پل بھی سکون نہیں مل رہا تھا.....!!

''اس بستی کا کوئی ذمہ دار موجود ہے؟'' جبران نے بادل سے پوچھا۔ ''میں اس سے ملنا چاہتا ہوں.....!!''

''بالکل..... میں انہیں لے کر آتا ہوں.....!!''

جلد ہی بادل ایک بوڑھے شخص کے ساتھ نمودار ہوا، مجھے یاد آیا کہ اس بوڑھے سے میں اس وقت ملا تھا، جب میں اس بستی میں پہلی بار داخل ہوا تھا۔

اس کا نام دلیر تھا..... وہ سوالیہ نظروں سے جبران کو دیکھ رہا تھا۔

''میں ملکان کو علاج کے لئے شہر بھیجنا چاہتا ہوں.....!!''

''بالکل جناب..... جو آپ کی مرضی.....!!''

''ہوں.....!!'' جبران نے ہنکارا بھرا: ''تو پھر میری ایک اور مرضی بھی سن لو.....!!''

''حکم کریں جناب.....!!''

''میں سائبا نامی لڑکی اور اس کی متولی کو بھی شہر بھجوا رہا ہوں۔''

''جی.....!!'' دلیر چونکا: ''وہ کیوں.....؟''

''اس کے پیچھے ایک شگفتہ سا راز ہے۔'' جبران باوقار انداز میں بولا: ''اور انہیں شہر بھیجنے سے پہلے میں وہ راز ضرور بتاؤں گا..... لیکن اس سے پہلے مجھے ایک اور راز بتاؤ.....!!''

''وہ کیا.....؟''

''دھوک اور سارنگا میں کس بات پر جھگڑا ہوا تھا.....!!''

بوڑھے دلیر نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں اور جبران کی شکل تکنے لگا، کافی دیر بعد اس کے منہ سے نکلا۔

''یہ تو مجھے.....نہیں معلوم.....!!''

☆.....☆.....☆

میں تو یہ بات سن کر حیرت زدہ ہوا ہی تھا، خود حیران بھی تعجب زدہ رہ گیا۔

پھر اس کے منہ سے نکلا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ اگر ان دونوں بستیوں کے لوگ ایک دوسرے کی جان کے درپے ہیں تو اس کی کوئی وجہ تو ہوگی.....!!!''

''ہاں.....وجہ تو ضرور ہوگی.....!!'' بوڑھا دلیر بڑبڑایا۔

''میں وہی جاننا چاہتا ہوں.....!!''

''کاش مجھے پتا ہوتا.....!!''

''تو پھر کون بتائے گا.....؟''

''شاید میرے ہم عمر دوسرے لوگوں میں سے کسی کو علم ہو.....!!''

''اچھا.....تو پھر آپ خود یہ معلوم کرو.....میں انتظار کر رہا ہوں۔'' اور پھر بوڑھا دلیر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی بادل بڑبڑایا۔

''حیرت ہے.....دلیر بابا کو بھی نہیں معلوم.....واہ.....!!''

''مجھے لگتا ہے کہ یہ بات کسی کو بھی نہیں پتا.....!!'' سدو ہنس کر بولا تھا: ''اور بے وجہ ہی دشمنی پھیل گئی.....!!''

''کیوں پاگلوں والی باتیں کر رہے ہو؟'' میں نے منہ بنایا: ''اب ان بستیوں کے لوگ سر پھرے تو نہیں ہیں.....ضرور کوئی معقول وجہ رہی ہوگی.....!!''

''لیکن وجہ کون بتائے گا؟'' سدو ہنسا۔

پھر اسے نہ جانے کیا سوجھی، وہ ملکان کی طرف مڑا اور بولا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ ان دونوں بستیوں میں جھگڑا کیوں ہوا؟''

ملکان نے بھی نفی میں سر ہلایا تو سدو کا منہ بن گیا پھر وہ زیرلب بڑبڑایا۔

''بھاڑ میں گیا جھگڑا، چولہے میں گیا دھوک اور بھٹی میں گھسا سارنگا!!''

مجھے ہنسی آ گئی۔ سدو نے مجھے گھور کر دیکھا تھا.....!! پھر وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا.....!!

☆.....☆.....☆

ایک بار پھر بادل کے گھر کی طرف یہ قافلہ چل رہا تھا۔ دوپہر کے وقت بستی کے ایک آدمی نے آ کر اطلاع دی۔

''آپ لوگوں کو دلیر بابا نے بلوایا ہے.....کھانا وہیں کھایا جائے گا، کیونکہ آپ سب کی دعوت ہے.....!!!''

''دلیر بابا نے کچھ اور نہیں کہا؟'' سدو بول اٹھا۔

میں نے سدو کو تیز نگاہوں سے گھورا تو وہ گڑبڑا گیا:

''کچھ اور کیا.....؟'' وہ آدمی حیران ہو کر بولا۔

''کچھ بھی.....!!'' سدو نے کندھے اچکائے۔

''نہیں.....!!''

''ٹھیک ہے تم جاؤ.....!!'' میں جلدی سے بولا: ''ہم لوگ تھوڑی دیر میں آتے ہیں.....!!''

اس آدمی نے سر کو ذرا سا خم کیا اور باہر نکل گیا۔

اب میں سدو کی طرف گھوم گیا۔

''یہ کیا حرکت تھی؟''

''یونہی تفریح لے رہا تھا.....!!''

''بعض دفعہ بے وجہ کی چھیڑ چھاڑ گلے پڑ جاتی ہے.....!!''

''گلے پڑنے کا دوسرا مطلب شادی ہے.....!!'' سدو مسکرایا: ''یعنی تم نے کسی سے محبت کی اور اس نے تم سے شادی کر لی.....!!''

''واہ.....!!'' جبران نے ہاتھ لہرایا۔ ''گلے

Pakistanipoint

پڑنے کے محاورے کو کیا خوب صورتی سے استعمال کیا ہے.....واہ.....!!''

''یک نہ شد.....دو شد.....!!'' میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

بہرحال تھوڑی دیر بعد ہم لوگ دلیر بابا کے سامنے موجود تھے اور وہ شاید ہمارا ہی منتظر تھا۔

فوراً ہی دستر خوان بچھایا گیا اور کھانا لگا دیا گیا..... دلیر بابا نے اپنے تئیں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

بکرے کو سالم بھونا گیا تھا اور اب جبران اور اس کے تینوں ساتھی رانوں کا صفایا کر رہے تھے.....!!''

میں نوٹ کر رہا تھا کہ کھانے کے معاملے میں یہ لوگ ذرا بھی آسرا نہیں کرتے۔ خود جبران بھی کافی خوش خوراک تھا۔

کھانے سے فارغ ہوئے تو سبز چائے کا دور چلا، اسی دوران دلیر بابا نے کہا۔

''انسپکٹر صاحب.....!! میرے پاس آپ کے لیے ایک ہی خبر ہے.....!!''

''وہ کیا.....؟''

''جھگڑے کا راز کسی کو بھی معلوم نہیں.....'' دلیر بابا نے کہا۔ ''میں نے بستی کے ہر فرد سے پوچھا ہے..... لیکن سب نے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے.....!!''

''ارے.....!!'' جبران اچھل پڑا۔ ''یہ کیا بات ہوئی؟''

''بستی کے لوگ بھی پریشان ہیں.....!!'' دلیر بابا نے کہا: ''کیونکہ سب کے دلوں میں دھوک کے باشندوں کے لئے نفرت بھری ہوئی ہے، لیکن اس نفرت کی وجہ کسی کو معلوم نہیں!!''

''ہوں.....!!'' جبران کچھ سوچ کر بولا: ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے ایک بار پھر دھوک کا رخ کرنا ہوگا.....!!''

''نہیں.....آپ اب وہاں نہ جائیں.....!!''

''کیوں؟''

''وہ اچھے لوگ نہیں ہیں.....!!''

''میرا واسطہ ہی ایسے لوگوں سے پڑتا ہے جو اچھے نہیں ہوتے۔'' جبران مسکرایا: ''کیوں کہ وہ اچھے ہوں تو پھر ان کا میرے پاس کوئی کام نہیں رہ جاتا.....!!''

''یہ بھی ٹھیک ہے.....!!''

''میں دھوک بعد میں جاؤں گا..... پہلے سائبا والا معاملہ طے ہو جائے۔''

''سائبا کا یہاں کیا ذکر.....!!''

''اسے بھی شہر بھجوانا ہے.....!!''

''کیوں جناب؟'' دلیر بابا نے پوچھا۔

''میرا ایک ساتھی اس سے شادی کرنا چاہتا ہے.....!!'' جبران نے بلا جھجک کہہ دیا: ''کیونکہ یہاں سائبا محفوظ بھی نہیں ہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ سائبا لاپتہ ہوگئی تھی اور میرے اسی ساتھی نے سائبا کو نئی زندگی سے ہمکنار کیا ہے.....!!''

''آپ کی بات ٹھیک ہے۔'' دلیر بابا آہستہ سے بولا۔ ''لیکن یہ ہماری بستی کا دستور نہیں ہے۔ ہم اپنی لڑکی کو غیر ہاتھوں میں دینے سے بہتر یہ سمجھتے ہیں کہ اسے زمین میں گاڑ دیا جائے.....!!''

''اور اگر لڑکی بھی راضی ہو تو؟''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا.....'' وہ لاپروائی سے بولا: ''ہم نے کبھی اس معاملے میں لڑکی کو اہمیت نہیں دی۔ یہاں فیصلہ صرف مردوں کے درمیان ہوتا ہے.....!!''

''یہ ظلم ہے..... ناانصافی ہے.....!!'' جبران بولا۔

''لیکن یہ ہماری بستی کا قانون ہے.....!!''

''ایسے قانون کا کیا فائدہ بزرگو.....!! جس میں انسانیت کی حق تلفی ہو؟ کس کام کا ایسا قانون.....؟''

''یہ میں نہیں جانتا.....!!'' دلیر بابا نے سر ہلایا۔ ''اگر آپ نے ضد کی تو ہم لوگ اپنے خون کی ندیاں بہا دیں گے.....''

Pakistanipoint

''ارے.....ایسا بھی کیا بھئی.....؟''

''میں اس وقت پوری بستی کی زبان بن کر آیا ہوں۔'' دلیر بابا نے سنجیدہ لہجے میں کہا: ''آپ کا احسان اور آپ کی عزت ہمیں مجبور کردے گی کہ سائبا کے شہر جانے کی صورت میں ہم لوگ اپنے ہی خون کی قربانی دے دیں، ہم آپ پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے.....!!''

اور پھر جبران نے ہر طرح سے دلیر بابا کو سمجھانے کی کوشش کی، لیکن وہ کسی طور بھی راضی نہ ہوا۔ تھک ہار کر جبران نے خاموشی اختیار کرلی۔ تھوڑی دیر بعد جبران نے ہمیں باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔

واپسی میں بادل نے کہا:

''دیکھا آپ نے.....؟ یہ لوگ مرنے مارنے پر آمادہ ہوجائیں گے..... سائبا کا یہاں سے نکلنا اتنا آسان نہیں ہے.....!!''

''میں ذرا دھوک سے ہو کر آجاؤں.....!!''

جبران کچھ سوچتے ہوئے بولا: ''پھر میں اس مسئلے کا بھی کوئی حل نکالتا ہوں..... اور.....!! مجھے یقین ہے کہ سائبا شہر ضرور جائے گی.....!!

☆.....☆.....☆

ایک سایہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا، اس کا انداز کافی محتاط تھا۔

وہ رات کی تاریکی اور سناٹے کا حصہ معلوم ہورہا تھا..... اس کا رخ اس ندی کی طرف تھا، جس کے دوسری جانب سائبا رہتی تھی۔

یہ سایہ.....خود میں تھا۔ ہاں میں.....یعنی شکیل آقال..... کیونکہ آج میرا دل سائبا سے ملنے کے لئے بہت بے تاب ہورہا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ وہ بھی میری منتظر ہوگی، کیونکہ میں نے شام کے وقت سدو کو بھیج کر سائبا کو اپنی آمد کا پیغام بھجوا چکا تھا۔

نہ جانے کیوں میرا دل دھک دھک کررہا تھا..... میں خود اپنی دھڑکنوں کی اس بے ترتیبی پر حیران تھا..... میں تو اب تک نہ جانے کس کس طرح کے معاملات اور مراحل سے گزر چکا تھا۔

لیکن آج ایک عورت ذات کے مقابل آتے ہوئے میری سانسیں بے ربط ہورہی تھیں۔

ندی عبور کرتے ہوئے میں گھر کے دروازے پر پہنچا اور پھر آہستہ سے آواز لگائی۔

''سائبا.....میں آ گیا ہوں.....!!''

فوراً ہی دروازہ کھلا اور گویا چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا۔

میں اس حسن میں نہ جانے کتنے لمحوں تک کھویا رہا، وہ ایک دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ جلوہ فزاں تھی۔

پھر اس کے ہونٹ ہلے تھے:

''کیا ہوا بابو.....!! ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟''

''میں تمہیں اپنی آنکھوں میں بھر لینا چاہتا ہوں.....!!'' میرا لہجہ مخمور ہوگیا۔

بے ساختہ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''میں تو خوب صورت بھی نہیں ہوں۔'' وہ بولی۔ ''آپ نے مجھ میں ایسا کیا دیکھا.....؟''

''یہ بات تم میرے دل سے پوچھو سائبا.....!!'' میں آہستہ سے بولا: ''مجھے تو خود بھی نہیں معلوم کہ میں تمہیں اتنا کیوں چاہنے لگا ہوں۔''

''بابو..... تم ہی اپنے دل سے پوچھ کر بتادو.....!!''

''نہیں.....تم خود پوچھو.....!!''

یہ کہہ کر میں نے اس کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا.....وہ میری طرف متوجہ تھی۔

پھر اس نے آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھائے اور میرے نزدیک ہونے کے بعد اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا۔

فرط و انبساط کی لہریں میرے جسم میں رینگنے لگیں۔ میں ان لمحات کے کیف و سرور کو الفاظوں میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

Pakistanipoint

پھر ہم دونوں ندی کے کنارے بیٹھ گئے..... وہ اب کافی حد تک مجھ سے بے تکلف ہو چکی تھی۔

ادھر ادھر کی باتوں میں نہ جانے کتنا وقت گزر گیا، پھر جیسے سائبا کو ہوش آ گیا اور وہ بھڑک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اب میں چلتی ہوں.....!!''

''کیوں.....؟ اتنی جلدی؟''

''بہت دیر ہو گئی ہے..... خالہ کی آنکھ کھلی تو وہ پریشان ہو جائیں گی.....!!''

''اچھا.....'' میں طویل سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''کل رات ملو گی؟'' وہ زور سے ہنسی اور بولی:

''آج کی رات تو ابھی باقی ہے..... میں کل کا کیسے بتاؤں؟''

''کل تو امید کا دوسرا نام ہوتا ہے.....'' میں بھی مسکرایا: ''اور انسان کی امید مرتے دم تک رہتی ہے.....!!''

''ٹھیک ہے..... آ جانا.....!!'' سائبا نے حامی بھری۔

میں نے اسے اپنی بانہوں میں جکڑ لیا۔ عین اسی وقت آسمان پر چمکنے والے چاند کو بادل کے گہرے ٹکڑے نے اپنے دامن میں چھپا لیا.....!!

رات کافی گزر چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

دوسرے دن صبح اچانک ہی جبران کا شہر سے بلاوا آ گیا.....!!

اعلیٰ افسران نے اسے کسی اہم معاملے کی وجہ سے شہر واپس آنے کا عندیہ دے دیا تھا۔

جبران کا موڈ بگڑ گیا، وہ میری طرف دیکھ کر بولا:

''میں نے غلطی کر دی.....!!

''وہ کیا جناب؟''

''جواباً جبران نے ٹرانس میٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے اس دم چھلے کو وہیں چھوڑ کر آنا تھا..... اس کی وجہ سے میری چھٹیاں برباد ہو گئیں.....!!''

مجھے ہنسی آ گئی۔

''ہاں..... ہاں..... اڑالو میری بے بسی کا مذاق.....!!'' جبران بولا: ''خیر میں کوشش کروں گا کہ جلد ہی واپس لوٹ آؤں..... کیونکہ میں ہیروں کی وادی کا سفر ضرور کروں گا.....!!''

''میں آپ کا انتظار کروں گا.....!!'' میں نے کہا۔

''اب میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' جبران بولا: ''تم اب اپنے طور پر حکمت عملی اختیار کر لو..... مجھے آج دھوک جانا تھا..... میرا خیال ہے کہ میری جگہ اب تم اس معاملے کو سنبھال لو گے..... میں ملکان کو اپنے ساتھ لے کر جا رہا ہوں.....!!''

''اور..... سائبا کا کیا ہو گا؟''

''میں اس کے لئے بھی کچھ کرتا.....!!'' جبران آہستہ سے بولا: ''لیکن اب اس کا معاملہ بھی تمہارے حوالے کر کے جا رہا ہوں، اور مجھے امید ہے کہ تم کوئی نہ کوئی صورت ضرور نکال لو گے.....!!''

☆.....☆.....☆

جبران اور اس کے ساتھی رخصت ہو گئے، وہ لوگ ملکان کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے، دراصل اسے ابھی علاج معالجے کی سخت ضرورت تھی اور دھوک والوں کی بدولت فی الحال اس کا یہاں رہنا بھی مناسب نہیں تھا۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد میں نے بادل سے کہا۔

''مجھے اب دھوک بستی میں جانا ہے.....!!''

''کیوں.....؟''

''جو کام جبران صاحب ادھورا چھوڑ گئے ہیں، وہ مجھے پورا کرنا ہو گا.....!!''

''لیکن ان کی بات اور تھی۔'' بادل نے اعتراض کیا۔ ''وہ لوگ نہ جانے تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں.....!!''

''مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے.....'' میں آہستہ سے بولا: ''کیونکہ میں اس طرح کے معاملات نمٹاتا رہتا ہوں..... جبران صاحب یونہی تو مجھے چھوڑ کر نہیں گئے.....''

''لیکن مجھے یہ گوارا نہیں ہوگا۔''

''تم بالکل فکر مت کرو۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''میں وہاں جا کر جبران صاحب کا حوالہ دوں گا..... مجھے یقین ہے کہ بات بن جائے گی.....!!''

آخر کار کافی ضد بحث کے بعد بادل نے ہتھیار ڈال دیئے اور میں سدو کے ساتھ دھوک کی طرف چل پڑا۔

☆.....☆.....☆

بوڑھے جازال کی آنکھوں میں الجھن تھی، میں براہِ راست اسی کے پاس پہنچا تھا۔

''کیوں آئے ہو نوجوان؟''

''وہ بات تو ختم ہوئی.....!!'' میں جلدی سے بولا: ''اور ملکان کو شہر بھیج دیا گیا ہے.....!!''

''اس کا ذکر اب فضول ہے.....'' جازال نے کہا۔ ''کوئی اور بات کرو نوجوان.....!!''

''وہی کر رہا ہوں.....!!'' میں نے کہا: ''دراصل میں یہ بات معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ دونوں بستیوں کے درمیان نفرت کی آگ کس طرح پھیلی!!''

''یہ بات سارنگا والے ہی بتائیں گے.....!!'' وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

''میں ان سب سے پوچھ کر ہی یہاں آیا ہوں۔'' میں پرسکون لہجے میں بولا: ''وہاں کسی کو بھی اس کا جواب نہیں معلوم.....!!''

جازال چونک کر میری طرف دیکھنے لگا، پھر بولا۔

''یہ کیسے ممکن ہے..... میرا خیال ہے کہ چنگاری وہیں سے پھینکی گئی تھی..... جس نے پھر آگ کی شکل اختیار کر لی.....!!''

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے جناب.....!!'' میں مسکرایا: ''یہ بات تو خود ان لوگوں کے لئے سوالیہ نشان ہے.....!!''

''اوہ..... لیکن میں بھی اس بارے میں نہیں جانتا.....!!'' اس نے کندھے اچکائے: ''میں نے تو اکثر دھاری کے منہ سے سارنگا بستی کی برائیاں سنی ہیں.....!!''

''یہ..... دھاری کون ہے؟''

''کیا تم اس سے ملنا چاہو گے؟''

''ضرور.....!!'' میں نے سر ہلایا: ''کیونکہ تھانیدار صاحب نے مجھے یہ کام سونپا ہے اور مجھے پتا لگانا ہے کہ آپ لوگوں کے درمیان یہ خلیج کیسے پیدا ہوئی.....!!''

''ٹھیک ہے..... میں تمہیں دھاری کے پاس بھجواتا ہوں۔''

جلد ہی میں اور سدو ایک جوان آدمی کے سامنے موجود تھے..... نہ جانے کیوں مجھے اس کی آنکھوں میں تیز طراری کے آثار دکھائی دے رہے تھے.....!!

وہ آدمی ایک چبوترے پر تنہا بیٹھا ہوا دکھائی دیا:

''تم دھاری ہو.....؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں..... کیا ہوا؟'' اس نے جھاڑ جیسا منہ کھولا۔

''اس نام میں تھوڑی کمی ہے.....'' سدو آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''دھاری کے ساتھ دار بھی ہوتا تو دھاری دار اچھا لگتا.....!!''

میں نے سدو کو گھورا اور دوبارہ دھاری کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''سارنگا اور دھوک میں دشمنی کیسے ہوئی تھی؟''

''دھاری یہ سن کر جیسے اچھل ہی پڑا، اب وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا۔

میرے ساتھ سدو بھی حیران رہ گیا۔

دھاری کا یہ یکسر بدلا ہوا انداز واقعی حیران کن تھا۔

بہر حال اس نے بڑی مشکل سے اپنی کیفیت پر قابو پایا اور پھر روکھے انداز میں بولا:

''میں نہیں جانتا.....!!''

''تم جھوٹ بول رہے ہو.....'' میں نے اسے گھورا: ''ورنہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وجہ کیا ہے.....!!''

''ہاں..... میں جانتا ہوں۔'' وہ اکڑتے ہوئے بولا: ''اور جان کر بھی تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے!!''

''وہ تو بعد کی بات ہے۔'' میں نے سر ہلایا: ''پہلے تو یہ معلوم ہو کہ اس لڑائی اور نفرت کی وجہ کیا ہے.....!!''

''وجہ میں خود ہوں۔'' وہ مسکرایا۔

''کیا مطلب؟'' میں چونکا۔

''ہاں.....!!'' وہ بولا: ''اس کی وجہ میں ہوں..... جب ملکان نے میری محبوبہ کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کی تو میں نے آہستہ آہستہ دونوں طرف غلط فہمیاں اور افواہیں پھیلا کر دونوں بستیوں کو ایک دوسرے سے دور کر دیا..... اب معاملہ اس حد تک جا چکا ہے کہ دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے کی شکل بھی دیکھنے سے گریزاں ہیں.....!!''

میں سناٹے میں آ گیا..... صرف ایک عورت کی خاطر اس شخص نے دو بستیوں میں تصادم کروا دیا تھا..... اوہ.....!!''

چند لمحوں تک موت کا سناٹا طاری رہا، پھر سدو نے یہ خاموشی چاک کی۔

''تمہارے اور بھی ساتھی ہوں گے؟''

''یہ کام اتنا مشکل نہیں تھا.....!!'' وہ لاپروائی سے بولا: ''میں اکیلا ہی کافی رہا.....!!''

''ٹھیک ہے.....'' سدو نے سر ہلایا: ''میری طرف سے تم شاباشی قبول کرو.....!!''

پھر ہم دونوں وہاں سے نکل آئے تھے..... میرا رخ جازال کی طرف تھا۔

☆.....☆.....☆

''اوہ.....!!'' جازال نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ ''دھاری نے یہ کام دکھایا ہے.....''

''ہاں محترم جازال.....!!'' میں سر کو خم کر کے بولا: ''اور اس نے خود ہی سب کچھ اگل دیا ہے..... دراصل ملکان کی محبت نے یہ رنگ دکھایا ہے، دھاری بھی اسی لڑکی کو چاہتا ہے..... اور وہ بھی ملکان کو چاہنے لگی تھی..... یہ دیکھ کر دھاری کے دل میں نفرت کی جو آگ بھڑکی، اس کی لپیٹ میں سارنگا اور دھوک بھی آ گئے۔''

جازال چپ رہا..... وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ میں دوبارہ گویا ہوا۔

''اب میں اس آگ کو بجھانا چاہتا ہوں، اور اس سلسلے میں مجھے آپ کی مدد درکار ہے..... صرف آپ کی مدد..... محترم جازال.....!!''

☆.....☆.....☆

بادل کی بستی میں آتے ہی میں نے دلیر کا رخ کیا تھا۔

بادل اور سدو بھی میرے ساتھ ہی تھے۔ راستے میں بادل گویا میرا دماغ چاٹ گیا تھا، لیکن فی الحال میں نے اس کے سامنے کچھ بھی واضح نہیں کیا تھا۔

جلد ہی اس نے اندازہ لگا لیا کہ میں ابھی کچھ بھی بتانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔

چنانچہ دلیر نامی بوڑھے کے پاس یہ قافلہ پہنچا تو اس نے سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھا۔

''کیا خبر لائے ہو نوجوان؟''

''کیا آپ دھاری نامی آدمی کو جانتے ہیں؟'' میں نے جھٹ سے پوچھا۔

دلیر بابا نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بولا:

''ہاں..... لیکن تم نے یہ کیوں پوچھا؟''

میں سب کچھ بتاؤں گا..... لیکن آپ پہلے یہ بتائیں کہ آپ دھاری کو کیسے جانتے ہیں؟''

''دراصل دھوک بستی میں وہی ایک قابل انسان ہے۔'' دلیر بابا نے سر ہلایا: ''کیونکہ وہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی مجھ سے ملنے آتا رہتا ہے، بلکہ میں نے

دیکھا ہے کہ وہ بستی کے کئی لوگوں سے ملا کرتا ہے.....!!''

''کیوں.....کیا ہوا.....؟'' دلیر بابا نے آخر میں پوچھا۔

''میں کیا بتاؤں.....!!''

''دھاری کی بدولت دھوک اور سارنگا کچھ جڑے ہوئے ہیں اگر وہ شخص نہ ہوتا تو شاید.....''

''ان بستیوں میں نفرت کی آگ نہ پھیلتی.....!!'' سدو نے اس کی بات کاٹ کر لقمہ دیا۔

دلیر بابا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو نوجوان؟''

''اس کا لفظ بہ لفظ صحیح ہے دلیر بابا.....!!'' میں نے دخل دیا: ''اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ دونوں بستیوں کو دشمن بنانے میں سراسر اسی کا ہاتھ ہے.....اس نے اپنے منہ سے قبول کیا ہے۔''

دلیر بابا کی حالت قابل دید تھی۔ وہ مجھے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔ پھر اس کے منہ سے نکلا۔

''یہ.....یہ کیسے ہو سکتا ہے!!''

''یہی ہوا ہے دلیر بابا.....'' میں نے کہا۔ کیونکہ ملکان دھوک کی ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا اور وہ بھی ملکان کو ٹوٹ کر چاہتی ہے.....یہ بات دھاری کے حلق سے نہیں اتری اور اس نے انتقام لینے کا ایک انوکھا طریقہ ایجاد کیا.....اس نے دونوں بستیوں میں پھوٹ ڈال دی کہ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری.....!!''

''اوہ.....میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا.....!!''

''ہاں.....اور اب محترم جازال کو یہاں بلانا ہوگا۔''

''میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: ''تاکہ ایک بار پھر دونوں بستیوں کے تعلقات بحال کرنے کی بنیاد رکھی جائے۔

''جازال کو کون بلائے گا؟''

''میں دعوت دوں گا.....لیکن اس سے قبل آپ بستی والوں کو تھوڑا سمجھا دیں.....یہ بہتر رہے گا.....!!''

☆.....☆.....☆

اور پھر اس طرح دھوک اور سارنگا کے تعلقات ایک بار پھر بحال ہو گئے.....!!

جازال کو بہت عزت دی گئی تھی.....دونوں بستیوں میں خوشی کی لہریں رقص کرنے لگیں.....!!

دھاری کے ارمانوں پر پانی پھر گیا.....اور وہ اپنا سامنہ لے کر رہ گیا.....!!

میں اس دوران سائبا سے بھی ملتا رہا.....کیف و سرور کے وہ لمحات میں شاید کبھی نہ بھلا سکوں.....جو مجھے سائبا کی قربت میں حاصل ہوئے تھے.....!!

پانچویں دن جبران کی بھی واپسی ہو گئی.....ملکان بھی اس کے ساتھ تھا اور اب وہ بہت اچھے حال میں تھا.....!!

دھوک بستی کی اس لڑکی سے ملکان کی شادی تیار تھی، اور ایسے میں جبران نے دلیر بابا سے بات چھیڑ دی۔

اس وقت ملکان بھی وہیں موجود تھا۔ جبران نے کہا۔

''ہاں دلیر سائیں.....!! میں ایک بار پھر آقال کا رشتہ تمہارے سامنے رکھتا ہوں.....!!''

ملکان نے غور سے اسے دیکھا، لیکن خاموش ہی رہا۔

''میں آپ کو اپنی مجبوری بتا چکا ہوں.....!!''

دلیر بابا آہستہ سے بولا۔

''لیکن دونوں راضی ہیں.....'' جبران بولا:

''پھر مجبوری کیسی؟''

''یہ ہماری روایت نہیں ہے.....!!''

''اور میرے کہنے پر عمل کر کے ایک نئی روایت قائم ہو گی.....!!'' جبران مسکرایا: ''اس قبیلے کی نسل شہر میں بھی آباد ہو گی.....!!''

''میرا خیال ہے دلیر بابا.....!!'' ہلکان آہستہ سے بولا: ''اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے.....سائبا بھی

راضی ہے.....!!''

دلیر بابا نے اسے گھور کر دیکھا تھا، پھر وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا..... گہری سوچ میں.....

میری نگاہیں اسی پر جمی ہوئی تھیں..... اسی وقت جبران کی آواز ابھری:

''اس کائنات کے رب نے رنگ اور نسلیں ضرور بنائی ہیں۔ لیکن کوئی بھی انسان ان باتوں کی بدولت کسی سے برتر نہیں ہے..... صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کو ہی یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کی وجہ سے امتیاز کیا جاسکتا ہے..... وگرنہ سب ہی رب العزت کے بنائے ہوئے ہیں..... رنگ و نسل کے نام پر لڑنا اور ایک دوسرے کے لئے دل میں کدورت رکھنا گناہ ہے..... سب ہی آدم کی اولاد ہیں اور انسان ہیں..... یہ واقعی ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں انسان بنایا گیا ہے..... کیا یہ بات کافی نہیں ہے دلیر سائیں.....؟''

''ٹھہرو.....!! دلیر بابا ہاتھ اٹھا کر بولا: ''تم نے رب کی بات کی ہے تو جو اسے پسند ہے، میں وہی کروں گا..... آپ لوگ سائبا کو شہر لے جائیں..... میری طرف سے اجازت ہے.....!!''

☆.....☆.....☆

دوسرے دن دوپہر کے وقت جبران کی وین روانہ ہوگئی۔

سب سے پچھلی سیٹوں پر سائبا اور اس کی خالہ شورا بھی براجمان تھیں اور میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا.....!!

آنے والے وقت کا تصور میرے دل میں چیونٹیاں سی رینگنے پر مجبور کررہا تھا..... فرط وانبساط کی لہریں تھیں، جو میرے وجود میں دوڑنے لگی تھیں.....!!

میری نگاہیں بے ساختہ بار بار پیچھے کی طرف گھوم جاتی تھیں۔ ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے میں کوئی سہانا خواب دیکھ رہا ہوں.....!!

لیکن میں ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ خواب کسی بھی لمحے ٹوٹ جائے۔

ڈرائیونگ سیٹ پر جبران تھا، اس نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور بولا:

''بھئی..... اتنے بے چین کیوں ہورہے ہو؟ اب تو وہ تمہاری ہی ملکیت ہے.....!!''

''ارے نہیں.....'' میں جھینپ گیا: ''میں تو بس یونہی.....''

''ہا ہا ہا.....!!'' جبران نے ایک قہقہہ لگایا: ''میرے دولہا میاں.....!!''

''ارے ایک بات.....!!'' مجھے اچانک ہی خیال آیا: ''ہیروں کی وادی تو اب بھی درمیان میں رہ گئی.....!!''

''اتنا بڑا خزانہ تو لے جارہے ہو اپنے ساتھ.....!!'' جبران مسکرایا: ''اس کے آگے وہ خزانہ کس کام کا.....!!''

''بجا فرمایا آپ نے.....!!'' پچھلی سیٹ سے سدو کی آواز ابھری: ''اس میں کوئی شک نہیں ہے.....!!''

''سچ تو یہ ہے کہ میں شکیل میاں کے اس فیصلے سے بہت خوش ہوں۔''

جبران کی آواز ابھری: ''مجھے اس شادی اور گھر کی آبادی پر بڑی مسرت ہے..... کیونکہ..... وہ ویران حویلی پھر سے آباد ہوجائے تو کتنی خوشی کی بات ہے.....!!''

''بالکل جناب.....!!'' سدو نے کہا۔

''اور یہ شادی باقاعدہ طور پر ہوگی.....!!'' جبران نے اپنا فیصلہ سنایا: ''اور بارات میرے گھر سے آئے گی.....!!''

''واہ..... واہ.....!!'' سدو جیسے مزے میں لہرا گیا تھا۔

اب شام کا دور دورہ تھا..... دونوں طرف درختوں کی قطاریں تھیں اور اس سڑک پر وین مخصوص رفتار سے سفر طے کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔

ایک موڑ کے قریب پہنچتے ہی جبران نے اچانک

ہی گاڑی کو بریک لگائے تھے۔

کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو وہ لڑکی یقیناً گاڑی کے نیچے آجاتی، جو یکدم ہی سامنے آئی تھی.....!!

ہاں.....وہ اجنبی لڑکی زور سے گاڑی کے بونٹ سے ٹکرائی اور سڑک پر آرہی.....!!

جبران نے وین کو ایک جھٹکے سے بریک لگایا تھا۔

جبران کے ساتھ میں بھی دروازہ کھول کر جھپٹا تھا۔

لڑکی نیم بے ہوشی کے عالم میں زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ یہ شکر کی بات تھی کہ اسے زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی، کیونکہ وہ کسی بھی رخ سے زخمی نہیں ہوئی تھی۔

جبران نے اسے ہلایا جلایا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ کافی دلکش خدوخال کی مالک تھی اور اس کے جسم پر شہریوں کا سا لباس تھا.....!!

اس نے جبران کو اور پھر مجھے باری باری دیکھا، اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔

''کہیں چوٹ تو نہیں لگی بی بی.....؟''

جبران نے ہمدردانہ انداز میں پوچھا تھا:

''نہیں.....!!'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی: ''کون ہیں آپ لوگ؟''

''ہم تو راہ گیر ہیں.....'' جبران نے بتایا۔ ''شہر جارہے ہیں، تم یہاں اس ویرانے میں کیا کررہی ہو؟''

''شہر.....؟'' وہ خوشی سے اچھل پڑی: ''آپ لوگ مجھے بھی لے چلو.....لیکن.....''

''لیکن کیا.....؟'' میں نے اسے گھورا۔

''شہر جانے کا بھی کیا فائدہ.....!!'' وہ افسردہ ہوگئی۔ ''یہ لوگ مجھے پھر اٹھالائیں گے.....!!''

''کون لوگ.....؟'' جبران نے کہا۔ ''تم کن لوگوں کی بات کررہی ہو.....؟''

''وہی وحشی درندے.....!!'' وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولی: ''جن کی صورتوں سے بھی مجھے اب گھن آتی ہے.....!!''

''اچھا تم اٹھو.....!!'' جبران بولا: ''گاڑی میں بیٹھ کر ساری بات بتاؤ.....!!''

لڑکی بمشکل اٹھی تو جبران بولا:

''کیا تمہیں سہارے کی ضرورت ہے؟''

''نہیں.....!!'' وہ جلدی سے بولی۔

''ہمارے ساتھ دو خواتین بھی ہیں۔'' جبران آہستہ سے بولا: ''اگر تم چل کر نہ جاسکو تو انہیں تمہاری مدد کے لئے بلالوں؟''

''میں چلی جاؤں گی.....!! شکریہ.....!!''

اسے بھی پچھلی سیٹ پر ہی بیٹھا دیا گیا.....

جبران مڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوگیا اور بولا:

''اب بتاؤ.....نام کیا ہے تمہارا؟''

''میں شامی ہوں.....!!'' وہ بولی: ''اور میرے دشمن مجھے اس ویرانے کی ایک عمارت میں قید رکھے ہوئے تھے.....آج مجھے موقع ملا تو میں وہاں سے بھاگ نکلی.....!!''

''وہ کیوں تمہارے دشمن بنے ہیں؟''

''اصل میں وہ میرے باپ کے دشمن ہیں.....!!'' وہ بولی: ''وہ ان سے جائیداد ہتھیانا چاہتے ہیں اور جب ان کا زور نہیں چلا تو وہ مجھے اغوا کرکے یہاں لے آئے.....!!''

''اوہ.....!!'' جبران کے منہ سے نکلا۔

''آپ یہاں سے نکل چلیں.....!!'' دفعتاً شامی گھبرا کر بولی: ''اگر ان لوگوں کو پتا چل گیا تو وہ میری تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے.....وہ تین خبیث شیطان ہیں.....!!''

''تم فکر مت کرو.....!!'' جبران مسکرایا: ''ہمارے ہوتے ہوئے تمہارا کوئی بال بھی بیکا نہیں کرسکتا.....!! کیونکہ ہمارا تعلق پولیس سے ہے.....!!''

''اوہ.....!!'' اس کے منہ سے نکلا۔

''ہاں.....!!'' جبران نے سر ہلایا۔ ''اور اب تم اس جگہ کی نشان دہی کرو.....''

''کیوں بھائی صاحب؟'' شامی حیرت سے

بولی۔

''ہم انہیں گرفتار کر کے یہاں سے لے جائیں گے۔'' جبران بولا۔ ''ورنہ تم شہر جاؤ گی تو وہ لوگ دوبارہ کارروائی کریں گے.....!!''

''وہ بعد میں دیکھا جائے گا۔'' شامی لاپروائی سے بولی۔ ''فی الحال تو آپ شہر چلیں.....''

''ضرور چلیں گے..... لیکن ان بدمعاشوں کو ساتھ لے کر..... اب تم جلدی سے اس عمارت کا پتا بتاؤ.....!!''

☆.....☆.....☆

وین ایک بار پھر آگے بڑھی، اور پھر ایک عمارت دکھائی دے گئی، جو درختوں کے جھنڈ کے درمیان واقع تھی۔

''یہی ہے وہ جگہ.....!!'' شامی بولی۔ ''وہ تینوں خبیث اس کے اندر سوئے پڑے ہیں.....!!''

''ٹھیک ہے.....!!'' جبران نے سر ہلایا۔

اس نے وین کی رفتار آہستہ کرتے ہوئے وہیں روک دی۔ پھر اس نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

''میں اور شکیل وہاں جائیں گے..... سدو صاحب.....!!''

''جی.....!!''

''تم ان لوگوں کے ساتھ ادھر ہی رکو.....'' جبران نے کہا۔ ''ہم لوگ جلد ہی واپس آتے ہیں.....!!''

سدو کچھ بولتے بولتے رک گیا تھا۔

''چلو شکیل.....!!'' جبران مجھ سے مخاطب ہوا۔

میں باہر نکل آیا..... پھر ہم احتیاط کے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے عمارت کی طرف بڑھے۔

یہ کافی پرانی عمارت تھی..... یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے صدیوں سے خالی پڑی ہو.....!!

شام ڈھلنے والی تھی اور اب رات کا اندھیرا کچھ ہی دیر میں اپنا پردہ پھیلانے والا تھا۔

جبران اپنے ساتھ ٹارچ بھی لے آیا تھا..... جس کی ضرورت اب محسوس ہونے لگی تھی۔

جبران نے چاروں طرف کا جائزہ لیا اور بولا:

''یار..... اس میں زندگی کے آثار تو دکھائی نہیں دے رہے.....!!''

''مجھے بھی یہی محسوس ہو رہا ہے.....!!''

''چلو..... دیکھتے ہیں.....!!''

جبران نے ایک ریوالور مجھے بھی دے دیا تھا۔

عمارت کا صدر دروازہ ہاتھ کا دباؤ ڈالنے سے کھلتا چلا گیا تھا۔

چرچراہٹ کی ہلکی سی آواز فضا میں گونج کر رہ گئی۔ ''آؤ..... شامی کے بیان کے مطابق تو وہ لوگ سو رہے ہوں گے۔''

میں کچھ نہ بولا۔ جبران ماہرانہ انداز میں آگے بڑھ رہا تھا..... ابھی تک اس نے ٹارچ روشن نہیں کی تھی.....!!

یہ کافی بڑی عمارت تھی۔ جس میں اجڑا اور پائیں باغ بھی موجود تھا۔ اس باغ کے وسط میں درختوں کے درمیان جھولا بھی موجود تھا۔

جو ہوا کے دوش پر آہستہ آہستہ ہلکورے لے رہا تھا۔

چند کمروں میں مختصر سا سامان بھی موجود تھا۔ لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے یہ سامان کافی عرصے سے کسی کے زیر استعمال نہ رہا ہو۔

تھوڑی دیر بعد ہی یہ انکشاف ہو چکا تھا کہ عمارت خالی پڑی ہے..... اس میں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔

البتہ کچن میں کھانے پینے کی کافی اشیاء رکھی ہوئی دکھائی دیں۔

جبران کے ماتھے پر شکنوں کا جال بکھر گیا۔

''یہاں تو کوئی نہیں ہے..... اور یہ سامان بتا رہا ہے کہ یہاں لوگ موجود ہیں.....!!

''اوہ.....!!'' میں چونکا: ''کہیں ایسا تو نہیں کہ

ان لوگوں کو شامی کے فرار ہونے کا علم ہوگیا ہے..... اور وہ اسے تلاش کرنے نکل گئے ہوں.....!!''

یہ سن کر جبران بھی چونک اٹھا۔ پھر وہ جلدی سے بولا: ''باہر نکلو..... فوراً..... ہمیں وین کی طرف جانا ہے.....!! آؤ.....!!''

☆.....☆.....☆

میں اور جبران اندھا دھند بھاگتے ہوئے عمارت سے باہر نکل آئے.....

جلد ہی دونوں وین کے قریب موجود تھے۔ لیکن یہاں سب کچھ ویسا ہی تھا کہ جس حالت میں چھوڑ کر گئے تھے۔

ہمیں دیکھ کر شامی اور سدو وین سے باہر نکل آئے۔

''کیا ہوا.....؟ وہ لوگ کہاں ہیں؟'' شامی نے مضطرب لہجے میں پوچھا۔

''عمارت خالی پڑی ہے.....!!'' جبران نے جواب دیا۔

''اوہ.....!!'' شام کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ ''وہ لوگ یقیناً مجھے ڈھونڈنے نکلے ہوں گے.....!!''

''تم پریشان نہ ہو.....'' سدو نے آگے بڑھ کر تسلی دی: ''تم ہمارے جبران صاحب سے واقف نہیں ہو..... ان کے ہوتے ہوئے کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔''

شامی خاموش رہی، البتہ اس کی آنکھوں سے تشویش کے آثار چھلک رہے تھے۔

پھر جبران بولا تھا:

''گاڑی میں بیٹھو..... فی الحال تو شہر چلتے ہیں..... ان لوگوں سے بعد میں نمٹ لوں گا.....!!''

پھر شامی بھی چپ چاپ وین میں بیٹھ گئی تھی..... اب سائبا اسے دھیمی آواز میں تسلیاں دے رہی تھی۔

ہماری غیر موجودگی میں شاید دونوں کسی حد تک بے تکلف ہوگئی تھیں۔

اب جبران نے گاڑی اسٹارٹ کرنے کے لئے چابی گھمائی، وین کا انجن جاگا ضرور..... لیکن جلد ہی خاموش ہوگیا۔

جبران نے پھر یہ عمل دہرایا، لیکن وہ اسٹارٹ نہ ہوئی۔ شاید پہلی بار میں نے جبران کے چہرے پر الجھن کے آثار دیکھے تھے، ایسی الجھن کہ جس سے فکرمندی ٹپک رہی تھی۔

''یہ کیا ہوا.....؟'' وہ زیرلب بڑبڑایا: ''کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میری گاڑی کا انجن پہلی بار میں نہ جاگے..... اور آج تو اتنی دیر سے ٹرائی کرنے کے باوجود گاڑی اسٹارٹ نہیں ہو رہی.....!!''

''دھکا لگائیں جناب.....؟'' سدو کی آواز ابھری۔

''نہیں..... میں دیکھتا ہوں.....!!'' جبران نے جواب دیا۔

کئی بار اس نے چابی گھمائی تھی اور انجن ہلکے سے شور کے ساتھ دوبارہ خاموش ہو رہا تھا۔

جبران باہر نکل آیا، میں نے بھی دروازہ کھول دیا..... ٹارچ میرے ہاتھ میں تھی۔

جبران نے کافی دیر تک انجن سے مغزماری کی، جو بے سود رہی۔ رات کا اندھیرا اب چاروں طرف پھیل چکا تھا۔

شامی کے دشمن بھی ندارد تھے..... جبران دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھا۔

ساتھ ہی اس نے مجھ سے کہا:

''میں ٹرانس میٹر پر رابطہ کرتا ہوں..... پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے، دوسری گاڑی بھیج دی جائے گی.....!!''

جبران نے اب ٹرانس میٹر نکال لیا۔

میں غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا..... کافی دیر تک وہ ٹرانس میٹر سے الجھا رہا۔ نہ جانے کیوں اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''کیا ہوا جناب.....؟'' میں پوچھ بیٹھا۔

''قسمت ہی خراب ہے آج.....!!''

''کیوں.....کیا ہوا.....؟'' میں نے پوچھا۔

''رابطہ نہیں ہو رہا.....!!'' جبران نے کہا۔

''لائن ڈیڈ پڑی ہے۔''

''اوہ.....!!'' میرے منہ سے نکلا۔

کیونکہ ایک نئی صورت حال سامنے آئی تھی۔

☆.....☆.....☆

رات کا اندھیرا اب پوری طرح پھیل چکا تھا، جھینگروں کی جھائیں جھائیں سے فضا گونج رہی تھی.....!!اور ایک عجیب سا تاثر پیدا ہو رہا تھا۔

سائبا اور شورا تو ایسی عورتیں تھی، جو اس قسم کے ماحول کی عادی تھیں..... البتہ شامی کے چہرے پر ہوائیاں سی اُڑنے لگی تھیں، وین کے شیشوں سے دکھائی دینے والا باہر کا منظر واقعی اندھیرے میں ڈوب کر کافی روح فرزاں لگ رہا تھا.....!!

''اب.....اب کیا ہوگا؟'' یہ شامی کی آواز تھی، جس سے حد درجے پریشانی ٹپک رہی تھی۔

''صبر کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے.....!!'' سدو ٹھنڈی سانس بھر کر بولا: ''لگتا ہے کہ اسی وین کو آج بیڈ روم بنانا پڑے گا.....!!''

''کیوں الٹی سیدھی ہانک رہے ہو.....!!'' میں نے سدو کو گھورا: ''وہ بے چاری ویسے ہی پریشان ہے.....!!''

''واقعی.....!!'' شامی جلدی سے بولی: ''میرا دل بہت گھبرا رہا ہے.....!!''

''ٹھہرو..... کچھ سوچتے ہیں.....!!'' یہ جبران تھا۔

''اب تو بستی بھی کافی دور ہے.....'' سائبا نے بھی زبان کھولی: ''ورنہ ہم پیدل ہی واپسی کا سفر کر لیتے.....!!''

''شکر ہے کہ آپ کی بھی آواز کانوں سے ٹکرائی۔'' سدو مسکرایا: ''ورنہ میں تو سمجھا تھا کہ شکیل نے آپ کی کوئی ڈمی وین میں بٹھا رکھی ہے۔''

''ڈمی.....؟؟'' سائبا نے حیرت سے پوچھا: ''یہ کیا ہوتا ہے؟''

''اس شیطان کا سر.....!!'' میں جھنجھلا کر بولا: ''تم اس کی باتوں میں مت آؤ.....!! یہ تو بس ہانکتا ہی رہتا ہے.....!!''

''اور اسی سے دل ذرا بہل جاتا ہے۔'' جبران نے فوراً اس کی حمایت لی۔ پھر دفعتاً اس نے شامی کو مخاطب کیا۔

''ایک بات بتاؤ.....!!''

''جی.....پوچھیں.....؟؟''

''تم لوگ یقیناً کسی گاڑی میں یہاں آئے ہوگے.....!!''

''میں خود تو نہیں آئی۔'' وہ فوراً بولی: ''مجھے تو یہاں لایا گیا ہے.....!!''

''ہاں..... ہاں..... میرا یہی مطلب تھا.....!!''

''میں جب یہاں لائی گئی تو میں بے ہوشی کے عالم میں تھی۔'' شامی نے بتایا: ''لیکن میں نے ان لوگوں کے پاس گاڑی دیکھی تھی.....!!

''اوہ.....لیکن ہمیں تو کوئی گاڑی نہیں دکھائی دی۔'' جبران نے چونک کر کہا۔

''اچھا.....!!'' شامی کے منہ سے نکلا۔

''ہاں.....!!''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ نکل گئے۔'' شامی نے سر ہلایا: ''جب انہیں میں وہاں نہیں ملی، تو یقیناً وہ لوگ میری تلاش میں نکلے ہوں گے.....یا پھر شہر چلے گئے ہوں گے.....!!''

''یہ بھی ممکن ہے.....!!'' جبران کچھ سوچتے ہوئے بولا: ''ظاہر ہے کہ جب تم نہیں تھیں تو وہ لوگ یہاں کیا کرتے.....''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی وقت بھی واپس آ سکتے ہیں.....'' سدو نے خدشہ ظاہر کیا۔

''دیکھا جائے گا۔'' میں لاپروائی سے بولا۔

Pakistanipoint

''ان لوگوں کی تو مجھے بھی پرواہ نہیں ہے۔'' جبران بولا۔ ''لیکن ان عورتوں کی موجودگی میں یہاں رکنا مناسب نہیں ہے.....!!''

''تو پھر.....؟'' میں نے اسے غور سے دیکھا۔

جبران نے آہستہ سے کہا۔

''رات یہاں گزارنے سے بہتر ہے کہ اسی عمارت کا رخ کیا جائے..... کم از کم وہاں یہ عورتیں تو محفوظ رہ سکیں گی.....!!''

''یہ بات بھی ٹھیک ہے جناب.....!!'' میں نے سر کھجایا۔

جبران اعلان کرنے والے انداز میں بولا:

''ضروری سامان اٹھالو.....!! آج کی رات اسی عمارت میں گزارتے ہیں.....!! چلو.....!!''

☆.....☆.....☆

اور پھر یہ چھوٹا سا قافلہ ٹارچوں کی روشنی میں عمارت کی طرف قدم بڑھانے لگا۔

دور دور تک کوئی گاڑی دکھائی نہیں دے رہی تھی، اور اس کا صاف مطلب یہ تھا شامی کے دشمن جا چکے تھے۔

''عمارت اب بھی خالی پڑی ہے.....!!'' جبران کی آواز سناٹے میں ابھری: ''میرا خیال ہے کہ شامی کے فرار ہونے کے بعد وہ لوگ بھی بھاگ کھڑے ہوئے.....!!''

''ایسے ڈرپوک تھے وہ لوگ.....؟'' سدو کے لہجے میں حیرت تھی: ''یہ تو کافی حیران کن بات ہے.....!!''

کوئی کچھ نہ بولا اور پھر تھوڑی دیر بعد سب ہی اس عمارت کے اندر داخل ہوگئے۔

سب سے آگے جبران تھا، جو خاص مہارت اور چوکنے انداز میں عقابوں کی طرح نظریں دوڑاتے ہوئے چل رہا تھا۔

ٹارچوں کی روشنی میں ہم لوگ ایک ہال نما کمرے میں داخل ہوگئے، جس میں باقاعدہ دری بچھی ہوئی تھی.....!!

''اب تو بھوک بری طرح ستا رہی ہے.....!!'' سدو نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا! ''جان ہی نکل جائے گی.....!!''

''تم اتنی آسانی سے کہاں مروگے.....!!'' میں نے منہ بنایا۔

''ارے موت تو موت ہوتی ہے۔'' سدو نے جھٹ سے کہا: ''مشکل سے آجائے یا آسانی سے..... یہ تم نے کیا بات کردی.....!!''

''جبران بے ساختہ ہنس پڑا۔ پھر وہ خود کو سنجیدگی کی طرف لاتے ہوئے بولا:

''جو سامان وین سے لایا گیا ہے۔ اس مین کھانے پینے کی چیزین موجود ہیں..... نکال لو..... میں بھی اب بھوک محسوس کررہا ہوں۔''

بات تو سچ تھی کہ بھوک نے واقعی اب ستانا شروع کردیا تھا۔ چنانچہ سامان میں سے چیزیں نکال کر سب کے سامنے رکھ دی گئیں..... ان سے اتنا پیٹ بھر گیا کہ کافی حد تک بھوک کا ازالہ ہوگیا تھا.....!!

اس سے فارغ ہونے کے بعد جبران نے کہا۔

''یہ ٹارچیں زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دیں گی..... اس لئے کچھ اور انتظام کرنا ہوگا۔''

''کیسا انتظام.....؟'' میں نے پوچھا۔

''روشنی کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا.....'' جبران اٹھا: ''آؤ..... دیکھتے ہیں.....!!''

میں اٹھا تو سدو بھی بولا:

''میں بھی چلتا ہوں.....!!''

''نہیں بھئی.....'' شامی نے جلدی سے کہا: ''آپ تو یہاں رکو.....!!''

''اچھا..... لیکن کیوں.....؟''

''میں ڈر محسوس کررہی ہوں.....!!''

''اوہ..... اچھا.....!!''

میں اور جبران کمرے سے نکل آئے.....
چاروں طرف ہو کا سا عالم تھا..... سناٹا اور ویرانی پوری آب و تاب پر دکھائی دے رہی تھیں.....
میں نے جبران کو مخاطب کیا۔
''کیا آپ کو ڈر لگتا ہے؟''
''نہیں تو.....!!'' وہ فوراً بولا: ''کیا تم ایسی کوئی چیز محسوس کر رہے ہو؟''
''میں نے زندگی میں بہت کچھ دیکھا ہے۔''
میں مسکرایا: ''میرا ڈر اور خوف ایک قبرستان میں دفن ہو چکا ہے۔''
''یہ اچھی بات ہے.....!!'' جبران نے سر ہلایا۔
ایک کمرے میں پرانے طرز کی شمع دانیں رکھی ہوئی دکھائی دیں..... وہیں ماچس کی ڈبیہ بھی موجود تھی۔
جبران خوش ہو کر بولا:
''یہ بہترین کام ہو گیا..... اب روشنی کا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔''
''جی ہاں.....'' میں نے کہا: ''یقیناً یہ شامی کے دشمنوں کا کام ہوگا.....!!''
''چلو..... دشمن کسی کام تو آئے.....'' جبران مسکرایا۔
جلد ہی ہم دونوں اسی ہال نما کمرے میں موجود تھے۔ تینوں عورتیں اب دری پر ہی نیم دراز ہو چکی تھیں۔ شاید نیند نے انہیں ستانا شروع کر دیا تھا۔
شمع دانیں روشن ہوئیں تو دیواروں پر ہمارے دیو قامت سائے بھوتوں کی طرح لہرانے لگے.....!!
سدو نے کہا:
''وہ دیکھو..... دیوار والی اسکرین پر ڈراؤنی فلم چل رہی ہے.....!!''
''تم تو واقعی بھوت لگ رہے ہو سدو.....!!''
میں ہنس پڑا۔
''پلیز.....!! شامی بول اٹھی: ''ان چیزوں کا نام مت لو..... خدا نہ کرے..... اُف.....!!''
وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی، سائبا ہنس پڑی..... شامی نے اسے گھور کر دیکھا تھا البتہ خاموشی ہی رہی تھی۔
جبران نے کہا:
''سب آرام سے لیٹ جاؤ.....''
''میرا خیال ہے کہ دروازہ بند کر دیا جائے.....'' میں نے مشورہ دیا۔ تاکہ نیند کی غفلت میں کسی اندیشے کا ڈر نہ ہو.....!!
''میں جاگ رہا ہوں..... تم لوگ سو جاؤ.....!!'' یہ کہہ کر جبران نیم دراز ہو گیا۔
ساتھ ہی اس نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر اپنے سرہانے رکھ لیا:
''آپ بھی سو جائیں.....'' میں نے کہا: ''خواہ مخواہ جاگنے سے کیا فائدہ.....!! سدو..... جاؤ..... دروازے کی کنڈی لگا دو.....!!''
سدو نے یہی کیا..... ابھی وہ بھی لیٹنے کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک ہی دروازے پر کسی نے دستک دی:
سارے ہی چونک اٹھے..... جبران نے فوراً ریوالور کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس پر اپنی گرفت مضبوط کر لی:
''یہ..... یہ کون آ گیا.....؟'' سدو ہڑبڑا کر بولا:
''شاید.....'' شامی کی آواز کپکپا رہی تھی:
''وہ..... وہ لوگ..... آ گئے.....!!''
کمرے پر موت کا سا سناٹا طاری ہونے لگا تھا۔
ایسے میں جبران کی آواز ابھری۔
''آؤ شکیل.....!! تم دروازہ کھولنا..... میں آنے والوں کو نشانے پر رکھتا ہوں.....!!''
''ٹھیک ہے.....!!'' میں فوراً اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر قریب پہنچ کر میں نے بلند آواز میں پکارا۔
''کون ہے.....؟ بتاؤ..... کون ہو تم.....؟؟''
(جاری ہے)

آدم خور بلّا

شہزاد خان-صادق آباد

خوفناک بلّا اپنے پنجوں پر لگا انسانی خون یوں چاٹ رہا تھا جیسے شہد چاٹ رہا ہو، رگوں میں خون منجمد کردینے والا سسپنس وخوف کے دھندلکوں میں لپٹی تحریر.....

رات کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی ایک دہشت ناک اور تحیر انگیز کہانی

دیساں دا راجہ میرے بابل دا پیارا، امبڑی دے دل دا سہارا نی ویر میرا کوڑی چڑھیا، پچھے پچھے آندا میری چال ویندا آئیں چیرے والیا ویکھدا آئیں وے میرا لونگ گواچا، ساڈھا چڑیاں دا چنبھا وے بابل اساں اُڈ جاناں..... یہ وہ گانوں کا مکسچر تھا جو اس وقت شاداب ائیر کیڈیشنڈ کوچ میں کچھ عورتوں کے عتاب کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ یہ رات کے تقریباً ساڑھے نو بجے کا وقت ہوگا بس فراٹے بھرتی تیزی سے آگے بڑھتی جارہی تھی۔ گاڑی میں لگ بھگ سینتالیس کے قریب افراد ہونگے جن میں بچوں کی تعداد بارہ تیرہ کے قریب ضرور ہوگی۔ کچھ مرد حضرات، کچھ نوجوان اور زیادہ تر عورتیں اور نوجوان بچیاں شامل تھیں۔ بس کی اگلی سیٹوں پر کچھ بزرگ عورتیں براجمان تھیں جن کے ہاتھ میں ایک درمیانے سائز کا ڈھول تھا جس پر وہ اپنے ساتھ کچھ بچیوں کو شامل

کرکے ان شادی کے گانوں کو تہس نہس کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ اگر کسی نے شادی کے گانوں کو لطیفوں میں تبدیل کرنا ہو تو کسی شادی کے گھر میں ڈھولکی پر گاتی ہوئی ان خواتین کو دیکھ لے ایک اچھی خاصی شادی کے گانوں پر مشتمل لطیفوں کی کتاب مرتب ہوجائے گی۔

☆.....☆.....☆

آصف اور میں بچپن کے دوست تھے اکٹھے پڑھے لکھے تھے اور ایک دوسرے کے گھروں میں بلا روک ٹوک آنا تھا۔ آصف تو گھریلو حالات کی وجہ سے آگے تعلیم حاصل نہ کرسکا اور کالج لائف کے بعد ایک کریانے کی دوکان بنالی اور اس طرح اپنے گھر کا گزر بسر چلانے لگا لیکن مجھے تعلیم کا بہت شوق تھا اور اپنے اس شوق کو عملی جامعہ پہنانے کے لئے میں نے کالج کے بعد پاکستان کی ایک اچھی یونیورسٹی میں گریجویشن کرنے کے لئے داخلہ لے لیا۔ مالی حالات ٹھیک تھے اس لئے معاشی طور پر کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ پڑھائی کی وجہ سے مجھے اپنے شہر سے دوسرے شہر رہنا پڑ رہا تھا اس لئے کبھی کبھار اپنے گھر چکر لگتا تو آصف سے بھی ملاقات ہوجاتی تھی لیکن مجھے زیادہ دیر اپنے شہر میں رکنا نہ پڑتا کیونکہ یونیورسٹی میں پڑھنے والے بچوں کے لئے کوئی وقت نہیں ہوتا لیکن نالائق بچوں کے لئے فرصت ہی فرصت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے اسکول سے کالج اور پھر کالج سے یونیورسٹی کا سفر وہ بچے بخوبی سمجھ سکتے ہیں جو ان حالات سے گزر کر یونیورسٹی تک پہنچے ہونگے۔

بڑے تعلیمی ادارے میں بچہ صرف اور صرف اپنے شوق کی وجہ سے پڑھ پاتا ہے۔ مجھے خود بچپن سے پڑھنے کا بہت شوق رہا اس لئے تقریباً ہر کلاس میں نمایاں پوزیشن ہولڈر رہا اور پھر کالج کے بعد یونیورسٹی میں بھی اب میں نمایاں ہی تھا۔ میرے بہت سے دوست یہاں بھی بن چکے تھے لیکن مجھے ہر وقت اپنے پرانے دوست آصف کا خیال رہتا تھا۔

ایک روز میں کلاس سے واپس اپنے ہاسٹل کے کمرے میں جانے کے لئے ابھی کوریڈور میں ہی داخل ہوا تھا کہ چوکیدار نے میرے ہاتھ میں ایک سفید رنگ کا لفافہ تھمادیا جس پر میرے کمرے کا ایڈرس صاف لکھا ہوا تھا۔ میرے پوچھنے پر چوکیدار نے بتایا کہ ڈاکیہ یہ لفافہ آپ کے کمرے میں دینے کے لئے آیا تھا لیکن میں نے اجازت نہ ہونے کی وجہ سے گیٹ پر ہی اس سے یہ لفافہ وصول کرلیا تھا اور اب آپ کو دیکھ کر مجھے یاد آیا کہ یہ لفافہ میں اپنے کوارٹر میں رکھ آیا تھا جب میں دوپہر کی روٹی کھانے اپنے گھر گیا تھا۔ اس لئے آپ کو گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر فوراً یہ لفافہ گھر سے اٹھالایا ہوں۔

چوکیدار کا کوارٹر یونیورسٹی کے گیٹ سے چند قدم فاصلے پر ہی تھا۔ لفافہ ہاتھ میں اٹھائے میں اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا اور تالا کھول کر اندر داخل ہوا اور دروازہ بند کرکے بڑی بے چینی سے لفافہ کھولا۔ یہ ایک واجبی سا شادی کا کارڈ تھا جو کہ میرے دوست آصف کی جانب سے تھا۔ کارڈ پر لکھی تحریر کے مطابق میرے دوست آصف کے بیٹے نعمان کی اگلے ہفتے شادی تھی اور اس نے بڑے پیار سے مجھے اس شادی میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ میں نے تاریخ دیکھی تو وہ بروز ہفتہ تھا اور دوسرے دن اتوار۔ یعنی کہ میں ذرا سی کوشش سے اپنے دوست کے بیٹے کی شادی میں شرکت کرکے دوسرے دن اتوار کو واپس یونیورسٹی پہنچ سکتا تھا اس لئے میں نے شادی میں شرکت کا فیصلہ کرلیا تھا۔ پھر ضروری کاموں سے فراغت کے بعد میں نے جواب میں آصف کو اپنے شادی کی شرکت کا خط لکھ دیا اور میں نے دوسرے دن یونیورسٹی کے باہر لگے لیٹر بکس میں ڈال دیا.....

دن گزرتے رہے اور پھر ہفتہ کے دن کی ایک چھٹی لے کر میں بذریعہ بس اپنے شہر پہنچا اور پھر شام کو نہا دھو کر آصف کے گھر کی جانب چل دیا۔ گھر کے سامنے مختلف قسم کی جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں اور مہمان آجارہے تھے۔ آصف لائٹس والے ایک شخص کو کچھ سمجھا رہا تھا۔

اچانک اس کی نظر مجھ پر پڑی۔ اور دوسرے لمحے وہ بجلی کی طرح دوڑتا ہوا میری جانب بڑھا اور قریب آکر مجھے گلے لگالیا اس کی خوشی دیکھنے والی تھی۔

Pakistanipoint

پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اور میرے کچھ کام کاج میں ہاتھ بٹانے کی آفر دینے کی باوجود آصف نے مجھ کچھ کام نہیں بتایا اور دوسرے دن بارات میں شریک ہونے کی تاکید کے ساتھ رخصت کردیا۔ وہاں سے سیدھا میں اپنے گھر کی جانب چل دیا۔ راستے میں چند دوستوں کے پاس ٹھہرتا ہوا میں کافی دیر بعد گھر پہنچا۔ اور دوسرے دن بارات میں شریک ہونے کا خیال آتے ہی الماری سے وہ کپڑے نکالنے چاہے جو کل میں نے پہننے تھے۔

☆.....☆.....☆

شاداب کوچ اس وقت فراٹے بھرتی چوڑی سڑک پر رواں دواں تھی۔ اس میں بہت سے افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ڈرائیور کے پچھلی سیٹ پر بیٹھا ان عورتوں کے عجیب وغریب اور بے ربط شادی کے گانوں سے محظوظ ہورہا تھا جو اس وقت چلتی بس میں گانے میں مصروف تھیں۔ چونکہ اکثر شادیوں میں ایسا ہی ہوتا ہے اس لئے میں بھی خاموشی سے کان گانوں پر لگائے اور سامنے ونڈ اسکرین سے باہر نظر آنے والی سڑک پر نظریں دوڑانے میں مصروف تھا۔ ڈرائیور کے ساتھ دوستی ہوچکی تھی اس لئے وہ وقفے وقفے سے پان کھانے کے ساتھ ساتھ اپنے چند پرانے قصے سنانے میں بھی لگا ہوا تھا۔

رات کے ساڑھے نو بج چکے تھے۔ آصف کچھ کاموں کی وجہ سے گھر پر ہی رک گیا تھا لیکن اس نے بارات کا سارا چارج مجھے سونپ دیا تھا۔ اور ساتھ یہ بھی بتادیا تھا کہ وہ ان کے پہنچنے کے ایک گھنٹے بعد پہنچ جائے گا۔ اس لئے میں بڑی ذمہ داری سے بارات کو دوسرے شہر کی جانب لے جارہا تھا جو ہمارے شہر سے ستر کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ وہاں بھی بارات کا بڑی بے چینی سے انتظار ہورہا ہوگا یہ سوچ کر میں نے ایک طائرانہ نظر اپنے پیچھے پوری بس پر ڈالی ہر کوئی اپنی اپنی مستی میں لگا ہوا تھا۔ بچوں نے الگ شور مچایا ہوا تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی میں بھی ہونقوں کی طرح ڈرائیور کی باتوں پر سر ہلا رہا تھا حالانکہ مجھے بہت سے الفاظ شور کی وجہ سے سمجھ ہی نہیں آرہے تھے صرف اس کا منہ ہلتا دیکھتا تو اثبات میں سر ہلا دیتا تھا۔

رات کے پونے بارہ بجے تو مجھے نیند کی وجہ سے اونگھ آنے لگی تو میں درخواست کرکے تمام عورتوں سے ڈھول روک کر آرام کرنے کا کہہ کر ڈرائیور سے پیچھے کی کچھ لائٹس بند کردینے کی تاکید کی جس پر اس نے فوراً عمل کرتے ہوئے کچھ بٹن دبا کر پیچھے کی چند لائیٹس بند کردیں۔ بس میں کچھ شور کم ہوا تو تھکن کا احساس ہوتے ہی آنکھیں بند ہونے لگیں ابھی میں نے آرام کی نیت سے اپنا سر سیٹ کی بیک سائیڈ پر ٹکایا ہی تھا کہ بس کو یکدم بریک لگے اور ایسا کرنے سے بس الٹتے الٹتے بچی ورنہ ایک خوفناک حادثہ رونما ہوجاتا۔

ڈرائیور نے بڑی مہارت سے بس کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا تھا ورنہ..... یہ سوچ کر خوف سے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ بس کے اس طرح بے قابو ہونے سے تمام مسافر ایک دوسرے پر گر پڑے اور ایک کہرام برپا ہوگیا۔ بچے تو بچے بڑے بھی خوف سے چیخ اٹھے تھے جو بیچارے ہاتھوں میں موبائل لئے مصروف تھے ان کے ہاتھوں سے موبائل نیچے گر کر سیٹوں کے درمیان کہیں غائب ہوگئے.....

"جناب کیا ہوا.....؟ اللہ کا شکر ہے کہ ہم ایک بڑے حادثے سے بچ گئے۔" میں نے گاڑی کے سنبھلتے ہی ڈرائیور سے پوچھنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کردیا۔

ڈرائیور سامنے سڑک پر یوں منہ کھولے نظریں جمائے بیٹھا تھا جیسے وہاں اس نے کوئی انتہائی ڈراؤنی چیز دیکھ لی ہو۔ "وہ، وہ میں نے اچانک سامنے سڑک پر ایک کفن پوش مردے کو پڑے دیکھا تھا یوں لگتا تھا جیسے کوئی مردہ قبرستان سے نکل کر وہاں سڑک پر آن کر لیٹ گیا ہو..... اس کو اس طرح دیکھتے ہی میں نے پچاسی کلومیٹر کی اسپیڈ سے بھاگتی گاڑی کو یکدم بریک لگادیئے حالانکہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا کیونکہ اتنی رفتار سے بھاگتی گاڑی کو اگر یکدم بریک لگادیئے جائیں

تو اس کے الٹنے کا سو فیصد خطرہ ہوتا ہے۔لیکن میں گھبرا گیا تھا اس لئے مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ کس وقت میرے پاؤں بریک پر جم گئے"۔ڈرائیور نے تھوک نگلتے ہوئے جواب دیا اس کا رنگ پیلا ہو رہا تھا اور ایسا خوف کی وجہ سے ہوتا ہے۔اس کا جواب سن کر میرے اپنے حواس گم ہوگئے میں بھی سامنے سڑک پر آنکھیں پھاڑے بڑے غور سے دیکھنے لگا لیکن مجھے وہاں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا اور مزے کی بات یہ تھی کہ ہمارے آگے اور پیچھے دور دور تک کوئی اور گاڑی بھی نہ تھی۔یوں لگتا تھا جیسے کسی نے دونوں طرف کی گاڑیوں کو جادو کے زور سے روک دیا ہو۔میرے ساتھ ساتھ تمام مسافر خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے کیونکہ گاڑی کو رکتے دیکھ کر اور اس حادثے سے بچنے کے بعد چند مسافر ہمارے پاس آکر ہماری گفتگو سن چکے تھے اور انہوں نے واپس پیچھے بیٹھے تمام مسافروں کو اصل صورتحال بتادی تھی اور بچوں کا بھی خیال نہ کیا تھا کہ ان پر کیا گزرے گی۔ جواب میں بس میں ایک سراسیمگی پھیل گئی اور سب خوف سے بار دیکھنے لگے۔ان سب کو یوں محسوس ہو رہا تھا۔

جیسے اچانک کوئی مردہ بس کی کھڑکی توڑ کر بس میں گھس آئے گا۔میرے کہنے پر ڈرائیور دوبارہ بس کو اسٹارٹ کر کے آگے بڑھانے لگا۔لیکن اس کی نظریں سڑک کے دونوں طرف سرچ لائٹوں کی طرح ہی گھوم رہی تھیں۔میں بھی محتاط انداز میں اس کے پیچھے بیٹھا تھا اب نیند میری آنکھوں سے اڑ چکی تھی.....

ابھی ہم تھوڑی ہی دور گئے ہونگے کہ ہمارے پیچھے سے دو تین اور بسیں چنگھاڑتی ہوئیں تیزی سے ہماری بس سے آگے نکل گئیں اور اس کے ساتھ ہی سامنے سے بھی دو اور بسیں تیزی سے ہماری طرف آتی دکھائی دیں اور نزدیک پہنچ کر آگے نکل گئیں۔سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اچانک یہ گاڑیاں سڑک پر کیسے نمودار ہوگئیں حالانکہ کچھ لمحے پہلے سڑک کے آگے اور پیچھے دور دور تک کوئی گاڑی نہیں تھی۔

گاڑی چل رہی تھی لیکن ہمارے دماغ ماؤف ہو چکے تھے ابھی ہم انہی سوچوں میں تھے کہ سامنے تقریباً پچاس فٹ کے فاصلے پر ایک عورت جس نے چہرے پر لمبا گھونگھٹ لٹکایا ہوا تھا اور حاجیوں کی طرح کا ایک سفید جبہ پہنے ہوئے تھی اس کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی جس کے ایک سرے پر جلتی ہوئی لالٹین ٹنگی ہوئی تھی وہ اسی طرف کھڑی تھی جس طرف ہم جارہے تھے وہ ہاتھ کو حرکت دیئے بغیر لاٹھی کو مضبوطی سے پکڑے کھڑی تھی یوں لگتا تھا جیسے وہ سڑک پر لفٹ لینے کے لئے کھڑی ہو۔

ہم سب نے اسے دیکھ لیا تھا اور ڈرائیور نے اس کے نزدیک پہنچ کر جیسے ہی گاڑی روکی اور نیچے اتر کر دیکھا تو اس بوڑھی عورت کا دور دور تک کوئی پتہ نہ تھا یوں لگتا تھا جیسے اسے زمین کھا گئی ہو یا آسمان نگل گیا ہو۔ہم ہونقوں کی طرح منہ پھاڑے اور آنکھیں پھیلائے اس جگہ کو دیکھ رہے تھے جہاں کچھ دیر پہلے وہ بڑھیا موجود تھی۔عجیب گورکھ دھندہ تھا۔پھر میرے کہنے پر سب دوبارہ بس میں سوار ہوئے اور ہم دم سادھے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی۔ابھی ہمارا چار گھنٹوں کا سفر مزید باقی تھا۔رات کے بارہ بج کر دس منٹ ہوئے ہونگے کہ جیسے کوئی بہت وزنی چیز بس کے اوپر گری ہو اندر بیٹھے ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے کوئی ایٹم بم چھت پر گر گیا ہو اس قدر تیز دھماکہ تھا کہ ڈرائیور نے گھبرا کر بریک دبا دیئے۔گاڑی ایک بار پھر رک چکی تھی اور دوسرے لمحے میں اور ڈرائیور دونوں بس سے باہر نکل کر اوپر کی طرف دیکھنے لگے۔ڈرائیور بس کے ساتھ لگی لوہے کی سیڑھی پر چڑھ کر اوپر کی جانب لپکا اور دوسرے لمحے تیزی سے پھسلتا ہوا نیچے گر پڑا اس کے منہ سے خوف کے مارے آواز نہیں نکل رہی تھی اس کی آنکھیں سیاہ کی بجائے سفید پتلیوں میں تبدیل ہوگئی تھیں یوں لگتا تھا جیسے اس نے چھت پر کوئی انتہائی خوفناک شے دیکھ لی ہو۔

میں نیچے کھڑا اسے اوپر جاتا دیکھ کر خاموش کھڑا تھا کہ اچانک اسے اس طرح خود پر گرتے دیکھ کر گھبرا گیا

Pakistanipoint

اسماء الحسنیٰ کامیابی کا راستہ

پریشانیوں سے چھٹکارہ
ہمارا ہر عمل دنیا کے ہر کونے میں اثر کرتا ہے

آزوائیں اس طرح بھی پوری ہو جایا کرتی ہے

ہر مشکل کا حل بذریعہ موکلات جس پریشانی کی وجہ سے آپ کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوگئی ہو اور ہر عامل ناکام ہو گیا ہو ہم سے مشورہ ایک مرتبہ ضرور لیں عامل وہ جس کا علم سات سمندر پار چلے کالے وسفلی جادو ختم پتھر سے پتھر دل محبوب تابع ہوگا اولاد فرمان بردار خاوند سے بے رخی بچوں کے اچھے رشتے اور کاروبار میں کامیابی وہ لوگ مایوس نہ ہوں بلکہ اپنی آخری امید سمجھ کر سید فرمان شاہ سے رابطہ کریں انشاء آپ محسوس کریں گے ایک فون کال نے ہماری زندگی بدل دی

شادی کرنی ہو یا رکوانی ہو
جادو چلانا ہو یا ختم کرنا ہو
شوہر یا بیوی کی اصلاح
اولاد کا نہ ہو یا ہو کر مر جانا
گھریلو ناچاقی
کاروباری بندش
جنات کا سایہ
دیگر مسائل

سید عالم شاہ

کا پیغام جو لوگ سوچتے رہتے ہیں
وہ ہمیشہ دکھی رہتے ہیں پلک جھپکنے سے پہلے کام علم جو بگڑے کام بنائے

سسرال میں بہو سب کی آنکھ کا تارا بن سکتی ہے ہر کام راز داری کے ساتھ کلام الٰہی سے ہر پریشانی کا حل پہلے تعویز سے آپکی اجڑی ہوئی زندگی میں بہار ایک فون کال پر آپ کے مسائل کا حل ایک فون کال پر

خواہش
زندگی کی کوئی خواہش ہے کسی کو پانے کی تمنا اپنوں کی بے رخی سے دکھی ہیں یا میاں بیوی کی رنجش کو ختم کرنا ہے

غرض کوئی بھی جائز خواہش ہے تو پوری ہوگی انشاء اللہ

میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں فون ملایئے اور آزمایئے

ایک بار ہمیں خدمت کا موقع دیں کامرانیاں آپ کے قدم چومیں گی اور آپ یقیناً بہترین اور خوشگوار زندگی کا لطف اٹھائیں گے

نوٹ: جو خواتین وحضرات خود نہیں آسکتے وہ گھر بیٹھے فون کریں اور ہم سے کام لیں انشاء اللہ کامیابی ہوگی

وہ علم ہی کیا جس میں اثر نہ وہ آنکھیں کی کیا جن میں شرم نہ ہو وہ علم ہی کیا جس عمل نہ ہو وہ زبان ہی کیا جس میں اثر نہ ہو

سیّد عالم شاہ
رام تلائی چوک جی ٹی روڈ گجرات
0300-6282386

Pakistanipoint

اور پھر میں نے زندگی میں پہلی بار اتنی ہمت سے کام لیا کہ ایک بچے کھچے ڈرائیور کو خود اپنے ہاتھوں میں سنبھال کر اور کھینچ کر بس کے دروازے کے قریب لایا اور پھر آواز دے کر دوسرے لوگوں کو بھی بلا لیا جو اندر سہمے بیٹھے تھے۔ بس کے اندر تمام پردے بھی برابر کر دیئے گئے تھے اس لئے کوئی بھی باہر کا منظر دیکھنے سے قاصر تھا۔ میرے بلانے پر چند نوجوان باہر نکل کر میرے ساتھ ڈرائیور کو بس کے اندر لے گئے پھر اسے ایک بڑی سیٹ پر لٹا کر پانی وغیرہ اس کے منہ میں ڈال کچھ لوگ اس کے ہاتھ پاؤں مسل رہے تھے اور تھوڑی محنت کے بعد اسے قدرے ہوش آیا۔

ہوش میں آنے کے بعد اس نے جو بتایا وہ سن کر سب کی چیخیں نکل گئیں اس کے کہنے کے مطابق اس نے چھت پر ایک بہت بڑا سیاہ رنگ کا بلا دیکھا جس کے منہ سے تیز اور نوکیلے دانت اندھیرے میں بھی چمک رہے تھے اور اس کی آنکھوں میں جیسے خون اترا ہوا تھا اس کی جسامت بکری کے قد کے برابر ضرور ہوگی وہ چھت پر کھڑا اسی طرف دیکھ رہا تھا جس طرف سے میں اوپر چڑھا تھا۔

میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ مجھے ایسا بھیانک منظر دیکھنے کو ملے گا۔ میں جیسے ہی اوپر چڑھا اپنے چہرے کے سامنے اس کو متوجہ پا کر جیسے مجھے ہوش نہ رہا اور گھبراہٹ میں میرے ہاتھ سے سیڑھی چھوٹ گئی اور اب مجھے ہوش آیا ہے۔ میں آپ سب کا بہت شکر گزار ہوں"۔ ڈرائیور نے رک رک کر اور خوف کی کیفیت سے تمام واقعہ بتا دیا۔ سب لوگ دم بخود اس کی طرف دیکھ کر یہ سب سن رہے تھے۔

کچھ دیر تک ڈرائیور کی حالت بہتر ہوئی تو انہوں نے دوبارہ اوپر جا کر دیکھنے کی بجائے بس کو تیزی سے آگے بڑھانے میں ہی عافیت سمجھی۔ ڈرائیور سیٹ پر بیٹھ چکا تھا اور بس اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی لیکن یہ کیا یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بس کے پیچھے کسی نے مضبوط رسے باندھ دیئے ہوں بس ٹس سے مس نہ ہوئی اور رک گئی۔ ڈرائیور نے بہتیرے کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ تھک ہار کر وہ بے بسی سے ہماری طرف دیکھنے لگا۔ ہماری خود کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ پے در پے عجیب وغریب واقعات ہمارے ساتھ کیوں پیش آ رہے ہیں.....؟

ہم سب کی حالت تو یوں ہو رہی تھی جیسے کاٹو تو لہو نہیں۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اور سب سے عجیب وغریب بات یہ تھی کہ اس بار بھی ہمیں آگے اور پیچھے دور دور تک کوئی گاڑی سڑک پر دکھائی نہیں دے رہی تھی اور سڑک پر ایک سنسانی پھیلی ہوئی تھی دونوں طرف لگے درخت یوں محسوس ہو رہے تھے جیسے دیو منہ کھولے ہمیں نگلنے کے لئے تیار کھڑے ہوں۔

کچھ دیر گزری ہوگی کہ جیسے بس کے دروازے پر کسی نے بڑے زور سے ٹکر ماری ہو یوں لگا جیسے کوئی بڑی طاقت سے بس کے دروازے کو توڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ دروازہ مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ لوہے کا تھا اس کے ٹوٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا لیکن اس وقت ہماری چیخیں نکل گئیں جب کچھ لمحوں کے بعد بس کے پچھلے شیشے کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ شیشے کی ساری کرچیاں زروں میں تبدیل ہو کر اندر کی جانب گر چکی تھیں چونکہ ان شیشوں میں گیس بھری ہوتی ہے اس لئے ٹوٹنے کی صورت میں یہ انسانی جسم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اس ٹوٹے ہوئے شیشے سے جو چیز اندر برآمد ہوئی اس کو دیکھ کر ہماری پتلی ہوگئی۔

یہ وہی خوفناک سیاہ بلا تھا جو ڈرائیور کے کہنے کے مطابق بس کی چھت پر تھا لیکن وہی منحوس بلا دوبارہ سب کے سامنے موجود تھا۔ اس کو اندر دیکھ کر سب مسافر ڈرائیور کے نزدیک پہنچ گئے بچوں کے چیخنے کی آوازوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے خوف سے چلانے کی آوازیں بھی شامل تھیں خود بس میں موجود دیگر مرد حضرات بھی بڑے خوف سے اس کی جانب متوجہ تھے۔

بلا آہستہ آہستہ غراتا آگے کی جانب بڑھنے لگا اور دوسرے لمحے اپنے سامنے موجود ایک نوسال کے

لڑکے کو دبوچ لیا دوسرے لمحے وہ اپنے تیز نوکیلے دانت اس کی گردن میں پیوست کر چکا تھا۔

بس میں ایک ہلچل مچ گئی بچے کے والدین رونے پیٹنے لگے لیکن بلا شاید بہرا تھا اس لئے ان کے چلانے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور دوسرے لمحے اس نے اس بچے کی گردن سے ایک بڑا گوشت کا نوالہ اپنے دانتوں سے نوچ لیا اور سب کے سامنے کچر کچر چبانے لگا اس کی باچھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

ہماری سانسیں جیسے ہمارے حلق میں اٹک کر رہ گئیں تھی۔اس بلے کے جسم پر ایک بھی سفید بال نہ تھا جیسے جیسے وہ گوشت کھا رہا تھا ویسے ویسے اس کی آنکھوں کا رنگ سرخ سے سرخ ہوتا جا رہا تھا اس کے پنجوں کے ناخن اس معصوم بچے کے جسم کو بھنبھوڑنے میں لگے ہوئے تھے۔جس سے اس کا جسم چھلنی ہوگیا تھا۔اچھی طرح گوشت کھانے کے بعد اور پیٹ بھرنے کے بعد اس بلے نے دوبارہ ہماری طرف دیکھ کر غرانا شروع کر دیا۔

یوں لگتا تھا جیسے وہ اب کسی اور بے گناہ کو اپنا شکار بنائے گا۔اس کے چلنے کا انداز یوں تھا جیسے کوئی ماڈل ریمپ پر کیٹ واک کر رہی ہو۔حقیقت میں اس کا قد ایک عام درمیانے سائز کے بکرے کے برابر ہوگا جیسا کہ اس وقت ڈرائیور نے بتایا تھا۔

بچے کا ادھ کھایا جسم بس کے اندر ہی پڑا ہوا تھا اور بلے کے منہ پر اس کے خون کے لوتھڑے چپکے ہوئے تھے اس کی جیسے آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا وہ بار بار اپنے نوکیلے پنجے بس کے فرش پر مار رہا تھا اور ہماری طرف گھورنے کے ساتھ ساتھ ہلکے ہلکے غرا رہا تھا۔نہ جانے اب کون اس کا نشانہ بنتا۔

اچانک پیچھے سے آنے والی کسی کی تیز لائٹس بس کے ٹوٹے ہوئے شیشے کی وجہ سے بن جانے والے کھلے حصے سے اندر پڑی۔لائٹس اتنی تیز تھیں کہ ہماری بس کے اندر کا منظر پیچھے سے آنے والی گاڑی کے ڈرائیور نے بخوبی دیکھ لیا تھا شاید اسی وجہ سے وہ گاڑی بالکل ہماری گاڑی کے پیچھے آن کر رک گئی اور اس سے پہلے سے کہ فاصلہ اور مزید کم ہوتا۔

بلا اچانک پلٹا اور اچھل کر ٹوٹے ہوئے حصے سے باہر کود گیا.....

کافی دیر تک ہم سب حیرت سے بت بنے اسے غائب ہوتا دیکھتے رہے اور ہماری حالت تو یوں ہوگئی تھی جیسے کسی نے جادو کی چھڑی سے ہمیں چھو کر پتھر بنا دیا ہو۔اور اس وقت ہمیں ہوش آیا جب پچھلی بس کے ڈرائیور نے ہماری بس کے دروازے کو زور زور سے بجانا شروع کر دیا اس کے ساتھ ساتھ کچھ اور مسافر بھی بس سے اتر کر باہر کھڑے ہمارے باہر نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ہماری بس کے ڈرائیور نے جلدی سے دروازہ کھول دیا اور وہ سب اندر داخل ہوگئے لیکن اندر کا منظر دیکھ کر ان سب پر لرزہ طاری ہوگیا اور چند ایک تو ابکائیاں کرتے واپس بس سے نیچے اتر گئے انہیں بس میں معصوم بچے کی ادھ کھائی لاش دکھائی دے گئی تھی۔

ہم نے تمام لوگوں کو نیچے اتارا اور میں نے جلدی سے موبائل پر فون کر کے اپنے دوست آصف کو تمام حقیقت بتا دی۔دوسری طرف تمام حالات سننے کے بعد آصف کی بھی حالت بہت خراب ہوگئی اور جس بچے کی لاش بس سے اتار کر نیچے رکھ دی گئی تھی اس کے والدین کی بہت بری حالت ہو رہی تھی۔ہمارے دلاسہ دینے کے باوجود ان کی حالت نہیں سنبھل رہی تھی۔

پچھلی بس کے تمام مسافروں نے ہماری بہت مدد کی۔سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے کسی مہربان نے ایک نلکا لگا دیا تھا ہمیں اس وقت پانی کی بہت ضرورت تھی ہم نے وہاں سے پانی پیا بھی اور کچھ پانی لے کر بس کے اندر کا فرش اچھی طرح دھو دیا۔

رات کے دو بج چکے تھے اور ہم سڑک کے درمیان کھڑے اپنی بے بسی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔موٹر وے پولیس بھی شاید کہیں پڑی سو رہی تھی جو ہماری مدد کے لئے آتی۔ہم نے چار و ناچار اپنی مدد کے تحت سب سمیٹنے کے بعد اپنا سفر دوبارہ شروع کر دیا۔بچے کی لاش

Pakistanipoint

کو ہم نے پچھلی بس کے مسافروں کے کہنے پر وہیں درختوں میں ایک بڑا سا گڑھا کھود کر دفنا دیا ظاہر اس کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ جب تک ہم منزل مقصود پر پہنچتے وہ مزید خراب ہو جاتی۔ نہ جانے اس خوفناک بلے کے منہ کے لعاب میں کیسی تاثیر تھی کہ جہاں جہاں سے اس نے بچے کے جسم کو کاٹا تھا وہاں کا گوشت نیلا پڑ گیا تھا اور اس میں چھوٹے چھوٹے کیڑے بھی کلبلانے لگے تھے۔ بہت دردناک اور دل دہلا دینے والا منظر تھا کہ ایک اچھا خاصا انسان بھی برداشت نہ کر سکے۔ اس لئے بچے کے والدین کو سمجھانے پر وہ بھی اس کی لاش کو وہیں دفنانے پر راضی ہو گئے تھے۔

بس فراٹے بھرتی سڑک پر دوڑتی جا رہی تھی اور اس کے پچھلے حصے سے ہوا بہت زور سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ ہوا کی سرسراہٹ کی وجہ سے ایسی آوازیں نکل رہی تھی جیسے بہت سے کوبرے سانپ مل کر پھنکار رہے ہوں۔ چاند دھیرے دھیرے اپنا سفر ختم کر رہا تھا۔ ستارے آسمان پر جھل مل کر رہے تھے۔

میرا دوست آصف واقعہ کی اطلاع ملتے ہی گھر سے نکل پڑا تھا۔ تمام مسافر خصوصاً عورتیں تو ایسے ایک دوسرے سے چمٹی بیٹھی تھیں جیسے ان میں سے اگر کوئی الگ ہوئی تو وہی خوفناک بلا ان پر بھی حملہ کر دے گا۔

لیکن اللہ اللہ کر کے ہمارا سفر منزل کے قریب ہوتا جا رہا تھا اور تیس پینتس منٹ کے بعد ہم اپنی منزل مقصود پر پہنچنے والے تھے۔ ہم نے تمام لوگوں کو تاکید کر دی تھی کہ شادی والے گھر کسی کو بھی اس بات کی بھنک نہیں پڑنے دینی تاکہ خوش اسلوبی سے ہم شادی بھگتا کر واپس لوٹ سکیں۔ سب نے تائید میں سر ہلا کر اس کا اقرار کیا تھا اور مجھے کسی قدر اطمینان ہو گیا تھا۔

لیکن جو رات ہمارے ساتھ گزری تھی اس کو تصور کر کے میرے ساتھ ساتھ بس کا ہر شخص خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کر رہا تھا کہ جس نے انہیں زندہ سلامت اپنی منزل مقصود پر پہنچنے کا موقع فراہم کیا۔ شاید ہم میں کوئی اللہ کا نیک بندہ ایسا ہو گا جس کی وجہ سے ایسا ممکن ہوا ورنہ یہ تصور کر کے تو میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

قصہ مختصر ہم شادی کے گھر خیر و عافیت سے پہنچ گئے وہاں پہنچنے کے چند گھنٹوں بعد آصف بھی ایک ٹیکسی میں پہنچ گیا تھا لیکن اس کو ایک طرف لیجا کر میں نے خاموش رہنے کی تاکید کر دی تھی کہ واپسی پر میں اسے تمام واقعات تفصیل سے بتا دوں گا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے جذبات کو بڑی مشکل سے روک پایا۔

شادی کی تمام رسومات سے فراغت کے بعد دوسرے روز ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد ہم بڑی خاموشی سے واپسی کے سفر کے لئے نکل پڑے۔ راستے میں، میں نے آصف کو تمام واقعات تفصیل سے بتا دیئے۔ میری بات سن کر اس کے منہ سے ایک طویل سانس نکلی اور اس نے جو کچھ کہا اسے سن کر میں حیرت سے اس کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ جی ہاں.....!! اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔

"بے شک صدقہ ہزار بلاؤں کو ٹالتا ہے"۔

مجھے حیرت سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا..... "جب تم سب بارات لے کر گھر سے نکل گئے تو کام میں مصروفیت کی وجہ سے میں صدقہ کے طور پر لایا ہوا کالا مرغا دولہا کے سر پر سے وار کر نہیں چھوڑ سکا شاید یہ سب کچھ میرے ایسا نہ کرنے کی وجہ سے ہوا ہو"۔ اس نے ہوا میں نظریں ٹکاتے ہوئے بے خیالی کے سے لہجے میں کہا۔

اور میں جو بڑی حیرت سے اس کے منہ سے نکلے ان الفاظ پر غور کر رہا تھا خود بھی جلدی جلدی یوں سر ہلانے لگا جیسے اگر مجھے ایک لمحے کی بھی دیر ہو گئی تو وہی منحوس اور خوفناک بلا کہیں مجھ پر حملہ آور نہ ہو جائے۔

کوشش کریں کہ کبھی کبھی اپنا اور اپنے گھر کے دیگر افراد کا صدقہ وغیرہ دیتے رہا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی آفت سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

عاشق جن

ماریہ مسعود بانٹھ۔ گوجر خان

بزرگ نے کچھ پڑھا اور پھر گویا ہوئے چھوڑ دو اس لڑکی کو اور یہ سنتے ہی جن گویا ہوا نہیں چھوڑوں گا اسے میں اس کا عاشق ہوں، لیکن پھر اچانک جو منظر رونما ہوا اس نے دہلا کر رکھ دیا۔

دل کے ہاتھوں مجبور ایک جن کی دیدہ دلیری جسے پڑھ کر قارئین عش عش کر اٹھیں گے

اس کی نگاہ سامنے والے گھر پر تھی۔ جو کافی سالوں سے بند پڑا تھا۔ اسے یہاں اپنی فیملی کے ساتھ شفٹ ہوئے ایک ماہ ہوا تھا، فاروق صاحب اور فوزیہ بیگم کی مہک اکلوتی اولاد تھی، فاروق صاحب کو ورثے میں کپڑے کی تین دکانیں ملی تھیں، ایک تو ان کے پاس تھی دو کرائے پر چل رہی تھیں، ان کی اپنی دکان بھی ٹھیک ٹھاک چلتی تھی اور دونوں دکانوں کا کرایہ بھی ٹھیک ٹھاک آجاتا تھا، فاروق صاحب نے شہر کے پرسکون علاقے میں ایک گھر لیا تھا، پہلے وہ کرائے کے گھر میں رہتے تھے۔

اپنی دوستوں سے دور ہونے کی وجہ سے مہک کچھ اداس اداس رہتی تھی۔ اس کا کچھ وقت فوزیہ بیگم کے ساتھ کچن میں گزرتا باقی وقت وہ اپنے کمرے یا پڑوس میں گزارتی۔

ان کے گھر کے سامنے ایک ایسا گھر تھا جس میں

کوئی نہیں رہتا تھا، اس گھر کے مکین ملک سے باہر تھے۔ گھر سالوں سے بند پڑا تھا۔

مہک جب بھی پڑوس میں آتی تو اس کی نگاہ سامنے والے سنسان گھر پر ضرور پڑتی، جس کی دیواروں پر لگا پینٹ بے رنگ ہو چکا تھا، اس کی چھت ان کے گھر کے ساتھ جڑی ہوئی تھی، اس طرح آسانی سے اس چھت پر جایا جاسکتا تھا، وہ جب بھی اس گھر کو دیکھتی تو اسے ایک انجانا سا خوف محسوس ہوتا تھا۔

ایک دن مہک وہ سنسان گھر دیکھنے میں مگن تھی جب فوزیہ بیگم کی پکار نے اسے چونکا دیا۔ پھر اس نے واپسی کی طرف قدم بڑھائے لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ کسی کی انگارہ برساتی گہری آنکھیں اسے دیکھ رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

آسمان پر سیاہ بادل چھائے تھے، ہوا بھی تیز تھی، ٹیرس پر کھڑی مہک موسم سے انجوائے کر رہی تھی، وہ ریڈ لباس میں ملبوس تھی، آج اس نے بال بھی کھول رکھے تھے اچانک ہی تیز ہوا کے جھونکے سے اس کا ریڈ شیفون کا دوپٹہ اڑ کر ساتھ والے گھر میں گرا تو اس نے پریشانی سے اس سنسان گھر کو دیکھا، دوپٹہ اسے بہت پسند تھا پہلے تو اس نے سوچا وہ خود ہی جائے یا کسی کو مدد کے لئے بلائے اگر والدہ کو کہتی تو اسے سخت الفاظ کی ڈانٹ پڑتی۔

فوزیہ بیگم اسے بال کھول کر پڑوس میں جانے سے سختی سے منع کرتی تھیں۔ اس لئے اس نے خود ہی جانے کا فیصلہ کیا اور اللہ کا نام لے کر ساتھ والے گھر میں جانے کا فیصلہ کرلیا، دونوں گھروں کے درمیان ایک چھوٹی سی دیوار تھی جسے مہک نے آسانی سے پار کرلیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھ کر دوپٹہ اٹھاتی، دوپٹہ اُڑتا ہوا گھر کے صحن میں جا گرا تو نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں بھی تھیں۔

ایک دو پل سوچنے کے بعد مجبوراً اسے نیچے آنا پڑا، اس نے صحن میں قدم رکھا تو گہرے سکوت نے اس کا استقبال کیا، گھر کا مین دروازہ زنگ آلود ہو چکا تھا۔ صحن میں درختوں کے جو خشک پتے بکھرے تھے۔ اور بے تحاشہ مکڑیوں کے جالے بھی تھے، جسے دیکھ کر اسے وحشت سی ہونے لگی تھی یوں لگنے لگا تھا جیسے ابھی کوئی بھوت اس کے سامنے آجائے گا۔ جو گھر ایک طویل عرصہ سے بند پڑا ہو اس میں جن بھوت اور آسیب کا بسیرا ہو جاتا ہے۔

اس نے بچپن سے سن رکھا تھا، اور اس نے اس خیال کو اپنے ذہن سے نکالا اور تیزی سے اپنا دوپٹہ اٹھایا اور واپس آگئی کہ اچانک بارش شروع ہوگئی، پھر اس نے ایک نگاہ سنسان گھر کو دیکھا اور اپنے گھر کی طرف بڑھ گئی۔

گرج چمک کے ساتھ بارش بھی خوب برس رہی تھی۔ شام کے واقعے کے بارے میں مہک نے نہ اپنی والدہ فوزیہ بیگم کو کچھ بتایا اور نہ اپنے والد فاروق صاحب کو اسے پتا تھا کہ بتانے میں فوزیہ بیگم سے ڈانٹ سننے کو ملے گی کہ بتائے بغیر کیوں گئی تھی۔

رات ہوئی اور وہ کھانے پینے سے فارغ ہوگئی۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب ایک احساس کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی وہ بستر پر سے اٹھ بیٹھی، بادل زور سے گرج رہے تھے۔ پر اس کی آنکھ بادلوں کے گرجنے سے نہیں کھلی تھی اسے محسوس ہوا تھا کہ کوئی اس کے اوپر پڑا کمبل کھینچ رہا ہے۔ اسی وجہ سے وہ خوف زدہ ہوگئی تھی بلکہ نگاہ کمبل پر گئی تو کمبل بیڈ کے نیچے پڑا تھا تو کیا حقیقت میں ایسا ہوا تھا، خیال بجلی کی طرح اس کے دماغ میں آیا تھا۔

اور خوف کی لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ روشن کیا تو پورے کمرے میں روشنی پھیل گئی روشنی زیادہ تو نہیں تھی پر سب کچھ واضح نظر آرہا تھا، کمرے میں اس کے سوا اور کوئی نہیں تھا، اس نے سکون کا سانس لیا۔ ''ہوسکتا ہے میں نے کوئی خواب دیکھا ہو، کمبل نیند میں بھی گر سکتا ہے۔'' وہ خود سے بولی۔ پھر لائٹ آف کر کے لیٹ گئی اور چند منٹوں میں پھر سے گہری نیند سو گئی۔

پھر بیڈ کے پاس کھڑے ایک سائے کو وہ دیکھ نہ سکی تھی۔

☆.....☆.....☆

شام کا وقت تھا۔ بارش نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی، ساون کا مہینہ تھا، رم جھم لگی پڑی تھی اور وہ دروازے پر کھڑی اپنے منگیتر سلمان سے بات کررہی تھی۔ سلمان چند دنوں کے لئے ایک کام سے دوسرے شہر جارہا تھا۔

''واپس کب آؤ گے۔'' اس نے اداس لہجے میں پوچھا آنکھوں میں نمی سی آگئی تھی۔

''مہک میں چند دنوں کے لئے جارہا ہوں، ملک سے باہر تو نہیں جارہا جو تم اتنی اداس ہورہی ہو۔'' سلمان نے محسوس کرلیا تھا کہ اس کے جانے کا سن کر وہ اداس ہوگئی تھی، کیا رونی صورت لے کر مجھے الوداع کہو گی۔ سلمان محبت بھرے لہجے میں بولا۔ پہلے تو مہک نے جلدی سے اپنے آنسو ہاتھ کی پشت سے صاف کئے۔ ''مجھے کال تو کرو گے نا۔'' وہ گویا ہوئی۔

''ہاں جب بھی وقت ملے گا تو کال ضرور کروں گا۔ اوکے اپنا بہت خیال رکھنا مجھے دیر ہورہی ہے موسم بھی خراب ہے۔''

مہک ابھی بات کررہی تھی کہ اسے لگا کہ کوئی ان دیکھا وجود اس سے ٹکرایا ہے تو اس نے چونک کر آگے پیچھے دیکھا پر کوئی نہیں تھا۔ مگر سنسناہٹ کی ایک لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی تھی۔

''ہیلو مہک کیا ہوا۔'' دوسری طرف سلمان اسے خاموش پاکر تشویش سے پوچھا۔

کچھ نہیں میں دیکھ رہی تھی امی تو نہیں آئیں، اسے جو بھی محسوس ہوا تھا وہ سلمان کو نہیں بتانا چاہتی تھی۔

''اوکے اپنا خیال رکھنا تم بھی۔'' اور اس نے سوچا جو بھی ہوا شاید اس کا وہم ہوگا۔

☆.....☆.....☆

رات کا پہر تھا اور پچھلے دو گھنٹے سے وہ بار بار کروٹ بدل رہی تھی، بے چینی کی وجہ سے اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ تنگ آکر وہ اٹھ بیٹھی اور سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ روشن کیا تو پورے کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی۔ کمرے میں اسے وحشت سی ہونے لگی تھی۔ اسے لگا اس کا سانس رک رہا ہو وہ بے چینی سے اٹھی اور کمرے کا دروازہ کھول دیا، باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، اسے تھوڑا سکون ملا تو ارد گرد کا جائزہ لیا، چاند کی ہلکی ہلکی روشنی اندھیرے کو کم کررہی تھی، اس نے نگاہ اٹھا کر آسمان کو دیکھا پھر بے دھیانی میں نظر اس پراسرار گھر پر پڑی جو اندھیرے میں اور بھی خوفناک لگ رہا تھا جلدی ہی اسے اپنے اکیلے پن کا احساس ہوا تو کمرے کا دروازہ بند کرکے اپنے کمرے میں آگئی۔

فوزیہ بیگم جو کچن سے نکل رہی تھیں دروازہ بند ہونے کی آواز پر چونکی، پھر مہک کے کمرے کی طرف آئیں۔ ''مہک، مہک دروازہ کھولو.....'' وہ بولیں اور مہک جو بیڈ پر بیٹھی ہی تھی۔ پہلے تو آواز پر اس کا دل جیسے حلق میں آگیا۔ پھر اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

''مہک تم سوئی نہیں اور ٹیرس پر کیا کررہی تھی۔'' انہوں نے ایک سانس میں پوچھا۔

''امی مجھے نیند نہیں آرہی تھی اور گھبراہٹ بھی بہت ہورہی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے میرا سانس رک جائے گا اسی لئے ٹیرس پر گئی تھی۔''

آئندہ میری بات کا دھیان رکھنا اب رات میں ٹیرس پر نہیں جانا سمجھیں۔'' کوئی مسئلہ ہو تو مجھے بتاؤ۔ ''فوزیہ بیگم کے انداز میں غصہ تھا۔

''سوری امی آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' وہ آہستگی سے بولی اسے اپنی غلطی کا احساس تھا۔

''چلو اب سو جاؤ۔''

فوزیہ بیگم نرمی سے گویا ہوئیں پھر چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی وہ دروازہ بند کرکے مڑی تو لائٹ چلی گئی۔ کمرے میں گہرا اندھیرا چھا گیا اور ساتھ ہی کوئی وجود مہک سے تیزی سے ٹکرایا تو مہک کی ہلکی سی چیخ نکلی پھر خاموشی چھا گئی۔

☆.....☆.....☆

دن کے بارہ بج گئے تھے۔ پر مہک ابھی تک اپنے کمرے سے باہر نہیں آئی تھی، فوزیہ بیگم کی تشویش اور پریشانی بڑھنے لگی تھی وہ آٹھ بجے تک اُٹھ جاتی تھی، یہ اس

کا روز کا معمول تھا، کبھی کبھی تھوڑی دیر ہوجاتی تھی پر آج بہت وقت گزر گیا تھا اس کی طرف سے مکمل خاموشی تھی وہ دو تین دفعہ اس کے کمرے کے باہر سے لوٹ آئی تھیں اور دستک دینے پر بھی کوئی جواب نہ ملا تو پریشان ہوکر فاروق صاحب کو کال کی اور جلدی گھر آنے کو کہا، اگلے آدھے گھنٹے میں وہ گھر میں تھے۔ ''کیا بات ہے فوزیہ تم نے اتنی عجلت میں کیوں بلایا۔'' داخلی دروازے سے اندر آتے ہی وہ تشویش سے گویا ہوئے تو فوزیہ بیگم نے ساری بات انہیں بتائی۔

''ہوسکتا ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہ ہو جب تم گئی تو وہ سو رہی ہو۔'' انہوں نے کہا۔ پھر فوزیہ بیگم کے ساتھ دوسری منزل پر گئے اور دروازے پر دستک دی۔

''مہک بیٹا دروازہ کھولو۔'' کئی مرتبہ دستک دینے پر بھی خاموش رہی۔

پھر فوزیہ بیگم نے دستک دی اور کئی مرتبہ دستک دینے پر جواب ملا۔ ''امی میں ٹھیک ہوں مجھے پریشان نہ کریں میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔ پھر خاموشی چھا گئی تھی۔

فوزیہ بیگم مہک کے اس جواب پر حیران تھیں اور اس کے بولنے کا انداز بھی عجیب سا تھا۔

''وہ ٹھیک ہے فوزیہ تم پریشان نہ ہو پر اس نے ایسا انداز کبھی نہیں اپنایا۔'' فاروق صاحب کے کہنے پر وہ بے چینی سے گویا ہوئیں۔

''ہوسکتا ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہ ہو اور ہم پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی ہو کچھ اور وقت گزارنے دو پھر دیکھتے ہیں۔'' فاروق صاحب فوزیہ بیگم کو حوصلہ دے کر واپس چلے گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

تین دن گزر گئے تھے مہک کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی وہ زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں گزارتی بہت کم اپنے کمرے سے باہر آتی اگر آتی تو کوئی بات نہ کرتی فوزیہ بیگم کی باتوں کا جواب بھی ہوں یا ہاں میں دیتی فوزیہ بیگم مہک کی اس حالت کی وجہ سے پریشان تھیں۔ وہ پہلے ایسی کبھی نہ تھیں۔

جب ڈور بیل بجی تو وہ سوچوں کی دنیا سے باہر آئیں اور دروازہ کھولا تو سلمان کو دیکھ کر خوش ہوئیں پر اپنی پریشانی نہ چھپا سکیں۔

''چچی جان آپ کیسی ہیں۔'' وہ سلام کرتے ہی گویا ہوا تو فوزیہ بیگم نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے دروازہ بند کیا اتنی دیر میں سلمان کرسی پر بیٹھ چکا تھا اس کی نگاہیں مہک کو تلاش کررہی تھیں پر جانے وہ کہاں تھی۔

''تم کب آئے۔'' فوزیہ بیگم کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''چچی جان کل شام میں واپس آیا ہوں اور مہک کہاں ہے نظر نہیں آرہی اور نہ ہی میری کسی کال کا جواب دیا۔'' سلمان کے انداز میں بے چینی نمایاں تھی۔ ''آپ پریشان لگ رہی ہیں کیا بات ہے سب ٹھیک تو ہے ناں۔'' سلمان نے فوزیہ بیگم کی پریشانی محسوس کرلی تھی۔

فوزیہ بیگم نے اسے سب کچھ بتایا۔ ''سلمان میں بہت پریشان ہوں مہک پتا نہیں کیوں عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگی ہے۔ کچھ بتاتی بھی نہیں۔''

''چچی جان آپ حوصلہ رکھیں میں مہک سے بات کرتا ہوں۔'' اور سلمان اٹھ کر مہک کے کمرے کی طرف آ گیا، دستک دی پر کوئی جواب نہیں آیا تو پھر دستک دی ساتھ میں اسے پکارا، اسے معلوم تھا کہ مہک اس کی آواز سن کر تیزی سے باہر آئے گی، پر ایسا نہیں ہوا۔ خیر اس نے دروازے پر زور ڈالا اور اندر قدم رکھا تو پورا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی تو پہلی نگاہ بیڈ پر بیٹھی مہک پر گئی۔ جو گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی تھی لائٹ آن ہونے پر بھی سر نہ اٹھایا تھا۔

سلمان نے تشویش سے اسے دیکھا اس کے لمبے بال اس کے دائیں بائیں بکھرے ہوئے تھے اس نے اپنے خوبصورت بالوں کو ہمیشہ سمیٹ کر رکھتی تھی۔ ''مہک'' اس نے آگے بڑھ کر نرمی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے تیزی سے اپنا سر اٹھایا تو ایک پل کو سلمان ڈر گیا۔ کیونکہ مہک کی آنکھیں انگارہ ہورہی تھیں۔ جیسے

کہ وہ کئی دنوں سے سوئی نہیں تھی۔ پھر مہک نے غصے سے سلمان کو گھورا۔ کیوں آیا ہے۔ چل ورنہ۔'' وہ سخت اور بھاری آواز میں مہک بولی۔

سلمان ایک پل کو چونکا پھر بولا۔ ''مہک کیا ہوا ہے۔'' اس نے ہمدردی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا پر اسے اندازہ نہیں تھا کہ کیا ہوگا۔

اگلے ہی پل مہک نے ایک جھٹکے سے اسے زور کا دھکا دیا جس کی وجہ سے وہ دیوار کے ساتھ جا لگا اور ابھی وہ سنبھل نہیں پایا تھا کہ مہک نے اس کے گلے پر ہاتھ رکھا تو سلمان مارے حیرت کے اسے دیکھنے لگا، کیونکہ اس نازک سی لڑکی میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی تھی۔

''آئندہ اگر اسے ہاتھ لگایا تو تیرا ہاتھ توڑ دوں گا، چلا جا یہاں سے۔'' شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتے مہک نے مردانی آواز سے کہا اور ایک جھٹکے سے اسے چھوڑ دیا۔

سلمان تیزی سے باہر نکلا اور اسے زور سے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ چند پل کو وہ گم صم کھڑا رہا پھر مہک کی حالت پر غور کرتا نیچے آیا۔

''رات ہوئی مہک سے۔'' فوزیہ بیگم اسے دیکھ کر عجلت سے بولیں۔

''چچی جان مہک اپنے ہوش میں نہیں ہے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چونکیں۔

''میرا مطلب ہے اس پر کسی جن کا سایہ ہوگیا ہے۔'' پھر اس نے تمام بات انہیں بتا دیں جسے سن کر فوزیہ بیگم بھی پریشان ہوگئیں۔

اتنے میں فاروق صاحب بھی آ گئے تھے انہیں بھی سب بتایا گیا تو وہ بولے۔ ''میں ایک بزرگ کو جانتا ہوں ایک دفعہ میری بہن پر بھی کسی جن کا سایہ ہوگیا تھا۔ تو آنٹی بلایا تھا میں ابھی ان کے پاس جاتا ہوں۔''

''چچا جان میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔'' سلمان بولا۔ ''چچی جان آپ دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں چلی جائیں۔'' اور پھر فوزیہ بیگم نے دروازہ بند کیا اور اپنے کمرے میں آ گئیں۔ پھر ہاتھ میں تسبیح لے

ڈاکٹروں، حکیموں، ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

شوگر (ذیابطیس)

قیمت -/100 روپے

اس کتاب میں شوگر کیسے اور کیوں ہوتی ہے، شوگر صحت کے لئے سب سے سنگین خطرہ، ایکسپائر استعمال نہیں کرنی چاہئیں، بڑھتی عمر، شوگر کیا ہے، ٹائپ ون شوگر، ٹائپ ٹو شوگر، بلڈ پریشر کا خطرہ، ہائی بلڈ شوگر کے مریضوں کی سرجری خطرناک ہو سکتی ہے، شوگر کی پیچیدگیوں سے کیسے نمٹا جائے، احتیاطی تدابیر، شوگر اور ڈپریشن کا تعلق، افسردہ اداس مائیں اور بچے، نارمل بلڈ شوگر کیا ہے، جانچ کب کروائیں، شوگر بڑھنے کے اسباب اور تدارک، موٹے افراد کا خوف، سگریٹ نوشی، وجوہات، شوگر سے محفوظ رہنے والی خواتین، انفیکشن، بچوں پر ماؤں کا اثر، پیشاب کی نالی میں انفیکشن، ذیابطیس کے مریضوں کے لئے خطرناک بیماریاں، ڈپریشن، شوگر کی علامات اور اس سے بچاؤ کے طریقے، دیسی و ڈاکٹری نسخے پڑھئے اس کتاب میں۔

حکیم غلام مصطفےٰ

دعا بک کارنر نئی مارکیٹ نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

کر بیٹھ گئیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

☆.....☆.....☆

دو گھنٹے بعد فاروق صاحب اور سلمان کی واپسی ہوئی، ڈور بیل بجنے پر فوزیہ بیگم نے دروازہ کھولا تو ان کے ساتھ ایک سفید ریش بزرگ بھی تھے۔

فاروق صاحب انہیں مہک کے کمرے میں لے گئے۔

''چچی جان آپ ہمارا انتظار کریں، سلمان انہیں تسلی دیتا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

فاروق صاحب نے مہک کے کمرے کا دروازہ کھولنا چاہا پر وہ بند تھا۔ ان کے ساتھ آئے عامل بزرگ نے کچھ پڑھ کر دروازہ کھولا تو وہ کھل گیا سب اندر آ گئے۔

فاروق صاحب نے لائٹ آن کی تو مہک اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی جس طرح سلمان نے دیکھا تھا۔

اگلے ہی پل اس نے سر اٹھایا اس کی آنکھیں اور بھی سرخ ہو گئی تھیں۔ ''کیوں آئے ہو یہاں۔'' وہ گرج کر بولی۔ آواز مہک کی نہیں بلکہ اس جن کی تھی جو اس کے اندر تھا۔

''چھوڑ دو اس لڑکی کو۔'' بزرگ سخت لہجے میں بولے۔

''نہیں چھوڑوں گا اس کو، میں اس کا عاشق ہوں۔''

''لگتا ہے تم ایسے نہیں مانو گے۔'' بزرگ نے کہا اور کچھ پڑھنے لگے آہستہ آہستہ ان کے پڑھنے میں تیزی آتی گئی اور ساتھ ہی مہک چیخیں مارنے لگی۔

''بتاؤ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟''

بزرگ نے کہا تو اس جن نے بولنا شروع کیا۔

''میرا نام صنوریز ہے میں ساتھ والے گھر میں رہتا ہوں، جو سالوں سے بند پڑا ہے۔ چند دن پہلے میں نے اس لڑکی کو چھت پر دیکھا تو یہ مجھے اچھی لگی میں اس پر عاشق ہو گیا اور ایک دن اس کا دوپٹہ اس گھر میں گر گیا یہ وہاں آئی تو میں نے اس پر قبضہ کر لیا۔''

''چھوڑ دو اسے اور اپنی دنیا میں چلے جاؤ۔''

بزرگ نے کہا۔ پر وہ جن نہ مانا تو بزرگ نے مزید پڑھائی کی تو مہک نے ایک زور کی چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی اور اگلے ہی پل گھڑی کا شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی یعنی وہ جن جا چکا تھا۔ ''اب وہ واپس نہیں آئے گا پر اپنی بیٹی کو منع کر دیں کہ آئندہ اس گھر میں نہ جائے۔'' بزرگ نے کہا۔

☆.....☆.....☆

مہک کو ہوش آیا تو فوزیہ بیگم اور فاروق صاحب کو اپنے پاس پایا اور سلمان کو دیکھ کر حیران ہوئی۔ ''مہک تم ٹھیک ہو۔'' فوزیہ بیگم اسے ہوش میں دیکھ کر بولیں تو مہک ان کے گلے سے لگ گئی کیونکہ اب اسے سب کچھ یاد آ گیا تھا۔ ''امی بابا اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معاف کر دیں میرا خود پر بس نہیں چلتا تھا۔'' وہ شرمندہ تھی۔

''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے مہک پر تم اس گھر میں گئی تھیں اس بارے میں بتایا کیوں نہیں تم جانتی تھی وہ گھر سالوں سے بند پڑا ہے۔''

''امی جان میں اگر آپ کو بتاتی تو آپ ڈانٹتی اس لئے نہیں بتایا۔ مجبوراً میں وہاں گئی تھی اگر مجھے پتا ہوتا کہ وہاں جا کر میرے ساتھ ایسا ہو گا تو میں جاتی نہیں۔'' وہ نظریں جھکائے بولی۔

''چلو جو ہوا سو ہوا پر اب احتیاط کرنا چلو جلدی سے فریش ہو کر لاؤنج میں آؤ تمہاری پریشانی میں کسی نے بھی کھانا نہیں کھایا۔'' فوزیہ بیگم اسے پیار سے کہتی ہوئی چلی گئیں۔ ساتھ ہی فاروق صاحب بھی اٹھ گئے تھے۔

''تم کب آئے؟'' مہک نے سلمان کو دیکھ کر پوچھا۔ اب مہک کی آواز سن کر سلمان کو سکون ملا تھا۔

''کل شام میں آ گیا تھا اور آج تم سے ملنے آیا تو، تم تو میری جان ہی لینے والی تھی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو اسے گھور کر دیکھا تو سلمان بے اختیار مسکرایا۔

''چلو چچی جان انتظار کر رہی ہوں گی۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا تو مہک بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ کمرے سے باہر جانے لگی۔

Pakistanipoint

اماوس کا چاند

نثار فاطمہ۔ بہلول پور

جیسے ہی تابوت کا ڈھکن اٹھایا گیا تو دھوئیں کی بھاری لکیر نکلی جسے دیکھ کر لوگ انگشت بدنداں ہوگئے کہ پھر اچانک اس دھوئیں نے ایک خوفناک شکل اختیار کی تو.....

اندھیری رات میں جنم لینے والی عجیب وغریب کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو دہلا کر رکھ دے گی

عموماً ہم نے یہ سنا ہے کہ اماوس کی رات میں چاند نظر نہیں آتا، اور یہ رات بالکل سیاہ اور خوفناک ہوتی ہے، یہ بھی سنا ہے کہ اس رات میں شیطانی شکتیاں پانے والے اپنے کالے عمل کو مزید شکتی شالی بناتے ہیں، اور میں نے یہ سب ڈراموں اور فلموں میں دیکھا ہے لیکن اصل میں یہ رات کبھی نہیں دیکھی، اس کے بارے میں سنا ہے کہ ایسی راتوں میں کالی شکتیاں اور زیادہ طاقتور ہوجاتی ہیں۔

اور یہ کہانی ایک ایسی ہی رات سے شروع ہوتی ہے۔ پردیپ اپنی بیوی پاروں کو اسپتال لے کر جارہا تھا۔ اس کی بیوی امید سے تھی کہ اچانک طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے اسے رات کے اس پہر اسپتال کی طرف جانا پڑا، جب وہ اپنی بیوی پاروں کو لے کر گھر سے نکلا تو اس نے محسوس کیا کہ آج آسمان پر چاند نہیں ہے اور رات

Pakistanipoint

بے انتہا کالی اور ڈراؤنی ہے، آندھی بھی چل رہی تھی اور وقفے وقفے سے بجلی بھی چمکنے لگتی لیکن وہ اس ماحول سے بے خبر بس اپنی بیوی کی فکر میں تھا، تھوڑی ہی دیر میں اس کی گاڑی سڑک پر دوڑنے لگی کہ اچانک جنگل کے بیچ آ کر گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی تو پردیپ نے باہر نکل کر گاڑی کو دیکھا لیکن گاڑی تو بالکل ٹھیک تھی وہ واپس گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا اور اس بار بار اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی لیکن گاڑی کو نہ اسٹارٹ ہونا تھا اور نہ ہی وہ اسٹارٹ ہوئی۔

پارول کی طبیعت مزید خراب ہو رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی موسم بھی شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا تھا بادل ایسے گرج رہے تھے جیسے ابھی سب ختم کر دیں گے۔

پردیپ کو دور ایک حویلی میں ہلکی سی لائٹ نظر آئی، ایسے میں اسے اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن مل گئی تھی اس نے پارول کو گاڑی سے نکالا اور اسے لے کر حویلی کی طرف چل پڑا، حویلی کے قریب پہنچ کر دیکھا تو دروازے کو تالا لگا تھا، لیکن اتنے میں ایک مکروہ صورت شخص جو چوکیدار کے لباس میں اس کے سامنے آ گیا جسے دیکھ کر پردیپ کی چیخ نکل گئی۔

وہ شخص پردیپ سے مخاطب ہوا۔ ''ڈرو نہیں صاحب! میں اس حویلی کا چوکیدار ہوں اور کسی کام سے باہر گیا تھا اس لئے حویلی کو تالا لگایا ابھی واپس آ رہا ہوں۔''

''اچھا میری مدد کرو میری بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اسپتال لے کر جا رہا تھا تو راستے میں گاڑی خراب ہوگئی، اس حویلی میں روشنی نظر آئی تو ہم ادھر آ گئے۔''

چوکیدار نے پارول کی طرف دیکھا اور مکروہ ہنسی ہنستے ہوئے بولا۔ ''تم لوگ اندر جاؤ میں پاس کے گاؤں سے کسی دائی کو بلا کر لاتا ہوں۔''

''اچھا ٹھیک ہے ذرا جلدی آنا۔'' پردیپ بولا۔

پردیپ پارول کو حویلی میں لے گیا اور کمرے میں لے جا کر بیڈ پر لٹا دیا، پارول کی طبیعت مزید خراب ہو رہی تھی ایسے جیسے وہ ابھی مر جائے گی، پردیپ اسے پاس بیٹھا تسلیاں دے رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں چوکیدار ایک بوڑھی عورت کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ عورت بہت ڈری ہوئی تھی، اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا اور اس کے پسینے چھوٹ رہے تھے وہ بار بار ادھر ادھر دیکھ رہی تھی جیسے اسے کچھ ہونے کی توقع ہو۔ اس وقت چوکیدار وہاں سے جا چکا تھا۔

وہ عورت پردیپ پر برس پڑی اور بولی۔

''مر جانے دو اپنی بیوی کو۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔'' پردیپ بولا۔

''کیا تم نہیں جانتے اس حویلی کے بارے میں کہ یہ شیطانی حویلی ہے، یہاں بس شیطان ہی جنم لے سکتا ہے، تم اپنی بیوی کو لے کر یہاں کیوں آئے ہو مر جانے دو اسے ورنہ شیطان پیدا ہو گیا تو پھر سب ختم ہو جائے گا، آج اماوس کی رات ہے اور اماوس کا شیطان سب کچھ تباہ کر دے گا۔''

''کیا اول فول بول رہی ہیں آپ ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ میری بیوی پر رحم کھائیں وہ بہت تکلیف میں ہے۔'' اور پردیپ نے اس کے پاؤں پکڑ لئے اور رونے لگا۔

آخر وہ مان گئی اور اس نے پردیپ کو کمرے سے باہر بھیج دیا، تقریباً ایک گھنٹہ بعد کمرے سے ایک بھیانک چیخ کی آواز آئی تو پردیپ اور چوکیدار کمرے میں گئے تو وہاں پارول بے ہوش پڑی ہوئی تھی اور وہ بوڑھی عورت سکتے کے عالم میں کھڑی تھی جبکہ بچہ زمین پر پڑا تھا۔

پردیپ نے پوچھا۔ ''کیا ہوا۔''

تو وہ بولی۔ وہی جس کا ڈر تھا اور پھر اس نے بچے کی طرف اشارہ کیا تو پردیپ نے دھڑکتے دل سے بچے کے منہ سے کپڑا ہٹایا تو اسے ایک ہزار والٹ کا جھٹکا لگا اور وہ دور جا گرا۔

وہ بچہ نہیں تھا بلکہ شیطان تھا پھیلی ہوئی ناک، لٹکے ہونٹ اور آنکھیں ایسی جیسے ابھی نیچے گر جائیں گی، سر جیسے ہڈیوں کی دکان ہو اور بال اس کے ماتھے پر کھڑے تھے اور ٹھوڑی کے نیچے ہڈی اُٹھی ہوئی تھی۔

چوکیدار آگے بڑھا اور پردیپ سے بولا۔ ''ہمیں

اسے قید کرنا ہوگا ہم اسے مار نہیں سکتے کیونکہ اماوس کا شیطان ہے اور اسے مارا بھی جاسکتا ہے جب اماوس کی دوسری رات آئے جس میں چاند نکلتا ہے اور وہ رات سالوں میں ایک بار آتی ہے اس لئے ہمیں اسے قید کر کے رکھنا ہوگا، اسی حویلی میں۔''

دائی اماں نے اس بچے کو اٹھایا اور کمرے کے ایک کونے میں قید کر دیا۔

پھر پردیپ گویا ہوا۔ ''میں پارول کو لے کر گھر آ گیا پارول کو جب ہوش آیا تو میں نے اس سے کچھ نہیں چھپایا۔ سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔ جسے سن کر وہ بہت خوفزدہ ہوئی لیکن پھر نارمل ہوگئی آہستہ آہستہ، اس رات کو ہم کبھی بھول نہیں پائے، اس کے بعد ہمارا ایک بیٹا ہوا جس کا نام ہم نے بھگوان داس رکھا۔

پہلا شیطان پیدا ہوا تو دوسرا بھگوان نام کے ساتھ خود بھی بھگوان کی طرح تھا، نرم دل اور معصوم ہر ایک سے محبت کرنے والا ہم نے بھگوان داس کی پرورش بہت سلیقے اور لحاظ سے کی اور اسے اچھی تعلیم دلوائی دیکھتے ہی دیکھتے اسکول، کالج اور پھر یونیورسٹی جانے لگا۔

ہم نے بھگوان داس سے کبھی بھی اس واقعے کا ذکر نہیں کیا اور ساری زندگی یہ بات اس سے راز رکھنے کا فیصلہ کیا لیکن انہی دنوں بھگوان داس نے مجھ سے آ کر کہا کہ اس کا سیمسٹر ختم ہوگیا ہے اور سب دوستوں نے پروگرام بنایا ہے کہ وہ سب مل کر کہیں سیر کو جائیں گے۔ تو میں نے بھگوان داس سے پوچھا کہ ''بیٹا کہاں جانا ہے سیر کو جگہ کا نام تو بتاؤ۔''

مجھے ڈر تھا کہ آج کل کے بچے ایڈونچر کو پسند کرتے ہیں اور کہیں شیطانی حویلی کا ہی رخ نہ کر لیں اس لئے میں نے بھگوان داس کو ٹٹولنے کی کوشش کی لیکن اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا اور یہ کہا کہ ''پتا جی ہم کچھ تاریخی مقامات کی سیر کو جا رہے ہیں۔''

لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ بچے جنگل میں موجود اس شیطانی حویلی میں جا رہے ہیں جہاں وہ شیطان قید تھا یہ تو تب پتا چلا جب یہ سب وہاں چلے گئے۔

پارول نے بہت مشکل سے اجازت دی تھی، اور بھگوان داس سمیت سارے دوست اپنے سفر پر نکل گئے لیکن ہم دونوں میاں بیوی کے دلوں کو چین نہیں تھا ایسے لگ رہا تھا جیسے کچھ نہیں بلکہ بہت برا ہونے والا ہے۔

بچوں کو گئے ہوئے آج دوسرا دن تھا، ہماری بھگوان داس سے آج صبح سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی، فون بھی ملایا لیکن نہیں لگا نیٹ ورک کا مسئلہ سمجھ کر رکھ دیا پارول میرے لئے صبح کی چائے اور ساتھ میں اخبار لے آئی، میں نے چائے کی چسکی کے ساتھ اخبار کو کھولا تو اخبار کا پہلا صفحہ دیکھتے ہی چائے کا کپ میرے ہاتھ سے نیچے گر گیا۔

''یہ نہیں ہوسکتا۔'' پارول جو پودوں کو پانی دے رہی تھی دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی۔ ''کیا ہوا کیا ایسا پڑھ لیا آپ نے۔''

''وہ۔وہ۔وہ کیا وہ وہ لگا رکھا ہے کچھ تو بولیں۔''

''وہ شیطان آزاد ہوگیا۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔'' ہمارے جیسے اوسان خطا ہوگئے۔ میں نے پارول کو اخبار دکھایا اور پھر جلدی سے ہم نے ٹی وی لگایا۔ اس چینل پر کسی درندے کی باتیں ہو رہی تھیں، جس نے آ بنور جنگل کے پاس موجود رنگ پور گاؤں کے ایک ہی گھر کے آٹھ افراد کو کچا چبا ڈالا اور پاس موجود قصبے کے جنرل اسٹور میں موجود گوشت کو بھی کھایا جسے وہاں پر موجود اسٹور کے چوکیدار نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ بہت ہی برا ہوا تھا، لوگ خوف و ہراس کی وجہ سے تھر تھر کانپ رہے تھے، اور میڈیا والے نمک مرچ لگا کر خبر کو ہائی لائٹ کر رہے تھے۔

وہ وہی شیطان تھا جس کو ٹی وی والے دکھا رہے تھے قد میں زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن تھا وہی بدصورت میں اسے نہیں بھول سکتا میں نے پارول سے کہا۔

''لیکن یہ کیسے آزاد ہوسکتا ہے۔''

''کس نے اسے آزاد کیا۔'' میں نے پارول کی بات نظر انداز کی اور جلدی سے بھگوان داس کا نمبر ملایا، نمبر اب بھی نہیں لگا میں نے پارول سے کہا۔ ''ہو نہ ہو یہ

بچے اسی شیطانی حویلی میں گئے ہیں اور بچوں کی وجہ سے یہ شیطان آزاد ہوا ہے۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میرا بھگوان داس وہاں اپنے دوستوں کے ساتھ گیا ہے۔'' پارول نے کہا۔

''اس شیطان نے انہیں نقصان نہ پہنچایا ہو کچھ نہیں ہوگا اب ہمیں وہاں جانا ہوگا اور پھر اسی پنڈت سے ملنا ہوگا جس نے اس شیطان کو قید کیا تھا۔''

پھر ہم دونوں گھر سے آبنور جنگل کی طرف چل پڑے۔ آبنور جنگل کے پاس واقع رنگ پور گاؤں میں دونوں میاں بیوی پہنچے اور اس پنڈت سے ملے، بس اماوس کی رات میں اس شیطان کو قید کیا تھا۔ پنڈت اب کافی بوڑھا ہو چکا تھا اور بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا۔

پردیپ اور پارول نے پنڈت کو اماوس کے شیطان کے آزاد ہونے کی خبر دی تو پنڈت نے کہا کہ وہ جانتا ہے کہ کل رات میں کچھ بچوں نے اپنے کھیل کھیل میں اس شیطان کو آزاد کر دیا ہے اور اس شیطان نے آزاد ہونے کے بعد ایک گھر والوں کو مارا ہے وہ ایک ہی گھر کے آٹھ افراد ہیں جو اس شیطان کی بھینٹ چڑھے ہیں۔''

یہ سن کر ہم دونوں میاں بیوی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے کہ پتہ نہیں ہمارے بچے زندہ ہیں بھی یا نہیں۔

''پنڈت جی نے جیسے ہمارے دل کی بات پڑھ لی ہو۔'' بھگوان اور شیطان دونوں نے ایک ماں کے بطن سے جنم لیا ہے اور وہ بھی اماوس کی رات میں، اب بھگوان داس ہی وہ انسان ہے جو اس شیطان کو ختم کر سکتا ہے وہ بھی اس رات میں جس میں چاند نہ ہو اور ہو بھی وہ اماوس کی رات۔''

''لیکن پنڈت جی وہ رات کب آئے گی اور پتہ نہیں کتنے سالوں میں آئے گی۔'' پارول نے پنڈت جی سے کہا۔

''وہ رات آج سے ٹھیک دو دن بعد آئے گی، ایسی اماوس کی رات جس میں چاند نہیں نکلے گا اور یہ بھی خوش قسمتی ہے کہ اماوس کی یہ رات اب آ رہی ہے صرف اس شیطان کے ناش کے لئے، ٹھیک 12 بجے اس اماوس کے شیطان کو پھر سے سلانا ہوگا ہمیشہ کے لئے۔''

''لیکن کیسے کوئی ہتھیار بھی تو ہوگا اس کو مارنے کے لئے۔''

''صرف ایک ہی ہتھیار ہے جس سے اس شیطان کو ختم کیا جا سکتا ہے اور وہ ہتھیار یعنی کلہاڑی یہاں سے 200 میل دور کالے پہاڑوں میں موجود کالے کنوئیں کے دائیں سائیڈ پر موجود مٹی کے پیچھے دفن ہے اسے نکالنے کے بعد اسے کالے پانی سے دھونا پڑے گا، وہ کلہاڑی شیطان پر اثر کرے گی، کالا پانی اس کنوئیں میں ہوگا لیکن کالے پانی کو نکالنے سے پہلے وہاں پر اس کنوئیں کا کالا آسیب سامنے آئے گا وہی پانی دے گا لیکن اس کے تین سوالوں کے جواب دیئے جائیں گے اور وہ جواب نہایت عقل مندی کے ساتھ دینے ہوں گے ورنہ ایک بھی جواب غلط ہوا تو وہ انسان وہیں پر آگ کی لپیٹ میں آ جائے گا اور یہ سارے کام صرف بھگوان داس ہی کر سکتا ہے اور اب جاؤ جلدی ورنہ بہت دیر ہو جائے گی۔'' اس کے ساتھ ہی پنڈت جی کی آتما نے ان کے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا، ایسا لگتا تھا کہ پنڈت جی صرف ہمیں بتانے کے لئے ابھی تک زندہ تھے اور ہمارا انتظار کر رہے تھے۔

میں اور پارول جلدی وہاں سے نکلے اور شیطانی حویلی کا رخ کیا۔

جب ہم وہاں سے نکلے تو میں نے پارول سے کہا کہ ٹائم کیا ہوا کیونکہ رات اپنی کالی چادر چار سو پھیلا رہی تھی، سارا دن کیسے گزرا پتہ ہی نہیں چلا تو پارول نے کہا کہ ''رات کے 9 بج رہے ہیں۔''

ہمیں جلد از جلد شیطانی حویلی پہنچنا تھا کیوں کہ ہمارے بچے وہاں مصیبت میں تھے اور اماوس کی رات آنے میں صرف دو دن باقی تھے۔

تقریباً رات کے 12 بجے ہماری گاڑی شیطانی حویلی کے سامنے رکی، حویلی کسی دیو ہیکل پیڑ کی طرح اپنی جگہ پر موجود تھی، ہر طرف سناٹے کا راج تھا، کسی کیڑے مکوڑے کے بولنے کی بھی آواز نہیں آ رہی تھی، اس خاموشی سے ہمیں وحشت ہونے لگی ایسی خاموشی جو کسی زبردست طوفان کے آنے سے پہلے ہوتی ہے، میں نے

پارول کا ہاتھ پکڑا اور حویلی کی طرف بڑھنے لگا۔

اب حویلی کے دروازے پر چوکیدار موجود نہیں تھا۔ شاید اسے بھی اس شیطان نے ختم کر دیا تھا، پارول بار بار بھگوان داس کو آوازیں دیئے جا رہی تھی، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، میرا بھی یہ ہی حال تھا۔

جیسے ہی ہم نے حویلی کا بڑا دروازہ کھولا تو ہمارے سامنے ایک لاش پڑی تھی، اسے دیکھتے ہی پارول کی چیخیں نکل گئیں، میں نے اپنا دل مضبوط رکھا، پھر ہم نے جیسے اس لاش کو سیدھا کیا تو ہمارا دل خون کے آنسو رو پڑا کیونکہ وہ بھگوان داس کے بچپن کا دوست وجے تھا، جگہ جگہ سے اس کے جسم کے حصے غائب تھے، بہت بری طرح سے اسے اس شیطان نے مارا تھا وجے کو ایسی حالت میں دیکھ کر ہم پر کپکپی طاری ہوگئی، پھر ہم پاگلوں کی طرح حویلی میں بھگوان داس کو ڈھونڈنے لگے جو ہمیں وہاں کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا، پھر ہم اس جگہ کو دیکھنے کے لئے آگے بڑھے جہاں شیطان کو قید کیا گیا تھا۔ شیطان اس وقت حویلی میں موجود نہیں تھا پتہ نہیں کسے اپنا شکار بنانے گیا تھا۔

ہم نے جہاں اس شیطان کو قید کیا تھا اس جگہ ایک بڑا سا تابوت موجود تھا۔ جس میں اسے قید کیا گیا تھا۔

ہم نے اس تابوت کا ڈھکنا دھڑکتے دل کے ساتھ اٹھایا تو اندر دیکھ کر ہماری چیخیں نکل گئیں کیونکہ اندر بھگوان داس بے ہوشی کی حالت میں پڑا تھا ہم نے اسے باہر نکالا اور پھر ہوش میں لائے۔

بھگوان داس بہت ڈرا ہوا تھا۔ پارول نے اس سے پوچھا کہ وہ ہمیں بتا کر کیوں نہیں آیا کہ ہم لوگ اس حویلی میں جا رہے ہیں۔

تو بھگوان داس نے بتایا کہ اسے خود نہیں پتا تھا کہ اس کے دوست یہاں آ رہے ہیں، اسے تو آدھے راستے میں بتایا تو اس وقت میں کرتا بھی کیا پھر میں نے اس سے باقی دوستوں کا پوچھا اور وجے کا بھی بتایا تو بھگوان داس نے کہا۔ ''اس بدصورت بلا نے سب کو مار دیا ہے۔ وہ مجھے بھی مارنا چاہتا تھا لیکن پتہ نہیں کیوں جب وہ میرے پاس آتا تو اسے ایسے جیسے کرنٹ لگتا اور دور جا کر گرتا اور پھر بھیانک چیخیں مارنے لگ جاتا۔ اپنے دوستوں کی موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو میں غم سے بے ہوش ہوگیا، اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں کہ مجھے تابوت میں کس نے بند کیا۔'' پھر میں نے پوچھا کہ اس شیطان کو آزاد کس نے کیا تو بھگوان داس نے بتایا کہ پریا نے اسے آزاد کیا جب ہم لوگ ادھر آئے تو سب سے پہلے ہم نے حویلی کو دیکھا حویلی گھومنے کے بعد جب ہال میں آئے تو سب تھکے ہوئے تھے۔ یہاں صوفے پر سب بیٹھ گئے۔

تو اچانک پریا کی نظر اس تابوت پر پڑی جو مضبوط زنجیروں سے بندھا ہوا تھا تو اس نے اسے کھولنے کے لئے کہا تو سب وہاں اکٹھے ہوگئے اور تابوت کو کھولنے کی چاہ کرنے لگے، میں نے انہیں سمجھایا کہ اسے نہ کھولو، پتہ نہیں کیا چیز ہو اس میں جو ہمارے لئے نقصان کا باعث بنے۔''

''تو وہ سب میرا مذاق اُڑانے لگے اور بولے بھگوان داس ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا جیسے تم سوچ رہے ہو۔'' خیر میرے منع کرنے کے باوجود انہوں نے تالا توڑ دیا اور پھر جیسے ہی تالا ٹوٹا تو ہر طرف اندھیرا چھا گیا بجلی زور زور سے کڑکنے لگی اور بادل زور زور سے دھوم مچانے لگے، جیسے بہت کچھ غلط ہوگیا ہو۔

تبھی زنجیریں اپنے آپ تابوت سے ہٹنے لگیں اور پھر تابوت کا ڈھکن اوپر کو اٹھا تو اچانک ایک خوفناک بلا تابوت سے باہر نکلی اس نے باہر نکلتے ہی پریا پر چھلانگ لگائی اور پھر ایک ایک کر کے سب کو مار ڈالا اور ان کا خون میرے سامنے پی گیا۔''

بھگوان داس کی ساری داستان سننے کے بعد ہم نے اسے پنڈت جی کا کہا ہوا سب کچھ بتایا تو وہ شیطان کو نیست و نابود کرنے کے لئے راضی ہوگیا اور پھر بولا۔ میں اپنے دوستوں کے خون کا بدلہ اس بلا سے ضرور لوں گا۔''

اور پھر ہم میاں بیوی نے وہیں سے بھگوان داس کو کالے پہاڑوں کی طرف روانہ کردیا۔

بھگوان داس جب ہم سے رخصت ہوا تو اس وقت صبح ہونے کو تھی، بس آج کا دن تھا، اسے کالے پہاڑوں تک پہنچنے کے لئے اور پھر وہاں جا کر وہ ہتھیار یعنی کلہاڑی حاصل کرنی تھی جس سے اس شیطان کو ختم کیا جاسکتا تھا۔

پنڈت جی نے کہا تھا کہ 2 دن بعد وہ رات آنے والی ہے اور کل وہ رات آرہی تھی۔ قیامت کی رات اور آج اور کل کا دن بھگوان داس کو اپنا امتحان دینے میں پورا کرنا تھا۔

کالے پہاڑوں پر پہنچتے پہنچتے اسے شام کے 5 بج گئے، بھگوان داس نے بتایا تھا کہ وہ جنگل جس کے پار وہ پہاڑ موجود تھے بالکل کالا تھا، کالے پہاڑوں میں دن کے وقت بھی اندھیرا تھا۔ بھگوان داس کو ایک وقت تو لگا کہ وہ وہاں سے بھاگ جائے لیکن پھر شیطان کا خیال آتے ہی وہ آگے بڑھا اور پہاڑوں کا رخ کیا ان پہاڑوں میں ایک بڑا غار موجود تھا اور بھگوان داس اس غار میں داخل ہوگیا وہ صرف غار نہیں بلکہ اس میں تو ایک اور جنگل آباد تھا جیسے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جانے کا راستہ دروازہ ہوتا بالکل ویسے اس غار کے پار بھی جنگل تھا لیکن وہ جنگل کالا نہیں تھا ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی طلسمی دنیا ہو ہر درخت پر اس کے رنگ کے پرندے بیٹھے تھے جو کہ بھگوان داس کو دیکھ کر آپس میں باتیں کررہے تھے۔ بھگوان داس ان درختوں کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا، درختوں پر بے شمار قسم قسم کے پھل لگے پڑے تھے، ان پھلوں کو دیکھ کر اس کا دل للچایا اور اس نے پھل توڑنے کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا کہ اتنے میں غیبی آواز سنائی دی، خبردار پھلوں کو ہاتھ نہ لگانا ورنہ جل کر خاک ہوجاؤ گے۔''

اور پھر بھگوان داس پھل توڑنے سے محتاط ہوگیا، اس کے بعد کوئی آواز نہ آئی، اور پھر وہ کالا کنواں تلاش کرنے لگا۔

وقت تیزی سے گزرتا جارہا تھا، ٹائم دیکھا تو رات کے 10 بج رہے تھے اور تھک کر ایک جگہ بھگوان داس ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تو وہ جگہ اسے ٹھنڈی ٹھنڈی محسوس ہوئی جہاں اس نے ٹیک لگائی تھی، اس خیال کے آتے ہی اس کی آنکھیں چمک گئیں تو وہ جلدی سے اٹھا تو یہ کنواں ہی تھا جس کے ساتھ اس نے ٹیک لگائی تھی اس نے کنوئیں کو چاروں طرف سے دیکھا وہ بھی بالکل سیاہ تھا اس نے کنوئیں کے بائیں سائیڈ پر کھدائی شروع کردی لیکن وہاں دور دور تک کوئی چیز نظر آنے کے چانس نہیں تھے آخر وہ دو گھنٹے کی محنت کے بعد اسے ایک چمکتی ہوئی کلہاڑی نظر آگئی تو اس نے جلدی سے کلہاڑی اٹھالی اور کنوئیں سے پانی لینے کے لئے کنوئیں کو ہاتھ لگاتا وہاں پر ایک خوفناک آسیب سامنے آگیا اور آتے ہی بھگوان داس سے بولا تم تب تک کنوئیں کا پانی حاصل نہیں کرسکتے جب تک میرے دو سوالوں کے جواب ٹھیک ٹھیک نہ دو گے اور اگر ایک بھی جواب غلط ہوا تو تم اسی وقت آگ کی لپیٹ میں ہوجاؤ گے۔''

بھگوان داس نے اس سے کہا۔ ''پوچھو سوال میں اس کا جواب دوں گا۔''

''ہاں تو پھر تیار ہوجاؤ میرے پہلے سوال کے لئے۔'' آسیب نے کہا۔ ''تاکہ اس سے میں تمہاری عقلمندی کا اندازہ لگاؤں گا۔''

''ہاں ٹھیک ہے پوچھو اپنا پہلا سوال۔'' آسیب بولا۔

''میرا پہلا سوال ہے کہ وہ کون سے تین کانٹے ہیں جو انسان اپنے پاس رکھتا ہے لیکن وہ اسے چبھتے نہیں..... بوجھو میرا پہلا سوال تو جانوں۔'' یہ کہہ کر کالا آسیب مسلسل قہقہے لگانے لگ گیا اور بھگوان داس سوچنے لگا کہ ایسے کون سے کانٹے ہیں جو انسان پاس رکھتا ہے اور وہ اسے چبھتے نہیں۔'' یہ سوچتے سوچتے بھگوان داس نے جیسے اپنے ہاتھ کو سر پر پھیرنے کے لئے اٹھایا تو اس کا دھیان اپنی گھڑی پر گیا جو اس نے کلائی میں باندھ رکھی تھی گھڑی کے تین کانٹے دیکھ کر بھگوان خوشی سے جھوم اٹھا۔ ''یہ ہی تو تین کانٹے ہیں جو

Pakistanipoint

انسان اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہ اسے چبھتے نہیں۔'' اس نے آسیب سے کہا۔ ''میں نے جواب سوچ لیا ہے اور وہ کانٹے جو انسان اپنے ساتھ رکھتا اور وہ اسے نقصان نہیں پہنچاتے وہ ہیں گھڑی کے کانٹے جسے ہم اپنی کلائی پر باندھتے ہیں۔''

''واہ کیا بات ہے تمہارا جواب بالکل درست ہے۔'' آسیب نے کہا۔

''اب اپنا اگلا سوال جلدی سے پوچھو۔'' بھگوان داس نے سوال کیا۔

''ٹھیک ہے سنو میرا دوسرا سوال اب پتہ چلے گا کہ تم کتنے ذہین ہو۔'' آسیب نے کہا۔

''پرتھوی کا سب سے سخت پتھر کون سا ہے؟''

یہ سن کر بھگوان داس سوچ میں پڑ گیا، اس کی آنکھیں بند ہوگئیں کہ فوراً اس کے ہونٹوں پر مسکان ابھری اور بولا۔ ''پرتھوی کا سب سے سخت پتھر ہیرا ہے۔''

اور یہ سنتے ہی آسیب اپنا سر ہلانے لگا پھر بولا۔ تمہارا جواب بالکل صحیح ہے تم بہت ذہین ہو۔

''بالکل درست جواب دیا تم نے اب یہ پانی تم لے سکتے ہو۔''

تو بھگوان داس نے جلدی سے کلہاڑی کو پانی سے دھویا اور جلدی سے واپسی کی راہ لی۔

واپسی پر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا وہاں پر پہلے جیسا کچھ بھی نہیں تھا۔ بھگوان داس نے سوچا۔ ''شاید میں راستہ بھول تو نہیں گیا۔ خیر بھگوان داس اپنی راہ پر چلتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور پھر صبح کے 9 بجے وہ غار سے باہر کالے جنگل اور پہاڑوں کے بیچ آ گیا جنگل اور پہاڑوں کو اس نے پار کرلیا اور جب جنگل سے نکلا تو شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ پھر اس نے سوچا کہ میں شیطان کی تلاش میں نکل جاؤں اور وقت پر اسے تلاش کر کے لوگوں کو اس شیطان سے بچا سکوں اور اپنے دوستوں کا بدلہ لے سکوں۔

پھر بھگوان داس سب سے پہلے شیطانی حویلی گیا اور شیطان کو ہر جگہ ڈھونڈا، پر وہ شیطان حویلی میں نہیں ملا، تو وہ حویلی سے باہر نکل آیا، بھگوان داس کو پتہ نہ تھا کہ اب وہ شیطان کہاں ہوگا۔

ٹائم تیزی سے گزرتا جا رہا تھا اس نے گھڑی میں دیکھا تو 9 بج رہے تھے یعنی کہ 3 گھنٹے باقی تھے اماوس کی رات ہونے میں اور اسے ان 3 گھنٹوں میں اس شیطان کو ڈھونڈ کر مارنا تھا۔ وہ حویلی سے نکل کر راستے پر چلتا جا رہا تھا ہر طرف ہو کا عالم تھا گہری خاموشی ہر طرف چھائی ہوئی تھی بس اس کے ذہن میں صرف یہ خیال تھا کہ کاش وہ شیطان مجھے مل جائے۔

تبھی بھگوان داس کو اپنے پیچھے سے آواز آئی۔

''رک جاؤ بھگوان داس۔'' تو اس نے مڑ کر دیکھا کہ اس کے سامنے ایک سادھو کھڑا تھا، بھگوان داس اس سے کچھ پوچھتا کہ وہ سادھو پہلے ہی بول پڑا۔ ''بیٹا وہ شیطان تمہیں اس حویلی میں ملے گا اس حویلی کے آخری کمرے میں الماری کے پیچھے ایک دروازہ ہے اس الماری کو پلٹا کر وہ دروازہ کھولنا تو ایک راستہ سامنے آئے گا اس پر چلتے جانا آگے ایک غار ہوگا، بس تمہیں اس شیطان کا ایک بڑا بت نظر آئے گا اس بت کے پاس وہ شیطان بھی مل جائے گا اماوس کا شیطان لیکن اسے مارنے سے پہلے تمہیں اس بت کو اس کلہاڑی سے توڑنا ہے اس کے بعد اس شیطان پر وار کرنا لیکن وہ شیطان تب ہی مرے گا جب اس کی تیسری آنکھ پر اس کلہاڑی سے وار ہو، ورنہ اس کا اثر ختم ہو جائے گا، اس کی تیسری آنکھ جو اس کے ماتھے پر موجود ہے اس کی طاقت اسی میں ہے اب جاؤ وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے ایسا نہ ہو کہ بنا چاند کے یہ رات چلی جائے اور پھر پتہ نہیں کب آئے گی اور تب تک یہ شیطان لوگوں کو ختم کر دے گا اب جاؤ۔''

اور بھگوان داس جلدی سے وہاں سے دوڑتا ہوا واپس حویلی میں آیا اور پھر حویلی کے آخری کمرے میں جا کر اس الماری کو پلٹایا تو سچ میں پیچھے ایک دروازہ تھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا، ایک راہداری تھی جہاں پر سبز رنگ کی ہلکی ہلکی روشنی تھی، خیر بھگوان داس اس روشنی میں آگے بڑھتا گیا اور پھر وہ راہداری سیڑھیوں پر

جا کر ختم ہوگئی تقریباً 30 سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ ایک کمرے میں موجود تھا، اس کمرے سے خون اور گوشت کی بدبو کی وجہ سے اس کی طبیعت خراب ہونے لگی لیکن وہ ہمت کر کے آگے بڑھا تو وہاں پر شیطان کا ایک بہت بڑا اور بھیانک بت نظر آیا، تو بھگوان داس نے سب سے پہلے بڑے بت کو توڑنے کا فیصلہ کیا۔ موقع غنیمت جانتے ہوئے جیسے ہی وہ اس بت کی طرف بڑھا تو اس کمرے کی چھت پر ایک سوراخ تھا اتنا کہ جس سے چاند کی روشنی کمرے میں آسکے۔

بھگوان داس نے ایک ہی وار میں اس بت کی گردن اس کے تن سے الگ کردی، اور پھر اس ٹوٹی ہوئی گردن کو اس شیطان کے آنے سے پہلے چھپا دیا اور بت کو بھی، اتنے میں راہداری سے آواز آئی اور بھگوان داس کو لگا کہ کوئی آرہا ہے۔

بہرحال وہ شیطان کسی لڑکے کو لئے ہوئے اس کمرے میں داخل ہوا، بت کی طرف اس کا دھیان نہ گیا اور اپنے کام میں مصروف ہوگیا، اسے بھگوان داس کی موجودگی کا بھی احساس نہ ہوا۔

خیر اب بھگوان داس نے اس لڑکے کو اس شیطان سے بچانا تھا تو اس نے ٹائم دیکھا تو بارہ بجنے میں پانچ منٹ رہ گئے تھے یعنی اب جو بھی کرنا تھا جلدی کرنا تھا۔

شیطان نے لڑکے کو فرش پر رکھا اور آلتی پالتی مار کر اس لڑکے کے سامنے بیٹھ گیا اس لڑکے کو اس نے بڑے بت کے سامنے لٹایا ہوا تھا اور پھر وہ اس سوراخ کی طرف دیکھ کر پریشان نگاہوں سے نیچے دیکھنے لگا کیونکہ اسے یہ رات ڈھلنے کا انتظار تھا۔ پھر وہ کچھ پڑھنے لگا، اب آخری تین منٹ باقی تھے۔

بھگوان داس نے جیسے ہی اسے عمل میں مصروف پایا تو اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے کھڑا ہوگیا، وہ شیطان اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے تھا اور پھر بھگوان داس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور تیز کلہاڑی شیطان کی آنکھ پر زور سے ماردی، کلہاڑی کے لگتے ہی وہ شیطان اٹھ کر پورے کمرے میں چکرا لگانے لگا اور چیخنے چلانے لگا۔

اور پھر اسے آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے کمرے میں اس کی راکھ موجود تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد بھگوان داس نے وہ راکھ اٹھائی، ایک ڈبے میں ڈالی اور ساتھ ہی وہ کلہاڑی اور لڑکے کو اپنے کندھے پر اٹھایا اور کمرے سے باہر دوڑ لگادی۔

بھگوان داس کے وہاں سے نکلتے ہی وہ سارے بت ایک دھماکے کے ساتھ فرش پر گر کر ٹوٹ گئے اور آہستہ آہستہ حویلی مسمار ہوگئی، پھر وہ لڑکے کو ہوش میں لایا اور پھر دونوں جلدی جلدی وہاں سے باہر آگئے، اسی درمیان پوری حویلی ٹوٹ کر کھنڈر بن گئی۔

بھگوان داس نے اس لڑکے کو ساتھ لیا اور پھر بھگوان داس نے آبنور کے جنگل میں ہی ایک گڑھا کھود کر وہ دونوں چیزیں اس میں ڈال دیں اور زمین برابر کردی۔

بھگوان داس نے لڑکے کو گھر چھوڑا اور خود بھی اپنے گھر پہنچا، تھکن سے وہ چور چور تھا۔ اس کی حالت دگرگوں تھی۔

اس کی ماں پاروتی نے جلدی سے پانی گرم کیا تو وہ واش روم میں گھس گیا، نہا کر وہاں سے باہر نکلا تو اپنے اندر فرحت محسوس کررہا تھا۔

جب اسے کچھ سکون ملا تو اس نے ماتا پتا سے اس واقعے کے متعلق پوچھا۔

تو اس کے پتا نے بتایا۔ ''بیٹا دراصل وہ شیطان نما راکھشش تھا جو کہ ہم لوگوں کے پیچھے پڑ گیا تھا اور ساتھ ہی دیگر لوگوں کو بھی جان سے مار کر ان کا خون پی جاتا تھا۔ تو پنڈت جی نے اس کا حل یہی بتایا کہ اس کا خاتمہ تمہارے ہاتھوں ہوگا۔ خیر اس کا خاتمہ ہوگیا۔

دوسرا جنم

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

بیوی چونک کر پیچھے مڑی سفید کفن میں لپٹا ہوا اس کا شوہر اس کے سامنے کھڑا تھا اس کے سفید دانت اندھیرے میں چمک رہے تھے اس نے اپنی بیوی سے کہا تو.....

ایک غیر معمولی حیرت ناک کہانی جس نے خوف اور دہشت کے سائے میں جنم لیا

نیند سے بیدار ہوتے ہی جیک کو سب سے پہلے اپنے جسم میں درد کا احساس ہوا۔ ہوا اتنی بوجھل تھی کہ اسے سانس لینے میں بڑی دشواری محسوس ہو رہی تھی کمرے میں ہر طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

اس نے جماہی لے کر بستر پر اپنے دونوں پیر پھیلا دیئے شاید کمرے کی کھڑکیاں بند تھیں۔ اس لئے اسے گھٹن کا احساس ہو رہا تھا اب اسے صرف اپنی بیوی کو آواز دینا تھی تاکہ وہ کمرے کی کھڑکیاں کھول کر کمرے میں تازہ ہوا اور روشنی کو آنے دے۔ اس نے کئی مرتبہ لوسی کو کھڑکیاں بند رکھنے سے منع کیا تھا لیکن لوسی ہمیشہ اس کی ہدایت بھول جایا کرتی تھی۔

''لُوسی لُوسی۔'' اس نے اپنی بیوی کو پکارا۔

اسے یوں لگا جیسے اس کی آواز ایک دم سپاٹ اور دبی ہوئی ہے۔

اور اسے خود اپنی ہی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے۔

''لوسی میں تمہیں کتنی دیر سے آواز دے رہا ہوں۔'' اس نے غصے سے چیخ کر کہا۔

لوسی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

کمرے میں پھیلی ہوئی گھٹن کا احساس اور زیادہ شدت اختیار کرتا جارہا تھا۔ ٹھیک ہے۔ اس نے سوچا۔ اگر اس وقت گھر میں کوئی نہیں ہے تو وہ خود ہی بستر سے اٹھ کر کھڑکیاں کھولے گا۔ اس نے اپنی دائیں کہنی کا سہارا لیا اور پھر بستر سے اٹھنا چاہا لیکن اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے بستر پر نہیں ہے۔

دہشت کی ایک لہر اس کی رگوں میں اترتی چلی گئی۔ وہ جہاں لیٹا ہوا تھا وہ جگہ اتنی تنگ تھی کہ وہ اٹھ کر بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کے سر سے صرف چند انچ کے فاصلے پر ساٹن کی ایک چادر تھی۔ وہ چاروں طرف سے ساٹن میں لپٹا ہوا تھا۔

لمحہ بہ لمحہ ہوا پہلے سے زیادہ بوجھل ہوتی جارہی تھی۔ اسے سانس لینے میں زیادہ دشواری محسوس ہونے لگی۔ وہ حرکت بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اور اسی لمحے اسے خیال آیا کہ شاید وہ کسی تابوت میں لیٹا ہوا ہے۔ اور تابوت کا ظاہر ہے صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے۔

دہشت نے اسے بے حال کرکے رکھ دیا۔

''خداوندا! کیا اتنی بڑی غلطی بھی ممکن ہے؟ انہوں نے مجھے مردہ سمجھ کر دفن کردیا۔ حالانکہ میں زندہ ہوں۔''

جیک اس بھیانک صورتحال پر بڑے سکون کے ساتھ سوچنے لگا۔ وہ دہشت زدہ نہیں ہونا چاہتا تھا۔ وہ ایک سمجھ دار آدمی تھا اسے معلوم تھا کہ ایسے موقعوں پر دہشت کا مطلب یقینی موت ہوتا ہے۔ اسے اپنے اعصاب کو ہر حالت میں پرسکون رکھنا تھا۔ خوفزدہ ہونے سے وہ ایک یقینی انجام سے بچ نہیں سکتا تھا۔ اس نے یکسو ہوکر موجودہ صورت حال کا تجزیہ کیا۔

سب سے پہلی بات یہ تھی کہ وہ ایک کفن میں لپٹا ہوا تھا اور کفن میں ہوا کی گنجائش نہیں ہوتی جیک ایک تندرست آدمی تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ سانس لینے کے لئے اسے زیادہ ہوا کی ضرورت تھی۔ اور کفن میں تیزی سے ہوا ختم ہوتی جارہی تھی۔ لہٰذا اسے اب وقفے وقفے سے سانس لینا چاہئے۔

ہوسکتا ہے ابھی تک لوگوں نے اسے دفن نہ کیا ہو۔ اس کا تابوت آخری رسومات کے لئے کہیں زمین پر ہی رکھا ہوا ہو۔ انہوں نے تابوت کا ڈھکنا تو بند کردیا تھا لیکن ابھی تک اس بات کا امکان موجود تھا کہ اسے قبرستان میں دفن نہیں کیا گیا ہوگا۔ اگر یہی بات ہے تو پھر اسے ایک کوشش کرلینی چاہئے۔

اس نے اپنے بکھرے ہوئے حواس جمع کئے اور زوردار چیخ مار کر کسی معجزے کا انتظار کرنے لگا لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔

پھر جیک نے سوچا کہ اس طرح چیخنے سے آکسیجن کی مقدار اور گھٹتی جائے گی۔ ہوسکتا ہے کہ لوگوں تک تابوت کے بھاری ڈھکنے کی وجہ سے اس کی آواز نہ جاسکتی ہو۔ یا پھر یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے تابوت کو دفن کرنے کے بعد لوگ دعائیہ کلمات ادا کرکے اپنے اپنے گھروں کو واپس جاچکے ہوں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ زمین کی سطح سے تقریباً پانچ فٹ نیچے دفن ہے۔ دنیا کا طاقتور ترین انسان بھی تابوت کے ڈھکنے سمیت پانچ فٹ اونچی زمین کو پھاڑ کر باہر نہیں نکل سکتا۔ اندھیرے میں لیٹے ہوئے جیک نے اس امکان پر غور کرنا ترک کردیا۔ سیکڑوں پونڈ وزنی مٹی کو ہٹانا ایک ناممکن عمل تھا۔ اس کوشش میں ہوا کا رہا سہا ذخیرہ بھی ختم ہوجاتا اور بالآخر موت اسے آن گھیرتی۔

''نہیں، مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہئے۔''

وہ صرف اس امکان پر سوچنا چاہتا تھا کہ اسے ابھی دفن نہیں کیا گیا ہے اور اس کا تابوت ابھی تک زمین ہی پر رکھا ہے۔ بس یہی خیال اسے زندگی دے سکتا تھا ورنہ دوسری صورت میں جدوجہد کرنے سے بہتر یہی تھا کہ وہ خاموشی سے اپنی موت کا انتظار کرتا رہے۔

لیکن اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟

اس نے اس سے پہلے بھی زندہ دفن ہونے کے کئی واقعات سن رکھے تھے۔ ان میں سے زیادہ صرف کہانیاں ہوتی تھیں وقت گزارنے کا ذریعہ۔ آتش دان کے سامنے بیٹھ کر دوستوں کو حیران کردینے والی داستانیں لیکن یہ واقعہ جھوٹ نہیں تھا۔ یہ خود اس کے

ساتھ گزر رہا تھا۔ اس کے ساتھ جس کا نام جیمس جیک ہے اور جس کی عمر بیالیس سال ہے اور جو کئی کمپنیوں کا ڈائریکٹر ہے اور اب وہی جیک ایک ایسے تنگ تابوت میں لیٹا ہوا تھا جس میں حرکت بھی نہیں کی جاسکتی۔ زندگی کی شمع کسی بھی لمحے بجھ سکتی تھی۔

یہ سب کچھ ایک ڈراؤنے خواب کی طرح تھا۔

اس نے بہت دیر بعد ایک گہری سانس لی اور ہاتھ اٹھا کر کفن کو ٹٹولا پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی پوری قوت سے تابوت کے ڈھکنے کو اوپر اٹھانے کی کوشش کی تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد اس کی کلائیاں دکھنے لگیں لیکن ڈھکنا بدستور اپنی جگہ مضبوطی سے جما رہا، مایوس ہو کر اس نے اپنے ہاتھوں کو نیچے گرالیا۔

پھر اس نے محسوس کیا کہ اس کا سارا جسم پسینے سے بھیگا ہوا ہے کفن کا کپڑا اس کے جسم سے چپکنے لگا تھا اسے اندازہ نہیں تھا کہ اب ہوا کتنی دیر تک اس کا ساتھ دے سکتی ہے، شاید ایک گھنٹہ، دس منٹ یا شاید ایک دن کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ آخر لوگوں نے اسے مردہ کیوں سمجھ لیا تھا؟

اس نے دوبارہ جدوجہد کرنے سے پہلے اپنے اعصاب کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا اور اپنا دھیان بٹانے کے لئے اس نے اپنی گزشتہ زندگی کے متعلق سوچنا شروع کردیا خاص کر ان تین برسوں کے متعلق جب اس نے لوسی سے شادی کی تھی۔ جیک شادی کے وقت چالیس برس کا ہو چکا تھا جبکہ لوسی صرف بائیس برس کی تھی۔

جوانی میں اس کے پاس شادی کرنے کی فرصت ہی نہیں تھی کاروبار نے اسے اتنی مہلت ہی نہیں دی تھی کہ وہ شادی کے بارے میں سوچ بھی سکتا۔ اس نے جوانی میں یہ تہیہ کرلیا تھا کہ وہ اتنی دولت حاصل کرلے گا کہ اس کا بڑھاپا آرام سے گزر جائے اس کے لئے اس نے بڑی محنت کی تھی۔ کئی قسم کے بزنس کے تھے اور آخر کار اپنا مقصد حاصل کرلیا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر کفن میں لپٹے ہوئے جیک ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اس نے اتنی جدوجہد آخر کیوں کی تھی؟ کس کے لئے؟ بیالیس برس کی عمر میں اسے زندہ تابوت میں بند کردیا گیا تھا اور اب زندگی دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ آہستہ آہستہ جسم کا ساتھ چھوڑتی جارہی تھی۔ اب وہ دولت اس کے کس کام کی؟ اب یہی ہوسکتا تھا کہ اچانک کوئی معجزہ ہو اور وہ باہر نکل آئے، ایک بار پھر وہ اپنی جمع کی ہوئی دولت سے خوشیاں حاصل کرسکتا تھا۔ ابھی وہ زیادہ بوڑھا بھی تو نہیں ہوا تھا اور باہر جا کر اسے لوسی سے اپنا حساب بھی تو صاف کرنا تھا۔

لوسی کے خیال نے اس کے خوف کو پھر زندہ کردیا۔

لوسی سے اس کی ملاقات ایک ساحلی تفریح گاہ پر ہوئی تھی۔ جہاں وہ چھٹیاں گزارنے کے لئے گیا ہوا تھا۔ لوسی وہاں اپنے والدین کے ساتھ آئی ہوئی تھی وہیں دونوں ایک دوسرے سے ملے اور گہرے دوست بن گئے۔ پھر دو ہفتے ختم ہونے سے پہلے ہی جیک نے اس سے شادی کی درخواست کردی لوسی نے اس کی یہ درخواست قبول کرلی۔

پھر ایک ماہ کے بعد ان دونوں کی شادی ہوئی، شادی کی تقریب بہت سادہ لیکن باوقار تھی۔ اس تقریب میں جیک کے تمام کاروباری دوستوں نے شرکت کی تھی۔ شادی کے بعد وہ دونوں ہنی مون کے لئے جنوبی امریکہ چلے گئے تھے۔ لوسی نے جیک کی بے پناہ مصروفیات پر کبھی اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنے شوہر کی اہمیت اور اس کی دولت دیکھ کر بہت خوش ہوا کرتی تھی۔

شادی کے ابتدائی مہینے اس کی زندگی کے لئے خوشیوں کی سوغات لے کر آئے تھے۔ لوسی کو اپنے شاندار گھر میں ادھر سے ادھر آتے جاتے ہوئے دیکھتے رہنا جیک کے لئے خوشگوار تجربے کی حیثیت رکھتا تھا۔

''مجھے یہاں سے فوراً نکلنا چاہئے۔'' لوسی کا خیال آتے ہی جیک کے ذہن نے سرگوشیاں شروع کردیں۔ لوسی ایک طویل قامت بھرے بھرے بدن کی حسین عورت تھی۔ اس کی چال ایسی تھی جیسے وہ زمین پر چلنے کے بجائے پانی پر تیر رہی ہو۔ اتنی خوبصورت اتنی دل آویز اور اتنی بھرپور عورت کے بغیر زیادہ دیر نہیں رہا جاسکتا تھا۔ اس سے ملنا بہت ضروری تھا۔

Paksociety.com

اس نے ایک گہری سانس لی اور اس کے دونوں پھیپھڑوں میں درد کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ ابھی بہت وقت ہے اس نے اپنے آپ کو سمجھایا۔ بس یہ کرنا ہے کہ تابوت کے ڈھکنے کو تھوڑی قوت سے اوپر اٹھا دیا جائے لیکن ایک تابوت کے ڈھکنے کا وزن زیادہ سے زیادہ کتنا ہوسکتا ہے؟

''سینکڑوں پونڈ۔'' اس کے ذہن نے خود ہی اس سوال کا جواب دیا۔ قبر میں دفن تابوت کے ڈھکنے کا وزن سینکڑوں پونڈ ہی ہوتا ہے۔

''نہیں! نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا۔'' جیک نے خود کو جھنجھلاتے ہوئے اپنا سر دائیں طرف کی دیوار سے دے مارا۔ ''ایسا نہیں ہوسکتا مجھے ابھی دفن نہیں کیا گیا ہے میں اب بھی باہر جاسکتا ہوں۔''

وہ کولہے کے بل تھوڑا سا اٹھا۔ دونوں شانے تابوت کے ڈھکنے سے ملائے ایک گہری سانس لی اور پوری قوت صرف کردی۔ ایک سیکنڈ، دو سیکنڈ، پانچ سات سیکنڈ پورا بدن درد سے بھر گیا دونوں ہاتھ بوجھل ہوگئے، پھیپھڑے پھٹنے لگے اور شانے زخموں کی طرح دکھنے لگے۔ ڈھکنے میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔

وہ بے حال ہوکر دوبارہ لیٹ گیا۔ اب ہوا پہلے سے کہیں گاڑھی ہوگئی تھی۔ آکسیجن دھیرے دھیرے ختم ہوتی جارہی تھی۔ ہوا میں کاربن کی مقدار بڑھنے لگی تھی۔ اچانک وہ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگا۔ ہنستا رہا۔ بغیر یہ سوچے ہوئے کہ ہنسنے سے ہوا اور زیادہ تیزی سے ختم ہوجائے گی۔

اسے اپنے ہوش وحواس کا آخری دن یاد آیا۔ وہ دن جب اس نے لوسی کو مارشل کی بانہوں میں دیکھ لیا تھا۔

مارشل اس کی زندگی میں شادی کے ایک سال بعد داخل ہوا تھا۔

ایک رات لوسی نے اس سے کہا۔ ''رات کے کھانے پر میرا ایک مہمان آرہا ہے۔''

''اوہ کیا میں اسے جانتا ہوں۔'' جیک نے پوچھا تھا۔

''نہیں تم اسے نہیں جانتے ہنری مارشل میرے بچپن کا دوست ہے۔ ایک عرصے سے میں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ کل ملاقات ہوئی تو میں نے اسے کھانے کی دعوت دے دی۔''

جیک خوش دلی سے مسکرا دیا۔ وہ ہر قیمت پر لوسی کو خوش دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ لوسی کو کبھی اس بات کا احساس ہو کہ اس نے اپنی عمر کے دگنے شخص سے شادی کی ہے۔

مارشل ٹھیک چھ بجے ان کے گھر آگیا تھا۔ وہ پچیس سال کا ایک خوش شکل اور چاق و چوبند نوجوان تھا۔ پہلی ہی نظر میں جیک نے اسے پسند نہیں کیا۔ مارشل ایک عام سا نوجوان تھا۔ جیک کے لئے وہ شام بہت ناخوشگوار ثابت ہوئی لوسی اور مارشل گھنٹوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ اپنے اپنے بچپن کی باتیں جس میں جیک کے لئے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان دوستوں کی باتیں جنہیں جیک نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مارشل اس رات گیارہ بجے تک لوسی سے باتیں کرتا رہا پھر اس کے جانے کے بعد جیک نے لوسی میں ایک عجیب سی تبدیلی محسوس کی لوسی کے چہرے پر اتنی سرشاری اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

مارشل اب ہر دوسرے تیسرے دن جیک کے گھر آجاتا تھا۔ پھر وہ دونوں، جیک کو تقریباً نظر انداز کردیتے اور اپنی دنیا میں مگن ہوجاتے۔ وہ جب بھی آتا تو لوسی اس کی خاطر داری میں بچھ بچھ جاتی۔ جیک نے ابھی تک لوسی سے مارشل کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ لوسی کی خوشیوں کو تباہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے کبھی مارشل کی آمد پر کوئی اعتراض نہیں کیا لیکن مارشل کی آخری آمد نے اس کے سکون کو برباد کردیا تھا۔ اب تابوت میں لیٹے ہوئے اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ مارشل کو آخری بار آئے کتنے دن ہوئے تھے؟ کچھ دن؟ یا شاید کئی برس؟ مارشل کی اس آمد نے اسے زندگی سے اسی دن بہت دور کردیا تھا۔

وہ جمعہ کی شام تھی جب مارشل حسب معمول رات کے کھانے کے لئے پہنچا جیک کے سارے

ملازمین اسے بہت اچھی طرح پہچاننے لگے تھے اسی لئے اسے جنوبی سرے کا وہی کمرہ دے دیا گیا جہاں وہ اکثر ٹھہرا کرتا تھا۔ جیک اس رات زیادہ دیر تک ان کا ساتھ نہیں دے سکا۔ وہ سونے کی غرض سے اپنے کمرے میں آ گیا۔ لیکن بستر پر لیٹ کر بھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس کا ذہن بہت سی باتوں میں الجھا ہوا تھا۔ کچھ باتیں اس نے کاروبار کی تھیں جسے وہ جلد ہی شروع کرنے والا تھا اور کچھ مارشل اور لوسی کی تھیں لوسی کا خیال آتے ہی وہ اپنے بستر سے اٹھ بیٹھا۔ کوٹ پہنا اور اپنے کمرے سے نکل کر لوسی کی خواب گاہ کی طرف چل دیا۔

اس وقت رات کے تین بج رہے تھے اور پورا مکان خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ لوسی کی خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ اس نے دھیرے سے دروازہ کھولا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اگر لوسی ہو گی تو وہ اسے تنگ نہیں کرے گا اور اگر وہ جاگ رہی ہو گی تو وہ اسے اپنے بازوؤں میں بھر لے گا۔

لوسی جاگ رہی تھی اور اس کی دہشت زدہ آنکھیں جیک کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ لیکن وہ اپنے بستر پر تنہا نہیں تھی۔ مارشل بھی اس کے ساتھ تھا اور اس کے بازو لوسی کا حلقہ کئے ہوئے تھے۔

شدید رنج اور اذیت کی کیفیت نے جیک کو نڈھال کر دیا۔ وہ دونوں اب بستر پر بیٹھے اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ دونوں میں سے کوئی بھی جیک سے خوفزدہ نہیں تھا۔

”لوسی تم! میں نہیں جانتا تھا کہ“ وہ اٹکتے اٹکتے بولا۔

”اب تو تم جان ہی گئے ہو۔“ مارشل نے کہا۔

”یہ بات نئی نہیں بہت پرانی ہے۔ ویسے اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟“

جیک کا سارا بدن غصے سے کانپنے لگا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

”جلد یا بدیر تمہیں یہ بات معلوم ہو ہی جاتی جیک۔“ لوسی بھی بول پڑی۔ ”مارشل اور میں ایک دوسرے سے بچپن ہی سے محبت کرتے آئے ہیں لیکن

ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

دل کی بیماریاں

قیمت-/100 روپے

اس کتاب میں، دل کی دھڑکن، خون کے دباؤ کی زیادتی، شریانوں کی سختی وہائی بلڈ پریشر، غذائی 5 تبدیلیاں جو آپ کی زندگی بدل دیں گی، دل کی جڑیں دماغ میں ہیں، بچپن کی تلخیاں اور ہارٹ اٹیک، مرض دل کا سن کر اوسان خطا نہ کریں، دل کا دورہ زندگی بچائیے، خواتین میں ہارٹ اٹیک کی علامات، غصے سے بچیں دل کے دورے سے بچیں، بچوں میں دل کی بیماریاں، بائی پاس سرجری اور فرائیڈ چکن، ایمرجنسی تدابیر، صحت مند دل کے لئے دس قیمتی مشورے، امراض قلب کا نباتاتی علاج، پیدل چلنے کے فوائد، دل کی دھڑکن بڑھنے کا غذا سے علاج، دل کی جلن کا غذا سے علاج، دل کے غلاف کی سوجن، ورم غلاف القلب پیری کارڈائیس، دل کی سوجن، ورم قلب، دل کی عضلہ کی سوجن کارڈائیس۔ اور بہت سی دل کی بیماریوں کے بارے میں جانئے اور ان کا علاج گھر بیٹھے کیجئے۔

حکیم غلام مصطفیٰ

دعا بک کارنر نشی محلہ گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

ہم دونوں اس وقت شادی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ پھر مارشل نے دو تین برس مزید انتظار کرنے کا وعدہ کرلیا۔ ہماری شادی کے کچھ عرصے کے بعد تمہارے فیملی ڈاکٹر نے تمہارے متعلق مجھ سے ایک ایسی بات کہی جو تمہیں نہیں بتائی جاسکتی تھی۔''

جیک نے اپنا ایک ہاتھ دھڑکتے ہوئے دل پر رکھ لیا۔ لوسی نے پھر کہا۔ ''ڈاکٹر رابسن نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ جیک دل کا مریض ہے۔ کوئی بھی صدمہ اس کے لئے موت کا باعث ہوسکتا ہے۔ لیکن وہ یہ بات نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ تمہاری زندگی کے دن بہت تھوڑے ہیں۔ اسی لئے تمہیں یہ بات بتا کر وقت سے پہلے ہی مارنا اچھا نہیں ہوگا۔ لیکن میں اور مارشل تو یہ بات جانتے تھے۔ اب تمہاری دولت ہمارے کام آئے گی جیک۔ ہم دونوں جوان ہیں اور اسی دن کے لئے ہم نے برسوں خواب دیکھے ہیں۔''

جیک لڑکھڑاتے قدموں سے ان کی طرف بڑھا پھر اس کے پاؤں جیسے پتھر کے ہوگئے۔

''نہیں لوسی، ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ سب کچھ خواب ہے جھوٹ ہے۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

''یہ جھوٹ نہیں ہے۔'' لوسی زور سے چلائی۔ ''یہ سچ ہے۔ سچ ہے تم مر کیوں نہیں جاتے، بڈھے کھوسٹ تم مر کیوں نہیں جاتے؟ مر جاؤ۔ تم مر جاؤ۔''

پھر اسی وقت درد کی ایک تیز لہر جیک کے سینے میں اٹھی اور وہ آہستہ آہستہ قالین پر گرتا چلا گیا تھا۔ گرتے وقت اس کے کانوں میں لوسی کی تیز آواز گونج رہی تھی۔

''بڈھے کھوسٹ، تم مر کیوں نہیں جاتے؟ مر جاؤ تم مر جاؤ۔''

تو اس طرح وہ واقعہ ہوا تھا جیک کے ذہن میں اب ہر بات تازہ ہوگئی تھی۔ اب وہ سب کچھ سمجھ چکا تھا۔ وہ ہارٹ اٹیک سے بے ہوش ہوکر قالین پر گر پڑا تھا۔ اور اسے بے حس و حرکت دیکھ کر ڈاکٹر نے اس کی موت کی تصدیق کردی تھی اور اس طرح مارشل اور لوسی کا خواب اپنی خوشگوار تعبیر کو پہنچ گیا تھا۔

سوال یہ تھا کہ آخر ڈاکٹر نے اسے مردہ کس طرح سمجھ لیا تھا؟ کیا ڈاکٹر کا سارا تجربہ، ساری دوائیں سارے آلات جیک کے سلسلے میں ناکام ہوگئے تھے؟ لیکن یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ لوسی نے اپنی اداؤں میں جیک کی چھوڑی ہوئی دولت کے سہارے ڈاکٹر کو بھی خرید لیا ہو۔ جب بیوی ہی بے وفا ہوجائے تو پھر کس پر اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ لوسی کی بیوفائی کے تصور نے اس کے جسم میں دوبارہ ایک تناؤ پیدا کردیا غصے کی شدت سے اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں اسے ہر قیمت پر لوسی اور مارشل سے بے وفائی کا انتقام لینا تھا وہ اس گھٹے ہوئے تاریک تابوت میں بند رہ کر کسی چوہے کی موت نہیں مرنا چاہتا تھا۔

اس لفظ نے اسے مزید دہشت زدہ کردیا اس نے بے شمار ایسی کہانیاں سن رکھی تھیں جن میں قبرستان کے چوہے تابوت میں داخل ہوکر اپنے چھوٹے چھوٹے نوکیلے دانتوں سے مردوں کو ادھیڑ دیا کرتے تھے اس نے سنا تھا کہ چوہے سب سے پہلے تابوت میں بند انسان کی آنکھیں کھا جاتے ہیں۔ اس نے گھبرا کر اپنی پلکیں مضبوطی سے بند کرلیں۔ چوہوں کو کیا معلوم کہ تابوت میں بند جیک مردہ نہیں بلکہ زندہ ہے؟ انہیں تو اپنی غذا چاہیے اور انسان کے گوشت سے بہتر غذا اور کیا مل سکتی ہے؟

نہیں وہ خونخوار چوہوں کے رحم و کرم پر نہیں رہ سکتا؟ اسے ہر حال میں اس تابوت سے باہر نکلنا ہے بس تھوڑی سی محنت اور کرنی ہے اس کے بعد تابوت کھل جائے گا اور وہ دوبارہ باہر کی تازہ ہوا میں سانس لے سکے گا۔ اس نے پھر ایک گہری سانس لی اور اس مرتبہ اسے احساس ہوا کہ اب ہوا اس قابل نہیں رہی کہ وہ مزید گہری سانسیں لے سکے جو کچھ بھی کرنا ہو جلد کرلینا چاہئے۔ ورنہ پھر موت تو یقینی ہے۔

اس نے پہلے کی طرح ایک بار پھر اپنے دونوں شانوں کو تابوت کی اوپری سطح سے گھمایا۔ سانس روکی۔ دانتوں کو مضبوطی سے جمایا اور پوری قوت صرف کردی۔ پورے بدن پر رعشہ طاری ہوگیا۔ کمر کی ہڈی دوہری ہوگئی تھی لیکن تابوت میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی پھر کچھ ہوا۔ آواز شاید تابوت کے باہر سے آئی تھی کسی چیز

کے دھیرے دھیرے ٹوٹنے کی آواز جیسے دروازے کی کنڈی کھل رہی ہو۔ یہ اس کی جدوجہد کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ باہر سے تابوت کھول رہا تھا۔

پھر ایک جھٹکے سے تابوت کھل گیا۔

باہر کی تازہ اور خوشگوار ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی، اس کی یہ آنکھیں لیمپ کی روشنی سے چکا چوند ہوگئی تھیں۔ لیمپ ایک ایسے آدمی کے ہاتھ میں تھا جو گرجا کا ملازم دکھائی دے رہا تھا۔ جیک کو زندہ دیکھ کر اس آدمی کے چہرے پر خوف جم کر رہ گیا تھا پھر اس کے ہاتھ سے لیمپ بھی چھوٹ گیا اور وہ ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لیمپ گرتے ہی بجھ گیا تھا اور اب کمرے میں دوبارہ تاریکی چھا گئی تھی۔

جیک جست لگا کر تابوت سے باہر نکل آیا۔ اندھیرے میں اس کا سفید کفن چمک رہا تھا۔ اس نے نیچے جھک کر اس آدمی کو ٹٹولا۔ اس کی سانسیں چل رہی تھیں۔ جیک اس آدمی کے قریب ہی فرش پر بیٹھ گیا چند لمحوں بعد جب اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اس نے چاروں طرف دیکھا۔ وہ شاید ابھی تک گرجا گھر ہی کے کسی کمرے میں بند تھا۔ اس کمرے میں اس تابوت کے علاوہ چار اور تابوت بھی رکھے ہوئے تھے۔ اس کے تابوت کو ابھی تک دفن نہیں کیا گیا تھا۔

جیک دوبارہ روشنی اور ہوا کی دنیا میں واپس آ گیا تھا۔ زندگی کی مسرتیں اب دوبارہ اس کے قبضے میں آنے والی تھیں۔ وہ مارشل اور لوسی سے بے وفائی کا انتقام لے سکتا تھا۔ تابوت میں گزارتے ہوئے لمحے اسے ایک بھیانک خواب کی طرح دکھائی دے رہے تھے، اس نے بھیانک خواب سے چھٹکارا پالیا تھا۔

بے ہوش پڑتے ہوئے آدمی کے ایک ہاتھ میں دعاؤں کی ایک کتاب تھی شاید وہ یہ کتاب جیک کے تابوت میں رکھنے کے لئے آیا تھا جیک نے اسے گھسیٹ کر ایک تابوت کے پیچھے ڈال دیا۔ اب اس کے دکھائی دینے کا امکان بہت کم تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا جیک نے جھانک کر باہر دیکھا۔ یہ کمرہ ایک طویل راہداری کے بالکل آخر میں تھا۔ راہداری سنسان نظر آ رہی تھی۔ اسے بہت احتیاط سے باہر نکلنا تھا۔ ورنہ دیکھ لئے جانے کی صورت میں نہ صرف اس کا سارا کام خراب ہوجاتا بلکہ اسے کفن میں لپٹے ہوئے دیکھ کر لوگ چیخیں مارتے ہوئے بے ہوش ہوجاتے قسمت اس کا ساتھ دے رہی تھی وہ گرجا گھر سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔

اب اس کا اپنا شہر اس کے سامنے تھا۔ اسی شہر میں اس نے اپنی زندگی کے بیالیس برس گزارے تھے۔ تازہ اور خوشگوار ہوا اس کی اپنی تھی۔ آسمان پر چمکتا ہوا چاند صرف اسی کے لئے طلوع ہوا تھا۔ اور شہر کی سڑکیں اسے پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت اور دلکش نظر آ رہی تھیں۔ موت کے سفر سے واپسی کے بعد سب کچھ کتنا حسین نظر آنے لگتا ہے اس خوشگوار تجربے نے جیک کے سینے میں مسرتوں کی لہر دوڑا دی تھی۔

وہ درختوں اور عمارتوں کے سائے مین چھپتا چھپاتا اپنے مکان کی طرف بڑھتا رہا۔ مکان میں اندھیرا تھا۔ لیکن یہ اس کا اپنا مکان تھا اس مکان کے سارے راستے اس کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ وہ بڑی آسانی سے مکان کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ دروازہ بند تھا۔ لیکن ایک کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ جس کے ذریعے وہ اپنے مکان کے ہال میں آ گیا ہال پہلے ہی کی طرح سجا ہوا تھا، قیمتی قالین، آرام دہ صوفے یہ سب کچھ اس کے اپنے تھے۔ اس نے بڑی محنت سے اپنی دنیا آباد کی تھی اور ابھی وہ اتنا بوڑھا ہو کر نہیں ہوا تھا کہ ان چیزوں سے خوشیاں حاصل نہ کر پاتا۔

لوسی شاید اپنے کمرے میں ہی تھی کمرے کا دروازہ بھڑا ہوا تھا اور اندر سے روشنی کی ایک لکیر سی باہر آ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کے پاس آ کر کھڑا ہوگیا۔

پھر شاید وقت اپنے آپ کو دہرانے لگا تھا۔ اس مرتبہ اسے لوسی کے کمرے میں جا کر مارشل کو دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ مارشل اور لوسی کی آوازیں کمرے سے باہر آ رہی تھیں وہ اور لوسی ایک دوسرے سے اپنی آئندہ

زندگی کی باتیں کررہے تھے۔ وہ زندگی جو انہیں جیک کی دولت کے سہارے گزارتی تھی۔ جیک کا جی چاہا کہ وہ بے دریغ کمرے میں گھس جائے اور ان دونوں کا گلا گھونٹ دے۔ پھر لوسی کی آواز آئی جو مارشل سے بیئر کی بوتل لانے کے لئے کہہ رہی تھی۔ جیک تیزی سے دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا اور دبے قدموں چلتا ہوا گیلری میں رکھے ہوئے ایک بڑے سے گلدان کے پیچھے جا کر کھڑا ہوگیا۔

دروازہ کھلا اور مارشل جھومتا ہوا باہر نکلا۔ وہ شاید باورچی خانے کی طرف جارہا تھا۔ مارشل کے جسم پر لباس ناکافی تھا۔ مارشل کو اس حال میں دیکھ کر جیک نے ایک بار پھر اپنے پورے جسم میں تناؤ سا محسوس کیا، گلدان باورچی خانے کے راستے میں ہی تھا۔ جیک کو اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کرنا پڑا، جونہی مارشل اپنی دھن میں مگن اس کے برابر سے گزرا تو وہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کے سامنے آ کر کھڑا ہوگیا۔ مارشل اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا پھر اس نے ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ اپنے دل پر ہاتھ رکھا اور کچھ دیر تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے جیک کو دیکھنے کے بعد گلدان سے ٹکراتا ہوا ایک طرف الٹ گیا۔

جیک کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ دوڑ گئی اور وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے ہال میں آ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ جب کوئی شخص اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر جھومتا ہوا فرش پر گر پڑے تو اسے مردہ سمجھ لیا جاتا ہے جس طرح خود اسے مردہ سمجھ لیا گیا تھا۔

گلدان کے گرنے کی آواز نے لوسی کو چونکا دیا۔ وہ بوکھلائی ہوئی اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ اس کے قدموں کی آواز نیچے کھڑے ہوئے جیک تک آ رہی تھی۔ لیکن کچھ دیر کے بعد اس نے چیخ کے بجائے لوسی کے سسکنے کی آوازیں سنیں۔ وہ دھیرے دھیرے رو رہی تھی۔ مارشل کی موت نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔

جیک چند سیڑھیاں اوپر چڑھا۔ لوسی مارشل کی لاش کے پاس اکڑوں بیٹھی ہوئی رو رہی تھی۔

''کمینی۔'' جیک نے نفرت سے سوچا۔ اس عورت نے میری موت پر خوشیاں منائی ہوں گی، لیکن اپنے عاشق کے لیے رو رہی ہے۔''

پھر لوسی آہستہ آہستہ کھڑی ہوئی اور کونے میں رکھے ہوئے فون کی طرف بڑھ گی۔ شاید وہ بدنامی کے خوف سے راتوں رات مارشل کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوجانا چاہتی تھی۔ جب جیک نے اسے فون پر گرجا گھر کے کسی منتظم سے باتیں کرتے ہوئے سنا تو خاموشی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا۔

مارشل کے تابوت کو لوسی کی ہدایت پر براہ راست قبرستان لے جایا گیا تھا جنازے میں بہت کم لوگ شامل تھے۔ ہوا اب بہت سرد اور تیز ہوگئی تھی اور لیمپ کی زرد روشنی تابوت کے اردگرد کھڑے ہوئے لوگ بھوتوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ لوسی تابوت سے کچھ فاصلے پر سیاہ ماتمی لباس میں ملبوس ہولے ہولے رو رہی تھی۔

پادری تابوت کے پاس کھڑا ہوا دعائیہ کلمات ادا کررہا تھا۔

لوسی نے روتے روتے رومال سے اپنے آنسوؤں کو پونچھا اور اسی وقت اندھیرے میں کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ لوسی چونک کر پیچھے مڑی سفید کفن میں لپٹا ہوا جیک اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے سفید دانت اندھیرے میں چمک رہے تھے۔ اس نے لوسی کے شانے کو دباتے ہوئے کہا۔

''لوسی مجھے افسوس ہے کہ تمہارا دوست مارشل بھی دل کے دورے سے چل بسا۔ یہ دل کا دورہ بہت بری چیز ہے۔ میں بھی اسی میں مرگیا تھا، چلو آؤ میرے ساتھ، ابھی میں اتنا بوڑھا نہیں ہوا ہوں کہ تمہیں خوشیاں نہ دے سکوں۔ میں تمہیں ایسی خوشی دوں گا جو تمہیں زندگی بھر یاد رہے گی؟

پادری مارشل کے تابوت کے پاس کھڑا ہو کر دعائیں پڑھتا رہا اور لوسی نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سینے کو اس طرح پکڑ لیا جیسے وہ اپنے دل کی دھڑکن کو بند ہونے سے بچانا چاہتی ہو۔

Pakistanipoint

شوالا کا انجام

مونا شہزاد۔ کیلگری کینیڈا

لڑکے کی گردن پر کاٹے کا نشان تھا، تمام ڈاکٹر اس نشان کو غور سے دیکھ رہے تھے، وہ سب حیرت میں تھے کہ حیرت انگیز طور پر یہ کسی جانور یا انسان کے کاٹے ہوئے نشانات نہیں ہیں تو پھر.....

قدم قدم پر جسم و جاں اور رگ و پے میں خوف کی لہر دوڑاتی لرزا دینے والی.....کہانی

شہریار کی آنکھ کھلی، اسے عجب سا احساس ہوا کمرے میں غیر معمولی ٹھنڈک تھی۔ سردی کا موسم شروع ہو چکا تھا مگر میر پور میں سردی کو ہمیشہ نعمت ہی سمجھا جاتا تھا اور اسے بھرپور انجوائے کیا جاتا تھا۔ اس نے آنکھیں جھپکیں، کچھ تو تھا جو وہ محسوس کر سکتا تھا مگر بیان کرنے سے قاصر تھا۔ اس نے آہستگی کروٹ بدلی اور وہ ایک لمحے کے لئے ششدر سا رہ گیا۔ اس کے کمرے کی کھڑکی چوپٹ کھلی تھی اسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ کھڑکی بند کر کے چٹخنی چڑھا کر سویا تھا۔ کھڑکی کے باہر کوئی شخص کھڑا تھا۔ ملگجے اندھیرے میں اس سائے کا کوئی نقش واضح نہیں تھا۔ بس اس کی آنکھیں اندھیرے میں بھی بلی کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ ان آنکھوں میں کیا کچھ نہیں تھا ایک عجب سی سفاکی۔ ایک عجب سا پیغام۔ اس کے تمام

رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

اسے پچھلے چند دنوں میں ہونے والی تمام پراسرار عبرت ناک اموات یاد آگئیں۔ اس نے تکیے کے نیچے سے ریوالور نکالا اور درشت آواز میں بولا:

''کون ہے؟ کون ہے وہاں؟

اپنی شناخت کرواؤ ورنہ میں بھون کر رکھ دوں گا۔''

سایہ تیزی سے کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گیا۔

شہریار نے بستر سے چھلانگ لگائی اور پھرتی سے دروازہ کھول دیا۔ خلاف توقع باہر کا سکون قائم تھا۔ چاند آسمان پر چمک رہا تھا۔ ہلکی ہلکی فرحت بخش ہوا چل رہی تھی۔ ہوا میں پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ اسے ایک لمحے کے لئے اپنی حسیات پر شک ہوا کہ شاید جو اس نے ایک لحظہ پہلے دیکھا تھا وہ کوئی خواب تھا۔ وہ بے خیالی میں آگے بڑھا اور درخت کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ بوڑھے پیپل کے اوپر شاید کچھ چمگادڑ لٹک رہے تھے۔ وہ اس کی بے ساختہ حرکت سے بیقرار ہوکر یک لخت اڑے۔

شہریار نے بے اختیار سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ اسے اپنی بصارت پر شک سا ہوا۔ ایک چمگادڑ جو انسانی جثے کے برابر تھا درخت سے الٹا لٹک رہا تھا۔ آناً فاناً اس نے اپنی پوزیشن بدلی اب چمگادڑ کا منہ اس کے چہرے کے لیول پر تھا۔ چمگادڑ کی گہری نیلی آنکھیں بلی کی طرح چمک رہی تھیں۔ یہ وہی سفاک نیلی آنکھیں تھیں جو اس نے کچھ دیر پہلے دیکھی تھیں۔ اچانک چمگادڑ نے اس کے ہونٹوں پر کاٹا اور اڑ گیا۔ اس کے حلق سے فلک شگاف چیخ نکل پڑی۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ شہریار کو دفاع کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ وہ خطرہ دیکھ کر سن سا رہ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا مگر وہ اپنے بچاؤ میں کچھ نہیں کر پایا تھا۔ مین گیٹ پر تعینات سنتری اس کی چیخ سن کر بھاگے بھاگے آئے۔ انہوں نے پریشانی سے پوچھا:

''صاحب! کیا ہوا؟''

شہریار کو اپنی بزدلی پر شرمندگی سی محسوس ہوئی۔ اس نے سر جھٹک کر کہا:

''کچھ نہیں! تم لوگ اپنی ڈیوٹی پر واپس جاؤ۔ مجھے کسی جانور نے کاٹ لیا ہے۔''

شہریار نے قد آدم چمگادڑ کا ذکر جان کر نہیں کیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ماتحت اسے بزدل یا پاگل سمجھیں اور پیٹھ پیچھے اس کا مذاق اڑائیں۔ وہ تیزی سے اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔ اس نے دروازہ سختی سے بند کیا اور اپنی سانسیں ہموار کرنے لگا۔ کمرے کی کھڑکی ابھی بھی کھلی تھی۔ اس نے فوراً اسے بھی بند کر کے چٹخنی لگائی۔ اس نے اپنا سانس بحال کیا اور پھر باتھ روم میں جا کر دیکھا۔ اسے حیرت سے جھٹکا لگا اس کا ہونٹ بالکل بھی زخمی نہیں تھا۔ اس نے ایک بے یقینی کے عالم میں اپنے ہونٹوں پر ہاتھ پھیرا۔ مگر کہیں بھی کسی زخم کا کوئی نشان تک نہیں تھا۔ اسے اپنی دماغی حالت پر شک ہونے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کیں تو اس کے تصور میں وہ سفاک نیلی چمکتی آنکھیں آ گئیں۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں۔ اس کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

شیشے میں اس کے عکس کے بجائے قد آدم چمگادڑ کا عکس نظر آ رہا تھا۔ اس کی نیلی دہکتی ہوئی آنکھیں اسے شیشے سے اپنے آر پار دیکھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ خوف سے ایک قدم پیچھے ہٹا۔ اس نے دوبارہ دیکھا شیشے میں اس کا اپنا عکس نظر آ رہا تھا۔ اس کا جسم پسینے سے شرابور ہو چکا تھا۔ اسے اپنی ٹانگوں اور ہاتھوں میں ناطاقتی سی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کانپتے وجود کے ساتھ غسل خانے کے ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گیا۔ اس نے دیکھا اس کے ہاتھ پاؤں بری طرح کانپ رہے تھے۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے پچھلے ماہ کے مناظر گھوم گئے۔

پچھلے ماہ ہی تو اس نے یہ نوکری جوائن کی تھی۔ جب اس کی تقرری بطور ڈپٹی کمشنر میرپور خاص میں ہوئی تھی تو وہ خوشی سے پھولے نا سمایا تھا۔ آزاد کشمیر اور اس کی خوبصورتی نے ہمیشہ اسے سحر زدہ کئے رکھا تھا۔ اب

پہلی جاب پر اس کی تعیناتی بھی اسی جنت نظیر علاقے میں ہوئی تھی۔ وہ طویل سفر کے بعد جیسے ہی میر پور پہنچا تھا وہاں کے عملے نے اس کا پرتپاک طریقے سے استقبال کیا تھا۔ اس کے ٹھہرنے کا انتظام سرکاری گیسٹ ہاؤس میں کیا گیا تھا۔ انگریز دور کا بنا ہوا یہ گیسٹ ہاؤس سرخ اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔ ایک بہت وسیع وعریض رقبے پر تھا۔ ایک قطار میں رہائشی کمرے بنے ہوئے تھے۔ نشست گاہ، باورچی خانہ، ڈائننگ ہال، پیانو روم ہٹ کر ایک طرف بنے ہوئے تھے۔ گیسٹ ہاس کے چاروں طرف پھیلا خوبصورت باغ تھا۔ اس باغ میں ایک چھوٹا سا تالاب بھی شامل تھا۔ جس پر راج ہنس اور بطخوں کے جوڑے تیر رہے ہوتے تھے۔ تالاب میں اُگے ہوئے گلابی اور سفید کنول کے پھول ایک عجب منظر پیش کررہے تھے۔

شہریار کو گیسٹ ہاؤس بہت پسند آیا۔ گیسٹ ہاؤس میں موجود پرانے وکٹورین فرنیچر نے اس کا دل موہ لیا تھا۔ ہر باتھ روم میں لکڑی سے جلنے والا گیزر بھی موجود تھا۔ ہر بیڈروم میں آتش دان بھی موجود تھا۔ باغ میں ایک طرف صندل اور چنار کی لکڑی کے ڈھیر پڑے تھے۔ غالباً موسم سرما میں انہیں جلا کر کمرے گرم رکھے جاتے تھے۔

گیسٹ ہاؤس کے ملازمین بھی بہت ملنسار اور خدمت گزار تھے۔ اس کو بہت عرصے کے بعد یہاں کھانا کھا کر لطف آیا تھا۔

وہ اگلے روز جب آفس پہنچا تو وہاں بھی بہت گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا گیا۔ سب کچھ بہت اچھا جارہا تھا۔

اچانک ایک روز ایک لاش دریافت ہوئی۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اس کے آگے رکھی گئی تو وہ چکرا سا گیا۔ ڈاکٹر کے مطابق مقتول کے جسم میں خون کا ایک قطرہ تک موجود نہیں تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس شخص کا سارا خون جسم سے نکال لیا گیا تھا اور اسی خون کی کمی کے باعث وہ مر گیا تھا۔ ابھی اس قتل کا معمہ حل نہیں ہوا تھا کہ ایک اور قتل ہوگیا۔ عجب بات یہ تھی کہ دونوں قتل کی وارداتوں میں ایک جیسی مماثلت تھی۔ اس کے بعد اوپر نیچے تین قتل کی وارداتیں مزید ہوگئے۔ ہر قتل کی تفصیلات ایک سی تھی۔ ہر مقتول کے جسم میں سے خون غائب تھا۔ کسی بھی جسم پر کوئی زخم کا نشان تک نا تھا۔

پوسٹ مارٹم کرنے والا ڈاکٹر اور عملہ بھی عاجز تھا کہ کس طرح ان جوان مردوں کا خون چرایا گیا تھا۔ لاشوں پر کوئی سوئی کا نشان تک نا تھا۔ شہریار کی کوشش تھی کہ یہ خبر عوام تک نا پھیل پائے۔ مگر اس کی کوشش کامیاب نہیں ہوسکی۔ کوئی سرپھرا رپورٹر خبر چرانے میں کامیاب ہوگیا۔ ٹی وی اور اخبارات میں خون چور سنڈیکیٹ کا ذکر کیا گیا جو جوان اور صحت مند مردوں کا خون چرا کر بیرون ملک بیچ رہے تھے۔ اس خبر اور نیوز بلیٹن کے ساتھ ہی شہر میں خوف و ہراس کی فضا قائم ہوگئی۔ لوگوں نے سرشام نکلنا بند کردیا۔ مگر ہلاکتوں کا سلسلہ پھر بھی نہ رکا۔ کوئی نہ کوئی قسمت کا مارا اس سنڈیکیٹ کے ہتھے چڑھ ہی جاتا تھا اور پھر صرف اس کی خون سے محروم باڈی ملتی تھی۔

شہریار مقامی پولیس سے مل کر ہر ممکن کوشش کررہا تھا کہ ان ہلاکتوں کا ذمہ دار سنڈیکیٹ جلد از جلد بے نقاب ہوجائے تاکہ شہریوں کا اعتماد انتظامیہ پر دوبارہ سے قائم ہوجائے۔ ڈپٹی کمشنر ہونے کے باعث وہ اپنے آپ کو شہر کے امن وامان کا ذمہ دار تصور کررہا تھا۔

اچانک اسے سردی کا احساس ہوا اور اس کے خیالات کی رو کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ ابھی تک ننگے پاؤں ٹھنڈے فرش پر بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی ہمت کو مجتمع کیا اور کمرے میں واپس آ گیا۔ وہ بستر پر کانپتے ہوئے دراز ہوگیا۔ اس کا جسم شدید کپکپاہٹ کا شکار تھا۔ اسے لگا جیسے اسے تیز بخار چڑھ چکا ہے۔ اسے سارے رات خوفناک اور الٹے سیدھے خواب نظر آتے رہے۔ کبھی اسے خون سے محروم لاشوں کے ڈھیر نظر آتے۔ کبھی بیوہ عورتوں کے بین اس کے کانوں میں سوراخ کرتے۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو نماز فجر کب کی

قضا ہو چکی تھی۔ اس نے کسل مندی سے لیٹے لیٹے سوچا:

''آج مجھے چھٹی کر لینی چاہیئے۔ رات بھر طبیعت بیزار رہی۔ شاید بخار کا اثر تھا۔''

مگر پھر اس کی فطری فرض شناسی آڑے آ گئی۔ اس نے اٹھ کر گرم پانی سے غسل کیا۔ قضا نماز فجر پڑھی اور ناشتہ کر کے دفتر کے لئے روانہ ہو گیا۔ وہ دفتر پہنچا ہی تھا کہ اس کے پی اے نے بتایا کہ مشہور اخبار The journalist کے رپورٹر اس کا خاص انٹرویو کرنے آئے ہوئے ہیں۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ وہ اس کا انٹرویو کرنے نہیں بلکہ شہر میں ہونے والے قتل کی وارداتوں کا سراغ لینے اس کے پاس آئے تھے۔ اس نے کچھ سوچا اور پھر پی اے کو انہیں بھیجنے کے لئے کہا۔

دروازے پر ہونے والی دستک پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کا سانس رک سا گیا۔ اخبار کا رپورٹر ایک عورت تھی۔ اس کا حسن بہت ہی سوگوار سا تھا۔ اس کے چہرے پر سب سے زیادہ نمایاں اس کی نیلی چمکتی آنکھیں تھیں۔ ان آنکھوں میں ایک عجب سفاکی اور بے رحمی سی تھی۔ اسے بے اختیار ہی وہ قد آدم چمگادڑ اور اس کی نیلی سفاک آنکھیں یاد آ گئیں۔ اسے اس رپورٹر کی آنکھیں بہت آشنا سی لگیں۔ وہ غیر ارادی طور پر کھڑا ہو گیا۔ وہ عورت بہت اعتماد سے چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا کر بولی:

"HI, I am violet from The journalist, It's pleasure to meet you. "

شہریار نے نا چاہتے ہوئے بھی اس سے مصافحہ کیا۔ اس نے جیسے ہی اس کا ہاتھ پکڑا تو اسے ایسے محسوس ہوا جیسے اس نے کسی برف کی سل کو پکڑ لیا تھا۔ اسے وائیلٹ کی نیلی آنکھیں اس کی روح کے دریچوں میں جھانکتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس نے جھرجھری سی لی اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وائیلٹ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئی۔ ان دونوں کے بیچ ایک دم سے خاموشی سی چھا گئی۔ شہریار نے اسے کہا:

let me finish!Miss violet this file just give me five minutes "

اس نازنین نے مسکرا کر سر ہلایا اور پرس سے نوٹ بک نکال کر کچھ لکھنے لگی۔ شہریار نے اپنی توجہ فائل کی طرف مبذول کر لی مگر وہ کن انکھیوں سے وائیلٹ کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ وائیلٹ کا رنگ بہت سپید تھا اس کی رنگت کسی بھی شخص کو سنگ مرمر کی یاد دلا سکتی تھی۔ وہ سرو قد تھی، اس کے بال اخروٹی رنگ کے تھے۔ اس کا جسم بہت ہی متناسب تھا۔ اس وقت وہ کالے رنگ کے لانگ سکرٹ اور سرخ بلاوز میں ملبوس تھی۔ اچانک وائیلٹ نے نظر اٹھائی۔ شہریار اپنی چوری پکڑے جانے پر خفیف سا ہو گیا۔ اس نے فائل بند کی اور بولا:

''جی مس! پوچھیے کیا پوچھنا ہے؟''

وائیلیٹ نے ایک ادائے دلبرانہ سے مسکرا کر کہا:

''ڈپٹی کمشنر صاحب! آپ کے ہوتے ہوئے شہر بھر کا سکون برباد۔۔۔

ذرا خون چوسنڈ یکیٹ اور اس کے شکار لوگوں کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں اور آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟''

شہریار نے محتاط الفاظ میں اسے جواب دیا اور گھڑی دیکھ کر بولا:

''سوری! مس وائیلیٹ مجھے اب میٹنگ پر جانا ہے۔''

وائیلیٹ بھی پراسرار انداز میں مسکرائی اور بولی:

''اب تو ہمارا آمنا سامنا ہوتا ہی رہے گا۔ ہم بھی پریس والے ہیں۔ ہم سے پیچھا نہیں چھڑا سکیں گے۔''

☆.....☆.....☆

شہریار ہنگامی طور پر اسپتال پہنچا۔ ابھی ابھی ایک جوان لڑکے کی لاش ایمبولینس والے لے کر آئے تھے۔ مگر اسپتال پہنچ کر معائنہ کرنے پر پتا چلا کہ ابھی اس میں

Pakistanipoint

جان باقی تھی۔ لڑکے کا رنگ سفید ہوتا جارہا تھا۔ اس کی آنکھیں بے رنگ ہوتی جارہی تھیں۔ ڈاکٹر اسے خون کی بوتل چڑھاتے ہوئے اس کی جان بچانے کی بھرپور کوشش کررہے تھے۔ اس لڑکے کی حالت بہت خراب تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کسی نے اس کے جسم سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا تھا۔ پچھلے دو ہفتوں میں ہونے والے مقتولین اور اس کی حالت میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ ڈاکٹر حیران تھے کہ وہ سانس کیسے لے رہا تھا۔

ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود شہریار اپنے ماتحت کے ساتھ زبردستی اسپتال کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ اس نے دیکھا لڑکا اسے دیکھ کر اچانک شدید خوفزدہ ہوگیا۔ وہ پھٹی پھٹی آواز میں اس کی جانب اشارہ کرکے چلایا:

''تم نشان زدہ ہو۔ اس نے تم پر مہر لگا دی ہے۔ وہ جلد تمھیں بھی خون آشام بنا ڈالے گی۔ اسے اپنے بادشاہ کے طور پر تم پسند آگئے ہو۔ تم امبوسا ہو۔ تم بادشاہ خون آشام بن جاوگے۔''

شہریار نے حیرت سے لڑکے کی جانب دیکھا۔ لڑکے کی انگلی کا اشارہ اس کے چہرے کے جانب تھا۔ اس کے ہونٹ پر شدید چبھن شروع ہوگئی۔ اس کا ماتحت اس کی طرف حیرانگی سے دیکھتے ہوئے بولا:

''سر! آپ کے ہونٹ سے خون بہہ رہا ہے۔''

شہریار نے جیب سے جلدی سے رومال نکالا اور ہونٹ پر رکھ لیا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا لڑکے کے قریب آیا۔ لڑکے کی حالت بہت تیزی سے بگڑ رہی تھی۔ اس نے لڑکے کا ہاتھ پکڑا اور بولا:

''مجھے بتاؤ! تمھیں اس حال تک کس نے پہنچایا ہے؟

خدارا! مجھے زندگیاں بچانے میں مدد دو۔''

لڑکا اٹک اٹک کر بولا:

''وہ۔۔۔ وہ عورت نہیں خوبصورت چڑیل ہے، وہ شوالا ہے۔ اس کا عشوہ ناقابل مزاحمت ہے۔ اس کا نام وا۔۔ وا۔۔۔ وا۔''

ساتھ ہی لڑکے کی گردن ڈھلک گئی۔ شہریار نے اپنی ہتھیلی پر مکا مارا۔ دو گام پر منزل تھی مگر لڑکے کو مہلت نہیں مل سکی کہ وہ اس قاتل کا نام بتا پاتا۔ شہریار کی نظر اچانک لڑکے کی گردن پر پڑی۔ اس کی گردن پر تین باریک سے نشانات تھے۔ اس نے ڈاکٹرز کی توجہ ان نشانات کی طرف مبذول کروائی۔ سینئر سرجن بولا:

''یہ تو کاٹے کے نشان ہیں۔''

شہریار بے تابی سے بولا:

''ڈاکٹر صاحب! یہ کس جانور کے کاٹنے کے نشانات ہیں؟''

تمام ڈاکٹر غور سے نشانات کو دیکھ کر سر ہلاتے ہوئے بولے:

''حیرت انگیز طور پر یہ کسی جانور یا انسان کے کاٹے ہوئے نشانات نہیں ہیں۔ ان کی اصل حقیقت سے پردہ تو صرف پوسٹ مارٹم کے بعد ہی اٹھایا جاسکتا ہے۔''

شہریار نے اپنے ہونٹ سے رومال اٹھایا تو اس پر خون کا ایک بڑا سا قطرہ نظر آیا۔ وہ تیز تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کا ذہن بری طرح سے الجھ گیا تھا۔ اسے وہ رات یاد آگئی جب چمکدار نیلی آنکھوں والی چمگادڑ نے اس کے ہونٹوں پر کاٹا تھا۔ ہسپتال سے باہر نکلتے وقت اس کی ٹکر ایک نرس سے ہوگئی۔ وہ نرس زمین پر گر جاتی اگر وہ اسے سہارا نہیں دیتا۔ مگر اچانک ہی اس کی نظر اس کی گردن پر پڑی۔ اس کی گردن کی رگوں میں بہتے ہوئے خون کی رفتار اسے محسوس ہوئی اس کا دل کیا کہ وہ اس کی گردن پر دانت گاڑ کر اس کے جسم سے ایک ایک قطرہ خون کا نچوڑ لے۔ شہریار کو چکر سے آنے لگے۔

اچانک اس کے ماتحت نے اسے مخاطب کرکے کہا:

''سر! آپ ٹھیک تو ہیں۔''

شہریار نے صرف سر ہلایا اور تیزی سے اسپتال سے باہر نکل آیا۔ اس نے اپنی جیپ میں بیٹھ کر جیب اسٹارٹ کی اور خالی الذہنی کی کیفیت میں چل پڑا۔ اسے

کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کہاں جارہا تھا۔ اس کے جسم پر ایک تشنجی سی کیفیت تھی۔ اسے اپنے آپ سے خوف محسوس ہورہا تھا۔ پتا نہیں وہ کتنا وقت بے مقصد ڈرائیونگ کرتا رہا۔ شام اب سر پر آچکی تھی۔ دور سورج افق میں ڈوب رہا تھا۔

ایک موڑ کاٹتے ہی اچانک اسے سڑک کے بیچوں بیچ ایک لڑکی کھڑی نظر آئی۔ اس کی کار ایک طرف کھڑی تھی۔ شاید اس کی کار خراب ہوگئی تھی۔ اس نے بادل ناخواستہ جیپ روکی۔ وہ دم بخود سا رہ گیا وہ لڑکی کوئی اور نہیں وائیلیٹ تھی۔ وہی رپورٹر جس سے وہ مل کر بے چین سا ہوگیا تھا۔ اسنے سرخ رنگ کا گاؤن زیب تن کیا ہوا تھا۔ اس کے جوڑے، میک اپ اور جیولری سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کسی پارٹی سے واپس آرہی تھی۔ اس کا حسن اس گاؤن سے چھلکا پڑ رہا تھا۔ شہریار کو دیکھ کر وہ ایک ادائے قاتلانہ سے مسکرائی اور بولی:

''کیا آپ مجھے میرے گھر تک لفٹ دے دیں گے؟''

شہریار نے خاموشی سے سر ہلایا۔ وہ اچک کر پسنجر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس کے جسم سے مسحور کن خوشبو اٹھ رہی تھی۔ شہریار کے ضبط کا بندھن کمزور ہورہا تھا۔ اسے احساس ہورہا تھا کہ وہ بری طرح وائیلیٹ پر مرمٹ چکا تھا۔ وہ وائیلیٹ کے توبہ شکن حسن سے نگاہیں چراتے ہوئے اس کی ہدایات کے مطابق اس کے گھر آپہنچا۔ اسے یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ وائیلیٹ کا گھر سرکاری گیسٹ ہاؤس کے بالکل پیچھے واقع تھا۔ وائیلیٹ ہنس کر بولی:

''یہ چند گھر گیسٹ ہاس میں کام کرنے والے نوکروں کے لئے بنوائے گئے تھے۔ اب یہاں ہم پریس والے رہتے ہیں۔''

شہریار اس کے پیچھے پیچھے جیپ سے اتر آیا۔ وائیلیٹ بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے گئی۔ گھر کے اندر بہت اندھیرا تھا۔ بہت مدہم سے ٹیبل لیمپ جل رہے تھے۔ ایک عجب سی سیلاہٹ اور ناگوار سی بدبو کا بھی احساس تھا۔ شہریار کو ایک عجب سا احساس ہوا پھر اس نے سوچا شاید یہ گھر کافی پرانے ہیں ان کی دیکھ بھال شاید نہیں کی جاتی رہی۔ وائیلیٹ نے اسے کافی کی آفر کی۔ اس نے سر ہلا کر وہ آفر قبول کرلی۔ وائیلیٹ کچن میں کافی بنانے چلی گئی۔ شہریار ایک عجب احساس کے تحت نشست گاہ کا جائزہ لینے لگا۔

اچانک اس کے پیر کے نیچے کچھ آیا۔ اس نے اس مڑے تڑے کارڈ کو اٹھایا اور الٹ پلٹ کر دیکھا وہ ایک اسٹوڈنٹ آئی ڈی کارڈ تھا۔ اسٹوڈنٹ کی شکل دیکھ کر وہ شاکڈ رہ گیا۔ یہی وہی نوجوان تھا جس نے آج صبح اسپتال میں دم توڑا تھا۔ اس نے بے اختیار ہی اسے پھینک دیا۔ وہ ایک انجانے احساس کے تحت کچن میں گیا۔ اس نے دیکھا وائیلیٹ کافی مگوں میں انڈیل چکی تھی۔

اچانک اس نے ایک عجب حرکت کی اور ایک مگ میں تھوک دیا۔ وہ فوراً واپس نشست گاہ کی طرف پلٹ گیا۔ اس کا دل ریل گاڑی کی رفتار سے دھڑک رہا تھا۔ وائیلیٹ مسکراتی ہوئی نشست گاہ میں داخل ہوئی۔ شہریار کو اب وہ ایک خوبصورت چڑیل کی مانند لگ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کسی شیطانی پھندے میں پھنس چکا تھا۔ اس نے بظاہر مسکرا کر کافی کا کپ پکڑ لیا۔ وائیلیٹ کے چہرے پر بہت معنی خیز سی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے فوراً اپنی کافی کا گھونٹ بھرا اور اسے بولی:

''کافی پیجئے سرکار! ٹھنڈی کافی اور سگار کبھی لطف نہیں دیتے۔''

شہریار نے محسوس کیا کہ وہ شدت سے چاہتی تھی کہ وہ اس کی تھوک شدہ کافی جلد از جلد ہونٹوں سے لگا لے۔ وہ مسکراتا ہوا بظاہر صوفے پر بیٹھنے کے لئے مڑا مگر ایک جنبش سے اس نے کافی اپنے اوپر گرالی۔ وائیلیٹ ایک دم سے چلائی:

''یہ کیا کیا تم نے؟''

شہریار نے مسکرا کر جواب دیا:

''بھئی ایک تو میں جل گیا۔ بجائے میری خیریت مطلوب ہونے کے آپ کو مگ کے ٹوٹنے کی اتنی فکر ہوگئی۔ غلطی سے ہاتھ لگ گیا۔ کوئی جان کر تو نہیں

کافی گرائی۔''

وائیلیٹ نے اپنے جذبات قابو میں کئے اور درمیانی آواز میں بولی۔

''چلیں! باتھ روم میں جا کر شرٹ دھو لیجئے۔ میں دوبارہ سے کافی بناتی ہوں۔''

شہریار باتھ روم میں گیا تو ٹھٹھک سا گیا۔ سنک کے اوپر لگے شیشے پر اخبار چپکایا گیا تھا۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور گھر کے باقی کمروں میں چکر لگایا۔ ہر کمرے میں شیشوں پر چادریں ڈالی ہوئیں تھیں۔ فرش پر فضلے کے ڈھیر پڑے تھے۔ ایک طرف تہہ خانے کا دروازہ تھا وہ دبے پاؤں تہہ خانے میں اترا اور سن سا ہو گیا۔

تہہ خانے میں بے شمار قد آدم چمگادڑ الٹا لٹک رہے تھے۔ فرش پر ان کے بدبودار فضلے کا ڈھیر پڑا تھا۔ وہ الٹے پاؤں فوراً واپس اوپر آ گیا۔ ہر کمرے میں عجیب و غریب بو کا بسیرا اسی بات کی دلیل تھی کہ جا بجا چمگادڑوں کا فضلہ پڑا ہوا تھا۔ اسے یہ بو بہت جانی پہچانی سی محسوس ہوئی۔

اچانک اسے یاد آیا کہ یہ بدبو قلمی شورے سے ملتی جلتی تھی۔ اسے خیال آیا کہ قلمی شورہ قد آدم چمگادڑوں کے فضلے سے حاصل ہونے والے ایک کیمیائی مواد سے بنایا جاتا تھا۔ اسے وائیلٹ کا شوق سمجھ آ رہا تھا کہ وہ چمگادڑوں کو فضلہ کیمیکل کمپنیوں کو بیچتی ہوگی۔ کیونکہ اس کی آتش گیر خصوصیات کے باعث اسے ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری میں بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ اسے وائیلٹ اصلیت سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ ابھی بھی بے یقینی کی سرحد پر کھڑا تھا۔ وہ پھرتی سے باتھ روم میں گھس گیا۔ اس نے اپنی قمیض صاف کی اور باہر نکلا تو وائیلیٹ کافی لئے کھڑی تھی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ مگر ہمت جٹا کر اس نے کہا:

''ایک اور قتل کا کیس آیا ہے۔ مجھے فوراً جانا پڑے گا۔''

وہ بے یقینی سے بولی:

''یہ کیسے ممکن ہے میں تو ادھر ہوں۔''

پھر وہ چالاکی سے مسکرا کر بولی:

''آپ کافی تو پی لیجئے۔''

شہریار نے ہنس کر کہا:

Rain check for next time

یہ کہہ کر وہ تیزی سے گھر سے باہر نکل آیا۔ باہر کی تازہ ہوا نے اس کے حواس بحال کر دیئے۔ وہ تیزی سے اپنے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے دفتر پہنچتے ہی اپنا کمپیوٹر کھولا اور اپنے دوست ٹم کو ای میل بھیجی۔ اسے معلوم تھا کہ ٹم اسے ساری معلومات حاصل کر کے خود اس سے رابطہ کرے گا۔ وہ ابھی انھی سوچوں میں گرداں تھا کہ اس کا پی اے بھاگا آیا۔ اس کا چہرہ پیلا ہو رہا تھا۔ وہ بہت خوفزدہ لگ رہا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آواز میں بولا:

''سر! وہ لڑکے کی لاش زندہ ہو گئی۔ اس نے میرے سامنے پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر اور اس کے ماتحت کا خون پی لیا۔ آپ یقین کیجیے کہ اس نے انہیں چوس لیا اور پھر کھڑکی سے چھلانگ لگا کر وہ ایک قد آدم چمگادڑ میں تبدیل ہو گیا اور فضا میں اڑ گیا۔''

شہریار کو زیادہ تعجب نہیں ہوا۔ اس نے پی اے ظہیر کو نرمی سے کہا:

''آپ گھر جا کر آرام کیجئے۔ صبح بات کرتے ہیں اس بارے میں۔۔۔''

ظہیر ہانپتا کانپتا چلا گیا۔ شہریار نے کچھ سوچا ،اچانک اس کے فون کی بیل بجی۔ اس نے فون اٹھایا دوسری طرف ٹم تھا۔ وہ بہت خوفزدہ لگ رہا تھا۔ وہ بولا:

''قد آدم چمگادڑوں کی ایک نسل روئے زمین پر پائی جاتی ہے جو انسان کے قد کے برابر ہوتی ہے۔ یہ قسم خون آشام ہوتی ہے۔ مگر یہ صرف ایمیزون کے جنگلات میں پائی جاتی ہے۔ وہاں پر رہنے والے قبائل کا کہنا ہے کہ ہزاروں سالوں میں ایک دفعہ ان چمگادڑوں کے گھر ایسی مادہ جنم لیتی ہے جو سو سال بعد انسانی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ یہ مادہ چمگادڑ شوالا کہلاتی ہے۔ اگر اسے انسانوں کے قبیلے سے کوئی پسند آ جائے تو وہ اس کے ہونٹ پر کاٹ کر اسے مہر لگا کر امبوسا بنا دیتی

ہے۔اگر شوالا کا ملن امبوسا سے اس حالت میں ہوجائے کہ امبوسا نے شوالا کا تھوک پیا ہو تو دونوں مل کر خون آشام بن کر بستیاں کی بستیاں اجاڑ دیتے ہیں۔"

شہریار سن سا ہوگیا۔اس پر وائیلیٹ کی حقیقت واضح ہوگئی تھی۔

ٹم اس کی حالت سے بے خبر بولا:

I think It's just a!Buddy myth.

Don't worry. I don't know why you need information about Shwala."

شہریار نے خاموشی سے فون بند کردیا۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے اور شہر کے باسیوں اور خود کو ظالم شوالا سے محفوظ کرے۔

وہ دفتر سے ٹرانس کی سی کیفیت میں نکلا اور جیپ میں بیٹھ کر چل پڑا۔تھوڑی دور ہی وہ پہنچا تھا تو اس نے دیکھا وائیلیٹ اور وہ جوان سالہ مردہ لڑکا سڑک کا راستہ گھیرے کھڑے تھے۔اسے معلوم تھا کہ وہ شکاری اسی کی آمد کے منتظر تھے۔اس نے تیزی سے جیپ کو دوسری سڑک کی طرف موڑ ڈالا۔ان دونوں نے یہ دیکھتے ہی دیکھتے قد آدم چمگادڑوں کی شکل اختیار کرلی اب وہ اڑتے ہوئے اس کے تعاقب میں آرہے تھے۔

شہریار کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔اس نے بے اختیار ہی قرآن پاک کی باآواز بلند تلاوت شروع کردی۔اس کے پیچھے جھلی جیسے سیاہ پر پھیلائے منحوس صورت دو چمگادڑ آرہے تھے۔ان کی رفتار بہت تیز تھی۔

اچانک اس کو راستے میں ایک درگاہ نظر آئی۔ اس نے جیپ بے اختیار ہی درگاہ کی طرف موڑ لی۔اس کی مرحومہ ماں کہتی تھیں۔

"بیٹا! اللہ والوں کے فیض کا سلسلہ ان کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔"

وہ جیسے ہی درگاہ میں داخل ہوا اس نے دیکھا وائیلیٹ اور اس کا گرگا باہر ہی رک گئے، وہ دونوں بہت مشکل میں پڑے لگ رہے تھے۔وائیلیٹ چیخ کر بولی:

"آج چودھویں کی رات اگر عمل پورا نہ ہوا تو پھر پورے سو سال میں ایسی رات دوبارہ نہیں آئے گی۔ جاؤ اسے پکڑ اور کھینچ کر باہر لاؤ۔"

وہ مردہ چیلا جیسے دروازے سے داخل ہوا اس کے پروں کو آگ لگ گئی۔اس کی ہیبت ناک چیخوں سے درگاہ گونج اٹھی۔اس کی چیخیں سن کر درگاہ کے ملنگ باہر آگئے۔انھوں نے صورتحال بھانپ کر شہریار کو فوراً اندر بلا کر دروازے بند کردیئے۔شہریار کا دماغ سمجھ نہیں پارہا تھا کہ وہ کیسے اس سارے چکر میں شامل ہوگیا تھا۔ وہ بے یقینی سے بولا:

"یہ اکیسویں صدی ہے۔انسان مریخ پر زندگی کے آثار ڈھونڈ رہا ہے۔یہ ویمپائرز کا تصور تو محض ایک myth ہے۔ یہ سب میرا خواب ہے۔ میں ابھی جاگ جاؤں گا۔مجھے جاگنا چاہیے۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے جسم پر چٹکی کاٹی۔مگر کچھ نا ہوا۔ایک بزرگ ملنگ بولا:

"بیٹے! رحمان اور شیطان کے بندوں کی ازل سے جنگ جاری ہے۔رات کا اندھیرا ہمیشہ بدی کی طاقتوں کو آزاد کر کے انھیں طاقتور بنا دیتا ہے۔اس نامراد شوالا کو بھی امبوسا کے طور پر کسی نیک روح کو چن کر اسے بدی کا پیروکار بنانا ہے۔تم نیک والدین کی اولاد ہو۔اسی لئے یہ چڑیل تمہیں حاصل کر کے امبوسا بنانا چاہتی ہے۔"

شہریار نے بے صبری سے کہا:

"بابا! اس کا توڑ بتائیں۔اس شوالا سے میں کیسے نجات حاصل کرسکتا ہوں۔اس نے شہر بھر میں بربریت پھیلائی ہوئی ہے۔کتنے معصوم لوگوں کا خون یہ پی بیٹھی ہے۔"

بابا جی نے آنکھیں بند کر کے راکھ پر کچھ دم کیا اور اسے دے کر کہا:

"اسے جان سے مارنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔تم اسے کسی طرح اس کی رہائش گاہ پر لے جاؤ۔جہاں

اس کا پورا قبیلہ موجود ہے۔ ابھی وہ [illegible] ہوئے ہیں۔ جب تک شوالا تمھیں [illegible] بنانے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ اس کا قبیلہ نہیں جاگ سکتا۔ مگران کا فضلہ ان کے اجسام سے نکلتا رہتا ہے۔ ان کے فضلے میں کیمیائی خصوصیات موجود ہوتی ہیں یعنی کہ ان کا فضلہ جلدی آگ پکڑ لیتا ہے۔ تم کسی بھی بہانے سے یہ دم شدہ راکھ کو اس کی آنکھوں میں جھونک دینا اور اس کی رہائش گاہ کو آگ لگا دینا۔ اس شوالا کا خاتمہ ہوجائے گا اور اس کا قبیلہ بھی جاگنے سے پہلے موت کی نیند سوجائے گا۔''

شہر یار نے ان سے راکھ کی تھیلی پکڑ کر جیب میں ڈالی اور تہہ خانے کے راستے باہر نکل کر جیپ میں بیٹھ گیا۔ اس نے جیسے ہی جیپ اسٹارٹ کی شوالا کی توجہ اس کی جانب مبذول ہوگئی۔ اس نے پر پھڑ پھڑائے اور ایک لمحے میں اسے آن کر دبوچ لیا۔ شہر یار کو اپنا آپ بہت ہلکا محسوس ہوا۔ شوالا کے جسم سے بہت ناگوار بدبو آرہی تھی۔ اس کی نیلی سفاک آنکھوں میں ایک عجب سی وحشت بسی تھی۔ شہر یار نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ جلد ہی اسے احساس ہوا کہ اس کے قدم زمین پر لگ چکے تھے۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ وائیلیٹ عرف شوالا کی رہائش گاہ کے سامنے کھڑے تھے۔ شوالا اسے گھسیٹتے ہوئے رہائش گاہ کے اندر لے گئی۔ وہ غصے سے پھنکار رہی تھی۔ شہر یار نے اپنے حواس مجتمع کیے اور کہا:

''میں تو تمہاری محبت آزما رہا تھا۔ میں تمہارا بادشاہ بننے کے لئے تیار ہوں۔ تمہارے ساتھ مل کر اس زمین پر خون کی ایک نئی ہولی کھیلوں گا کہ لوگ ماضی کی خونریزیاں بھول جائیں گے۔ لوگ ہلاکو خان، چنگیز خان، ہٹلر اور نپولین کو بھول کر صرف اور صرف تمھیں اور مجھے یاد رکھیں گے۔ تم اور میں امر ہوجائیں گے۔ مگر میں تمہارے ساتھ شب عروسی انسانی حالت میں منانا چاہتا ہوں۔''

یہ سنتے ہی شوالا فوراً حسین وائلٹ کی شکل میں بدل گئی۔ شہر یار نے اسے پیار سے کندھے سے لگا کر کہا:

''میری ملکہ! تم میرا انتظار خواب گاہ میں کرو۔''

وائیلیٹ شرماتی لجاتی کمرے میں چلی گئی۔ شہر یار نے فوراً کچن میں جا کر گیس کے سلنڈر کھول دیئے ان سے گیس لیک ہونے لگی۔ وہ پھرتی سے تہہ خانے میں گیا۔ وہاں فضلے کے ڈھیر پڑے تھے اور بے شمار چھوٹی بڑی چمگادڑیں الٹی لٹک رہی تھیں۔ اس نے چند کاغذوں کو لائٹر سے جلایا اور فضلے پر پھینک دیا۔ اُسے دیکھ کر خوشی ہوئی کہ فضلے نے فوراً آگ پکڑ لی تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے اوپر آیا اور نشست گاہ کے پردوں کو بھی آگ لگا دی۔ اسے امید تھی کہ جیسے ہی گیس اور شعلے کا ملاپ ہوگا۔ پورا گھر بھک سے اڑ جائے گا۔ وہ تیز تیز قدموں سے شب خوابی کے کمرے میں داخل ہوا تو وائیلیٹ سجی دھجی اس کا انتظار کررہی تھی۔ اس نے آہستگی سے راکھ کا تھیلا نکالا اور اس کے قریب آکر دلبرانہ انداز میں بولا:

''میری ملکہ! آنکھیں کھولو!''

وائلٹ نے جیسے ہی آنکھیں کھولیں اس نے برق رفتاری سے راکھ اس کی آنکھوں میں جھونک دی۔ وائیلیٹ نے کرب ناک انداز میں چیخیں مارتے ہوئے ایڑیاں رگڑنی شروع کردیں۔ شہر یار نے تیزی سے کمرے کی چیزوں کو آگ لگانی شروع کی۔ جلد ہی وائیلیٹ کے جسم نے بھی آگ پکڑلی۔ وہ مہیب آوازیں نکالتی اندھا دھند اسے پکڑنے کو دوڑی۔ مگر شہر یار نے فوراً کھڑکی سے چھلانگ باہر لگا دی۔ اس کے ساتھ ہی گھر ایک خوفناک دھماکے سے پھٹ گیا۔

شہر یار نے بھاگتے ہوئے مڑ کر آخری دفعہ دیکھا۔ گھر سے بلند آواز میں چیخنے چلانے کی آوازیں بلند ہورہی تھیں۔ کئی چمگادڑوں نے گھر سے نکل کر اُڑنے کی کوشش کی مگران کے جسموں کو آگ لگ گئی۔ شہر یار نے آیت الکرسی پڑھ کر خود پر دم کیا اور مسکرا کر آسمان کی جانب دیکھا۔ اسے یقین تھا کہ میر پور میں شوالا ویمپائر کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ آسمان پر چودھویں کا چاند جگمگا رہا تھا۔

☠

Pakistanipoint

خطرناک وحشی

ایم الیاس

قسط نمبر:02

دلکش اور خوبرو ھسینہ کے جسم میں جان نھیں رھی تھی کہ اس کے جسم کا سارا خون خشک ھو کر رہ گیا تھا۔ اوہ! بھگوان اس نے اپنے جاننے والے کو گھر بلا کر کتنی بڑی غلطی کی تھی، ایسی حماقت سرزد ھوئی تھی کہ فرار کی کوئی راہ نھیں رھی تھی، کیا وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہ گئی تھی لیکن پھر بھی.....

خوفناک دہشتناک اور خونچکاں بھونچکاں کہانیوں کے متلاشی قارئین کیلئے خونی کہانی

جگ موہن اس وقت مکان کے سامنے اپنی پرانی مدرس میں بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں جدید ترین طاقتور لینس کا کیمرہ تھا۔ سنیل کے مکان سے باہر آتے ہی اس نے کھٹا کھٹ دو تین تصویریں اتار لیں۔ پھر اس نے کیمرہ سیٹ پر رکھا اور فوراً ہی گاڑی سے اتر کے مکان کی دائیں جانب بنے ہوئے گیراج کی طرف بڑھنے لگا۔ سنیل گیراج سے اپنی کرائے کی گاڑی نکال رہا تھا اور ترنگ میں آ کر ایک مقبول فلمی گیت گنگنا رہا تھا۔ جگ موہن نے آہستگی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ یوں اچھل پڑا جیسے اسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

''کیوں بیٹے گلفام.....! مزے آ رہے ہیں؟'' جگ موہن نے مسکرا کر کہا۔

سنیل اس کی طرف گھونسا تان کر بولا۔ ''کون ہو تم.....؟''

''میرا تعلق ایک سیکورٹی ایجنسی سے ہے۔'' جگ موہن نے جیب سے شناختی کارڈ نکال کر اس کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔ ''گڑبڑ کی کوئی کوشش مت کرنا، ورنہ تمہارا اچھا خاصا منہ ٹیڑھا ہو جائے گا۔ اس مکان کے ہر کمرے میں بڑے طاقتور اور حساس مائیکرو فون نصب ہیں۔ تمہاری گفتگو ریکارڈ ہو چکی ہے۔ اگر وہ گیسٹ پولیس کے حوالے کر دی جائے تو تمہیں کم از کم دس برس کی سزا ہو جائے گی، جو کچھ تم نے جیب میں چھپا رکھا ہے اسے شرافت سے میرے حوالے کر دو۔''

''کیا چیز تمہارے حوالے کر دوں.....؟'' سنیل نے پوچھا۔ ''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''بکواس بند کرو گلفام.....! مہیلا نے تمہیں رقم نہیں دی.....؟ یقینی طور پر تم نے اپنی مدد آپ کے اصول کے تحت عمل کیا ہوگا..... میں تمہارے طریقہ کار سے اچھی طرح واقف ہوں، اب شرافت سے وہ چیز میرے حوالے کر دو ورنہ پٹنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔''

سنیل کو سیکورٹی والوں کے حوالے سے دو تین تلخ تجربات ہو چکے تھے۔ وہ تھوڑا سا ہچکچایا تو جگ موہن نے نصف صدی پرانا طلائی سگریٹ کیس اس کی جیب سے نکال لیا جو سنیل نے مہیلا کے کافی بنانے کے دوران نشست گاہ سے اُڑا لیا تھا۔

جگ موہن نے جیب سے پلاسٹک کی چھوٹی سی تھیلی نکالی۔ اس نے سگریٹ کیس رومال سے پکڑ کر نکالا تھا۔ پھر واپس اس کی جیب میں رکھ دیا اور تیز لہجے میں کہا۔ ''سگریٹ کیس تھیلی میں ڈال دو گلفام.....! اس طرح مجھے تمہاری انگلیوں کے واضح نشانات ہاتھ

Pakistanipoint

آجائیں گے..... کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا ورنہ میں تمہارا حلیہ بگاڑ دوں گا۔''

سنیل کے سامنے فرار کی کوئی راہ نہیں تھی۔ بادل نخواستہ اس نے سگریٹ کیس جیب سے نکال کر پلاسٹک کی تھیلی میں ڈال دیا۔ اس سگریٹ کیس سے ہاتھ دھونے کا سنیل کو بڑا ملال ہو رہا تھا۔ کیوں کہ وہ اس کی قیمت سے واقف تھا۔ وہ خالص سونے کا بنا ہوا تھا۔

''اب تم دفع ہو جاؤ گلفام.....!'' جگ موہن نے سرد اور سفاک لہجے میں کہا۔ ''آئندہ اگر تم میرے علاقے میں دکھائی دیئے تو تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گا..... میری اس علاقے میں ڈیوٹی ہوتی ہے..... جاؤ.....''

سنیل چند لمحے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا، پھر وہ اپنی کرائے کی گاڑی میں بیٹھا انجن اسٹارٹ کیا اور کار کو تیزی سے شہر کی جانب موڑ دیا۔

☆.....☆.....☆

گوتم نائیکے اچانک خیالات کی دنیا سے نکل آیا۔ وہ اسٹیئرنگ وہیل پر سر جھکائے ہوئے تھا۔ باہر بارش زور و شور سے ہو رہی تھی۔ موٹی موٹی بوندیں اس کی گاڑی کی چھت پر جل ترنگ بجا رہی تھیں۔ گوتم نے ایک جماہی لی اور ٹانگیں پھیلا کر نظریں ڈیش بورڈ پر مرکوز کردیں، دس بج کر پانچ منٹ ہوئے تھے۔ اب اسے چل دینا چاہئے تھا۔ اسی میں بھلائی اور بہتری تھی۔ اس نے ہیڈ لائٹس آن کیں..... اور بارش میں بھیگی ہوئی شاہراہ کو دیکھنے لگا۔ ایسے طوفانی موسم میں باہر نکل کر اس نے سخت غلطی کی تھی۔ اسے ایئرپورٹ کے کسی ہوٹل ہی میں رات گزارنی تھی۔ دریا کنارے اپنے بنگلے پر پہنچنے کے لئے اسے اب بھی دس میل کا دشوار ترین راستہ طے کرنا تھا۔ بڑی شاہراہ پر ایک میل آگے اسے دائیں طرف کچی سڑک پر مڑنا تھا۔ مسلسل بارش نے اس کچی کی سڑک پر جوتا ہی مچائی تھی اسے اس کا خوب اندازہ تھا۔ اس نے دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوستے ہوئے ڈیش بورڈ کے خانے سے بوتل نکالی۔ دو تین بڑے گھونٹ لئے اور بوتل واپس خانے میں رکھ دی۔ اسے زور کی بھوک محسوس ہو رہی تھی، نرم گرم بستر یاد آ رہا تھا۔ وہ کئی برسوں سے اپنے بنگلے پر نہیں گیا تھا، لیکن اس نے انسپکٹر کی بیوی سجاتا سے پانچ برسوں کا معاہدہ کیا ہوا تھا۔ سجاتا ہر ہفتے اس کے بنگلے کی صفائی کرواتی تھی اور فریزر میں اشیائے خورد و نوش کی موجودگی کا اطمینان بھی کرلیتی تھی۔ اس لئے اسے پورا یقین تھا کہ کھانے پینے کے معاملے میں اسے اپنے بنگلے پر ذرا بھی تکلیف نہیں ہوگی۔ اس نے سجاتا کو ہدایت کر رکھی تھی کہ بنگلے میں ہر وقت تین افراد کے لئے ایک مہینے کا راشن موجود ہونا چاہئے۔

گوتم نے طے کیا تھا کہ وہ دو تین روز بعد ہی انسپکٹر اور اس کی سلیقہ مند بیوی کے ساتھ ایک شام گزارے گا۔ اپنی تمام عمر شہرت اور دولت کے باوجود گوتم اس محبت کرنے والے جوڑے کا بے حد احترام کرتا تھا۔ وہ دونوں بھی اسے بہت چاہتے تھے۔

گوتم کو اپنی حسین اور بے وفا بیوی مہیلا کا خیال آیا۔ اس حرافہ کے بارے میں اس کے پاس ملنگا تری نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ گوتم نے ایک سرد آہ بھر کے انجن اسٹارٹ کردیا۔ ایسے موسم میں عام طور پر کاریں اور ٹرک بڑی شاہراہ پر پھنسے نظر آتے ہیں لیکن اب گوتم کو اکا دکا ہی گاڑیاں نظر آئی تھیں۔

''دس میل کا کٹھن سفر ہے پیارے!'' اس نے اپنے آپ سے کہا۔ ''گاڑی قدرے دھیرے چلانا، اس لئے کہ تم ضرورت سے زیادہ چڑھا چکے ہو..... لہٰذا احتیاط لازمی ہے۔''

گوتم کو معلوم تھا کہ مٹن کے گوشت کے پارچے اس کے منتظر ہوں گے۔ وہ جاتے ہی انہیں مسالا لگا کر بھوننے لگا۔ ایک گھنٹے کے بعد ہی وہ اپنے پرسکون اور آرام دہ بنگلے میں بیٹھا پیٹ کی آگ بجھا رہا ہوگا۔

گوتم اپنی بڑی احتیاط سے گاڑی چلا رہا تھا، ونڈ اسکرین سے وائپر بمشکل بارش کا پانی ہٹا رہا تھا۔ اس کی نئی جدید گاڑی پانی کو چیرتی آگے بڑھ رہی تھی۔ موڑ نزدیک آ رہا تھا۔ نو میل کا عذاب ناک اور روح فرسا

مرحلہ شروع ہونے والا تھا۔ گوتم نے گاڑی کی رفتار مزید دھیمی کرلی۔ کیوں کہ اسے تھوڑی فاصلے پر سرخ روشنی چمکتی دمکتی دکھائی دی..... کوئی حادثہ تو نہیں ہوگیا.....؟

گوتم نے یہ سوچتے ہوئے گاڑی سڑک کے کنارے روک لی۔ چمکتی دمکتی سرخ روشنی اس کی طرف بڑھنے لگی۔ پھر ہیڈ لائٹس کی تیز روشنی میں اسے مخصوص ہیٹ اور کمر میں پستول لگائے گشتی پولیس کا ایک افسر دکھائی دیا۔

پولیس افسر کے نزدیک آتے ہی گوتم نے ہاتھ بڑھا کے ایک بٹن دبا دیا، کھڑکی کا خودکار شیشہ کھلتا چلا گیا اور بارش کی تیز پھوار اس کے چہرے پر پڑنے لگی۔ وہ خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے انتظار کرنے لگا۔

پولیس افسر نے گاڑی کے برابر کھڑے ہوکر گوتم کے چہرے پر سرخ لیمپ کی روشنی ڈالی اور پھر اس کا رخ برابر کی سیٹ کی طرف کردیا۔ وہ گاڑی میں دوسرے فرد کو تلاش کررہا تھا۔

''کیا بات ہے جناب!'' گوتم نے پولیس افسر سے پوچھا۔

''میری گاڑی سڑک کے نشیب میں پھنس گئی ہے۔'' پولیس افسر نے قدرے کرخت اور کھردری آواز میں کہا۔ ''میں اپنے ہیڈ کوارٹر فون کرنا چاہتا ہوں۔ تم کہاں جارہے ہو؟''

''نورویلیا..... اس قصبے سے دو میل دور دریا کنارے میرا بنگلہ ہے۔'' گوتم نے جلدی سے کہا۔ ''آپ چاہیں تو میرا فون استعمال کرسکتے ہیں۔ مجھے آپ کی مدد کی بڑی خوشی ہوگی۔''

''ٹھیک ہے چلو.....'' پولیس افسر نے عجیب سے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

گوتم کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ پولیس افسر گھوم کر برابر والی نشست پر بیٹھ گیا اور انتہائی بے پروائی سے دروازہ ایک جھٹکے سے بند کیا۔ گوتم کو ناگوار تو گزرا لیکن وہ اس لئے خاموش رہا کہ پولیس افسر بدتمیز ہوتے ہیں۔

''کیسی ہولناک طوفانی رات ہے جناب!'' گوتم نے گیئر بدلتے ہوئے کہا۔

''ہاں.....'' پولیس افسر نے خشک لہجے میں کہا۔ ''چلو..... جلدی کرو..... یہ کوئی نئی بات نہیں۔''

☆.....☆.....☆

شاستری، انسپکٹر سنگارا کی گاڑی میں بیٹھا کالی چرن سے بات کررہا تھا۔ اس نے کالی چرن کو بتایا کہ انسپکٹر سنگارا کے نائب رام نے چند لمحوں قبل دم توڑ دیا تھا۔ کالی چرن چند لمحوں کے لئے سناٹے میں رہ گیا۔ اسے یقین نہ آیا، اس نے افسردگی سے پوچھا۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ اس نے رام کو قتل کردیا ہے، کاش! یہ خبر غلط ہو۔''

''جی جناب! رام واقعی مرچکا ہے۔ اس کے سر پر کاری ضرب لگائی گئی ہے۔ مجھے خون آلود کلہاڑی مل چکی ہے، باقی تینوں کو بھی اسی طریقے سے، ہلاک کیا گیا ہے۔ ان کی کھوپڑیاں کلہاڑی سے کچلی جاچکی ہیں۔ رام، اپنے ہیٹ کی وجہ سے تھوڑے دیر مزید زندہ رہ سکا..... وہ وحشی درندہ مضبوط جسامت کا ہے جناب۔''

''اوہ بھگوان.....'' کالی چرن نے ہذیانی لہجے میں کہا۔ ''اس خون آشام بھیڑیے نے صرف ایک ہی رات میں چھ قتل کئے ہیں۔ اس جانور کا آزاد رہنا بے حد خطرناک ہے شاستری.....! تم کسی چیز کو ہاتھ مت لگانا، شعبہ قتل کے لوگ تم تک پہنچنے کی کوشش کررہے ہیں۔ گشتی پولیس کی گاڑیوں نے ایئرپورٹ کے قریب کے علاقوں کو گھیر رکھا ہے..... لال داس اور نرنجن تم تک پہنچیں تو تم انہیں فوراً ہی بڑی شاہراہ کی طرف بھیج دینا..... رتنا دیو بڑی شاہراہ کی جانب بڑھ سکتا ہے۔ پولیس تمام شاہراہوں کو بلاک کرنے کی کوشش کررہی ہے، جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کی جارہی ہیں لیکن تیز بارش نے مصیبت کھڑی کررکھی ہے۔ اس لئے کام سست رفتاری سے ہورہا ہے۔''

''ٹھیک ہے سر!'' شاستری نے کہا۔ ''میں آپ سے رابطہ رکھوں گا۔'' یہ کہہ کر اس نے وائرلیس بند کردیا۔

دو تین منٹ کے بعد ہی اس نے گاڑی کی

روشنیاں اپنی طرف بڑھتی دیکھیں اور پھر پولیس کی بڑی گشتی گاڑی اس کے برابر آ کر کھڑی ہوگئی۔ شاستری نے بلند آواز میں لال داس اور نرنجن کو کالی چرن کے احکامات سے آگاہ کیا۔ لال داس نے احکامات سن کر اس جنونی قاتل رتنا دیو کو کئی موٹی گالیاں دیں اور گاڑی کو ریورس کرنے لگا۔ ان کے جاتے ہی شاستری موسلا دھار بارش میں بھیگتا ہوا بنگلے کی لابی میں پہنچ گیا۔

انسپکٹر سنگارا..... لابی میں ہارے ہوئے جواری کی طرح افسردگی سے سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنی عمر سے دس برس بڑا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے سینے میں ایک وحشت سی بھری ہوئی تھی۔ شاستری کو دیکھتے ہی اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اب یہاں میرا کیا کام رہ گیا ہے.....؟ میں واپس اپنے دفتر جا رہا ہوں۔''

شاستری کو اس پر ترس آیا تھا۔ وہ اس کے غم کو سمجھ رہا تھا، اس نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔ ''مجھے آپ کے وائرلیس کی ضرورت ہے۔ انسپکٹر براہ مہربانی ایمبولینس کے آنے تک ٹھہر جائیں، پھر ان کے ساتھ ہی چلے جایئے گا۔''

''رنج و غم سے میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔'' انسپکٹر سنگارا نے بے چارگی سے کہا۔ ''رام میرے بیٹے سے بڑھ کر تھا۔ مجھے اس کی موت کا یقین نہیں آ رہا ہے، ذہین اور بے لوث محبت کرنے والا کیسے مر سکتا ہے؟''

شاستری چند لمحے صدمے سے نڈھال انسپکٹر سنگارا کو دیکھتا رہا پھر نشست گاہ میں پہنچ گیا۔ یوراج دیوار سے ٹیک لگائے سگریٹ پی رہا تھا۔ کمرے میں رکھی ہوئی لاشوں سے نظریں چرا رہا تھا۔

وہ دونوں رتنا دیو کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ شاستری نے آتے ہی اسے کالی چرن سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر دیا تھا۔ لاشوں کو دیکھ کر یوراج کو تسلی ہو رہی تھی لہٰذا وہ دونوں لابی میں انسپکٹر سنگارا کے پاس پہنچ گئے جو بدستور سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''اس درندہ صفت وحشی کو ہر قیمت پر پکڑنا ہوگا..... رنجیت اور رام میرے بہترین دوست تھے۔'' وہ ان کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ ''وہ سب میرے بے حد پیارے تھے جو بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ کیا ہو رہا ہے؟ کالی چرن کیا کر رہا ہے؟''

''ریاستی پولیس کے تمام افراد اس جنونی قاتل کو تلاش کر رہے ہیں۔'' شاستری نے نرمی سے کہا۔ ''کل نیشنل گارڈز بھی شامل ہو جائیں گے..... تمام کاروالوں کو خبردار کر دیا گیا ہے..... سوائے ان لوگوں کے جو ریڈیو نہیں سن رہے..... لیکن اس طوفانی موسم میں شاہراہوں پر گاڑیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ آج رات ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے۔''

''ٹھیک ہے۔'' انسپکٹر سنگارا نے مصمم ارادے سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم لوگ اس وحشی کو تلاش نہیں کرو گے تو میں کروں گا۔ میں رتنا دیو کو جانے نہیں دوں گا۔''

''انسپکٹر!'' شاستری نے دلاسا دینے کے انداز میں کہا۔ ''آپ مایوس نہ ہوں ہم بہت جلد اس شیطان کو گرفتار کر لیں گے۔''

''مجھے رام کی ماں کو اس سانحے کی خبر دینا ہے۔'' انسپکٹر سنگارا نے کہا، پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔

باہر بارش گرج چمک کے ساتھ جاری تھی۔ اس میں کمی کے بجائے شدت آ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

گوتم بڑی احتیاط سے گاڑی چلا رہا تھا۔ پولیس افسر خاموش بیٹھا تھا۔ جب کچھ فاصلہ طے ہوا تو پولیس افسر کھنکارا۔ گوتم کو توقع تھی کہ وہ کچھ کہے گا لیکن وہ خاموش رہا۔ گوتم سے برداشت نہ ہو سکا تو اس نے مسکرا کر کہا۔ ''یہاں سے نصف میل کے بعد کچی سڑک آئے گی۔ یہ سڑک سیدھی میرے بنگلے کو جاتی ہے..... بارش مسلسل ہو رہی ہے۔ اب تک اس کچی سڑک کا ستیاناس ہو چکا ہوگا۔ خشک موسم میں بھی وہ سڑک تکلیف دہ ہوتی ہے۔ بھگوان جانے اس کا کیا حشر ہوا ہوگا۔'' گوتم کے برابر بیٹھا ہوا مضبوط جثے کا افسر خاموش رہا۔ اس کا بڑا

ساہیٹ قدرے آگے جھکا ہوا تھا۔

''آپ نے اپنی گاڑی کے وائرلیس سے مدد طلب کیوں نہیں کی؟'' گوتم نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ پولیس کی تمام گاڑیوں میں وائرلیس نصب ہوتے ہیں۔''

''میری گاڑی کا وائرلیس خراب ہے۔'' اس نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اگر وائرلیس ٹھیک ہوتا تو مسئلہ کب کا حل ہو چکا ہوتا۔''

''میں آپ کو ذیلی سڑک سے انسپکٹر کے دفتر لئے چلتا ہوں۔ آپ وہاں سے فون کر سکتے ہیں؟''

''تمہارے فون سے بھی کام چل جائے گا.....'' پولیس افسر نے سخت لہجے میں 'تم' سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''جیسی آپ کی مرضی.....'' گوتم نے گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے سفر کا کٹھن ترین مرحلہ شروع ہونے والا ہے۔''

چند لمحوں کے بعد گوتم نے بڑی احتیاط سے گاڑی کو بڑی شاہراہ سے کچی سڑک پر ڈال دیا۔ یہ ٹوٹی ہوئی سڑک پانچ میل آگے اس کے بنگلے تک جاتی تھی۔

تھوڑی دیر خاموشی کے بعد گوتم نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ چاہیں تو رات میرے بنگلے پر قیام کر سکتے ہیں۔ وہاں ہر سہولت موجود ہے لیکن آپ شاید اپنی گاڑی کے قریب رہنا چاہیں گے۔'' خاصی دیر ان کے درمیان خاموشی رہی۔ پھر پولیس افسر نے تکلیف دہ سکوت توڑتے ہوئے کہا۔ ''مجھے گاڑی کی کوئی پرواہ نہیں..... اس لئے کہ میں ڈیوٹی پر نہیں ہوں۔ بس مجھے گاڑی کے متعلق انہیں اطلاع دینی ہے۔ میں رات آپ کے ہاں گزاروں گا، کیوں کہ تیز اور مسلسل بارش نے مجھے تھکا دیا ہے۔''

''میرا بھی تھکن سے برا حال ہو رہا ہے۔'' گوتم نے ہیڈ لائٹس کی ناکافی روشنی میں سڑک کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی موجودگی میرے لئے خوشی کا باعث ہوگی۔ آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا.....؟''

''خاموشی سے گاڑی چلاؤ! سڑک کی طرف دھیان دو، کیا دیکھ نہیں رہے ہو کہ راستہ کتنا خراب ہے۔''

گوتم کو اس کا انداز گفتگو ذرا بھی نہیں بھایا۔ وہ پولیس کا آدمی نہ ہوتا تو گاڑی روک کر اسے اتار دیتا۔ وہ ضبط کر گیا لیکن اس کے اندر ایک عجیب سی بے چینی ہونے لگی تھی۔ گو وہ سڑک سے نظریں ہٹانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا، مگر پھر بھی برابر بیٹھے ہوئے افسر کو بہ غور دیکھنے کی خواہش اس کے دل میں مچل رہی تھی۔

''ہم بہت جلد بنگلے پر پہنچ جائیں گے۔'' گوتم نے چند لمحوں کے بعد کہا۔ ''آپ کا نام کیا ہے؟''

''کھنہ!'' اس نے چند لمحوں کے بعد مختصر سا جواب دیا۔ ''پورا نام شرما کھنہ۔''

''نام تو بہت اچھا ہے۔'' وہ بولا۔ ''مجھے گوتم نائیکے کہتے ہیں۔''

کھنہ آگے جھک کر ہیڈ لائٹس کی روشنی میں سڑک کو دیکھنے لگا۔ پھر اچانک چلا کر بولا۔ ''دائیں طرف دیکھو.....''

بہت دیر ہو چکی تھی، سنبھلنے کا وقت گزر چکا تھا، اس لئے گوتم نے پانی اور کیچڑ کا بڑا سا تالاب دیکھا۔ گاڑی کے اگلے پہیے دھپ سے تالاب میں دھنس گئے۔ گاڑی کا انجن کھڑکھڑا کر خاموش ہو گیا۔

''مارے گئے..... ہم بری طرح پھنس چکے ہیں۔'' گوتم نے گھبرا کر کہا۔

''میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ توجہ سے گاڑی چلاؤ۔'' پولیس افسر نے سخت لہجے میں کہا۔

''تیز بارش میں ماہر ترین ڈرائیور بھی غلطی کر سکتا ہے..... میں نے آج تک اس انداز میں گاڑی نہیں چلائی..... اندھیری رات..... موسلا دھار بارش..... ٹوٹی ہوئی سڑک..... ایسے میں آپ مجھے الزام نہیں دے سکتے۔''

''تمہاری بات درست ہے۔'' کھنہ نے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ میں گاڑی کو گڑھے سے نکال سکتا ہوں، چلو دیکھتے ہیں۔''

اس نے جواب کا انتظار نہیں کیا، گاڑی کا

دروازہ کھول کر وہ موسلا دھار بارش میں اتر پڑا۔

گوتم نے خود بھی اس کی تقلید کی..... موٹی موٹی بوندیں اس کے سر پر تواتر سے گر رہی تھیں۔ اس نے چرمی جیکٹ پہنا ہوا تھا جو اس طوفانی بارش کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ کیچڑ میں اس کے پاؤں بری طرح لتھڑ چکے تھے۔

کھنہ پہلے ہی پانی اور کیچڑ کے تالاب میں کھڑا تھا۔ اس نے اپنی فلیش لائٹ آن کی اور بڑبڑاتے ہوئے گوتم کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے تیز و تند ہوا کے شور میں چلا کر کہا۔ ''میں گاڑی کو گڑھے سے نکال سکتا ہوں..... تم باہر کیوں آئے.....! گاڑی میں بیٹھو، انجن اسٹارٹ کر کے گیئر میں ڈالو..... اور گاڑی کو آگے بڑھانے کی کوشش کرو..... سمجھ گئے نا.....؟''

گوتم حیرت سے کھنہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے دستانے پہن رکھے تھے۔ وہ گاڑی کے عقب میں پہنچا۔ دونوں ہاتھوں سے بمپر کو مضبوطی سے تھام لیا۔ گوتم نے اسے سمجھانے اور باز رکھنے کی کوشش کی تو کھنہ نے اسے بری طرح جھڑک دیا۔ گوتم کو اس کے پاگل پن پر غصہ آ رہا تھا۔ سامان سے لدی گاڑی کو وہ کیسے نکال سکتا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے کھنہ کی ہدایت پر عمل کیا۔ اس نے گاڑی کے ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈالا اور پھر گاڑی کا پچھلا حصہ اسے اٹھتا محسوس ہوا۔ پہیے گھومنے لگے اور پھر گاڑی ایک جھٹکے سے گڑھے سے نکل گئی۔ کھنہ نے بڑا کارنامہ انجام دیا تھا جس کی گوتم کو ذرہ بھر بھی توقع نہیں تھی۔ یہ دو آدمیوں کا کام تھا۔ گاڑی اب ٹھوس زمین پر کھڑی تھی۔

''یہ نوجوان کسی جنگلی بھینسے کی طرح طاقتور ہے۔'' گوتم نے دل میں سوچا۔ ''سری لنکا میں کیا ایسے طاقتور پولیس افسر بھی ہوتے ہیں؟''

کھنہ نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ گوتم کو سرکنے کے لئے کہا۔ گوتم نے ڈرائیونگ پر اصرار کیا تو کھنہ نے اسے پھر بری طرح ڈانٹ دیا۔

گاڑی پھر ایک بار ہچکولے کھاتی، اچھلتی بنگلے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ گوتم نے دل ہی دل میں اس تکلیف دہ ڈرائیونگ سے نجات پانے پر بھگوان کا شکریہ ادا کیا۔

کھنہ بڑی مشاقی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ گوتم کو یقین ہو چکا تھا کہ کھنہ یہ معرکہ سر کر لے گا۔

گوتم نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ پھر اس نے ڈیش بورڈ کے خانے سے بوتل نکالی اور دو تین بڑے بڑے گھونٹ لے کر بوتل کھنہ کی طرف بڑھا دی۔ کھنہ نے رکھائی سے انکار کر دیا۔ گوتم نے بوتل بند کر کے واپس خانے میں رکھ دی۔ پھر اس نے کھنہ کو سگریٹ کی پیشکش کی تو اس نے اسے بھی رد کر دیا۔ گوتم نے شانے اچکائے اور گہرے اندھیرے کو گھورنے لگا۔

''اب صرف تین میل کا سفر باقی ہے۔'' گوتم نے خوش دلی سے کہا۔ ''گھر پہنچنے کے بعد ہم اپنی کامیابی کا جشن منائیں گے۔''

کھنہ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ تمام تر توجہ اور مہارت سے گاڑی چلاتا رہا۔ گوتم اسے بہ غور دیکھتا رہا لیکن کم روشنی میں اس کے چہرے کے خدوخال واضح نہیں دکھائی دے رہے تھے۔

''آپ پولیس میں کتنے عرصے سے ملازمت کر رہے ہیں؟''

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے جواب دیا۔ ''صدیاں گزر چکی ہیں۔''

''بہت اچھا جواب ہے۔'' گوتم نے کہا۔ ''جب کوئی میرے کام کے بارے میں دریافت کرتا ہے تو میں بھی اسے یہی جواب دیتا ہوں۔ میں فلموں میں کہانیاں لکھتا ہوں..... کیا تم شادی شدہ ہو؟''

''نہیں..... بھگوان کی بڑی کرپا ہے کہ میں اس مصیبت سے بچا ہوا ہوں۔'' کھنہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''میں نے عورت کا سایہ بھی نہیں پڑنے دیا۔ شادی میں بڑے جھنجھٹ ہیں، مرد کی آزادی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ مجھے غلامی بالکل پسند نہیں۔''

اس نے کھنہ کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا لیکن درحقیقت اس نے جو کچھ کہا تھا وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ سڑک کی حالت بہتر ہو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر

کھنہ نے گاڑی کی رفتار بڑھادی۔ اب کسی بات کا خدشہ اور خوف نہیں رہا تھا۔

گوتم نے موضوع بدلا اور کہا۔ ''سری لنکا میں بھارتی فلموں کی نمائش ہوتی ہے، لوگ بڑے شوق سے دیکھتے ہیں..... آپ کو کون سی ہیروئنیں اور ہیرو پسند ہیں؟ کون سی فلم آج کل یہاں چل رہی ہے؟''

''میں فلمیں نہیں دیکھتا۔'' کھنہ نے بڑی رکھائی سے مختصر سا جواب دیا۔

گوتم کو بڑی حیرت ہوئی، تاہم اس نے نرمی سے پوچھا۔ ''آپ فرصت کے اوقات میں کیا کرتے ہیں.....؟ میرے خیال میں شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جو فلم نہ دیکھتا ہو۔''

''بکواس بند کرو۔'' وہ درشتی سے بولا۔ ''جب میں نے کہہ دیا فلم نہیں دیکھتا تو تم کیوں پریشان کر رہے ہو..... کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ میں گاڑی چلا رہا ہوں۔''

''اچھا بھئی..... اب میں کچھ نہیں کہوں گا..... آپ نے تو اچھا خاصا لیکچر پلا دیا۔'' گوتم نے خجل ہو کر کہا۔

پھر اس نے سگریٹ سلگالی اور شراب کی طلب پر بمشکل قابو پایا تھا۔

اگلے بیس منٹ وہ دونوں ہی خاموش رہے۔ گاڑی قدرے تیز رفتاری سے منزل مقصود کی طرف بڑھتی رہی۔ پھر گوتم نے آہستگی سے کہا۔ ''آگے سیدھے ہاتھ سے موڑ لینا۔ نصف فرلانگ کے فاصلے پر میرا بنگلہ ہے۔''

تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ کھنہ نے گاڑی گیراج میں لے جا کر روک دی۔ گوتم نے اطمینان و سکون کا ایک گہرا سانس لیا۔ کھنہ نے بلاشبہ ایک معرکہ سر کیا تھا، ورنہ یہاں تک پہنچنا اس کے لئے جیسے کہ خواب و خیال کی بات ہوگئی تھی۔ اگر وہ خود گاڑی ڈرائیو کر رہا ہوتا تو کئی مرتبہ گاڑی پھنس چکی ہوتی۔ راستے میں بہت گڑھے نظر آئے تھے۔

کھنہ گیراج کے دروازے کی طرف بڑھا اور باہر چھاجوں برستے پانی کو دیکھنے لگا۔ گوتم نے ٹٹول کر سوئچ تلاش کیا اور روشنی کر دی۔ پھر اس نے کھنہ سے کہا۔ ''ہمیں اپنی گیلی چیزیں یہیں چھوڑ دینی چاہئیں..... میں اپنا گھر گندا کرنا نہیں چاہتا.....'' اتنا کہہ کر اپنی جیکٹ اور جوتے اتار دیئے۔

بھاری بھرکم اور مضبوط جسامت کا مالک کھنہ گیراج کے دروازے سے دھیرے دھیرے چلتا ہوا گوتم کے پاس پہنچا۔ اس نے کیچڑ میں لت پت جوتے اتار دیئے اور پھر اس نے پولیس کا مخصوص ہیٹ بھی اتار دیا۔

روشنی میں گوتم اب کھنہ کو واضح طور پر دیکھ رہا تھا۔ کھنہ کا کرخت چہرہ دیکھ کر اسے عجیب سی بے چینی ہو رہی تھی۔ قد کے لحاظ سے وہ گوتم کے برابر ہی تھا مگر اس کے شانے چوڑے اور بے حد مضبوط تھے۔ اپنی طاقت کا مظاہرہ وہ بھاری گاڑی اٹھا کر کر چکا تھا۔ ہاتھ لمبے..... جسم بھاری اور ٹانگیں لمبی تھیں۔ بڑی سی بھوری آنکھیں سرد اور چمکدار تھیں، بادل گنجلک تھے۔ اس نے پستول کمر سے لگا رکھا تھا..... یہ شخص پولیس افسر ہے مگر اس نے کالی جینز اور میلی کچیلی قمیض پہن رکھی ہے۔ پولیس افسر ایسے تو نہیں ہوتے ہیں..... نہ ممبئی اور نہ ہی سری لنکا میں..... گوتم نے بڑے تعجب سے سوچا۔

چند ہی لمحوں کے بعد وہ بنگلے کے صدر دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ گوتم نے چابی نکالی اور قفل کھولتے ہوئے بولا۔ ''لو بھئی..... ہم گھر میں داخل ہو رہے ہیں..... یہ بڑے سکون اور آرام کی جگہ ہے۔''

گوتم نے دروازہ کھول دیا اور وہ دونوں لاؤنج سے خوبصورت ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئے۔ گوتم نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ آپ کو یہ کپڑے ناگوار محسوس ہو رہے ہوں گے..... میں آپ کو اپنا لباس دیئے دیتا ہوں۔''

کھنہ جدید اور دلکش فرنیچر سے آراستہ وسیع و عریض کمرے کو دیکھ رہا تھا۔ اتنا عالی شان اور آرام دہ کمرہ اس نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ سحر زدہ سا کھڑا تھا۔ ساکت و جامد جیسے پتھر کا کوئی مجسمہ ہو، پھر اس نے چونک کر دھیمی آواز میں کہا۔ ''تمہاری رہائش گاہ نہایت شاندار اور خوابناک ہے۔''

''شکریہ..... اچھا یہ بتاؤ..... کیا غسل کرو گے؟

میں تو پہلے نہاؤں گا، پھر کھانا تیار کروں گا۔'' وہ لاؤنج میں سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر جیسے اسے کچھ خیال آ گیا۔ ایک دم رک کر بولا۔ ''میں تو یہ بھول ہی گیا تھا..... آپ کو فون کرنا..... وہ رہا ٹیلی فون.....'' اس نے اشارے سے بتایا۔

''فون میں بعد میں کروں گا۔'' کھنہ نے کہا۔ ''پہلے میں ان گیلے کپڑوں سے نجات حاصل کرلوں جو بوجھ بنے ہوئے ہیں۔''

''دائیں طرف کا دوسرا کمرہ جو ہے وہ آپ کا ہے۔'' گوتم نے کہا۔ ''میں آپ کے لئے کوئی مناسب سا جوڑا نکالے دیتا ہوں۔''

گوتم بڑے ڈبل بیڈ روم میں داخل ہوگیا اور اس نے روشنی کردی۔ رات تیسرے پہر میں داخل ہوچکی تھی۔ اس نے بڑی دیوار گیر الماری کھول کے کھنہ کے لئے کپڑے نکال لئے۔ باہر آ کر اس نے مختصر سا کوریڈور عبور کیا اور دوسرے بیڈ روم میں داخل ہوگیا۔

کھنہ بستر کے قریب کھڑا کمرے کا بہ غور جائزہ لے رہا تھا۔ ''لو بھئی یہ کپڑے پہن لو۔'' گوتم نے بستر پر کپڑے پھیلاتے ہوئے کہا۔ ''میں غسل کرنے جارہا ہوں۔ آدھے گھنٹے کے بعد ملاقات ہوگی کیونکہ میں نہانے میں وقت بہت صرف کرتا ہوں۔''

''بنگلے کی آرائش وزیبائش پر تم نے دل کھول کر پیسہ خرچ کیا ہے؟'' کھنہ نے کہا۔

''پسندیدگی کا شکریہ..... غسل خانہ آپ کے دائیں طرف ہے۔'' گوتم نے بتایا۔

گیلے کپڑے اس کے جسم سے چپک رہے تھے..... وہ جلد از جلد انہیں اتار کر گرم پانی سے غسل کرلینا چاہتا تھا۔ وہ کمرے سے نکلا اور اپنی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ غسل خانے میں پہنچ کر گوتم نے ٹب کے گرم اور ٹھنڈے پانی کے نل کھول دیئے اور طوفانی موسم کے بارے میں سوچنے لگا۔ بارش تھی کہ رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ سلسلہ کئی دنوں تک جاری رہے گا۔

گوتم خواب گاہ سے چھوٹا ریڈیو اٹھا لایا اور مقامی اسٹیشن لگا کر ٹب کے قریب شیونگ بکس پر رکھ دیا۔ ٹب تقریباً بھر چکا تھا۔ گوتم جلدی سے نیم گرم فرحت بخش پانی میں گھس گیا۔ ریڈیو سے موسم کا حال بتایا جارہا تھا۔ اناؤنسر نے اپنی شیریں آواز میں بتایا کہ آئندہ چوبیس گھنٹے بارش گرج چمک کے ساتھ جاری رہے گی۔ بارش کے رکتے ہی موسم قدرے گرم ہوگا اور ہوا میں نمی کا تناسب بھی بڑھ جائے گا جس سے حبس کی سی کیفیت پیدا ہوجائے گی۔

گوتم نے بے فکری کے انداز میں شانے اچکا دیئے۔ اب اسے کوئی فکر نہیں رہی تھی۔ فریز راشیاء خورد ونوش سے بھرا پڑا تھا۔ وہ دو روز بعد مچھلیوں کا شکار کرتے ہوئے فلم کی کہانی سوچ سکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ تنہائی میں سوچ بچار کر کے وہ بہترین کہانی تخلیق کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ وہ اپنے باس کے بارے میں سوچنے لگا۔ بڑے میاں نے لڑائی اور مار دھاڑ اور پرتجسس کہانی کی فرمائش کی تھی۔ کیوں کہ یہ موضوع آج کے فلم بینوں کو پسند تھا۔ وقت کے ساتھ لوگوں کی پسند بھی تیزی سے بدلتی جارہی تھی۔ تشدد، خون ریزی، قتل وغارت گری اور دہشت گردی کے موضوع پر فلمیں پسند کی جارہی تھیں۔

گوتم کو بھوک محسوس ہورہی تھی۔ وہ ٹب سے نکلا اور بڑے تولیے سے جسم خشک کرنے لگا۔ اسی لمحے اناؤنسر کی آواز سنائی دی۔

''سامعین! پولیس کی جانب سے ایک اہم اعلان سماعت فرمایئے۔ ایئرپورٹ اور دیگر علاقے کے تمام ڈرائیوروں کو خبردار کیا جاتا ہے کہ.....''

گوتم نے برا سا منہ بنایا اور آگے بڑھ کر ریڈیو بند کردیا۔ اسے اب اس اہم اعلان کی ضرورت نہیں رہی تھی کیوں کہ وہ بخیر وعافیت اپنے گھر پہنچ چکا تھا۔

اب اسے صرف اپنے پیٹ کی فکر تھی جس میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ گوتم نے پولیس کے اہم اعلان کو سننے کی زحمت گوارا نہیں کی جو دراصل خطرناک جنونی

Pakistanipoint

قاتل رتنا دیو سے متعلق تھا جو پولیس افسر کے بھیس میں مفرور تھا۔

گوتم بھنے ہوئے گوشت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پیٹ خالی ہونے کے باعث اس کی سوچ محض کھانے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔

اس نے پھرتی سے جسم خشک کر کے کپڑے پہنے اور سیڑھیاں اتر کے کھانے کے بڑے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس نے کھنہ کو ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ غسل کر چکا تھا۔ گندے اور بکھرے ہوئے بال نکھر چکے تھے اور اس کی کھوپڑی پر جمے ہوئے تھے..... گوتم کے کپڑوں میں اس کا جسم بڑا مضبوط طاقتور اور کسا ہوا لگ رہا تھا۔

گوتم تیزی سے کھنہ کی طرف گیا۔ اس نے دیکھا کہ کھنہ کے جسم پر خطرناک سانپ گدا ہوا تھا۔

کمر میں کارتوس کی پیٹی تھی۔ ہولسٹر میں سیاہ پستول موجود تھا۔ وہ چہرے مہرے اور وضع قطع سے شریف آدمی نہیں لگ رہا تھا۔

''مجھے یہ تو کسی بھی طرح پولیس افسر دکھائی نہیں دیتا؟'' گوتم نے سوچا۔ پھر پوچھا۔ ''کیا آپ کو بھوک لگ رہی ہے؟ میرا تو بھوک کے مارے دم نکلا جا رہا ہے..... بھنا ہوا گوشت کھاؤ گے؟''

''نہیں..... مجھے زیادہ بھوک نہیں ہے۔'' کھنہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''میں کافی پیوں گا..... تم عیش کرو۔''

گوتم نے منمنا کر تیز لہجے میں کہا۔ ''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرا نام گوتم نائیکے ہے..... آیا سمجھ میں.....''

کھنہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔ اس کی بھوری سرد آنکھیں چمک رہی تھیں۔ پھر اس نے بے پروائی کے انداز میں شانے اچکائے پھر جب اس نے جواب دیا تو اس کا لہجہ ترشی لئے ہوئے تھا۔ ''اچھی بات ہے..... میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ بڑے زور کی نیند آ رہی ہے اس لئے کھانے کی خواہش نہیں رہی۔''

''تم ٹیلی فون کرنا چاہتے تھے.....؟'' گوتم نے اسے یاد دلایا۔ ''لگتا ہے کہ تم بھول بیٹھے ہو۔''

گوتم کے دل کے کسی کونے میں یہ خواہش شدت سے ابھری تھی کہ پولیس کی کوئی گشتی گاڑی جلد از جلد پہنچے اور اس بے ہودہ پولیس افسر سے اس کی جان چھوٹے، وہ دل میں پچھتا رہا تھا کہ یہ کم بخت کیوں مل گیا۔

''ہاں..... فون تو مجھے کرنا تھا.....'' کھنہ نے گوتم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے کوشش کی تھی لیکن فون خراب ہو گیا۔ میں اپنی غلطی پر نادم ہوں۔'' پھر اس نے توقف کر کے ایک وحشیانہ قہقہہ لگایا۔

وحشیانہ قہقہہ سن کر گوتم کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر کسی کنجر کی نوک کی طرح اترتی چلی گئی۔

''کیا ہوا فون کو.....؟'' گوتم نے پوچھا۔

''پولیس گاڑی میں تو وائرلیس ہوتا ہے، اس کے خراب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''کھینچا تانی میں ٹوٹ گیا۔'' کھنہ نے پراسرار انداز میں اس کی طرف ایک قدم اور بڑھایا۔ ''فون کی فکر مت کرو..... سکون سے کھانا کھاؤ۔ میں سونے جا رہا ہوں۔ آخر تمہیں مجھ سے زیادہ فون کی فکر کیوں ستا رہی ہے، یہ میرا مسئلہ ہے تمہارا نہیں۔''

گوتم نے بھاری بھرکم کھنہ کو لاؤنج میں سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو وہ تیزی سے فون کے پاس گیا۔

تار لٹک رہا تھا۔ اسے دیوار میں نصب ساکٹ سے اکھاڑا گیا تھا۔

اسی لمحے گوتم نے اوپری منزل پر دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ وہ اپنے کمرے میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے دروازہ قدرے زور سے بند کیا تھا تاکہ وہ آواز سن لے..... کیا پتہ وہ اندر نہ گیا ہو۔ دروازہ صرف بند کر کے تاثر دیا ہو وہ کمرے میں جا چکا ہے۔

ٹیلی فون کے ٹوٹے ہوئے تار کو گھورتے ہوئے گوتم سنجیدگی سے صورت حال کا تجزیہ کرنے لگا۔ اسے

Pakistanipoint

• گڑبڑ محسوس ہو رہی تھی..... اس کی چھٹی حس خطرے کا احساس دلا رہی تھی کہ وہ کسی عفریت کے جال میں پھنس گیا ہے۔

گوتم کو اچانک پولیس کا اہم اعلان یاد آ گیا جسے اس نے سننے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ لوگوں کو کہیں اس شخص سے تو خبردار نہیں کیا گیا تھا..... یہ تو ممکن ہے کہ اعلان کسی خراب سڑک سے متعلق ہو..... اس نے اپنا ماتھا پیٹ لیا کہ آخر اس نے اہم اعلان سنا کیوں نہیں..... سن لیا تو وہ اس مصیبت میں تو نہیں پھنستا.....؟ وہ کف افسوس ملنے لگا۔

گوتم کی بھوک اُڑ چکی تھی۔ لمحہ بہ لمحہ اس کی بے چینی بڑھ رہی تھی اور اسے قرار نہیں آ رہا تھا۔ اس کی حالت غیر ہونے لگی تو اسے یہ خیال آیا کہ وہ اہم اعلان ٹیلی وژن سے بھی نشر کیا گیا ہو۔ سری لنکا میں ٹی وی کی نشریات دن رات دکھائی جاتی تھیں۔ گوتم نے تار کے ٹوٹے ہوئے سرے کو دیکھا۔ ساکٹ سے ٹی وی منسلک کرنے کا پلگ بھی غائب تھا۔ گوتم کا جسم سن ہو کر رہ گیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ پانچ سات منٹ تک ساکت و جامد کھڑا رہا۔ پھر اسے ایک دم غسل خانے میں رکھا ہوا ریڈیو یاد آ گیا۔

گوتم نے دبے پاؤں سیڑھیاں طے کیں اور بے آواز اپنی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

اس نے غسل خانے میں داخل ہو کر روشنی کی۔ دیکھا اس کا ریڈیو غائب ہو چکا تھا۔ اب اس کے بدترین اندیشوں کی تصدیق ہو چکی تھی۔

اوہ بھگوان.....! گوتم نے سوچا۔ یہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔ اس کا ذہن چکرایا۔ وہ سوچنے لگا۔ کون سی چیز ایسی ہے جس سے وہ حالات سے باخبر ہو سکے۔ پھر اس لمحے گوتم کو کار کے ریڈیو کا خیال آیا۔ پھر وہ بغیر کوئی آواز پیدا کئے نیچے پہنچا اور گیراج میں کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

دروازہ مقفل تھا اور اس کی چابی غائب تھی۔ گویا اب وہ اس ویرانے میں اس وحشی کے رحم و کرم پر تھا۔ رابطے منقطع کئے جا چکے تھے۔ باہر سے کوئی مدد طلب نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے خون کی گردش تیز ہو چکی تھی۔ سر میں دھماکے ہو رہے تھے اور پورا جسم سنسنا رہا تھا۔ وہ بہ مشکل تمام ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ اس نے ایک گلاس میں اسکاچ انڈیلی اور اسے ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ اس کا سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ اسے یہ سارا معاملہ کسی جاسوسی فلم کی طرح لگ رہا تھا..... تحیر اور سسپنس سے بھرپور فلم..... اس کہانی پر بڑی زبردست فلم بن سکتی تھی۔ کہانی میں اس کے باس ملنگا تری کے مطلوبہ سارے لوازمات ڈالے جا سکتے تھے..... گوتم پستول والے خطرناک شخص کے بارے میں سوچتا رہا۔ جب وہ بیڈ روم میں آ کر بستر پر دراز ہوا تو نیند کی دیوی نے اسے اپنی مہربان آغوش میں لے لیا۔

☆.....☆.....☆

انسپکٹر سنگارا کا موڈ انتہائی ناخوشگوار ہو رہا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں شدید ہلچل مچی ہوئی تھی۔ اسے ایک پل قرار نہیں تھا۔ اس کی حالت ماہی بے آب کی سی ہو رہی تھی۔ وہ اب تک ایسے ہولناک اور ناقابل بیان تجربے سے نہیں گزرا تھا۔ اس نے لمحے کے لئے سوچا تھا کہ وہ حکومت، پولیس کے اعلیٰ حکام اور قوم کو کیا جواب دے گا..... ایک رات میں اتنے قتل.....؟ اور قاتل دندناتا پھر رہا ہے۔

ایمبولینس کی اگلی نشست پر وہ نڈھال سا بیٹھا تھا۔ پیچھے ان چار پیاروں کی لہو میں ڈوبی ہوئی لاشیں رکھی تھیں جنہیں شقی القلب رتنا دیو نے انتہائی بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ لاشوں کا معائنہ سرکاری ڈاکٹر نے کیا تھا۔ اس نے انسپکٹر سنگارا سے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا تھا۔ اسے بہت دیر تک دلاسا دیتا رہا تھا۔ اس کا دل پھٹا جا رہا تھا۔

ایمبولینس نے انسپکٹر سنگارا کو اس کے دفتر کے

سامنے اتار دیا۔ اس نے ڈاکٹر اور ڈرائیور کا شکریہ ادا کیا۔ الوداعی کلمات کہے اور اس وقت ایمبولینس کو دیکھتا رہا جب تک نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی، لیکن لاشیں دل سے اوجھل نہیں ہوئی تھیں۔ پھر وہ تھکے تھکے قدموں سے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔ گرم کمرے میں پہنچ کر اس نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر گیلا اور کوٹ اور ہیٹ اتار دیا۔

اس کی بیوی سجاتا کمرے میں داخل ہوئی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ انسپکٹر نے اسے سارا ماجرا بیان کیا۔

''اس واردات نے میرے ہوش اڑا دیئے ہیں۔'' انسپکٹر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''رام کی ماں کو یہ ہولناک خبر سنانے کا مجھ میں حوصلہ نہیں۔''

''آپ اپنے آپ کو سنبھالیں..... میں یہ خبر کل اس کی ماں کو سنا دوں گی۔'' سجاتا نے کہا۔ ''اس وقت ہم نے اسے کچھ بتایا تو وہ ساری رات روتی رہے گی۔ میں تمہارے لئے گرم گرم چائے لے کر آتی ہوں۔ کہیں دو تین گھنٹے آرام کرنا چاہئے۔ سونے سے تمہارے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔''

''میں کالی چرن سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' انسپکٹر نے ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں اس سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ رتنا دیو کی تلاش میں کیا کچھ کیا جا رہا ہے..... ریاستی پولیس نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے..... لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں لمبی تان کے سو جاؤں۔ مجھے بھی اپنے طور پر کچھ کرنا ہوگا۔ اگر وہ جلد نہ پکڑا گیا تو پولیس کی اس قدر بدنامی ہوگی کہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا..... کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ سڑکوں پر نکل آئیں۔ اس لئے کہ قوم بے حد جذباتی ہے۔''

انسپکٹر سنگارا اس دوران کالی چرن سے رابطہ قائم کر چکا تھا۔ اس کے سوال کے جواب میں کالی چرن نے بتایا۔ ''رتنا دیو کو بڑی سرگرمی سے تلاش کیا جا رہا ہے..... لیکن تا حال کوئی حوصلہ افزا خبر نہیں مل سکی ہے۔ تمہارے ماتحت رام کی گاڑی فارم سے بیس میل دور ایک کھڈ میں پائی گئی ہے۔ سریش اس کیس کا انچارج ہے۔ اس کا خیال ہے کہ رتنا دیو نے خود کو پولیس افسر ظاہر کر کے ضرور کسی گاڑی والے سے لفٹ لے لی ہے..... ریڈیو پر تمام گاڑی والوں کو مسلسل خبردار کیا جا رہا ہے۔ لفٹ دینے والے کو فوراً پولیس ہیڈ کوارٹر رابطہ قائم کرنے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ سریش کا خیال ہے کہ وہ پال کیلے پہنچ چکا ہوگا یا پھر کینڈی..... لیکن شعبہ قتل کا عملہ اب تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا ہے۔ کیوں کہ بہت سے علاقے کولمبو شہر سے بہت دور ہیں۔ قاتل نے اپنی انگلیوں کے نشانات بھی نہیں چھوڑے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے یقیناً دستانے پہن رکھے تھے۔ آلہ قتل پر بھی کوئی نشان نہیں ملا..... ہمارے پاس قاتل کا حلیہ ہے..... وہ بہت جسیم ہے۔ اب یہ معاملہ ریاستی پولیس کا ہے جس کے ماتحت کئی جزیرے ہیں۔ آپ یا میں کچھ نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ قاتل اب تک میلوں دور پہنچ چکا ہوگا۔''

''واردات میرے علاقے میں ہوئی ہے۔'' انسپکٹر سنگارا نے ہذیانی لہجے میں کہا۔ ''سریش کے علم میں یہ بات کیسے آئی کہ قاتل پال کیلے یا کینڈی کی طرف گیا ہوگا..... وہ اس کے مخالف سمت میں تو جا سکتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اس علاقے میں کہیں چھپا ہوا ہوگا۔ دریا کے کنارے کئی بنگلے ہیں..... لیکن ان میں زیادہ تر بند پڑے ہیں۔ ممکن ہے کہ رتنا دیو نے ان بنگلوں میں سے کسی ایک میں پناہ لے لی ہو..... بارش کے رکتے ہی اس کی تلاش میں نکلوں گا۔ اگر وہ اس علاقے میں چھپا ہوا ہے تو میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکے گا۔ اگر وہ ذلیل میرے ہاتھ آ گیا تو میں اسے رام اور اپنے دوستوں کے خون کی عبرتناک سزا دوں گا۔''

''میں آپ کو روک نہیں سکتا.....'' کالی چرن نے تحمل سے کہا۔ ''میرے خیال میں بھی پال کیلے کی طرف بڑھ رہا ہے یا پھر نورو یلیا میں روپوش ہے۔ کیونکہ دوسرے علاقوں کی نسبت یہ علاقہ زیادہ محفوظ ہے لیکن آپ کے خیال کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر کیا کیا

Pakistanipoint

جاسکتا ہے.....؟ آپ ان بنگلوں کی تلاشی لیں گے اور کہیں سے ایک گولی آ کر کھوپڑی میں سوراخ کردے گی۔ نہ صرف بے حد خطرناک ہے بلکہ مسلح بھی ہے۔ اس کے نزدیک انسانی لہو پانی سے بھی ارزاں ہے۔ اس قدر شقی القلب اور بے رحم ہے کہ اس نے چار آدمیوں کا خون کردیا..... کل اس علاقے میں جہاں اس کے روپوش ہونے کا امکان ہے، سینکڑوں پولیس کے جوان اس درندہ صفت کو تلاش کریں گے۔ سریش نے نیشنل گارڈز کو طلب کرلیا ہے۔ میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ اس معاملے میں دور رہیں تو بہتر ہوگا۔''

''نیشنل گارڈز وہاں جا کر کیا بھاڑ جھونکے گی؟'' انسپکٹر سنگارا نے تیز لہجے میں کہا۔ ''میں اس علاقے کے چپے چپے سے واقف ہوں۔''

''میں سریش سے کہوں گا کہ وہ آپ سے ضرور مشورہ لے لیکن میری آپ سے ایک عاجزانہ درخواست ہے کہ ایشور کے لئے ہیرو بننے کی کوشش نہ کریں، آپ کو یقیناً ایک ماتحت کی ضرورت پڑے گی، آپ کہیں تو میں سب انسپکٹر شاستری کو بھیج دوں گا، وہ نوجوان آپ کے لئے ہر اعتبار سے بہتر رہے گا، گو وہ رام کا خلا پر نہ کرسکے گا لیکن وہ بڑا باصلاحیت شخص ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟''

''ٹھیک ہے..... میں شاستری سے خوب واقف ہوں۔'' انسپکٹر سنگارا نے جواب دیا۔ ''وہ ذہین اور مستعد ہے، ایک دن ضرور ترقی کرے گا۔''

''بہت خوب.....! شاستری کل صبح آپ کے پاس پہنچ جائے گا..... اب آپ سو جائیں اور ہاں محکمہ موسمیات نے پیشگوئی کی ہے کہ اگلے چوبیس گھنٹے بارش جاری رہے گی..... کل کا دن بہت سخت ہوگا۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قاتل کل آزاد رہے گا؟'' انسپکٹر سنگارا نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''لیکن وہ زیادہ دن آزاد نہیں رہ سکے گا، بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی، کل کا دن بے شک اسے خیر منا لینے دو۔''

''میں کیا، ہم سب کی کوشش ہے کہ وہ آج رات ہی دھر لیا جائے، آپ چنتا نہ کریں، کیا قانون کے ہاتھ سے اب تک کوئی مجرم بچ سکا ہے جو یہ بچ جائے گا.....؟ شب بخیر! انسپکٹر سنگارا!'' یہ کہہ کر کالی چھرن نے فون بند کردیا۔

☆.....☆.....☆

سنیل کی گاڑی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی جگ موہن بوجھل قدموں سے اپنی گاڑی میں واپس آ گیا۔ سنیل کی واپسی کا کوئی جواز نہیں تھا اور نہ ہی اس میں اتنی ہمت تھی کہ دوبارہ ادھر کا رخ کرے۔ اس نے سنیل کی ایسی طبیعت صاف کردی تھی کہ جسے وہ کبھی نہیں بھول سکے گا۔

اس نے ٹیپ ریکارڈر سے کیسٹ نکال کر جیب میں رکھ لیا۔ کیسٹ میں اس نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے گوتم کے مکان میں ہونے والی گفتگو جو ٹیپ کی تھی، وہ نہ صرف دلچسپ بلکہ سنسنی خیز اور بیلا کے گلے میں پھندا ڈالنے والی تھی۔ شکار پوری طرح جال میں پھنس گیا تھا، اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا، اور اب بے بس اور اس کے رحم وکرم پر تھا۔

اس نے ایک سگریٹ سلگایا، پھر اس کے ہلکے ہلکے کش لیتے ہوئے سوچنے لگا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کررہا تھا۔

گوتم سے کون واقف نہیں تھا، وہ بھی اس سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ آج کل اس کا فلمی کہانی نویس کی حیثیت سے طوطی بول رہا تھا اور اس کی زبردست آمدنی ہورہی تھی۔ اس نے سنا تھا کہ کسی فلمساز کو صرف کہانی سنانے کے دس لاکھ روپے لیتا تھا، اس کی بلا سے کوئی اس کی کہانی پسند کرے یا نہ کرے..... پھاڑ کر پھینک دے، پسند آنے کی صورت میں مکالمے اور منظر نامے کے ساتھ اس کہانی کا معاوضہ ایک سے دو کروڑ ہوتا تھا۔ جس فلم کمپنی سے وہ وابستہ تھا اس کا مالک گوتم اس پر ایک باپ کی طرح مہربان تھا اور اسے خوب نواز رہا تھا۔

پرائیویٹ جاسوس کی حیثیت سے اس کی تنخواہ

معقول تھی لیکن اسے ان دنوں پچاس ہزار کی اشد ضرورت تھی تاکہ اپنی بیوی کا آپریشن کراسکے۔ اسے کمپنی سے پیشگی رقم مل سکتی تھی کہ لیکن اس شرط پر کہ ہر ماہ تنخواہ سے پچیس فیصد کاٹ لی جائے۔ اسے ہر حالت میں پچاس ہزار کی رقم کا بندوبست کرنا تھا۔ اس کے حصول کا بوجھ اس کے سر پر کسی چٹان کے بوجھ کی طرح تھا۔

اسے گھپ اندھیرے میں امید کی ایک کرن دکھائی دی۔ وہ گوتم کے بارے میں سوچنے لگا۔ پچاس ہزار روپے گوتم کے نزدیک دس روپے کے برابر تھے۔ اس کے گھر سے پچاس ہزار روپے وصول کرنا اتنا آسان نہیں تھا، اس کے لئے بڑی مہارت اور ہوشیاری کی ضرورت تھی۔ اسے اس کے حصول کے لئے تھوڑی سی محنت درکار تھی، وہ بہتی گنگا میں ہاتھ دھوسکتا تھا، ایسے سنہرے مواقع بار بار ہاتھ نہیں آتے تھے۔

گوتم شہر میں موجود نہیں تھا، اس لئے اس کی بیوی نے سنیل کو مہمان بنایا تھا۔ یہ پیسے اس کی بیوی بیلا کے پرس سے بآسانی نکلوائے جاسکتے تھے۔ کیسٹ اور سنیل کی تصویریں بیلا کو اس کی ہر بات ماننے پر مجبور کرسکتی تھی۔ بیلا بے حد حسین تھی، ایسی حسین نمبر ون ہیروئن بن سکتی تھی، آخر اس نے کیوں فلم نگری میں قدم نہیں رکھا۔

ادھر بیلا خوب رونے دھونے کے بعد کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح صوفے پر بیٹھی تھی اسے بڑا ملال ہوا تھا۔ اس کے آبگینہ دل پر سنیل نے جو پتھر مارا تھا، اس کی کرچیاں اس کے وجود میں چبھ رہی تھیں۔ یہ بہت ہولناک اور کرب انگیز تجربہ تھا جسے وہ کبھی فراموش نہیں کرسکتی تھی۔ اس رذیل سنیل نے اس کی سخت توہین کی تھی۔ اس توہین نے اسے خود اپنی نظروں میں گرادیا تھا۔

تاہم اس نے دل میں تہیہ کرلیا تھا کہ آئندہ کسی اجنبی کو منہ نہیں لگائے گی۔ سنیل کے چہرے کے پیچھے کیسا مکروہ اور گھناؤنا چہرہ تھا؟ یہ سوچ کر کانپ گئی۔

آج اتوار تھا۔ اس نے سوچا کہ چھٹی کا یہ دن گھر

ماہنامہ ڈرڈائجسٹ کی دستیابی

اختر بک ڈپو
فیصل بازار سرگودھا

سید نیوز ایجنسی
مین بازار دینہ
PH:0300-9528023

طارق بک ڈپو
لوہاری بازار سیالکوٹ
PH:052-4568440

محمد ناصر شیخ نیوز ایجنٹ
بھیرہ ضلع سرگودھا
0301-6799177

جھنگ نیوز ایجنسی
کمالیہ روڈ نزد ڈوبہ ٹیک سنگھ
PH:0321-7531597

معصوم نیوز ایجنسی
اسٹیشن روڈ جھنگ صدر
0333-8103489

سلطانی نیوز ایجنسی
لاری اڈہ چکوال
0334-8761952

میں بیٹھ کر رونے کے لئے نہیں ہوتا۔ وہ اکیلی تھی، اسے یہ تنہائی کاٹ کھانے کو دوڑ رہی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ تیار ہو کر ٹینس کلب جائے گی اور جہاں دوپہر کا پرتکلف کھانا کھائے گی۔ ٹینس کلب کی کینٹین کا کھانا پورے شہر میں مشہور تھا، وہاں صرف ممبران یا ممبروں کے مہمانوں کو کھانے کی اجازت تھی۔

بیلا جب لابی میں داخل ہوئی اور اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھی، اسی لمحے اطلاعی گھنٹی بجی تو وہ چونک کر رک گئی۔

اس وقت کون آ گیا.....؟ کہیں وہ ذلیل تو نہیں آ گیا؟ اس نے حیرانی سے سوچا۔

بیلا نے دروازہ کھولا تو کوئی اور ہی سامنے کھڑا تھا۔ اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے نو وارد کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

اس شخص نے معمولی لباس پہن رکھا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اس نے کسی پرانے کپڑوں کی دکان سے خریدا ہے۔

''مسز گوتم.....! نمسکار!'' جگ موہن دونوں ہاتھ سے نمسکار کر کے مسکرایا۔ ''نامناسب وقت پر دخل در معقولات کی معافی چاہتا ہوں، میرا نام جگ موہن اور میرا تعلق ایک پرائیویٹ سراغ رساں ایجنسی سے ہے۔''

پھر اس نے جیب سے بٹوا نکال کر اس سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ ''ہم تحفظ فراہم کرتے ہیں۔''

''میں ہر طرح سے محفوظ ہوں۔'' بیلا نے اس کے ہاتھ سے شناختی کارڈ نہیں لیا۔ وہ ایک دم غصے سے بولی۔ ''مجھے آپ کی خدمات کی کوئی ضرورت نہیں..... بہت بہت شکریہ! آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔'' اتنا کہہ کر بیلا تیزی سے دروازہ بند کرنے لگی۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

جگ موہن کے لئے یہ حرکت غیر متوقع نہیں تھی، اس کے لئے وہ ذہنی طور پر تیار تھا۔ اس نے بدستور مسکراتے ہوئے دروازے میں پیر اڑا دیا۔

''میں آپ سے ایک اہم معاملے پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں مسز گوتم!'' جگ موہن نے بڑی نرمی سے کہا۔ ''اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے، اگر آپ نے جارحانہ انداز اختیار کیا اور میرے ساتھ بدسلوکی کی تو اس میں آپ کا نقصان ہوگا، کلنک کا ٹیکہ آپ کے ماتھے پر لگ جائے گا، خود کو قابو میں رکھیں، غصے میں آنے اور جذباتی ہونے سے.....!''

''پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو؟'' وہ درمیان میں تیز لہجے میں بولی۔ ''صاف صاف کہو معاملہ کیا ہے؟''

''میں آپ کے دوست مسٹر سنیل کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔'' جگ موہن نے کہا۔ ''میں اسی سنیل کی بات کر رہا ہوں جو کرائے کی شاندار گاڑی میں چوروں کی طرح آپ کے ہاں آیا تھا اور آپ نے اس کا استقبال والہانہ انداز سے کیا تھا..... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟'' اس نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ ''وہ یہاں سے تھوڑی دیر پہلے گیا تھا اور رات آپ کا مہمان رہا تھا، آپ نے اس کی نہ صرف سیوا کی تھی بلکہ مہمان نوازی بھی.....!''

بیلا کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے بھاری ہتھوڑا اس کے سر پر دے مارا ہو۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اس کی سانسیں رکنے لگیں۔ وہ گھبرا کر دو تین قدم اس طرح پیچھے ہٹ گئی جیسے اس کے سامنے کوئی ناگ ڈسنے کے لئے کھڑا ہو۔ اس کا چہرہ سفید ہوتا چلا گیا۔ جگ موہن فوراً ہی لابی میں داخل ہو گیا اور سرعت سے پلٹ کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔

''نکل جاؤ یہاں سے.....!'' بیلا نے تیز و تند لہجے میں کہا۔ ''تمہیں یہاں آنے کا کوئی حق نہیں ہے، دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔''

جگ موہن نے اس کے تیز و تند لہجے کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ وہ مسکراتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''اچھی بات ہے مسز گوتم.....! اگر آپ کہتی ہیں تو میں چلا جاتا ہوں..... میں آپ کی مدد کے لئے حاضر ہوا تھا تاکہ آپ کی ذات کو فائدہ پہنچے، کسی کی سیوا کرنا ہمارے کام کا ایک حصہ ہے اور مجھے اب اس کام کی رپورٹ

Pakistanifont

دینی ہے، اگر آپ مجھے جانے کے لئے کہہ رہی ہیں تو میں چلا جاتا ہوں بعد میں آپ کو کسی قسم کی شکایت کا حق نہیں ہوگا۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو.....؟ کیا واقعی تمہیں میری نگرانی پر مامور کیا گیا تھا.....؟ لیکن یہ بتاؤ کہ تمہاری خدمات کس خبیث نے حاصل کی تھیں.....؟'' کہیں وہ میرا بدبخت شوہر تو نہیں ہے.....؟'' وہ یہ سب کچھ ایک سانس میں کہہ گئی۔

''جی نہیں شریمتی جی.....!'' جگ موہن نے شائستگی سے کہا۔ ''آپ کے پتی مسٹر گوتم نائیکے کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے..... مجھے افسوس ہے کہ معاہدے کی رو سے میں آپ کو ان صاحب کا نام نہیں بتا سکتا..... کیا ہم بیٹھ کر اطمینان سے اس بارے میں بات نہیں کر سکتے؟ اس طرح کھڑے کھڑے تو کوئی بات نہیں ہو سکتی۔''

''نہیں!'' بیلا کا پارہ چڑھ گیا۔ ''تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

''ٹھیک ہے شریمتی جی.....! مجھے آپ کا ہر حکم منظور ہے..... میں آپ کی مدد کرنا چاہتا تھا لیکن اگر آپ یہ چاہتی ہیں میں اس خبیث سہیل کی رپورٹ جو ایک طرح سے شرمناک رپورٹ ہے، اپنے موکل کو پیش کردوں تو میں کر دیتا ہوں، آپ کے سرد رویے نے مجھے سخت مایوس کیا ہے۔''

''کوئی بھی تمہاری بے سروپا بات کا یقین نہیں کرے گا۔'' بیلا چلا کر بولی۔ ''تم ایک گھٹیا جاسوس ہو..... تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے..... تم مجھے زبانی باتوں سے ڈرانے اور ہراساں کرنے آئے ہو، دفع ہو جاؤ یہاں سے.....!''

''آپ ثبوت کی بات کر رہی ہیں.....؟'' جگ موہن نے افسوس کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ کی مراد شہادت سے ہے تو آپ کو یہ سن کر افسوس ہوگا کہ میں کچا کام نہیں کرتا، میری ایجنسی ہے زبانی جمع خرچ کو نہیں مانتی کیونکہ اس کی اپنی ایک عزت، وقار اور اعتماد ہے..... میرے پاس آپ کے اور سنیل کے تعلقات کی ناقابل تردید شہادت موجود ہے، اس رات گھر میں جو بے وفائی اور شوہر کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا ڈراما کھیلا گیا تھا، میرے پاس اس کی ریکارڈنگ موجود ہے۔''

''میں کہتی ہوں تم مسلسل جھوٹ بول رہے ہو..... بکواس کر رہے ہو، اندھیرے میں تیر چلا رہے ہو۔'' وہ کسی ناگن کی طرح پھنکاری۔

''شریمتی جی.....! جذبات کے بجائے عقل سے کام لیں، میں نے آپ سے ابھی عرض کیا تھا کہ میں کچا کام نہیں کرتا۔'' وہ کہنے لگا۔ ''آپ کے پیارے محبوب کی شیریں گفتگو میں نے محفوظ کرلی ہے..... اس کے علاوہ میرے پاس ایک خوبصورت اور واضح تصویر بھی موجود ہے جس میں سنیل کو آپ کے دولت کدے سے رخصت ہوتا دیکھا جا سکتا ہے..... آپ محبت کے نشے میں اتنی چور تھیں کہ آپ کو اپنے گھر سے ایک قیمتی چیز کے غائب ہونے تک کا احساس نہ ہو سکا..... تنیل کا کاروبار یہی ہے کہ وہ اپنی محبوباؤں سے نہ صرف بھاری رقم نقد وصول کرتا ہے بلکہ بیش قیمت تحائف بھی حاصل کرتا ہے اور انہیں بازار میں فروخت کر کے پرتعیش زندگی گزارتا ہے۔''

جگ موہن نے جیب سے پلاسٹک میں لپٹا ہوا طلائی سگریٹ کیس نکالا تاکہ بیلا اسے دیکھ سکے۔ بیلا کے چہرے پر ہوائیاں اڑتے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا، پھر اس نے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ آپ ہی کا سگریٹ کیس ہے نا شریمتی جی.....؟ یہ میں نے آپ کے محبوب سنیل سے چھینا تھا۔''

بیلا پھٹی پھٹی آنکھوں سے سگریٹ کیس کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی گوتم کے قیمتی اشیاء کے ذخیرے تک پہنچی اور یہ دیکھ کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کہ گوتم کا سگریٹ کیس غائب تھا۔ یہ نہ صرف بے حد بیش قیمت تھا بلکہ اسے حد سے زیادہ پسند بھی تھا۔

جگ موہن دبے قدموں بیلا کے پیچھے آ کر

خاموشی سے کھڑا ہوگیا۔ وہ کپکپاتی ہوئی بیلا کو بغور دیکھ رہا تھا۔ بیلا نے محسوس کرلیا تھا کہ جگ موہن اس کی پشت پر کھڑا اس کے شوہر کی قیمتی اشیاء کو دیکھ رہا ہے۔ وہ اس کی طرف گھوم گئی۔

''لاؤ..... یہ مجھے دے دو..... یہ سگریٹ کیس میرے شوہر کا ہے۔'' اس نے جگ موہن کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

جگ موہن نے سگریٹ کیس نہیں دیا اور ایک سرد آہ بھر کے بولا۔ ''کاش.....! میں یہ قیمتی چیز آپ کی خدمت میں پیش کرسکتا..... نہ دینے کی معقول وجہ یہ ہے کہ اس سگریٹ کیس پر آپ کے محبوب کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں..... انگلیوں کے ان نشانات سے میں سنیل کو چور ثابت کرسکتا ہوں۔ میرے پاس جو کیسٹ ہے، اس سے ثابت ہوجائے گا کہ اس نے آپ سے رقم طلب کی تھی لیکن آپ نے اسے دینے سے صاف انکار کردیا تھا۔''

''لیکن تم اسے چور کیونکر اور کیسے ثابت کرسکو گے.....؟ جبکہ یہ سگریٹ کیس اب تمہارے پاس ہے؟'' بیلا کو ایک دم محسوس ہوا کہ اس نے بڑی بچکانہ بات کہی ہے جبکہ اس جاسوس نے وضاحت کردی تھی۔

''سگریٹ کیس پر اس کی انگلیوں کے نشانات، گیٹ پر اس سے آپ کی گفتگو اور تصویریں اسے کم از کم پانچ برسوں کے لئے آہنی سلاخوں کے پیچھے بھیج سکتی ہیں..... یہ سارے شواہد ممبئی پولیس کو فراہم کرنا میری ذمے داری ہے بلکہ میرا فرض بھی.....! ممبئی کے اعلیٰ پولیس افسران اس پر ہاتھ ڈالنے کے لئے تاک میں بیٹھے ہیں..... سنیل بہت شاطر اور چالاک شخص ہے، اس نے اب تک ایسی کوئی غلطی، حماقت نہیں کی کہ اس کے خلاف ثبوت مہیا ہوسکے، وہ ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتا رہا ہے۔ جب میں انہیں ساری کہانی سناؤں گا، تو وہ حیرت اور خوشی سے اچھل پڑیں گے کیونکہ یہ اس کے خلاف پہلا ٹھوس ثبوت ہوگا جسے وہ جھٹلا نہیں سکتا، میں نے اسے ایک شکنجے میں جکڑ لیا ہے کہ وہ بے بس ہوکر رہ گیا ہے، اب اس کے تمام کس بل نکل جائیں گے۔''

بیلا کے پیروں میں جان نہیں رہی تھی۔ دہشت سے اس کا برا حال ہورہا تھا۔ وہ دھپ سے آرام کرسی پر بیٹھ گئی اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ وہ عجیب نظروں سے جگ موہن کو دیکھ رہی تھی جو کہ اب اس کے مقابل شاہانہ انداز سے بیٹھا تھا۔ وہ اسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے ایک شکاری شکار کو جال میں پھنسا دیکھ کر فخریہ انداز سے دیکھتا ہے۔ وہ اب اس کے رحم وکرم پر تھی۔

''امید ہے کہ آپ میری مجبوری کو اچھی طرح سمجھ چکی ہوں گی۔'' جگ موہن نے نرمی سے کہا۔

بیلا ایک جھرجھری لے کر رہ گئی۔ اس کے ذہن میں بڑے ہولناک خیالات چکرا رہے تھے۔ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھی کہ بھارتی پولیس کس قماش کی ہے، وہ مجبوریوں سے فائدہ اٹھانا خوب جانتی ہے خصوصاً ایک عورت کو کھلونا بنانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ وہ اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جائے گی، اسے عدالت میں گواہی کے لئے طلب کیا جائے گا، سرکاری وکیل اس سے ایک ایک بات اگلوالے گا..... ایک اسکینڈل بن جائے گا..... لوگ اس پر انگلیاں اٹھائیں گے..... سرگوشیاں ہوں گی جب بھی وہ کسی محفل یا تقریب میں جائے گی، اس کی طرف معنی خیز اشارے کئے جائیں گے..... اس کی سماجی زندگی تباہ ہو کر رہ جائے گی..... وہ کسی بھی تقریب میں شامل ہونے کے قابل نہیں رہے گی۔ اس کے منہ پر جو کالک لگے گی، وہ اسے دھو نہ سکے گی.....

''میرا خیال ہے کہ آپ کو سخت دھچکا لگا ہے؟'' جگ موہن نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ ''ٹھہریئے! میں آپ کو مشروب پیش کرتا ہوں۔''

اس نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ ایک کونے میں فریج رکھا ہوا تھا، اس میں کولڈ ڈرنک کی بوتل تھی۔ اس نے آئس ٹرے میں سے چند کیوب نکالے اور قریب موجود میز پر جو گلاس تھا، اس میں ڈال دیئے، پھر اس نے اسے مشروب سے لبالب بھر دیا۔ اس نے گلاس

اٹھایا اور بیلا کے پاس جا کر بڑے مودبانہ انداز سے گلاب اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور بولا: ''پی لیجیے..... طبیعت بحال ہوجائے گی۔''

بیلا کو اس وقت سخت پیاس لگی تھی، حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے پھر بیلا نے کپکپاتے ہاتھ سے گلاس تھاما اور ایک ہی سانس میں اسے حلق سے اتار لیا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا مشروب اس کے جسم میں امرت بن کر اترنے لگا تو اس نے ایک عجیب سی طمانیت محسوس کی، پھر اس نے ایک جھرجھری لے کر جگ موہن کو گلاس واپس کردیا۔

''شریمتی جی.....! آپ حکم کریں، میں دوسرا گلاس تیار کردوں؟'' اس نے عاجزی سے کہا۔

بیلا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ جگ موہن اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

''ایک لحاظ سے ہم دونوں ہی گونا گوں مسائل کا شکار ہیں۔'' جگ موہن فلسفیانہ انداز میں کہنے لگا۔ ''آپ اپنی جگہ پریشان ہیں اور میں اپنی جگہ.....! ہم ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔''

بیلا نے چونک کر سر اٹھایا اور اس کے چہرے کو دیکھنے لگی جس پر فکرمندی چھائی ہوئی تھی پھر اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ ''تمہارا مسئلہ کیا ہے.....؟ میں نہیں سمجھی آخر تم کہنا کیا چاہتا ہے؟ صاف صاف کہو؟''

''مسئلہ بہرحال..... مسئلہ ہوتا ہے، چاہے وہ کسی بھی نوعیت کا کیوں نہ ہو.....! میرا مسئلہ آپ سے قدرے مختلف ہے لیکن ہے بڑا گھمبیر.....!'' جگ موہن پھر فلسفیانہ انداز میں کہنے لگا۔ ''ان دنوں میں شدید مالی مشکلات سے دوچار ہوں، گزشتہ دو ماہ سے میں آپ کی مسلسل نگرانی کررہا ہوں۔ جب بھی آپ اپنے گھر سے نکلیں، میں نے آپ کو نظروں سے اوجھل ہونے نہیں دیا، مجھے اس کے عوض لگی بندھی تنخواہ ملتی ہے..... آج کل کس قدر گرانی اور مہنگائی ہے، اس کا آپ اندازہ اور احساس نہیں کرسکتیں کیونکہ بھگوان نے آپ کو خوب نوازا ہے لیکن میری تنخواہ اونٹ کی دم ہوکر رہ گئی ہے۔''

''کیا تم مجھ سے اس نگرانی کے عوض بھیک مانگنے آئے ہو؟ تم میرا وقت خراب کررہے ہو۔'' بیلا نے تنک کر کہا۔

''میں نے ابھی اپنی بات پوری کہاں کی ہے؟'' جگ موہن نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''ہاں تو میں یہ بتا رہا تھا کہ میں دو ماہ سے مسلسل آپ کی نگرانی کررہا ہوں، یہی میرا پیشہ ہے، میں نے کتنے پاپڑ بیلے، یہ میرا بھگوان یا میں جانتا ہوں، کسی کی نگرانی کرنا ایسا ہی ہے جیسے جوئے شیر لانا..... مجھے معلوم ہے کہ آپ کے دو تین خاص دوست ہیں، ان کی رفاقت میں آپ تمام اخلاقی حدود و قیود پھاند جاتی ہیں، میں آپ کے ان خاص دوستوں سے خوف واقف ہوں..... وہ کون ہیں، ان کے نام کیا ہیں، ان کی عمریں اور ان کے مشغلے.....! مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ مسٹر گوتم بے حد مصروف آدمی ہیں، انہیں سر کھجانے کی فرصت نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ آپ ان سے بے وفائی کی مرتکب ہورہی ہیں، یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایک شریف آدمی ہے اور آپ اس کی پتنی ہیں، آپ اپنے دو دوستوں کے ساتھ مختلف ہوٹلوں میں جاتی رہی ہیں..... میں دن و تاریخ وقت اور کمرے نمبر بھی جانتا ہوں، ہوٹلوں سے اس بات کی صدیق فون پر بھی ہوسکتی ہے..... اس مرتبہ آپ کو ایک پیشہ ور محبوب سے واسطہ پڑا، جانے کیا سوجھی کہ آپ نے اسے اپنے دولت کدے پر مدعو کرلیا، یہ آپ کی بہت بڑی بھول تھی، آپ کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔''

بیلا کا چہرہ فق تھا۔ اس شخص کی باتوں نے اسے اندر ہی اندر دہلا کر رکھ دیا۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''تمہاری خدمات کس نے حاصل کی ہیں؟ کیوں اور کس لئے.....؟''

''مجھے افسوس ہے شریمتی جی! میں آپ کو اپنے موکل کا نام کسی قیمت پر بتا نہیں سکتا..... میں اپنے کرم فرما کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا، میں نے اس سلسلے

میں مکمل رازداری کا وعدہ کیا ہے، آپ سمجھ سکتی ہیں کہ یہ کتنا اہم اور نازک معاملہ ہے، میں نے آپ کے کیس پر بہت محنت کی ہے، مجھے اس بات کا بخوبی علم ہے کہ آپ کے اور مسٹر گوتم کے تعلقات خاصے کشیدہ ہیں، آپ اپنے شوہر سے سخت بیزار اور نالاں ہیں، وہ بھی آپ سے سخت متنفر ہیں، آپ طلاق سے یقیناً نہیں ڈرتی ہیں لیکن یہاں معاملہ پریس اور پولیس کا ہے، اب میں آپ کو کیا سمجھاؤں۔ آپ بچی نہیں ہیں، ذہین، حقیقت پسند اور دور اندیش ہیں۔''

بیلا نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا جس سے وہ اور حسین دکھائی دینے لگی۔ وہ بگڑ کر بولی۔ ''ٹھیک ہے، میں اس ذلیل شخص کا نام نہیں پوچھوں گی، یہ بتاؤ کہ تمہارا کیا مسئلہ ہے؟''

''میری بیوی کافی دنوں سے سخت بیمار ہے۔'' جگ موہن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں آپ کو اس کی بیماری کی تفصیل بتا کر بور نہیں کروں گا، مجھے اس کے آپریشن اور دیگر ضروریات کے لئے پچاس ہزار کی ضرورت ہے، یہ رقم کوئی دینے کے لئے تیار نہیں ہے..... ممبئی پولیس سنیل کو گرفتار کرنا چاہتی ہے کیونکہ اس کے خلاف ایف آئی آر کٹی ہوئی ہے لیکن ثبوت نہیں ہے، انہوں نے کئی پرائیویٹ جاسوسوں کو بھی اس کے پیچھے لگا رکھا تھا لیکن کوئی اس کے کرتوتوں کا ثبوت فراہم نہ کرسکا، پھر انہوں نے تنگ آ کر اعلان کیا تھا کہ جو شخص سنیل کے خلاف ثبوت پیش کرے گا، اسے پچاس ہزار روپے بطور انعام دیئے جائیں گے۔''

بیلا نے جگ موہن کے سفید جھوٹ کو فوراً ہی سمجھ لیا۔ وہ کوئی بچی نہیں تھی۔ جھوٹ کیا ہے، سچ کیا ہے؟ وہ صاف ظاہر ہوجاتا ہے۔ جگ موہن کا لہجہ بھی جھوٹ کی چغلی کھا رہا تھا۔

بیلا نے آنکھیں بند کرلیں۔ آج صبح سے اسے دوسری مرتبہ بلیک میل کیا جارہا تھا اور وہ یہ بات کسی بھی صورت سے برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ یہ بالکل میلر ضرورت سے زیادہ پھیل جاتے تھے کیونکہ بلیک میل ہونے والا بلیک میلر کے رحم و کرم پر ہوتا تھا۔

''مجھے اپنی بیوی سے بے انتہا محبت ہے شریمتی جی!'' جگ موہن نے قدرے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''اس نے ہر مشکل میں میرا ساتھ دیا ہے، اگر میں اس کی مشکل میں کام نہ آؤں تو مجھ پر لعنت ہے، میں اسے کسی صورت مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا..... دوسری طرف مجھے آپ سے بھی ہمدردی ہے، اگر آپ مجھے پچاس ہزار روپے دے دیں تو میں ساری چیزیں آپ کے حوالے کردوں گا اور پھر کبھی آپ کو پریشان نہیں کروں گا لیکن آپ کی نگرانی ضرور جاری رکھوں گا، یہ رسمی کارروائی ہوگی لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ آپ کے خلاف کوئی رپورٹ نہیں دوں گا، آئندہ میں آپ کا دوست اور راز دار ہوں گا، کیا یہ اچھا سودا آپ کو منظور ہے.....؟ میں کیا آپ سے خلوص سے پیش نہیں آرہا ہوں، رعایت نہیں کررہا ہوں؟''

بیلا خاموش بیٹھی رہی۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا لیکن اس کی روشن پیشانی پر جو لکیریں تھیں، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کچھ سوچ رہی ہے۔ جگ موہن نے دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر اس نے کوئی چالاکی دکھائی یا فریب سے کام لیا تو پھر وہ اسے کسی صورت نہیں بخشے گا۔

وہ خاموشی سے بیلا کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اسے کوئی جلدی نہیں تھی لیکن دس منٹ گزر گئے تو جواب کا انتظار اس کے لئے لمحہ لمحہ اذیت ناک بنتا گیا۔ اس کے صبر کا پیمانہ جھلک پڑا۔

''ایسا لگتا ہے کہ آپ کو یہ سودا منظور نہیں ہے؟'' اس نے سرد اور سفاک لہجے میں پوچھا۔ ''اگر ایسا ہے تو صاف صاف بتادیں۔''

''اگر میں نے انکار کردیا تو تم کیا کروگے.....؟'' بیلا نے تنک کر کہا۔ ''کیا گولی مار دوگے.....؟''

''چونکہ یہ رقم مجھے اپنی بیوی کے علاج کے لئے درکار ہے، اس لئے اس کے حصول کے لئے میں کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتا ہوں۔'' جگ موہن نے سخت

Pakistanipoint

لہجے میں جواب دیا۔ ''بعد میں آپ پچھتائیں گی، آپ مجھے عام قسم کا جاسوس نہ سمجھیں، میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوا ہے۔''

''تم بے حد جذباتی ہو رہے ہو۔'' بیلا کا لہجہ یکا یک بدل گیا۔ وہ نرمی سے بولی۔ ''اس کے سوا میرے پاس چارہ ہی کیا ہے، میں تمہیں پچاس ہزار روپے دے دوں لیکن تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔''

''کیسا وعدہ.....؟'' جگ موہن نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''تم رقم لے کر ساری چیزیں مجھے دے دو گے.....تم میرے ساتھ کوئی غلط حرکت نہیں کرو گے؟'' بیلا نے کہا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ رقم وصول کر کے یہ ساری چیزیں دے دوں گا اور چلا جاؤں گا اور آپ کی طرف مڑ کے بھی نہیں دیکھوں گا۔''

''میرے پاس اس وقت رقم کم ہے لیکن شاید اوپر میرے شوہر کی تجوری میں اتنی رقم ہو سکتی ہے، تم ٹھہرو.....! میں جا کر دیکھتی ہوں، امید ہے کہ اس میں تمہاری مطلوبہ رقم یقین اہوگی۔''

بیلا اس کی طرف دیکھے بغیر اپنی نشست سے اٹھی اور کمرے سے تیزی سے باہر نکل گئی۔ جگ موہن بھی سرعت سے اس کے بیڈروم میں گیا۔ اس کا پرس کھلا ہوا تھا، اس میں چھوٹے بڑے نوٹ بھرے تھے۔ اس کے اندازے کے مطابق پچاس ہزار سے کم نہیں تھے۔ ایک سونے کا نیکلس بھی تھا۔ جگ موہن کو کسی عورت پر بھروسہ نہیں رہا تھا۔ اگر اس کی بیوی کی بیماری اور آپریشن کا مسئلہ نہ ہوتا تو وہ اس کے پرس پر ہاتھ صاف نہ کرتا۔ اسے شک ہو گیا تھا کہ بیلا اس کے ساتھ کوئی چال چل رہی ہے، دھوکا دے رہی ہے، شاید اوپر سے ٹیلی فون کر کے اپنے کسی محبوب کو بلا رہی ہے تاکہ اس سے نمٹا جا سکے۔

جب وہ دبے قدموں بیلا کے پیچھے اوپری منزل پر پہنچا تو وہ کمرہ نظر آ گیا جس میں بیلا گھسی تھی کیونکہ دروازہ قدرے کھلا ہوا تھا۔ اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے طے کر لیا تھا کہ اگر بیلا نے فریب کیا تو پھر وہ اپنے پستول کی زد پر لے کر اسے بے عزت کر دے گا۔ اس نے کبھی بھی ایسی کسی عورت کو نہیں بخشا تھا۔ اسے اس بات پر غصہ آ رہا تھا کہ بیلا نے اس سے جھوٹ کیوں بولا جبکہ اس کے پرس میں رقم موجود تھی۔ اب بیلا اس کے نزدیک کسی رعایت اور معافی کے قابل نہیں رہی تھی اوہ اس سے رقم مع سود وصول کر کے جائے گا۔

بیلا اس کی طرف پشت کئے دیوار سے ایک جدید طرز کی پینٹنگ ہٹا رہی تھی۔ جگ موہن نے دیکھا کہ پینٹنگ کے پیچھے تجوری چھپی ہوئی تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ پچاس ہزار کی رقم اس سے زیادہ دور نہیں تھی، اور سونے کا ایک نیکلس۔ بیلا اسے پچاس ہزار روے دیتی تو اس کی تمام پریشانیاں دور ہو جاتیں لیکن اب اس کی جیب میں اتنا مال آ گیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو اچھے اسپتال میں داخل کر سکتا تھا، بچوں کے لئے نئے کپڑے اور جوتے بھی خرید سکتا تھا۔ اس کے سان و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ بیلا اتنی آسانی سے ہتھیار ڈال دے گی۔ اس نے سوچا تھا کہ پچاس ہزار روپے وصول کرنے کے لئے اسے بڑے پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔

بیلا تجوری کھولنے کے لئے نمبر گھما رہی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے پلٹ کر جگ موہن کو دیکھا اور غصے سے اس کا چہرہ دہک اٹھا، اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اسے ایسا لگا جیسے کوئی ناگ اسے ڈسنے کے لئے کمرے میں گھس آیا ہو۔ وہ اس امکان کو اس لئے بھی رد نہیں کر سکتی تھی کہ وہ گھر میں اکیلی تھی، وہ ایک بلیک میلر کے رحم و کرم پر تھی، اس وقت نامناسب لباس میں تھی۔ ایک مرد کا بہکنا اور ناگ بن جانا فطری امر تھا۔

''فون مت اٹھائیں شریمتی جی.....!'' جگ موہن نے کمرے میں گھستے ہوئے کہا۔ ''گھنٹی بج رہی ہے تو بجنے دیں، آپ تجوری کھولیں۔''

لیکن بیلا بڑی تیزی سے لپکی تھی فون کی

طرف.....! جگ موہن کو اسے روکنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ بیلا نے فوراً ریسیور کریڈل سے اٹھالیا۔

اسی لمحے جگ موہن نے اس کے پاس آ کر اس کی خوبصورت اور سڈول کلائی تھامی اور سرگوشی میں بولا۔

''سوچ سمجھ کے بات کیجئے گا مسز گوتم! ورنہ اچھا نہ ہوگا۔''

پھر اس نے بیلا کی کلائی چھوڑ دی اور سامنے کھڑا ہوگیا۔

دوسری طرف بیلا کی سہیلی لاجونتی اس سے مخاطب تھی۔ ابتدائی رسمی کلمات کے بعد لاجونتی نے بیلا کے نئے محبوب کے بارے میں معلوم کیا۔ بیلا نے سنیل کی تعریف معنی خیز جملوں میں کی، پھر اس نے سوال کیا۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ گوتم کی کوئی خبر ہے.....؟''

''نہیں.....!'' بیلا نے جواب دیا۔ ''وہ ایک فلم کے سلسلے میں سری لنکا گیا ہوا ہے۔''

''سری لنکا.....! نہیں میری جان! وہ سری لنکا نہیں بلکہ دبئی گیا ہے، وہ دبئی میں ہوگا، میرے شوہر شیام سے اس کی ملاقات دہلی ایئرپورٹ پر ہوئی تھی، وہ دبئی جانے والی پرواز کے انتظار میں بیٹھا تھا، شیام آج رات ہی تو دہلی سے لوٹا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ اس نے کسی کام سے دو ایک گھنٹے کے لئے دہلی جانے کی بات کی تھی..... وہ ممبئی دبئی جانے والی پرواز سے گیا ہوگا، پھر وہاں سے سری لنکا چلا گیا۔'' بیلا نے جگ موہن کی موجودگی کا احساس کرتے ہوئے کہا۔

''وہ تمہیں دھوکا دے رہا ہے بے بی.....! وہ عورتوں میں بے حد مقبول ہے، تقریبات میں لڑکیاں اسے گھیرے میں لئے رہتی ہیں، ہیروئنیں اس کے آگے پیچھے گھومتی ہیں، میرا خیال ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی گیا ہے، کسی لڑکی کو ساتھ لے گیا ہے خیر.....! اس کا بھی حق بنتا ہے کہ وہ کسی کے ساتھ دل بہلائے اس لئے کہ اب تم اس کے لئے اجنبی ہوتی جارہی ہو..... یہ بتاؤ کہ تم ٹینس کلب کب پہنچ رہی ہو؟''

''میں اس وقت یقین سے کچھ کہہ نہیں سکتی..... اچھا اب میں فون رکھ رہی ہوں، باتھ ٹب سے پانی گر رہا ہے، گڈ بائی!'' یہ کہہ کر بیلا نے فون بند کردیا۔ جگ موہن ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنتا رہا تھا۔

''اب اگر ٹیلی فون کی گھنٹی بجے تو آپ جواب نہیں دیں گی۔'' جگ موہن نے خشک لہجے میں کہا۔

''اب آپ شبھ کام میں دیر نہ کریں، خاصا وقت برباد ہوگیا ہے، میرے لئے انتظار ناقابل برداشت ہورہا ہے، جلدی سے تجوری کھول دیں۔''

جگ موہن نے بیلا کو تجوری کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو مسکرادیا۔ جگ موہن کو افسوس ہورہا تھا کہ اس نے پچاس ہزار روپے پر اکتفا کیوں کیا، اسے تو ایک لاکھ روپے مانگنا چاہئے تھے، گوتم اسے ذاتی اخراجات کے لئے ایک دو لاکھ روپے دے گیا ہوگا..... بیوی کے آپریشن کی رقم تو اس کی جیب میں آ ہی گئی ہے۔ وہ اس کی تجوری صاف کردے گا، اس میں ایک لاکھ دو لاکھ ضرور ہوں گے..... رقم وصول کرنے کے بعد وہ چیزیں اس وقت تک نہیں دے گا جب تک وہ اس کی مہمان نوازی نہ کرے۔

یہ سب سوچتے ہوئے اس نے تجوری کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا اور دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگا۔

اس ڈرامے میں اچانک اور غیر متوقع وہ موڑ آ گیا جو سسپنس سے بھرپور تھا۔

بیلا تجوری میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالنے لگی تو جگ موہن سمجھا کہ وہ نوٹوں کی گڈی نکال رہی ہے۔

بیلا بجلی کی سی سرعت سے پلٹی اور کسی ناگن کی طرح خونخوار نظروں سے اسے گھورنے لگی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک سیاہ چمکدار ریوالور اور چہرے پر کسی پیشہ ور قاتل کی سی درندگی تھی۔ ریوالور کی نال کا رخ اس کے سینے کی طرف تھا۔

''سگریٹ کیس اور کیسٹ میز پر رکھ دو..... میں ریوالور چلانا جانتی ہوں..... ایک رات دو درندے میری عزت لوٹنے آئے تھے لیکن وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوسکے..... میں نے ایک کا پیر اور دوسرے کا

ہاتھ معذور کر دیا تھا..... میں تمہارے گھٹنے پر گولی ماروں گی، تم عمر بھر کے لئے اپاہج ہو جاؤ گے، بہتر ہوگا جیسا میں کہہ رہی ہوں ویسا کرو۔''

''تم مجھے معذور کر کے جیل جانے سے بچ جاؤ گی، یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔'' جگ موہن مسکرایا۔ ''پولیس تمہیں چھوڑے گی نہیں۔''

''تم کو گولی مار کر زخمی کرنے کا معقول عذر ہے، میں یہ کہوں گی کہ اس نے مجھے تنہا پا کر میری عزت برباد کرنا چاہی تھی، میں نے اپنی جان اور عزت بچانے کے لئے اپنا دفاع کیا تھا۔'' بیلا نخوت سے بولی۔

''عزت.....؟'' جگ موہن زوردار قہقہہ مار کر ہنسا۔ پھر اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''نہ جانے کیوں آپ کی زبان سے یہ لفظ اچھا نہیں لگ رہا ہے اور پھر آپ کے پاس عزت ہے کہاں.....! اسے تو آپ نے نہ جانے کب کا نیلام کر دیا۔''

''اپنی چونچ بند کرو۔'' بیلا دھاڑی۔ ''میں جو کہہ رہی ہوں، وہ کرو..... سنا تم نے ذلیل آدمی!''

جگ موہن بے بسی سے مسکرا کے رہ گیا۔ وہ کرتا کیا.....! قسمت کی دیوی اس پر مہربان نہیں تھی۔ رقم اس کے ہاتھوں میں آتے آتے رہ گئی تھی۔ اس بات کا بھی امکان تھا کہ شاید خاصی بڑی رقم ہاتھ لگ جاتی اور بیلا اس کے رحم و کرم پر ہوتی۔ پھر ایک اور خیال اس کے ذہن میں آیا کہ یہ پستول خالی بھی تو ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر اس سے دولت اور شباب کا حصول آسان تر ہوگا۔

اس نے اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے ہنس کر کہا۔ ''بے بی! تم کسے بے وقوف بنا رہی ہو؟ دھوکا دے رہی ہو خالی پستول سے.....!'' یہ کہہ کر وہ بیلا کو دبوچنے کے ارادے سے آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔

کہ اچانک فائر سے کمرہ گونج اٹھا۔ گولی زناٹے سے جگ موہن کے چہرے کے قریب سے گزر گئی۔ وہ اس قسم کی صورتحال سے کبھی دوچار نہیں ہوا تھا۔ وہ پیچھے کھسکنے لگا۔ اپنا پستول نکالنا آسان نہ تھا، وہ اسے مہلت نہ دیتی، شوٹ کر دیتی۔ اس کی خود اعتمادی ختم ہو چکی تھی۔ دہشت نے اس کے دل و دماغ کو گھیر لیا تھا۔ اس کی بہتری اور سلامتی اسی میں تھی کہ وہ بیلا کی ہر بات، ہر حکم کو بلا چوں و چرا مان لے۔ اس وقت وہ کسی زخمی شیرنی کی طرح غضبناک ہو رہی تھی۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ اس نے کوئی چالاکی دکھائی تو وہ بلا تامل اسے شوٹ کر دے گی۔ وہ بازی ہار چکا تھا، اس کے پاس کوئی داؤ اور تدبیر نہیں رہی تھی۔

''ٹھیک ہے..... میں وہی کروں گا جو آپ کہیں گی۔'' جگ موہن نے کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے جیب سے پلاسٹک کی تھیلی اور کیسٹ نکالا اور دونوں چیزیں میز پر رکھ دیں۔ اسے یہ خوف دامن گیر ہو گیا تھا کہ کہیں بیلا کی نظریں اس کی جیبوں پر نہ پڑ جائیں جن میں نوٹوں کی گڈیاں اور نیکلس تھا، لیکن بیلا کو معلوم نہ تھا کہ یہ چالاک اور شاطر دشمن کیا کارنامہ لمحوں میں دکھا چکا ہے۔

''اب یہاں سے فوراً دفع ہو جاؤ، ذلیل بلیک میلر!'' بیلا نے چلا کر ہیجان زدہ لہجے میں کہا۔ ''بھاگ جاؤ یہاں سے.....!''

اب وہ وہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ بیلا نے اس کا نیچے تک پیچھا کیا۔ جگ موہن نے دروازہ کھولا اور تیزی سے باہر نکل گیا تو بیلا نے ایک دھماکے سے دروازہ بند کیا اور چٹخنی چڑھا دی، پھر وہیں فرش پر بیٹھ گئی اور سسکیوں سے رونے لگی۔

جگ موہن گاڑی میں بیٹھ کر اس تیزی سے وہاں سے نکلا جیسے کوئی خوفناک عفریت اس کے تعاقب میں ہو، پھر اس نے آگے جا کر ایک پارک کے پاس سایہ دار درخت کے نیچے گاڑی روکی۔ یہ اعلیٰ رہائشی علاقہ تھا۔ اتوار کے باعث ویران اور سنسان پڑا تھا، پارک میں بھی کوئی نہ تھا۔ اس نے رقم نکال کر گنی، وہ چوالیس ہزار سات سو روپے تھے، پھر نیکلس نکال کر دیکھا، وہ جڑاؤ تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق وہ چالیس ہزار سے کم قیمت کا نہیں تھا۔

جگ موہن اب اس بات سے خوش تھا کہ اپنی بیوی کو وہ کسی اچھے اسپتال میں داخل کرا دے گا۔ بچے جو احساس محرومیوں کا شکار ہیں، وہ دور کر دے گا۔ یہ بھگوان

نے اس کی مدد کی تھی۔ بیوی نے رقم کے بارے میں پوچھا تو کہہ دے گا کہ اس نے کسی دوست سے قرض لیا ہے۔

☆.....☆.....☆

اتوار کی صبح دس بجے انسپکٹر سنگارا کے دفتر کے باہر ایک گاڑی آ کر رکی۔ ڈی ایس پی سریش نے اپنا بھاری بھرکم وجود سمیٹا اور گاڑی سے باہر نکلا۔ بارش اب بھی پورے زور و شور سے جاری تھی۔ سریش نے برساتی اتار کر ایک طرف ٹانگی پھر دفتر میں داخل ہو گیا۔

''ہیلو انسپکٹر سنگارا.....!'' سریش نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ہیلو.....!'' سنگارا نے بھی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور پوچھا۔ ''کیا خبر ہے؟''

''اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ خطرناک دہشت گرد پکڑا گیا یا نہیں تو جواب یہ ہے کہ وہ ابھی تک ہمارے ہاتھ نہیں لگا.....! سڑک پر رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی ہیں.....لیکن ایک امکان یہ بھی ہے کہ وہ اس سے پہلے یہاں سے نکل گیا ہوگا، بارہا اعلان کے باوجود اب تک کسی گاڑی والے نے اسے لفٹ دینے کے بارے میں بھی اطلاع نہیں دی، اس نے پولیس کی وردی تو پہن رکھی تھی، اس امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اسے کسی گاڑی والے نے لفٹ دی ہو اور قدرے دور جا کر گاڑی کے مالک کو قتل کر کے اس کی لاش پھینک دی ہو اور کسی سمت نکل گیا ہو.....میں نے نیشنل گارڈز کے جوانوں کو خبردار کر دیا ہے کہ وہ ہر مشتبہ آدمی پر گہری نظر رکھیں.....وہ سب ٹرکوں میں سوار بارش کے رکنے کا انتظار کر رہے ہیں۔'' سریش نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

سنگارا اس کی بات بڑی توجہ سے سنتا رہا تھا.....

پھر اس نے تھکی تھکی نگاہوں سے سریش کا جائزہ لیا۔ اس نے میز پر پھیلے ہوئے نقشے پر ایک نظر ڈالی، پھر وہ سریش کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ ''یہ میرے علاقے کا نقشہ ہے، آپ نے جو کچھ کیا ہے، وہ اپنی جگہ.....اس سے اتفاق نہیں تو اختلاف بھی نہیں کیا جا سکتا.....لیکن رات کو سڑک پر آمد و رفت بہت کم ہوتی ہے اور میرا خیال اب بھی یہی ہے کہ جب رتنا دیو کی گاڑی گڑھے میں گری تھی تو وہ پیدل ہی جنگل میں نکل گیا ہوگا لہٰذا اسے ابھی میرے ہی علاقے میں ہونا چاہئے۔''

''ہو سکتا ہے کہ آپ کا خیال درست ہو لیکن وہ اگر جنگل ہی میں کہیں چھپا ہوا ہوگا تو اسے اب تک یہ احساس ہو گیا ہوگا کہ سڑکوں پر نگرانی ہو رہی ہے لہٰذا اس کا یہاں سے نکلنا ممکن نہیں، اس لئے میرا خیال ہے کہ اس نے کسی گاڑی والے سے لفٹ لی ہوگی، اس کے ڈرائیور کو قتل کر کے پال کیلے کی طرف روانہ ہو گیا ہوگا۔'' سریش نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

مگر انسپکٹر سنگارا اس کے خیال سے متفق نہ تھا۔ اسے سریش سے اختلاف تھا۔ اس نے کہا۔ ''میں اپنے علاقے کے چپے چپے سے واقف ہوں، اس علاقے میں درجنوں ایسے مقامات ہیں جہاں وہ چھپ سکتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ دریا کے کنارے بنے ہوئے بنگلوں میں سے کسی میں چھپا ہوگا، بنگلے اس مقام سے جہاں گاڑی گڑھے میں گری تھی، دس میل کے فاصلے پر ہیں.....جنگل سے ادھر جانے کے لئے کئی پگڈنڈیاں ہیں.....عموماً یہ بنگلے خالی رہتے ہیں، ان کے مالک کبھی کبھار ممبئی، کولمبو یا کینڈی سے آ کر چند دن گزارتے ہیں، ایک طرح سے پکنک مناتے ہیں یا ذہنی آسودگی کے لئے آتے ہیں.....یہ لوگ اپنے بنگلوں میں کھانے پینے کا خاصا سامان فریزر میں رکھتے ہیں، ایسی صورت میں اگر وہ قاتل ان میں سے کسی بنگلے میں داخل ہو گیا تو وہ با آسانی تین چار ہفتے مزے سے رہ سکتا ہے، اس لئے ان بنگلوں کو ضرور چیک کرنا چاہئے، بارش جیسے ہی رکے گی، میں اور شاستری ادھر جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔'' سنگارا نے اپنا فیصلہ سنایا۔

''میرے خیال میں آپ اس خیال سے باز رہیں تو بہتر ہے۔'' سریش نے اسے مخلصانہ مشورہ دیا۔

''وہ کس لئے.....؟'' انسپکٹر سنگارا نے تکرار کے انداز میں کہا۔

(جاری ہے)

آدم خور

محمد رضوان قیوم۔راولپنڈی

گھری نیند میں سوئے ہوئے شخص کی اچانک فلک شگاف چیخ برآمد ہوئی تو قریب سویا ہوا شخص جاگ گیا مگر یہ کیا جس شخص کی پہلے چیخ برآمد ہوئی تھی وہ اپنی جگہ سے غائب تھا لیکن کیسے غائب تھا۔

خونچکاں بھونچکاں.....اوردلوں کوتھرادینے والی.....خوفناک وتحیر سے لبریز.....کہانی

اس دلچسپ پراسرار کہانی کو مجھے ایک شخص اختر حسین نے یوں سنایا۔

ہمارا خاندان 1947ء کی خونی ہجرت کے نتیجے میں ہندوستان سے آ کر پاکستان کے موجودہ شہر ملتان کے ایک قدیمی علاقے میں رہائش پذیر ہوا تھا۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ہمیں رہائش کے لئے جو مکان ملا تھا وہ پہلے ہی سے بہت ویران، بوسیدہ اور کھنڈر بنا ہوا تھا۔ یہ مکان اگرچہ دو منزلہ تھا۔ لیکن اس میں رہنے کے قابل اوپری منزل میں صرف ایک ہی کمرہ تھا۔

ابا نے سب سے پہلے اس کھنڈر نما مکان کو اپنے نام کروانے کے بعد اسے نئے سرے سے بنانے کا ارادہ کیا۔ ابا اس مکان کو نئے سرے سے توڑ کر بنانے کے لئے کئی ٹھیکیدار اور مستریوں کو لے کر آئے تھے۔ ان میں سب نے ابا کو مشورہ دیا کہ اس مکان کو توڑنا اور بنیادوں

Pakistanipoint

سے اٹھانا بہت بڑا عذاب ہے۔ اس کی وجہ ایک تو یہ اتنا خستہ حال ہے کہ اسے توڑنے سے ساتھ والے پڑوسی کا مکان بھی گر سکتا ہے۔ اور دوسرے اگر اسے مجبوراً گرایا بھی جائے تو کس طرح گرایا جائے.....؟ کیونکہ گلی بہت تنگ ہے ملبہ کہاں جائے گا؟

لیکن ابا بضد تھے کہ اسے میں نئے سرے سے بناؤں گا۔ ابا کو کسی نے بتایا کہ مختار نامی ٹھیکیدار اس قسم کے کھنڈر نما مکانات کی نئے سرے سے تعمیر کرنے میں بہت ماہر ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں اس سے رابطہ کیا جائے۔

ابا مختار ٹھیکیدار کو گھر میں لے کر آئے۔ اس نے گھر کا جائزہ لینے کے بعد ابا سے کہا۔ ''اگر اس مکان کو واقعی نئے سرے سے بنانا ہے تو آپ عارضی طور پر اس مکان سے بمعہ فیملی کسی دوسرے مکان میں منتقل ہو جائیں۔'' ابا نے اس کا یہ مشورہ مان لیا۔

مختار ٹھیکیدار سے ابا نے مکان کی تڑوائی میٹریل اور تعمیر کے اختتام تک تمام معاملات باقاعدہ ایک معاہدے کے تحت طے کر لئے تھے۔ ابا نے محلے میں ہی چند ماہ کے لئے ایک عارضی مکان کرائے پر لے لیا تھا۔ مختار ٹھیکیدار اپنے تین مزدوروں کے ساتھ مکان توڑنے کے لئے آ گیا تھا۔ اس نے اپنا کام اوپری منزل سے بڑی آہستگی سے شروع کیا تھا۔ اس کا مکان توڑنے کا طریقہ یہ تھا۔

کہ وہ دن بھر میں جتنا مکان توڑتا تھا وہ اس کا ملبہ اسی دن باہر ایک گراؤنڈ میں پھینک دیتا تھا۔ ابا اور اماں نے میری اور بھائی کی باری باری ڈیوٹیاں یہ لگائیں ہوئی تھیں کہ ہم مختار اور اس کے ساتھ آئے مزدوروں کے لئے چائے روٹی لے کر جائیں گے اور ہم ایسا ہی کرتے تھے۔

مختار اپنا کام بڑی تیزی سے کر رہا تھا۔ اس نے چند ہی دنوں میں اوپری منزل کو اکھیڑ دیا تھا۔ وہ جب نچلی منزل پر آیا تو اس نے بڑی احتیاط سے مکان کو توڑنا شروع کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نچلی منزل کی سائیڈ میں موجود اینٹیں بہت بوسیدہ ہو گئی تھیں۔ ہماری دیوار کے ساتھ ہمارے پڑوسی کی مشترکہ دیوار تھی۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر چیخ چیخ کر کہا کرتا تھا۔ ''اپنے مکان کے ساتھ ہمارا مکان بھی گرانے کا ارادہ ہے کیا اور اگر ہمارے مکان کو نقصان پہنچا تو میں چھوڑوں گا نہیں، میرے مکان کا نقصان تمہیں پورا کرنا پڑے گا۔''

نچلی منزل کے فرش کی حالت اتنی خستہ تھی کہ اس کے فرش میں جگہ جگہ نہ صرف گہرے موکھلے کھڑے تھے بلکہ آدھے فٹ سے زیادہ چھوٹی بڑی گہری دراڑیں بھی تھیں۔

مختار کو کام نمٹانے کی جلدی تھی۔ اس نے اپنے ساتھ آئے مزدوروں کو کہا۔ ''رات گئے تک کام کریں تاکہ وہ اس کھنڈر مکان کو توڑ کر اسے پلاٹ کی شکل دے کر اس پر وہ تعمیر شروع کرے۔ اس کے ساتھ آئے مزدور دن بھر اپنا کام نمٹا کر تھک ہار کر اس فرش پر ایک طرف سو جاتے تھے۔ وہ خود اپنے گھر چلا جاتا تھا۔

ایک دن ہماری فیملی اپنے عارضی کرائے والے مکان میں رات کے تیسرے پہر خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی کہ اچانک ڈرز ڈرز کر کے ہمارے گھر کے دروازے بجنے لگے۔ ہم سب گھر والے چونک کر اٹھ گئے۔ خدا خیر کرے اور اماں نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔

''کون ہے بھائی؟ آ رہا ہوں آ رہا ہوں۔'' ابا نے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے جب گھر کا دروازہ کھولا تو سامنے مختار ٹھیکیدار کا ساتھی ایک مزدور بنارس سامنے بڑی گھبرائی ہوئی حالت میں کھڑا تھا، ابا نے اسے پوچھا۔ ''خیر تو ہے۔ اس وقت تو کیوں آیا ہے؟''

''ج..... جی.....'' اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے یہ بڑی عجیب بات ابا کا نام لے کر بتائی۔ ''بشارت صاحب وہ جو میرے ساتھ یا مین مزدور آیا ہوا تھا اور وہ میرے ساتھ فرش پر سویا ہوا تھا کہ وہ اچانک ایک دلخراش چیخ کے ساتھ غائب ہو گیا ہے۔''

اس کے منہ سے یہ بات سن کر ابا اور ہم سب پریشان ہو گئے۔ ''بنارس تو نے اچھی طرح اسے آگے پیچھے دیکھا تھا۔

''جی ہاں۔ میں نے اسے ادھر ادھر دیکھا ہے وہ واقعی وہاں نہیں ہے۔'' تھوڑی دیر بعد میرا بھائی اور ابا

اس کے ساتھ اپنے کھنڈر نما مکان میں گئے تو وہاں پہلے ہی محلے کے کافی لوگ اس مزدور کی جانب سے شور مچانے کی وجہ سے بھاگ کر جمع ہو گئے تھے۔

''یار بشارت یہ مزدور بڑی عجیب بات بتا رہا ہے کہ اس کا دوسرا سوتا ہوا ساتھی یامین ایک دلخراش چیخ کے ساتھ یکدم بجلی کی مانند پراسرار طور پر غائب ہو گیا ہے۔''

اس کھنڈر نما مکان میں محلے داروں ابا اور ہم سب نے اسے بڑے اچھے طریقے سے تلاش کیا۔ لیکن کسی کو یامین کے اس طرح پراسرار طریقے سے غائب ہونے کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد بذات خود مختار ٹھیکیدار بھی وہاں آ گیا۔ اسے جب اس بات کا علم ہوا تو وہ بھی اپنے طور پر بہت پریشان ہوا۔ اس نے بار بار اس بنارس مزدور سے مختلف سوالات پوچھے۔ اس نے یہ ہی جواب دیا کہ ''یامین جو میرے ساتھ سویا ہوا تھا اس نے ایک دلخراش چیخ ماری اور میں نے جب چونک کر اس کی طرف مڑ کر دیکھا تو وہ غائب ہو چکا تھا۔

مختار ٹھیکیدار نے دیکھا کہ یامین کی اس پراسرار گمشدگی کا مدعا پڑ چکا ہے تو اس نے اپنا وطیرہ بدلتے ہوئے ابا کو کہا کہ ''آپ ہی اس کے ذمہ دار ہیں کیونکہ یہ آپ کے گھر سے غائب ہوا ہے۔''

''تو بکواس کرتا ہے۔ میں تو سامنے ایک مکان میں عارضی طور پر کرائے پر رہتا ہوں۔ تو ہی یامین کو بنارس کے ساتھ رات کو سونے کے لئے چھوڑ کر گیا تھا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ بنارس نے ہی ہو سکتا ہے کہ یامین کو مار کر رات کے کسی پہر ٹھکانے لگا دیا ہو۔''

''یہ مجھ پر الزام ہے مجھے بھلا اس کو مارنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس غریب سے میری کیا دشمنی ہو سکتی تھی۔''

وہاں کھڑے ایک پڑوسی نے کہا کہ اب اس معاملے کو مجبوراً پولیس کو دینا پڑے گا وہ خود ہی اپنے طریقے سے اسے سمجھائے گی۔ ''یا الٰہی میں کس عذاب میں پڑ گیا ہوں؟'' ابا نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔

مختار ٹھیکیدار نے چلا کر کہا۔ ''تو ہی عذاب میں نہیں پڑ گیا ہے بلکہ میں بھی اور ساتھ میں یہ بنارس بھی خواہ مخواہ عذاب میں آ گئے ہیں۔''

صبح 9 بجے پولیس پارٹی وقوعے پر پہنچ گئی۔ جن میں ایک تھانیدار، 5 سپاہی شامل تھے۔ تھانیدار نے سب سے پہلے بنارس سے کچھ نرم گرم قسم کے روایاتی مخصوص سوالات کئے۔ اس کے بعد اس کھنڈر نما مکان کا چھی طرح جائزہ لینے کے بعد دوبارہ بنارس مزدور کو کہا کہ تو جس قسم کی یامین مزدور کی پراسرار گمشدگی کی بات کر رہا ہے۔ وہ کسی بھی طرح ماننے کے قابل نہیں ہے۔ تو جھوٹ بول رہا ہے۔''

''میں سچ بول رہا ہوں۔ تھانیدار صاحب یامین نے پہلے گہری نیند سونے کے دوران ایک دلخراش چیخ ماری تھی اور پھر وہ یکدم بجلی کی مانند غائب ہو گیا۔''

تھانیدار نے ایک طنزیہ مسکراہٹ اپنے لبوں پر طاری کی اور اس نے وہاں موجود تمام لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ اب تم لوگ بتاؤ کہ کس طرح یامین مزدور اس کھنڈر نما گھر سے غائب ہو سکتا ہے۔ یہاں کوئی بھوت پریت تو ہے نہیں جو اسے اچک لے گیا ہو؟''

وہاں موجود سب لوگوں نے تھانیدار کے اس موقف کی تائید کی تھی، تھوڑی دیر بعد اس علاقے کا ایک انتہائی بزرگ ہجوم میں سے آگے بڑھا اس نے کہا۔ ''سرکار میں آپ سے کچھ بات کہنا چاہتا ہوں۔''

تھانیدار نے اس سے کہا۔ ''ہاں بولو بزرگوار آپ کیا کہنا چاہتے ہو؟'' تو بزرگ نے کہا۔ ''سرکار اس مزدور کی ایک بات میں کسی حد تک وزن ہے ایک لحاظ سے ہو سکتا ہے کہ پاٹیشن سے پہلے یہاں جو ہندو رہا کرتا تھا۔ اس کا اسی کھنڈر نما مکان سے ایک نوکر غائب ہوا تھا۔''

تھانیدار نے اپنی تھوڑی پر، پرتجسس انداز میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کچھ سوچا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ معاملہ 50 فیصد مزدور یامین کی پراسرار موت کسی نادیدہ طاقت کی جانب سے گمشدگی کا ہے اور 50 فیصد یہ بھی شک کیا جا سکتا ہے کہ اسے کسی وجہ سے قتل کرنے کے بعد اس کی نعش کہیں دبا دی ہو۔'' پھر تھانیدار نے ابا مزدور اور ٹھیکیدار سے کہا۔ ''تم تینوں فی الحال تھانے چلو۔''

تینوں کو تھانے لے جا کر تھانیدار نے خوب مارا پیٹا۔ اس کے بعد مزدور کو تو چھوڑ دیا۔ اس غریب سے اسے کیا ملنا تھا۔ لیکن اس نے ابا اور ٹھیکیدار سے اس زمانے کے مطابق ایک اچھی خاصی رقم بطور رشوت اینٹھ لینے کے بعد اپنی گول مٹول رپورٹ میں لکھ دیا۔ ''میری انکوائری کے مطابق یہ تینوں کا مزدوریا مین کی پراسرار گمشدگی یا اسے کسی قسم کا نقصان پہنچانے میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔''

دوسری جانب ٹھیکیدار اور ابا نے یامین مزدور کے لواحقین کا منہ اور ان کا واویلا بند کروانے کے لئے انہیں علیحدہ سے اچھے خاصے روپے دیئے۔

اردگرد کے لوگوں نے ہمارے گھر کو منحوس قرار دینے کے علاوہ یہ مشورہ دیا تھا کہ ''اسے کسی طرح اونے پونے فروخت کردیا جائے۔'' ابا نے اسے فروخت کرنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن سچی بات ہے اسے کوئی مفت لینے کو بھی تیار نہ ہوا۔ بلکہ یہاں تک ہوا کہ ہمارے اس مکان سے لوگ اتنا خوف کھاتے تھے کہ ہمارے قریبی پڑوسی بھی ہمارے گھر نہیں آتے تھے۔

ٹھیکیدار مختار گھر کا کام ادھورا چھوڑ کر بھاگ چکا تھا۔ نچلے مکان کی کھنڈر منزل میں جوں کا توں روڑے اینٹوں اور نت نئی تعمیر سے وابستہ چیزوں کا بے ہنگم ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ ہم نے جو مکان عارضی طور پر کرائے کا لیا ہوا تھا۔ اس مکان کے مالک نے ابا کو کہا کہ ہم اس کا مکان خالی کردیں ابا کے پاس جو روپے اس مکان کی تعمیر کے لئے پڑے ہوئے تھے۔ اس کا پہلے ہی بڑا حصہ تھانیدار بطور رشوت کھا چکا تھا اور باقی جو بچا تھا وہ پراسرار طور پر غائب شدہ مزدور یامین کے لواحقین کو دینا پڑا تھا۔

ابا اس ناگہانی ناگفتہ صورتحال کے پیش نظر بہت پریشان رہنے لگے تھے۔ وہ نیم پاگل ہوگئے تھے۔

اللہ اللہ کرے کافی عرصہ بعد یہ ہوا کہ ایک شخص جعفر خان نے ہماری مالی بدحالی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارا مکان اونے پونے اس شرط پر خرید لیا کہ وہ اسے تعمیر کروانے کے بعد اس مکان کی نچلی منزل میں ہمیں کم از کم 5 سال کے لئے بطور کرائے پر رکھے گا۔

ہمیں اس امر کا دکھ تھا کہ جو مکان کبھی ہماری ملکیت تھا۔ اس میں ہم کرائے دار کی حیثیت سے جائیں گے۔

جعفر خان نے اس مکان کی تعمیر اسی مقام سے کروانا شروع کردی جہاں سے کام رکا ہوا تھا۔ نیا ٹھیکیدار دن کی روشنی میں اس مکان کا کام کروا رہا تھا۔ مزدوروں نے رفتہ رفتہ بڑی محنت سے نچلی منزل کی تمام دیواریں ادھیڑ دیں۔

اس کے بعد سب سے آخر میں جعفر خان کے ٹھیکیدار نے اپنے مزدوروں کو کہا کہ وہ اب اس کھنڈر نما مکان کے ٹیڑھے میڑھے فرش کی دراڑوں کو مٹی سے بھر بھر کر اسے اچھی طرح ہموار کرکے اسے پلاٹ کی شکل دے دیں۔ ٹھیکیدار کے دو مزدور فرش کو صاف کرتے ہوئے جب ایک کونے کی جانب گئے جہاں ایک فٹ لمبا چوڑا والا فرش میں گہرا گڑھا موجود تھا۔ یہ نہ جانے کہاں تک جاتا تھا۔

ایک مزدور نے تشویشی کے انداز میں دوسرے مزدور سے یہ سوال پوچھا۔ ''یار یہ قدیم صدیوں پرانی آبادی والا مکان ہے۔ یہاں تقریباً سارے مکان ایسے ہی ہیں۔ اسے بھرتے ہیں دونوں مزدوروں نے اس بڑے گڑھے میں بیلچوں کی مدد سے مٹی ڈالنا شروع کردی۔ کافی دیر تک وہ مٹی ڈالتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد یہ ہوا کہ اس گڑھے میں سے ایک زوردار خوفناک لرزہ خیز عجیب سی آواز آئی۔

دونوں مزدوروں نے دہل کر اپنے بیلچے وہیں پھینکے اور چلاتے ہوئے اس مکان سے باہر آگئے۔ ان کی آواز سن کر اہل محلہ وہاں جمع ہوگئے۔ لوگوں کے پوچھنے پر انہوں نے صرف یہ بتایا کہ انہوں نے فرش کے اس کونے والے گڑھے کے اندر کسی کی خوفناک پھنکار سنی ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہاں ابا ٹھیکیدار جعفر خان وغیرہ بھی آگئے تھے۔ جعفر خان نے ان مزدوروں کو ایک طرف لے جا کر کہا۔ ''تم نے یہاں اس قسم کی بات کرکے خواہ مخواہ یہاں کے لوگوں کے دلوں میں خوف ڈر پیدا کردیا ہے اس سے تو میرے خریدے گئے مکان

کی ویلیو گر جائے گی۔

ٹھیکیدار نے جعفر خان کو کہا کہ میرے بندے یہاں کام نہیں کریں گے میں ان کی زندگیوں کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔'' مزدوروں نے بھی بغاوتی انداز اختیار کرتے ہوئے وہاں سے بھاگنے کا ارادہ ظاہر کیا اور اس کے ساتھ ساتھ تھوڑی دیر بعد وہاں اردگرد کے لوگوں کا کافی رش لگ گیا تھا۔

محلے کے تماشبین لوگ دور سے اس کا مکان غور سے دیکھنے لگ جاتے تھے۔ لیکن خوف کی وجہ سے اس کے قریب کوئی نہیں جاتا تھا۔ وہاں سب اس کشمکش و پنج میں مبتلا تھے کہ اس گڑھے میں بالآخر کس قسم کی بلا ہوسکتی ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہاں ایک محلے دار ایک بوڑھے تجربہ کار سپیرے کو پکڑ لایا۔ بوڑھا سپیرا بڑی دلیری سے اس گڑھے کے قریب جا کر اس میں اپنا منہ دے کر جھانکنے لگا۔ ماحول میں خوف کی خاموشی طاری تھی۔ ''تو کیا کر رہا ہے؟'' جعفر خان نے جھنجلاتے ہوئے انداز میں اس سے پوچھا۔ ''کیا نظر آیا بابا جی؟'' تو بوڑھے سپیرے نے اس گڑھے میں اپنا منہ ناک ڈال کر سوں سوں کی آواز نکالی ایسا جیسے کہ اس نے اس بلا کی حقیقت کو سنگھ لیا ہو۔ بوڑھے نے ایک توقف کے بعد وہاں کھڑے لوگوں کو یہ بڑی عجیب وغریب خبر سنائی کہ ''اس سوراخ کے اندر ایک بہت پرانی آدم خور بلا موجود ہے۔'' اور اس نے اس گڑھے کے اندر سے گوشت ہڈیوں کی باقیات کی سڑاند محسوس ہو رہی ہے۔ اس نے مزید کہا۔ ''اگر تمہیں میری بات پر یقین نہیں آتا تو بے شک نہ آئے مگر میرے ساتھ اگر حوصلے سے اس گڑھے کے اندر ذرا منہ دے کر اس حقیقت کو محسوس کرو۔''

وہ جعفر خان اور ابا کو اس گڑھے کے قریب لے کر گیا۔ دونوں نے ڈرتے ڈرتے اس سوراخ کے قریب گئے۔ بوڑھے سپیرے نے انہیں تسلی دی کہ وہ نادیدہ آدم خور بلا بہت نیچے گہرائی میں ہے۔ وہ بلا دھڑک اس گڑھے کے اندر اپنا منہ دے کر سونگھیں۔

دونوں نے بوڑھے سپیرے کے موقف کی تائید کی تھی۔ جعفر خان نے اس سے پوچھا کہ اس کے علم اور تجربہ کے مطابق اس میں کس قسم کی بلا ہوسکتی ہے۔

اس سوال پر بوڑھے سپیرے نے کہا۔ ''میرا تجربہ کہتا ہے کہ اس میں کوئی صدیوں پرانی نسل کا اژدھا ہوسکتا ہے اور اس کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ آدم خور کے علاوہ دیگر چھوٹے بڑے جانوروں کا گوشت بھی کھاتا ہے اور کافی مہینوں تک بھوکا رہ سکتا ہے۔'' اب اس جگہ سوالات مسئلے بن کر امنڈنے لگے تھے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ گڑھا کتنا گہرا ہے اور اس میں کس نسل کی بلا موجود ہے اور اسے کس طرح باہر نکالا جائے، ان سوالات کے جوابات ڈھونڈنے کے لئے سارے لوگ آپس میں سر جوڑ کر مشورہ کرنے لگے کہ کس طرح اس گڑھے کی گہرائی میں موجود نادیدہ خونی بلا کر باہر نکال اجائے۔

بڑے سوچ و بچار کے بعد وہاں موجود ایک شخص نے بہت اچھا مشورہ دیا کہ پہلے کسی لچکدار بڑی تار کے سرے میں گوشت لگا کر یہ دیکھا جائے کہ اس گڑھے کی کتنی گہرائی ہے اور اس طرح یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ اس کے اندر گوشت خور بلا ہے کہ نہیں۔

15 گز لمبی لچکدار تار کے آگے گوشت کا بڑا ٹکڑا باندھ کر اس گڑھے کے اندر آہستہ آہستہ نیچے کی جانب داخل کیا گیا۔

ایک جگہ جا کر ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کہ کسی نے یہ تار اپنے منہ میں لے کر پکڑی ہو۔ فاٹ اس تار کو باہر نکالا گیا۔ تار کے سرے کو جب دیکھا گیا تو اس میں سے گوشت کا ٹکڑا غائب تھا۔ اب اس سے اس امر کی تصدیق ہوگئی تھی کہ اس گڑھے کے اندر لازماً کوئی گوشت خور بلا موجود ہے۔

اب محلے میں ایک نئے سرے سے خوف کی فضا طاری ہوگئی تھی۔ جعفر خان نے ایک روز دوبارہ اپنی بیٹھک میں محلے کے لوگوں کو اس مشورہ کے لئے اکٹھا کیا کہ اس بلا کو کس طرح باہر نکالا جائے۔

بڑی سوچ و بچار کے بعد باہمی صلاح مشورے کے بعد محلے داروں نے یہ مشورہ دیا کہ اس گوشت خور بلا

کو اس گڑھے سے نکالنے کے لئے فائر بریگیڈ کی گاڑی سے فل پریشر کے تحت پانی پھینکا جائے تاکہ وہ گھبرا کر یا پانی میں ڈوب کر باہر آئے۔

اس کام کے لئے اتوار کا روز چنا گیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے اس میٹنگ میں یہ طے کیا گیا تھا کہ اس محلے کے کم از کم 30 سے 35 ڈنڈے بھالے آہنی بڑی بڑی کیلوں کے دھانوں والے بانس بردار اور مشتاق بندوق کے نشانہ لگانے والے مسلح نوجوان اس گڑھے کے اردگرد چاک و چوبند کھڑے رہیں گے۔

بوڑھے سپیرے کا خیال تھا کہ اس گڑھے کے اندر لازماً خوفناک نسل کا اژدھا ہی ہوگا۔ بوڑھے سپیرے نے مشورہ دیا کہ اژدھے کو نکلتے ہی اس پر فوراً حملہ کرکے مارنا ہے تاکہ وہ کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

خیر اتوار کے روز فائر بریگیڈ کی فل پانی بھری گاڑی آ گئی تھی۔ لیکن اس سے پہلے اس گڑھے کے اندر زہر آلود مواد سے بھری روٹی کے گالے اور اژدھا کو مارنے والی ایک خصوصی دوائی گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑوں میں لگا کر اس گڑھے میں پھینکی گئی تھی۔

بوڑھے سپیرے نے اس گڑھے کے قریب جا کر اپنے تجربے سے یہ بات بتائی کہ اس بلا نے ان پھینکے گئے ٹکڑوں کو چھوا تک نہیں ہے۔ نیز زہریلی روٹی سے اس کی ذات پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے اور وہ نادیدہ بلا ابھی تلک زندہ ہے۔

اب آخری حل یہ رہ گیا تھا کہ اس گڑھے کو پانی سے لبالب بھر دیا جائے۔ بہرحال فائر بریگیڈ کی گاڑی کے واٹر پائپ کے گڑھے کے اندر ڈالنے سے پہلے مسلح دلیر نوجوانوں کو پھیلا کر اس گڑھے کے اردگرد کھڑا کر دیا گیا۔ ان کی ترتیب یہ تھی کہ سب سے پہلے بانس کے آگے لگے آہنی کیلوں کے پیچھے بندوق بردار نشانہ باز تھے اور سب سے آخر میں 5 سے 6 نوجوانوں کے پاس بڑے بڑے برچھے تھے۔ اینٹیں، پتھر برسانے والوں کا ٹولہ حفظ ماتقدم کے تحت علیحدہ رکھا گیا تھا۔ گڑھے کے اندر فائر بریگیڈ سے پانی کا فل پریشر دیا گیا۔

مسلح جوشیلے نوجوان فلک شگاف نعرے مارنے لگے تھے۔ 5 سے 7 منٹ مسلسل اس گڑھے میں پانی کی موٹی دھار ڈالی گئی۔

ایک ایسا وقت بھی آیا جب گڑھے کے اندر سے پانی کے ساتھ ساتھ کئی انسانی کھوپڑیوں، ہڈیوں کے ساتھ کافی مقدار میں سڑا ہوا مختلف نوعیت کا گوشت نکلنا شروع ہوگیا۔ ان ہڈیوں اور کھوپڑیوں میں سے ایک کھوپڑی دیکھنے سے یا مین مزدور کی لگ رہی تھی۔ باقی 3 سے 4 انسانی چھوٹی بڑی کھوپڑیاں ہڈیاں نہ جانے کن بدنصیبوں کی تھیں۔

''ہوشیار ہو جاؤ۔ اب لازماً آدم خور اژدھا نکلے گا۔'' بوڑھا سپیرا چلایا۔

وہی ہوا سب سے آخر میں ہم لوگوں نے دیکھا کہ اس گڑھے کے اندر سے ایک 12 سے 14 فٹ لمبا، انتہائی موٹا بوڑھا اژدھا نکلا وہ گڑھے سے نکلتے ہی گھبرایا، پریشان اور تھکا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

سپیرے نے کہا۔ ''اسے فوراً مار دو۔ اور اسے بھاگنے نہ دینا، اور اسے پھنکارنے یا تھوک اڑانے کی بالکل بھی مہلت نہ دینا کیونکہ اس کے تھوک کے اندر انتہائی جان لیوا زہر موجود ہوتا ہے۔

اژدھا نے بھاگنے کی بہت کوشش کی لیکن اسے بھاگنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ اس پر تابڑ توڑ حملے شروع ہوگئے تھے۔ الغرض بڑی مشکل سے وہ بے جان ہوگیا۔ اسے مار دیا گیا، وہ اگرچہ مر چکا تھا۔ لیکن اردگرد لوگوں میں اس کی لاش کی اتنی دہشت تھی کہ اس کے مرنے کے 10 منٹ بعد بھی کوئی اس کے قریب خوف سے نہ جا رہا تھا۔

بوڑھے سپیرے نے بڑی دلیری سے اس کے قریب جا کر اس کی موت کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔ ''میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ اس خونی آدم خور اژدھا کی عمر کم از کم 250 سے 300 سال ہوگی۔''

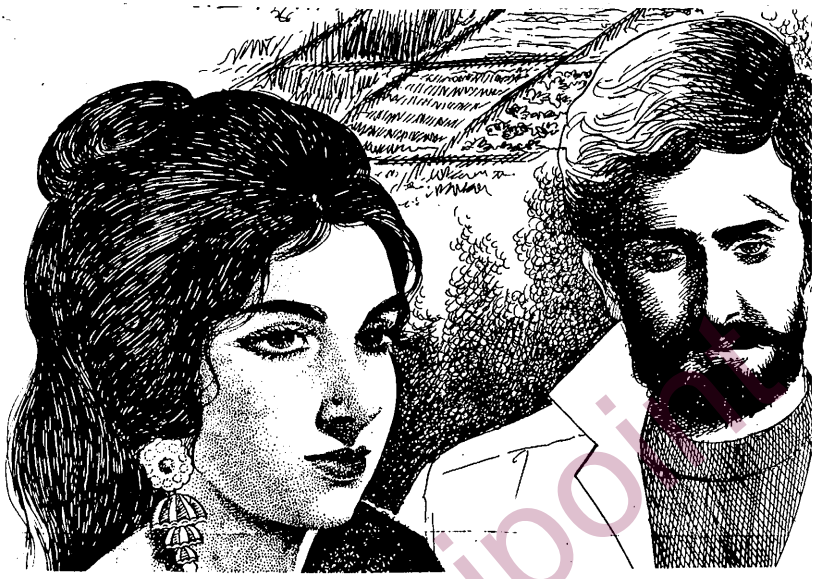

موتیوں کا حجاب

ناصر محمود فرہاد۔ فیصل آباد

نوجوان کی نگاہیں سامنے لیٹی ہوئی حسینہ پر پھسلنے لگیں، حسینہ کے نرم و گداز حرارت آفریں بازوئوں کے گرد سونے کے بے شمار کڑے اور انگلیوں میں جڑائو انگوٹھیاں موجود تھیں کہ اچانک.....

دل و دماغ کو فرحت بخشتی.....اپنی نوعیت کی رائٹر کے قلم سے نکلی ہوئی شاہکار کہانی

جامع مسجد کے اونچے میناروں سے ظہر کی نماز کے لیے اذان شروع ہو چکی تھی۔ میں خاموشی سے کھڑکی کے باہر جھانکنے لگا۔ بازار میں معمول کے مطابق چہل پہل جاری تھی۔ زیادہ تر لوگوں کا رخ مسجد کی طرف تھا۔ سامنے لوہاروں کی دکانیں نظر آ رہی تھیں جو دہکتی بھٹیوں پر گرم لوہے کو کوٹ رہے تھے۔ میں ان کو دل چسپی سے دیکھ رہا تھا کہ اچانک چونک اٹھا۔

بازار کے داخلی تنگ راستے پر ان دکانوں کے چھجوں کے نیچے ایک گداگر نظر آنے والا شخص جس کی صرف ایک آنکھ کام کر رہی تھی میری طرف گھور رہا تھا یا پھر شاید مجھے نہیں بلکہ میرے پیچھے کسی کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے کافی کا آخری گھونٹ بھر کر پیالہ ایک طرف رکھ دیا اور اپنا سگار سلگانے لگا۔ اس دوران میں مجھے پوری طرح اندازہ ہو گیا کہ یہ یک چشمی گداگر مجھے نہیں بلکہ

میرے پیچھے کھڑے میرے دوست علی محمد کی تاک میں ہے۔ علی محمد اہرام مصر سے دریافت ہونے والے نوادرات کا غیر قانونی ڈیلر تھا۔ وہ یہ نوادرات اہرم کے لٹیروں اور دوسرے لوگوں سے غیر قانونی طور پر خریدتا اور انہیں آگے اسمگل کردیتا۔ علی محمد کی طرف مڑتے ہوئے میں نے اس کے چہرے کے تاثرات کا بغور جائزہ لیا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا اور اس کی نظریں بھی اس یک چشمی پر مرکوز تھیں۔

''تم ٹھیک تو ہو نا میرے دوست؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

علی محمد نے اپنے سر کو ہلکے سے جھٹکا اور اپنی نظریں اس گداگر سے ہٹائے بغیر کہنے لگا۔ ''نہیں..... پاشا..... شاید میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے رومال سے اپنے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ صاف کیا اور ہونٹوں پر زبان پھیر کر انہیں تر کیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے واضح آثار تھے۔

''کیوں کیا ہوا..... تم شاید اس یک چشمی گداگر کو دیکھ کر خوف زدہ ہوگئے جو نیچے بازار کے دروازے کے قریب دبکا ہماری ہی طرف دیکھ رہا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے غیر ارادی طور پر دوبارہ بازار کے دروازے کی طرف دیکھا مگر اب وہ گداگر وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔ علی محمد آہستہ آہستہ اپنے حواس میں واپس آرہا تھا۔

''مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟'' میں نے اس کو اپنا ایک سگار پیش کرتے ہوئے پوچھا۔ ''ہوسکتا ہے میں تمہاری کچھ مدد کرسکوں۔''

''وہ ایک لمحہ کے لیے ہچکچایا اور پھر متجسس نظروں سے بازار کے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''یہ گداگر نہیں بلکہ ایک شیطانی جن ہے جو امام ابوتابہ کا غلام ہے۔''

اس کی بات سن کر میں الجھ گیا اور پریشان ہوکر پوچھا۔ ''کیا کہہ رہے ہو تم.....؟''

علی محمد بولا۔ ''تم نہیں جانتے ..... ابوتابہ کوئی انسان نہیں بلکہ وہ ایک جادوگر ہے وہ ایک ساحر ہے۔''

یہاں میں اپنے قارئین کو بتاتا چلوں کہ آپ نے میری کئی کہانیوں میں ابوتابہ کا ذکر پڑھ رکھا ہے اور اس سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں لیکن ابوتابہ سے میری پہلی ملاقات کہاں اور کن حالات میں ہوئی اس کا ذکر کہیں نہیں آیا۔ آج اس کہانی سے یہ راز بھی کھل جائے گا۔ یہی وہ مہم تھی جس میں سب سے پہلے میرا ٹکراؤ ابوتابہ سے ہوا تھا۔

''یہ تو بہت عجیب بات ہے علی محمد کہ ایک شخص جسے تم امام بتا رہے ہو اس کا تعلق جنوں اور عفریتوں سے ہے اور تم اسے جادوگر بھی کہہ رہے ہو۔'' میں نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ بہت عجیب اور پراسرار ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ اس نے میرے لیے جال بچھا دیا ہے۔ اس کے متعلق کوئی کھل کر بات نہیں کرسکتا۔ اسے سب خبر ہوجاتی ہے۔'' اس نے خوف زدہ لہجے میں جواب دیا۔

میں اس کی باتوں اور ظاہری حالت سے مکمل طور پر حیران تھا۔ میرا ذہن عجیب اور پیچیدہ باتوں میں الجھ گیا تھا اور میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا حالانکہ میں اس علاقے کے توہمات اور مافوق الفطرت عقائد کا عادی تھا..... مگر یہ ابوتابہ کون اور کیا چیز تھا۔ بظاہر ایک امام..... اور علی محمد اس ابوتابہ سے اتنا کیوں خوف زدہ تھا؟۔

میرے ذہن میں اسی طرح کے کئی ایک سوالات اکٹھے گردش کررہے تھے اور میں علی محمد سے رخصت ہوکر قدیم شہر کی تنگ و تاریک اور پر پیچ گلیوں میں سے گزرتا ہوا اپنے ہوٹل کی طرف جارہا تھا۔ پورے بازار میں وہ یک چشمی اب مجھے کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ تھوڑا آگے جاکر جہاں مسجد الاشرف کے پہلو میں بازار قدرے کھلا ہوا تھا اور ایک ہجوم نظر آیا جو کسی کو گھیرے ہوئے کھڑا تھا اور وہاں پر موجود لوگ یوں نیچے دیکھ رہے تھے جیسے وہاں کوئی گر پڑا ہو۔ سوق العطاراں کی طرف سے چند ایک یورپی سیاح آتے دکھائی دیئے۔ میں نے

یہ سوچ کر کے شاید کسی کو مدد کی ضرورت ہو، ہجوم کے اندر گھسنے کا فیصلہ کرلیا۔

وہاں اس ہجوم کے اندر کون تھا یہ میں نہیں جانتا تھا۔ ابھی میں نے دو قدم ہی اٹھائے تھے کہ اچانک عقب سے کسی نے ایک بدبودار بوری میرے سر اور کندھے پر چڑھادی اور پھر ایک مضبوط ہاتھ نے میرا منہ سختی سے دبالیا۔ میرے لیے جنبش کرنے یا چیخنے چلانے کی کوئی گنجائش باقی نہ بچی تھی۔ کسی قوی ہیکل شخص نے اپنے بازوؤں میں جکڑ کر مجھے یوں اٹھالیا جیسے میں ایک کھلونا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھے لے کر تنگ سیڑھیاں اتر رہا ہے۔ قدموں کی گونج سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کوئی تہہ خانہ ہے۔

☆.....☆.....☆

اپنے کام کی نوعیت اور کمپنی کا سیلز ایجنٹ ہونے کی وجہ سے مجھے بعض اوقات قاہرہ شہر کے دور دراز گوشوں اور عجیب سی جگہوں پر بھی جانے کا اتفاق ہوتا تھا مگر یہاں میں اپنے آپ کو کسی بھی دور سرے ترقی یافتہ شہر کے مقابلے میں زیادہ محفوظ خیال کرتا تھا مگر ان غیر متوقع حالات نے مجھے گڑبڑا کر رکھ دیا تھا۔ میرے لیے یہی کافی تھا کہ میں اس گندی اور بدبودار بوری کے اندر آسانی سے سانس لے سکتا تھا جو شاید کسی زمانے میں لہسن وغیرہ رکھنے کے لیے استعمال ہوتی ہوگی مگر اب میرے سر کے اوپر چڑھی ہوئی تھی۔

میں ایک پتھریلے فرش پر پڑا ہوا تھا اور میری کلائیاں میری پشت پر مضبوطی سے باندھ دی گئی تھیں۔ بوری کو بھی اتنا اٹھا دیا گیا تھا کہ اب وہ صرف میرے چہرے کے اوپر تھی مگر وہ مضبوط ہاتھ ابھی تک میرے منہ پر جما ہوا تھا۔ کچھ مشاق انگلیاں مجھے اپنی جیب ٹٹولتی محسوس ہوئیں۔ پہلے میں نے سمجھا کہ شاید میں لٹیروں کے قابو میں آگیا ہوں مگر جب میرا پرس، ڈائری، رقم اور دوسری چیزیں جیب میں واپس چلی گئیں تو میں سمجھ گیا کہ یہ کوئی عام راہ چلتے لٹیرے نہیں ہیں۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ بوری پوری طرح میرے چہرے اور سر سے ہٹا دی گئی تو میں نے اپنے آپ کو ایک تنگ و تاریک تہہ خانے میں پایا۔ میرے قریب ہی ایک مضبوط جسم والا لمبا تڑنگا حبشی اپنے بڑے بڑے ہاتھوں میں بوری پکڑے کھڑا تھا اور ایک صاف گندمی رنگت والا نوجوان شخص میرے بالکل سامنے ایک آبنوسی عصا پر اپنے دونوں ہاتھ ٹکائے کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر سحر انگیز مسکراہٹ تھی۔ اس کی شخصیت کچھ عجیب سی اور اس قدر رعب دار کہ شدید غصے کے عالم میں بھی میرے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا اور میں ایک ٹک اس کو گھورتا رہ گیا۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ مجھے اسی کے کہنے پر یہاں لایا گیا ہے۔

وہ ایک نوجوان آدمی تھا۔ عمر تیس سال کے آس پاس ہوگی۔ تراشیدہ چہرہ اور کالی سیاہ باریک مونچھیں۔ اس کے بدن پر سیاہ عبا اور سر پر سفید پگڑی تھی۔ پاؤں میں بھورے رنگ کے چمک دار جوتے تھے۔ اس کی آنکھوں کی چمک کسی بھی انسان کو اپنے سحر میں جکڑنے کے لیے کافی تھا۔ اس کے نرم چمکدار سرخ لبوں پر ایک مسکراہٹ اور کھڑے ہونے کے انداز میں ایک متانت تھی۔ وہ عربی زبان میں بولا۔

''میں معذرت خواہ ہوں کہ میرے حکم پر یہ سب تمہارے ساتھ ہوا۔ یہ سب ایک غلط فہمی کا نتیجہ تھا اس لیے میں کوئی بھی تاوان ادا کرنے کو تیار ہوں۔''

وہ خطرناک حد تک خوش اخلاق تھا۔ اس کا لہجہ انتہائی شائستہ اور شیریں تھا۔ اس کی ہرنی جیسی آنکھوں میں ایک جادو چھپا تھا جس سے مجھے نفرت ہونے لگی تھی مگر میں اپنے تاثرات چھپانے میں کامیاب رہا۔ میری ٹانگیں کھول دی گئی تھیں مگر بازو ابھی تک بندھے ہوئے تھے اور وہ خطرناک حبشی بھی ابھی تک میرے سر پر ایستادہ تھا۔ یہ شاید شہر کا جدید حصہ تھا۔ آس پاس پولیس بھی موجود ہوسکتی تھی مگر میں ان سے کسی بھی طرح رابطہ نہیں کرسکتا تھا۔ شور مچانے کا کوئی فائدہ نظر نہ آیا کیونکہ یہاں سے میری آواز باہر نہیں جاسکتی تھی اور سب سے اہم یہ کہ اب میں بھی

یہاں اپنی موجودگی کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔

''کیا میں امام ابوتابہ سے بات کررہا ہوں.....؟'' میں نے جھجکتے ہوئے انگریزی زبان میں پوچھا۔

اگلے ہی لمحے مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا جب وہ مسکرایا اور شستہ انگریزی میں بولا۔''ہاں..... مجھے ہی ابوتابہ کہتے ہیں اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے ساتھ یہ برا سلوک ایک غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ اس کے لیے میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ میں تمہارے ہاتھ کھول دوں اور ایک آدمی تمہارے ساتھ بھیجوں جو تمہیں تمہارے ہوٹل پہنچادے۔''

''معذرت کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں بس اپنے ہوٹل جانا چاہتا ہوں۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔

ابوتابہ مسکرایا۔ سر کو ہلکی جنبش دی اور عصا کو اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے حبشی کی طرف دیکھا۔ اگلے چند لمحوں میں میری رسیاں کھل گئیں اور میں اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔ ابوتابہ مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھ رہا تھا۔''میرے لوگ باہری کمرے میں موجود تمہارے حکم کے منتظر ہیں۔''

☆.....☆.....☆

اس شام جب علی محمد کا تعارفی کارڈ مجھ تک پہنچا تو میرے ذہن میں ایک دم اس یک چشمی فقیر اور ابوتابہ کا خیال ابھرا۔ میں نے فوراً علی محمد کو اپنے کمرے میں ہی بلالیا۔ آتے ہی اس نے بنا کسی توقف کے اپنی رام کہانی میرے کانوں میں انڈیلنا شروع کردی۔ اس نے جو کچھ بتایا اس کے مطابق آج سہ پہر وہ اپنی دکان سے تھوڑی دیر کے لیے اٹھ کر گیا تو اس کی غیر موجودگی میں کسی نے دکان کی فرش سے چھت تک اچھی طرح تلاشی لی۔ اس صورت حال سے پریشان جب وہ گھر پہنچا تو گھر بھی نہایت ابتر حالت میں تھا اس کی بھی تلاشی لی گئی تھی۔

''مجھے جان کا خطرہ ہے پاشا!.....'' اس نے خوف زدہ لہجے میں سرگوشی کی۔''پورے قاہرہ میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس پر میں بھروسہ کرسکوں۔'' پھر اس سے پہلے کہ میں کوئی تبصرہ کرتا وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا نہایت رازدارانہ انداز میں بولا۔''کیا تم ایک ہزار پاؤنڈ پر دس فیصد کمیشن کمانا چاہتے ہو؟''

میں حیرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ دوبارہ کہنے لگا۔''تمہیں ایک بڑھیا کا بھیس بدل کر ایک خاص نواب کے گھر جانا ہوگا۔ میرے پاس ایک انگوٹھی ہے جو تم دربان کو دکھاؤ گے تو وہ تمہارے لیے دروازہ کھول دے گا۔ اس سے پہلے تم دروازہ تین دفعہ دھیرے سے اور دو دفعہ تیزی سے کھٹکھٹاؤ گے۔ میں تمہیں ایک صندلی ڈبہ دوں گا جو تم اس نواب کے محل میں ایک خاص عورت تک پہنچاؤ گے اور اس کے بدلے اس عورت سے رقم وصول کرکے مجھے دو گے جس پر تمہیں کمیشن ملے گا۔ اب یہ صندلی ڈبہ میرے لیے جان کا خطرہ بنتا جارہا ہے اور مجھے ابوتابہ کا مہمان بنا سکتا ہے۔''

آخر کار بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی تھی لیکن میرے لیے اتنی جلدی کوئی فیصلہ کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لیے میں نے علی محمد سے کہا کہ میں کل اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کروں گا۔ علی محمد میری بات سن کر باہر کی طرف چل پڑا۔ میں اسے رخصت کرنے بالکونی تک آیا۔

بالکونی ویران پڑی تھی۔ علی محمد سیڑھیاں اترتا ہوا ہوٹل سے نکل گیا۔ دو نوجوان جو اپنے لباس سے ہوٹل کے ملازم معلوم ہوتے تھے وہ اس کے پیچھے چلنے لگے اور مقامی لوگوں کا ایک چھوٹا سا ہجوم نیچے سیڑھیوں کے پاس کھڑا تھا۔ مجھے ایک دم کچھ شک سا گزرا مگر شاید دیر ہوچکی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں کسی طرح علی محمد کو خبردار کرتا ایک موٹا تازہ شخص تیزی سے علی محمد کی طرف لپکا اور اس کے پیچھے مقامی لوگوں کا ہجوم بھی۔ انہوں نے علی محمد کو گھیر لیا تھا۔

میں تیزی سے سیڑھیاں اترا اور بھاگتا ہوا جب میں گلی پہنچا تو اس وقت تک ہجوم پوری طرح علی محمد کو گھیر چکا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کی

کیسے مدد کروں۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس مشتعل ہجوم میں سے ایک ترکی ٹوپی ''طربوش'' کسی فٹ بال کی طرح لڑھکتی ہوئی باہر آگری۔ یہ ٹوپی یقیناً کچھ دیر پہلے اپنے لہراتے پھندنے سمیت علی محمد کے سر کی زینت تھی۔

فطری طور پر میں تیزی سے نیچے جھکا اور اسے اٹھا لیا۔ اس کا وزن معمول سے قدرے زیادہ تھا۔ حیران ہوکر میں نے اس کے اندر جھانکا تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے اندر ایک چھوٹا سا ڈبہ موجود ہے جس کے ساتھ ایک انگوٹھی ریشمی دھاگے کی مدد سے بندھی ہوئی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا کوئی بھی میری طرف متوجہ نہ تھا۔ میں نے ایک زوردار جھٹکا مارا تو وہ انگوٹھی اور ڈبہ میرے ہاتھ میں آگیا۔ اس دوران میں پولیس کے دو سپاہی بھی دنگا فساد روکنے کے لیے اپنی کوشش شروع کر چکے تھے اور اس پرتشدد ہجوم پر اپنے ڈنڈوں کا آزادانہ استعمال کررہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں ہجوم تتر بتر ہوگیا۔ پولیس والوں نے کسی کو گرفتار کرنے کی زحمت نہ کی۔ کچھ ہی لمحوں بعد ادھ موا سا علی محمد اپنا چکنا گنجا سر لیے کپڑے جھاڑتا ہوا میری طرف آگیا۔

''یہ رہی تمہاری ٹوپی میرے دوست۔'' میں نے طربوش اس کی طرف بڑھادی۔

اس نے ٹوپی میرے ہاتھ سے تقریباً جھپٹ لی اور بے تابی سے اس کے اندر جھانکا تب.....

''اوہ میرے خدا۔۔۔۔ میں لٹ گیا۔ میرے خدا۔۔۔ یہ کیا ہوا۔'' اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی

☆.....☆.....☆

اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ لمبی مخروطی انگلیاں میرے ماتھے پر رینگ رہی تھیں۔ ایک لمحے کو مجھے یقین نہ آیا کہ میں بیدار ہو چکا ہوں کیونکہ وہ ہاتھ مجھے ابھی تک اپنے ماتھے پر رینگتا محسوس ہو رہا تھا۔ تکیے کے نیچے بھی سرسراہٹ تھی۔ میرا ذہن پوری طرح میرے اختیار میں نہیں تھا مگر میں نے کوئی بے وقوفی نہیں کی اور آنکھیں بند ہی رکھیں محتاط انداز میں ایک ایک انچ کر کے میں نے دھیرے دھیرے اپنا ہاتھ بستر کے کنارے کی طرف بڑھایا جہاں ہولسٹر کے اندر میرا پستول پڑا تھا۔

پستول کے دستے پر انگلیاں جمتے ہی میں ایک دم اٹھ بیٹھا اور پستول تان لیا جو ابوتابہ کے مسکراتے چہرے سے چند انچ کے فاصلے پر تھا۔

اسے دیکھتے ہی میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''میں جانتا تھا یہ تم ہی ہو گے۔'' میں نے کہا۔ ''اب کمرے کی روشنی جلادو۔ یقیناً تم جان چکے ہو گے کہ بٹن دروازے کے بائیں طرف ہے۔''

ابوتابہ نے اپنا ہاتھ تکیے کے نیچے سے نکال لیا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ پورا کمرہ روشنی میں نہا گیا۔ میں نے دیکھا کمرے کا سارا سامان بکھرا پڑا تھا۔

''تشریف رکھیے اور کرسی میرے قریب کرلیں۔'' میں نے ہلکے طنزیہ لہجے میں ابوتابہ کو مخاطب کیا۔

ابوتابہ نے خاموشی سے میری پیش کش قبول کرلی۔

''یہ دوسرا موقع ہے جب تم نے بغیر اجازت بغیر اطلاع میری ذات میں مداخلت کی ہے۔'' میرا لہجہ کاٹ دار تھا۔

ابوتابہ شستہ لہجے میں بولا۔ ''تمہاری بات درست ہے مگر مجھے ڈر ہے کہ تاخیر سے۔۔۔۔''

اس کے الفاظ سنتے ہی میرے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا اور میں اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ ''یقیناً تمہارے مخبروں نے تمہیں اطلاع دی ہوگی۔''

''نواب یوسف بے کے گھر کی نگرانی کی جارہی ہے اور علی محمد کی بھی..... مگر میرے ایجنٹوں نے مجھے مایوس کیا ان کو اس کی سزا ضرور ملے گی۔'' ابوتابہ نے اپنے کندھے اچکا دیے۔

میں خاموشی سے ابوتابہ کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

Pakistanipoint

''تو وہ تم تھے جس نے اس مقدس حجاب کو وہاں سے اٹھایا تھا۔''

''تمہاری معلومات واقعی قابل تعریف ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''ہم مسلسل علی محمد کی نگرانی کر رہے تھے۔ اس رات جب اس پر حملہ ہوا تو وہ آخری بار تم ہی سے ملا تھا۔ اس کے بعد وہ بھی غائب ہے اور یشمک بھی۔'' ابوتابہ نے مجھے گھورا۔

''میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' میں نے کندھے اچکا دیے۔

''میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ یہ حجاب کوئی عام نہیں بلکہ فرعون اخناتون کے شاہی معبد کی مقدس دیوداسی کے لیے بنایا گیا تھا۔'' ابوتابہ گھمبیر لہجے میں بولا۔

ابوتابہ کی بات سن کر میں مسکرا اٹھا کیونکہ وہ میری معلومات کی تصدیق کر رہا تھا میں پہلے ہی جان چکا تھا کہ علی محمد کی طربوش سے ملنے والے صندلی ڈبے کے اندر ریشمی یشمک ہے جو ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے اور منفرد و نایاب ہے۔ اس ریشمی یشمک پر قیمتی موتی جڑے ہوئے تھے۔

ابوتابہ نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''اس لالچی علی محمد نے اس تاریخی یشمک کو جس خاتون کے ہاتھ فروخت کیا ہے وہ کبھی ایک رقاصہ تھی اور آج کل یوسف بے کی داشتہ ہے۔ اس کا نام شاہمارا ہے۔''

''تمہیں تو پوری معلومات ہے۔ پھر مجھ سے یشمک کا کیوں پوچھ رہے ہو؟'' میں نے حیرت پوچھا۔

''مجھے شک ہے کہ اس علی محمد نے وہ یشمک تمہاری مدد سے اس شاہمارا نامی رقاصہ کو فروخت کر دیا ہے۔ تم بھی اس میں ملوث ہو۔ تم نے اچھی کمیشن کمائی ہوگی۔'' ابوتابہ کی آنکھوں میں عجیب چمک تھی۔

میرے ذہن کی گرہیں ایک ایک کر کے کھلنے لگیں۔ میں جو سمجھ رہا تھا معاملہ اس کے بالکل الٹ تھا۔ ابوتابہ بالکل مختلف خطوط پر چل رہا تھا۔ میں چند لمحے تک کچھ نہ بولا تو وہ پھر نرم آواز میں بولا۔ ''میں تمہیں ایک برے کام کی تلافی اور اپنا کمیشن تین گنا تک بڑھانے کا موقع دیتا ہوں۔''

میں اس کی طرف سے اسی پیشکش کا منتظر تھا اس لیے فوراً بولا۔ ''کھل کر بتاؤ کیا چاہتے ہو تم؟''

ابوتابہ بولا۔ ''اگر دنیا کو علم ہو گیا کہ یہ یشمک غائب ہو گیا ہے یا کسی عام انسان کو فروخت کر دیا گیا ہے تو اک ہنگامہ برپا ہو جائے گا اور بے شمار مشکلات بھی پیدا ہو جائیں گی۔ بہت سے لوگوں پر عتاب نازل ہو گا۔ علی محمد نے بھی اسے چوروں سے خریدا تھا۔ میری تجویز ہے کہ تم شاہمارا کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ کہ اگر یہ مقدس یشمک اس کی رہائش گاہ سے برآمد ہوا تو اسے سزائے موت سے کم سزا ہرگز نہ ہوگی۔ لہٰذا وہ اسے واپس کر دے۔ علی محمد کو بھی مجبور کرو کہ اس نے جو رقم وصول کی ہے وہ واپس کر دے اور تم یہ رقم اس رقاصہ کو واپس کر دو۔ اس کام کے بدلے میں تمہیں پہلے والی کمیشن سے تین گنا ادا کروں گا۔''

میرے ذہن نے فوراً سوچنا شروع کر دیا۔ ''تم مجھے اس معاملے پر غور کرنے کے لیے تھوڑا وقت دو۔'' میں نے کہا۔

ابوتابہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''تمہارے پاس سوچنے اور عمل کرنے کے لیے صرف پانچ دن ہیں۔''

''اور اگر میں منع کر دوں تو۔۔۔۔۔؟''

ابوتابہ نے اپنے کندھے اچکائے۔ ''انجام تم جانتے ہی ہو۔ تاجر علی محمد اور وہ عورت شاہمارا گرفتار ہو جائے گی۔ تمہیں بھی گرفتار کر لیا جائے گا اور شاید اس ملک میں مزید رکنے کی اجازت بھی نہ ملے۔''

''فرض کرو ابھی میں چلا اٹھوں اور پولیس کو بلا کر غیر قانونی طور پر میرے کمرے میں گھسنے کے جرم میں تمہیں گرفتار کروا دوں تو.....؟'' میں نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''تم یہ تجربہ بھی کر کے دیکھ سکتے ہو۔'' اس نے کرسی کی پشت کے ساتھ اطمینان سے سر ٹکاتے ہوئے جواب دیا۔

میں نے دروازے کی سمت اپنا ہاتھ لہرایا اور بولا۔ خدا حافظ..... اب میں تم سے صبح آٹھ بجے کے بعد ملوں گا اور ہاں اب صرف سیدھے راستے سے آنا۔''

ابوتابہ نے مجھے خدا حافظ کہا اور واپس چلا گیا مگر میرے ذہن میں ایک کشمکش چھوڑ گیا۔ میں اس کی پیش کش پر غور کرنے لگا۔ وہ چھلاوے کی طرح میرے کمرے میں آن موجود ہوا تھا۔ میں نے پہلے کھڑکی بند کی پھر اپنے دائیں ٹخنے کے ساتھ بندھا وہ صندلی ڈبہ علیحدہ کیا جو میں نے وہاں ٹیپ کی مدد سے چپکایا تھا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں وہ ابوتابہ کی انگلیوں سے بچ سکتا تھا۔

میں نے صندلی ڈبہ کھولا اور اس کے اندر رکھی چیز کا دوبارہ جائزہ لیا۔ یہ فراعنہ عہد کی فن کاری کا شاندار نمونہ تھا۔ یہ یشمک ریشم سے بنا تھا اور اس کا تانا بانا اس قدر شاندار تھا کہ تمام حجاب جو تقریباً چار فٹ لمبا اور دو فٹ چوڑا تھا وہ سارا صرف ایک انگوٹھی کے حلقے سے گزر سکتا تھا اور صرف ایک مٹھی میں چھپایا جا سکتا تھا۔

یہ ایک غیر معمولی چیز تھی۔ اس پر خالص موتی ٹنکے ہوئے تھے جو حجم میں زیادہ بڑے نہیں تھے مگر اس کی تاریخ بہت قیمتی تھی اتنی کہ اس پر جھوٹ کا شائبہ ہوتا تھا۔ اس کی تو نقل ہی ہزاروں پاؤنڈ میں فروخت ہو سکتی تھی۔

اس صبح فجر کے وقت میں اپنے ایک پرانے واقف کار سلیمان علوی سے ملنے اس کی رہائش گاہ پر پہنچ گیا جس سے پہلے بھی کئی دفعہ میں کاروباری لین دین کر چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

پیر کی رات نو بجے کے بعد ایک بوڑھی مصری خاتون جو سر سے پاؤں تک سیاہ چادر میں ملبوس تھی اور اس کے چہرے پر ویسا ہی سیاہ نقاب تھا اس دروازے

ماہنامہ ڈرڈائجسٹ کی دستیابی

مہران نیوز ایجنسی
حیدر آباد
0222-780128

الفتح نیوز ایجنسی
مہران مرکز سکھر
071-5613548

احمد نیوز ایجنسی
شاہی بازار بہاولپور
0300-6836902

الشیخ نیوز ایجنسی
اخبار مارکیٹ ملتان
0300-7388662

انصاری بک اسٹال
پرنس روڈ کوئٹہ
0333-7842310

اقبال پرویز نیوز ایجنسی
گجرانوالہ سٹی
0333-8103489

اشرف بک ایجنسی
کمیٹی چوک راولپنڈی
051-5531610

کے سامنے آکر رک گئی۔ یہ دروازہ نواب یوسف بے کے وسیع و عریض محل کے باغ کا تھا۔ اس خستہ حال بڑھیا سے کچھ فاصلے پر ابوتابہ بھی موجود تھا اور وہ مخالف دیوار کے سائے میں دبکا ہوا تھا۔

میں نے تین دفعہ ہلکی اور پھر دو دفعہ تیزی سے اس دروازے پر دستک دی تو فوراً ہی ایک چھوٹی کھڑکی دروازے میں نمودار ہوئی اور اس میں سے ایک خوف ناک شکل والے حبشی کا چہرہ نمودار ہوا۔

''میں تاجر علی محمد کا پیغام لائی ہوں مجھے شاہزادی خاتون تک پہنچادو۔'' میں نے نحیف آواز میں کہا۔

''اس کی مہر دکھاؤ۔'' وہ حبشی اپنا موٹا تازہ وزنی ہاتھ باہر پھیلاتے ہوئے غرایا۔

میں نے فوراً وہ انگوٹھی اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پر رکھ دی جو میں نے علی محمد کی طرز بوش کے اندر سے حاصل کی تھی۔ وہ ہاتھ اندر غائب ہوگیا۔ زنانہ آواز میں کچھ سرگوشیاں سنائی دیں پھر دروازہ ایک ہلکی آواز سے صرف اتنا تھوڑا سا کھل گیا جس میں سے صرف میں اندر داخل ہوسکوں۔ اندر آکر میں نے اپنے آپ کو بے کے باغ میں پایا۔

مکمل چاند کی روشنی میں وہ باغ شاندار اور دل کش نظارہ پیش کررہا تھا اور کسی مصور کے تخیل کا حسین شاہکار معلوم ہورہا تھا۔ باغ کے ساتھ موجود عمارتوں کی چھجے دار محرابی کھڑکیاں یوں نظر آرہی تھیں جیسے وہ کوئی باحجاب خواتین ہوں جن کی حفاظت کئی شاندار، لمبے تنگڑ نگے اور سیدھے کھڑے پام اور کھجور کے درخت کررہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ میں الف لیلیٰ کے دور میں آگیا ہوں اور یہ زمانہ خلیفہ ہارون الرشید کا ہے۔

ایک لڑکی جس کا پورا جسم ایک لمبی چادر اور سر اسکارف میں ڈھکا ہوا تھا میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے پاؤں میں سرخ رنگ کے جوتے تھے اور دو موٹی موٹی سیاہ آنکھیں نقاب کے پیچھے سے جھانک رہی تھیں۔ اس کے جسم کا صرف یہی حصہ عیاں تھا۔ اس کا دبلا پتلا جسم اس قوی ہیکل حبشی کے سامنے بالکل بچوں جیسا نظر آرہا تھا۔ مجھے یہ نظارہ کچھ اچھا نہ لگا کیونکہ اس قسم کے حبشیوں سے ابوتابہ کے تہ خانے میں میری ملاقات کچھ زیادہ خوش گوار نہ تھی۔

''اماں!.....جلدی جلدی میرے پیچھے آؤ۔'' وہ لڑکی بولی۔ ''اور تم۔۔۔۔یہیں رکو۔'' اس نے حبشی کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔

میں خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑا۔ راستہ باغ کی بیرونی دیوار کے بالکل متوازی تھا جس پر اونچی دیوار کا سایہ تھا۔ پورا باغ گلاب کی خوشبو سے معطر تھا۔ باغ کے عین وسط میں ایک بڑا سا فوارہ تھا جس کے گرد سنگ مرمر کا ایک چبوترہ تھا اور چاروں طرف گلاب کے پھولوں کی جھاڑیاں۔ ہم محل کے ایک طرف تھے۔ اس کی محرابی کھڑکیاں چاند کی روشنی میں پراسرار طریقے سے چمک رہی تھیں مگر ان کے اندر کوئی حرکت نظر نہیں آرہی تھی۔ چلتے چلتے ہم ایک روش پر پہنچے جس کے دونوں طرف چوبی جالی لگی ہوئی تھی۔ اس روش کا خاتمہ ایک چھوٹے مگر بھاری دروازے پر ہوا جس پر کیل جڑے ہوئے تھے۔ یہاں میری راہ نما نے چابی لگا کر اس کا قفل کھولا۔

دروازے میں داخل ہوکر اس نے اپنے پیچھے دروازہ دوبارہ بند کرلیا۔ اب ہم گہری تاریکی میں تھے۔ جلد ہی یہ تاریکی ایک لیمپ کی زرد روشنی سے دور ہو گئی۔ یہ لیمپ اس لڑکی نے یہیں کہیں سے اٹھا کر روشن کیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ سامنے چوبی سیڑھیاں اوپر جارہی تھیں۔ ہم ان پر قدم رکھ دیے۔ اوپر پہنچ کر اس لڑکی نے ایک اور دروازہ کھولا اور لیمپ وہیں سب سے اوپر والی سیڑھی پر چھوڑ دیا۔ اس دروازے کی دوسری طرف ایک چھوٹا سا خشت پہلو کمرہ تھا جس کی دیواریں لکڑی کی تھیں جن پر عمدہ کندہ کاری کی ہوئی تھی۔ پورے فرش پر غالیچے اور قالین بچھے تھے اور فضاء میں گہری سحر انگیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

دروازے کے بھاری پردے برابر کرتے ہوئے میری راہ نما باہر چلی گئی اور میں وہاں اپنے

سایوں کے ساتھ تنہا رہ گیا۔ فوراً ہی وہ لڑکی دوبارہ کمرے میں نمودار ہوئی مگر اب وہ اندرونی دروازے سے اندر آئی تھی۔ یہ دروازہ کھلنے پر ہلکی دھیمی سی موسیقی سنائی دی اور جب میری راہ نما نے انگلی کے اشارے سے مجھے اندر بلایا تو میں اس کے پیچھے چل دیا۔ اب میں جس کمرے میں تھا وہ بلاشبہ ''بربر'' خوب صورتی کا منہ بولتا شاہکار تھا اور اس کی خوبصورتی کو شاہمارا کی حسین شخصیت دوچند کررہی تھی۔

کمرے کی دیواریں قدیم طرز کے سبز سنگ مرمر سے مزین تھیں۔ ایک کونے میں آبنوسی دیوان پڑا تھا جس کے پائے چیتے کی ٹانگوں اور پنجوں سے مشابہ تھے۔ اس دیوان پر چیتے کی کھال ہی سے مشابہ ایک غالیچہ تھا اور اس کے اوپر جو گدیاں پڑی تھیں وہ بھی اسی طرح کی تھیں بلکہ شاید وہ چیتے کی کھال ہی کی تھیں۔ یہ دیوان ایک چبوترے پر رکھا ہوا تھا جو دو تین قدم اونچا تھا۔ اس چبوترے کے پہلو میں ایک چھوٹا سا تالاب تھا جس میں چھوٹا سا ہی ایک فوارہ اچھل رہا تھا۔ پورے کمرے میں دھیمی دھیمی موسیقی پھوٹ رہی تھی۔ تالاب کے کنارے پر ایک بڑا سا نقرئی مبخرہ رکھا ہوا تھا جس میں سے مسحور کن دھواں اٹھ رہا تھا۔

اس دیوان پر شاہمارا نیم دراز تھی۔ ایک ہی نظر میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس کے حُسن کے چرچے بے جا نہیں تھے۔ وہ ان کی مکمل حق دار تھی۔ اس کے انداز میں چیتے کی سی مشابہت تھی اور چیتے کی کھال پر نیم دراز وہ اسی کا ایک حصہ معلوم ہورہی تھی۔ اس کا انداز ایک جل پری کا سا تھا۔ آنکھیں مصری طرز کی بالکل مخروطی۔ سر کے اوپر کپڑے کو بالکل پگڑی کی طرح لپیٹ رکھا تھا جس کا رنگ بالکل دودھ کی طرح سفید تھا اور اس کے سامنے ماتھے پر ایک جڑاؤ بروچ ٹنکا ہوا تھا جو قدیم مصری طرز کا تھا۔ شاید فرعونوں کے چودھویں خانوادے کی نشانی۔

میری نگاہیں اس کے گداز جسم پر پھسلنے لگیں۔ وہ پوری طرح زیورات سے لدی پھندی تھی۔ اس کے نرم گداز حرارت آفریں بازوؤں کے گرد سونے کے بے شمار کڑے اور انگلیوں میں ان گنت انگوٹھیاں تھیں جن میں موتی جڑے ہوئے تھے۔ اس کی پنڈلیوں میں جو مشاق رقاصاؤں جیسی سبک تھیں سنہری پازیبیں تھیں۔ ایک یاقوت بالکل کبوتر کے خون جیسا لال اس نے بائیں پاؤں کے انگوٹھے میں پہن رکھا تھا۔ اس کے ناخن عمدگی سے تراشے ہوئے اور مہندی کے رنگ میں رچے ہوئے تھے۔ اس کی نشیلی آنکھیں پوری طرح مجھ پر جمی تھیں۔

''تم وہ یشمک لائی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''اے لعل مصر!..... تاجر علی محمد نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہ یشمک مقررہ قیمت پر آپ کو پیش کردوں۔ یہ اس غریب آدمی کا واحد خزانہ ہے۔'' میں آواز بدلتے ہوئے منمنایا۔

شاہمارا دیوان پر سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔ اس کے ابرو تن گئے اور وہ مجھے گھورنے لگی۔ اس نے اپنا ایک پاؤں اس گدی پر رکھا جو دیوان کے نیچے فرش پر رکھا ہوا تھا۔

''کہاں ہے وہ یشمک.....؟'' وہ غرائی۔ ''میں تاجر علی محمد کو خود ہی بعد میں رقم بھیج دوں گی۔''

''اے ماہتاب مشرق!..... براہ مہربانی اس یشمک کی رقم اس تھیلی میں ڈال دو۔'' میں نے اپنے ہاتھ چھپانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہوئے چمڑے کی ایک تھیلی قریب پڑے ایک چھوٹے میز پر رکھ دی جس پر پہلے ہی سے کچھ پھل پڑے تھے۔

کمرے میں کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ صرف فوارہ چلنے کی مدھر آواز ابھرتی رہی اور شاہمارا غصیلی نظروں سے مجھے گھورتی رہی پھر وہ تھوڑا سا آگے کھسکی اور اپنے زیور سے لدے پھندے ہاتھ سے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے سانپ کی طرح سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''میں تمہیں اس محل کے کسی تاریک تہ خانے میں بند کردوں گی اور کسی کو تمہارا کوئی اتہ پتہ بھی نہیں ملے گا۔''

Pakistanipoint

میں نحیف آواز میں منمنایا۔ ''اے شجرۃ الدر!..... تاجر علی محمد باہر صدر دروازے پر میری واپسی کا انتظار کر رہا ہے۔ اس نے مجھے یہ حجاب اس وقت تک دینے سے منع کیا ہے جب تک اس کی رقم میری ہتھیلی پر نہ رکھی جائے۔''

''وہ لالچی تاجر.....'' شاہارا دانت پیستے ہوئے بولی۔ پھر اس نے زیورات سے مزین اپنے ہاتھ سے اس کنیز کی طرف اشارہ کیا جو میرے عقب میں کھڑی تھی اور بولی۔ ''اس کی مطلوبہ رقم اس تھیلی میں ڈال دو تاکہ ہم اس منحوس شکل بڑھیا کو یہاں سے دفع کر سکیں۔''

''اے حور بہشت!..... خدا تمہارا اقبال بلند کرے۔'' اپنا کام بنتا دیکھ کر میں نے چاپلوسی سے کام لیا۔

اس کنیز نے ایک مقفل الماری سے ایک چوبی ڈبہ نکالا اور میری آنکھوں کے سامنے اس میں سے سکے نکال کر گننا شروع کر دیے۔ میز پر ایک چھوٹا سا ڈھیر لگ گیا پھر آخری سکہ بھی کھنکتا ہوا ڈھیر کے اوپر جا گرا۔

''اب اس ڈبے میں مزید سکے نہیں ہیں۔ سو پاؤنڈ کم ہیں۔'' وہ کنیز شاہارا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''یشمک یہاں رکھو، یہ سکے اٹھاؤ اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' شاہارا کا غصہ عروج پر پہنچ گیا تھا۔

''تاجر علی محمد بقایا رقم چھوڑنے کو ہرگز تیار نہ ہو گا۔'' میں جلدی سے بولا اور پھر اس کی پگڑی میں ٹکے قدیم بروچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ''باقی رقم کے بدلے اپنی پگڑی کا یہ بروچ دے دو۔''

میری بات سنتے ہی شاہارا کے تن بدن میں جیسے آگ سی لگ گئی ہو۔ اس کا جسم ہولے ہولے کانپنے لگا اور وہ غصے میں کانپتی آواز میں بولی۔ ''یہ تمہارے غلیظ ہاتھوں کے لیے نہیں ہے۔'' پھر اس نے اپنی ایک انگلی سے ایک بڑی سی انگوٹھی نکالی اور اس کو سکوں کے ڈھیر کے اوپر اچھالتے ہوئے چلائی۔ ''لو تمہاری رقم پوری ہوگئی اب حجاب یہاں رکھ دو۔''

میں اس کنیز کی طرف مڑا جو رقم گن رہی تھی اور اس سے کہنے لگا۔ ''یہ ساری رقم اس تھیلی میں ڈال کر مجھے دے دو۔ مجھ بڑھیا سے یہ نہیں ہو سکے گا۔''

اس شامی کنیز نے وہ ساری رقم لاپراوئی سے تھیلی میں یوں ڈالی جیسے سبزی کو ٹوکری میں ڈال رہی ہو۔ یوسف بے کے حرم میں اس طرح دولت سے بے اعتنائی عام بات تھی۔ رقم سے بھری وہ تھیلی میں نے اپنے لباس کے نیچے محفوظ کر لی اور پھر اسی میز پر جہاں کچھ دیر پہلے رقم رکھی تھی ریشم کے کپڑے سے بنا ایک پیکٹ رکھ دیا۔

شاہارا نے جھپٹنے کے انداز میں وہ پیکٹ اٹھالیا اور بے تابی کے عالم میں اس کا اوپری حصہ پھاڑ کر وہ موتیوں جڑا یشمک نکال کر پہن لیا۔

میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں اس سے پہلے اس قدر حسن کبھی نہیں دیکھا تھا جتنا وہ بربر حسینہ اس یشمک کو اوڑھنے کے بعد قاتل حسن کی مالک بن گئی تھی۔

''میرا آئینہ لاؤ..... صفیہ..... میرا آئینہ لاؤ۔'' وہ بے تابی سے چیخی تو ایک کنیز نے نہایت پھرتی سے آگے بڑھ کر چاندی سے بنا ایک آئینہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ کچھ دیر اس آئینے میں اپنا سراپا دیکھتی رہی۔ اس کی بلوریں آنکھیں اِدھر اُدھر گھوم کر اپنے حسن کا جائزہ لے رہی تھیں اور اپنے لوچ دار جسم کی ہر لچک پر واری صدقے جا رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد اس نے وہ آئینہ ایک گدی پر پھینک دیا اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے مدہوش سے لہجے میں بولی۔ ''کیا میں مصر کی سب سے زیادہ حسین عورت نہیں ہوں۔ مردوں کا دل میرا کھلونا اور میری طاقت بادشاہوں کی طاقت سے بڑھ کر ہے۔''

پھر اچانک اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اور میری طرف دیکھتے ہوئے وہ ایک کنیز سے کہنے لگی۔ ''امینہ کو بھیجو..... وہ محمود کو جا کر بتائے کہ بڑھیا

آرہی ہے۔''

پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔ ''بیرونی کمرے میں انتظار کرو بڑھیا۔ تمہاری موجودگی میرے اعصاب پر بھاری ہے۔''

''جو حکم آپ کا۔'' میں نے جواب دیا اور اس طرف مڑ گیا جدھر اس کی انگشت اشارہ کر رہی تھی۔ میں واپس اسی ہشت پہلو کمرے میں آ گیا اور میرے نکلتے ہی اندرونی دروازہ سختی سے بند ہو گیا۔ اس نیم روشن کمرے میں میری راہ نما نے دوبارہ اپنی چادر اچھی طرح اپنے جسم کے گرد لپیٹی۔ دروازہ کھولا اور مجھے سیڑھیوں سے نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔

میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا اور نہ ہی چاہتا تھا کہ کوئی خنجر میری پشت میں ترازو ہو جائے اس لیے بولا۔ ''پیاری بیٹی!..... تم میرے آگے چلو۔''

وہ بلا حیل وحجت فوراً راضی ہو گئی۔ میرا شک بے بنیاد تھا۔ ہم اندھیرے میں بلیوں کی مانند بے آواز سیڑھیاں اترتے رہے پھر واپس باہر محفوظ راہ گزر میں آ گئے۔ دیوار کے نیچے سائے مزید گہرے ہو گئے تھے اور چوڑے بھی۔ جب ہم باغ کے آخری کونے تک پہنچے تو میں نے محسوس کیا کہ راستہ پہلے کی نسبت کچھ زیادہ طویل ہو گیا ہے۔ میں نے جبلی طور پر کسی انجانے خطرے سے نمٹنے کے لیے اپنا ایک ہاتھ آگے کی طرف پھیلا رکھا تھا۔ آخر پھولوں کا وہ کنج دکھائی دیا جس کے پیچھے باغ کا صدر دروازہ تھا۔ یہاں میری راہ نما رک گئی۔

''یہاں سے مجھے واپس جانا ہو گا اماں..... وہ رہا سامنے دروازہ جسے محمود تمہارے لیے کھول دے گا۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''خدا حافظ..... اللہ مہربان ورحیم تم پر اپنی رحمت کرے۔'' میں نے جواب دیا تو وہ تیزی سے واپس مڑ گئی۔ مجھے محسوس ہوا میری مہم اپنے اختتام کو پہنچ گئی ہے مگر میں زیادہ محتاط انداز میں آگے بڑھا۔ میں نے اپنا ایک ہاتھ احتیاطی طور پر اپنے آگے پھیلا رکھا تھا اور یہی احتیاط میرے کام آ گئی کیونکہ دروازے سے چند قدم دور رسی کا ایک پھندا عین میرے اوپر آن گرا اور ایک ہی جھٹکے میں کس گیا۔ میری احتیاط کام آ گئی اور میرے اٹھے ہاتھ نے اسے پوری طرح کسنے نہ دیا ورنہ اس کا پھندا مجھے پوری طرح بے بس کر سکتا تھا۔

میرے صیاد نے عقب سے مجھ پر چھلانگ لگائی اور پلک جھپکنے میں پھندے کو کسنے لگا۔ میں تیزی سے واپس مڑا۔ میرے سامنے سفید دانتوں کی نمائش کرتا صدر دروازے کا حبشی محافظ محمود پھندے کی رسی تھامے کھڑا تھا۔ یقیناً اس کی یہ حرکت اس کی مالکن کے حکم کا نتیجہ تھی۔ میں نے اپنے آزاد ہاتھ کی مٹھی بھینچی اور سیدھا اس حبشی کے جبڑے کا نشانہ لیا۔ پل بھر میں اس کے چمکتے ہوئے چند دانت منہ سے باہر زمین پر اِدھر اُدھر بے تکلفی سے لڑھکتے نظر آئے۔ اس سے پہلے کہ وہ اس حملے سے سنبھل پاتا میں نے اپنے لباس کے نیچے سے لوہے کا ایک راڈ نکالا اور وہ اس کے کھلے جبڑے پر دے مارا۔ رسی پر اس کی گرفت فوراً ڈھیلی پڑ گئی اور وہ واپس دروازے کی طرف بھاگا۔

میں نے اسے گردن سے دبوچ لیا اور بولا۔ ''جلدی کرو، دروازہ کھولو ورنہ میں یہ لوہا تمہاری گدی میں مار کر حلق کے راستے باہر نکال دوں گا۔''

چند ہی لمحوں بعد میں یوسف بے کے باغ سے باہر سڑک پر کھڑا تھا اور میری کمر کے ساتھ بندھی سکوں کی موٹی تھیلی کو میرے ہاتھ بخوبی محسوس کر سکتے تھے۔ میں نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی اس لیے کہ میں ایک نقلی حجاب فروخت کر آیا تھا جس پر نقلی موتی جڑے تھے جو سلیمان علوی نے چار دن کی دن رات محنت شاقہ سے میرے لیے تیار کیے تھے۔

مجھے دیکھتے ہی ایک دیوار کے سائے سے ابوتاہ باہر رینگ آیا۔ ''کیا تم نے اپنا کام مکمل کر لیا؟'' شبہات کے سائے اس کے چہرے پر رینگ رہے تھے۔

''ہاں کر دیا.....'' میں نے کہا۔ ''اب جلدی

چلو خطرہ ہے وہ لوگ کسی بھی وقت سر پر پہنچ سکتے ہیں۔''

ان سنسان گلیوں میں ایک تنہا پام کے درخت کے نیچے دو گھوڑوں والی ایک بگھی ہمارا انتظار کر رہی تھی۔ بگھی میں بیٹھتے ہی میں نے ابوتابہ کو وہ صندلی ڈبہ تھما دیا جو مجھے علی محمد کی طربوش کے اندر سے ملا تھا۔ گاڑی چلنا شروع ہوئی تو ابوتابہ نے وہ صندلی ڈبہ کھولا اور اس کے اندر جھانکا۔ چاندی کے ڈبے کے اندر موتیوں جڑا وہ یشمک موجود تھا۔ اس کو اس نے چھوئے بغیر ڈبہ دوبارہ بند کر کے اپنی کالی عبا کے نیچے چھپا لیا۔ میں نے سکوں کے کھنکنے کی آواز سنی اور پھر ایک مہر بند تھیلی اس نے میرے ہاتھ میں تھما دی۔

''یہ تین ہزار انگریزی پاؤنڈ ہیں۔'' ابوتابہ بولا۔ ''ایک ہزار پاؤنڈ اس کمیشن کے جو تم نے علی محمد کو واپس کرنی ہے اور دو ہزار پونڈ اس چیز کے جو تم نے مجھے دی ہے۔''

میں نے وہ تھیلی بھی پہلی کے ساتھ اپنی عبا کے نیچے دبکا لی۔ میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ میں دونوں طرف سے فائدے میں تھا اور اب جو حجاب میں نے ابوتابہ کے حوالے کیا تھا وہ بھی سلیمان علوی کے فن کا منہ بولتا دوسرا شاہکار تھا۔ اس نے ایک ہی قسم کی دو نقلیں تیار کی تھیں۔ اب مجھے اصل سے فائدہ اٹھانا تھا۔

اس گھر پہنچ کر جہاں میں نے بھیس بدلا تھا ابوتابہ نے مجھے چھوڑ دیا تاکہ میں دوبارہ اپنے اصلی حلیے میں آ کر اپنے ہوٹل واپس جا سکوں۔

''شب بخیر ابوتابہ.....'' میں نے کہا۔

''شب بخیر پاشا.....'' کھلے دروازے سے وہ مڑا اور پھر ایک مسکراہٹ اچھالتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

آدھی رات بیت چکی تھی جب میں اپنے ہوٹل واپس پہنچا۔ سیدھا اپنے کمرے میں آیا اور ٹیبل لیمپ روشن کر کے ایک طویل خط اپنی کمپنی کو لکھنے لگا۔ خط مکمل کرنے کے بعد میں نے اپنے سوٹ کیس کو کھولنا چاہا تو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ چابی لگاتے ہی وہ فوراً کھل گیا۔ اس کے اندر میرے کاروباری کاغذات تھے۔ میں نے ایک بڑا سا مہر بند لفافہ نکالا جو میں نے اس خط کے ساتھ لگانا تھا۔ صبح یہ خط میں نے کمپنی کے نام روانہ کر دیا۔ میں تھکا ہوا مگر خوش تھا۔

ٹھیک پندرہ دن بعد جب میں لنچ کر رہا تھا مجھے ایک رجسٹرڈ خط اپنی کمپنی کی طرف سے موصول ہوا۔ لکھا تھا۔

''محترمی پاشا!.....ہم یہ ریشمی حجاب واپس بھیج رہے ہیں جس کو آپ نے فرعون اخناتون کے شاہی معبد کی دیوداسی کا بتلایا تھا اور جو اس کے مقبرے سے چرا لیا گیا تھا۔ آپ کا لکھنا ہے کہ یہ آپ نے یہ ہمارے لیے ایک ہزار پاؤنڈ میں خریدا ہے۔ ہم ایک نقلی چیز کے لیے اتنی بڑی رقم برداشت نہیں کر سکتے اور نہ توقع رکھتے ہیں کہ آپ جیسا نوادرات کا ماہر اتنی گھٹیا نقل ہمیں بھیجے گا۔ ہم نقل نہیں خریدتے۔ خدا حافظ۔''

یہ عبارت پڑھ کر میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ ساتھ آیا پیکٹ میں نے بے تابی سے پھاڑ کر کھولا اور پاگلوں کی طرح اس یشمک کو دیکھنے لگا جو اس کے اندر تھا۔ میں ایک نظر میں پہچان گیا کہ یہ وہ دوسری نقل تھی جو سلیمان علوی نے میرے کہنے پر تیار کی تھی اور میں نے ابوتابہ کے حوالے کی تھی۔

ساری حقیقت مجھ پر عیاں ہونے لگی۔ جس دن میں یوسف بے کے حرم میں گیا تھا اسی صبح میں نے اصلی یشمک پیک کر کے اپنے سوٹ کیس میں رکھا تھا اور پھر اسے دوبارہ کھول کر دیکھے بغیر کمپنی کو خط کے ساتھ پوسٹ کر دیا تھا۔ یوسف بے کے حرم سے واپسی اور ابوتابہ سے رخصت ہونے کے بعد ہوٹل واپس پہنچنے میں تقریباً ایک گھنٹے کا وقفہ تھا۔

اب میں سمجھ گیا تھا کہ اس رات میرے سوٹ کیس کا تالا کیوں خراب تھا۔ میری نظروں میں ابوتابہ کی وہ دھیمی ساحرانہ مسکراہٹ گھومنے لگی۔

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں پڑھا تم کو
اپنے خوابوں کے جزیروں پر کھڑا دیکھا ہے
کچھ کو منزل پر بھی جا کر نہیں ملتی منزل
ہم نے قسمت کو مقدر سے بڑا دیکھا ہے
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہ یار)

محبتوں کے سفر میں لوگ مل کے بچھڑ جاتے ہیں
اجڑے ہوئے گھروں کے مکیں کدھر جاتے ہیں
تیرے میرے درمیاں فاصلہ بہت ہے دوست
ایک ذرا سی تمنا کے لیے ہم بکھر جاتے ہیں
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

کیا فرشتے چلے گئے ہیں کاندھوں سے؟
کہ اب لوگ، لوگوں کا حساب کرتے ہیں
(انتخاب: سمرین بلال.....کراچی)

ہماری نیند پوری نہ خواب پورے ہیں
ادھورے لوگ ہیں لیکن عذاب پورے ہیں
(انتخاب: عرفان عرف فانا.....نوابشاہ)

اب اداس پھرتے ہو سردیوں کی شاموں میں
اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں
(انتخاب: تانیہ شیر خان.....ٹنڈوآدم)

عادتاً سوچتا ہوں اب ورنہ
سوچنے کو بھی جی نہیں کرتا
(شہریار خان عرف شیری.....کھپرو سندھ سے)

اب اپنا حسن سنبھال کر رکھیے
دل ہم نے اب چائے سے لگا رکھا ہے
(افشاں رمضان.....راولپنڈی)

مرچکا ہے دل مگر زندہ ہوں میں
زہر جیسی کوئی دوائیں چاہئے
پوچھتے ہیں آپ..... آپ اچھے تو ہیں؟
جی میں اچھا ہوں..... بس دعائیں چاہئیں
(شیخ ثناءاللہ.....دریا خان)

مت دیکھ کوئی شخص گنہگار ہے کتنا
دیکھ تیرے ساتھ وفادار ہے کتنا
(انتخاب: سلیم عرف کاکا.....ٹنڈوآدم)

کوئی اس شخص سا دنیا میں کہاں ہوتا ہے
لاکھ چہروں میں جسے دل نے چنا ہوتا ہے
ہم تو اس موڑ پر آپہنچے ہیں محبت میں جہاں
دل کسی اور کو چاہے تو گناہ ہوتا ہے
(انتخاب: شازیہ ندیم.....کھڈرو سندھ سے)

لگتا ہے میرے خواب ادھورے رہ جائیں گے
لگتا ہے میری موت جوانی میں ہوگی
(عائشہ معین.....چنیوٹ)

کچھ حادثے ایسے ہوتے ہیں زندگی میں
انسان تو بچ جاتا ہے مگر زندہ نہیں رہتا
(انتخاب: عثمان نصیر.....کراچی)

فرصت اگر ملے تو پڑھنا مجھے ضرور
میں تمہاری الجھنوں کا مکمل جواب ہوں
(انتخاب: ایس حبیب خان-کراچی)

موت تو نام سے بدنام ہے ورنہ
تکلیف تو زندگی بھی کم نہیں دیتی
(انتخاب ندیم ساگر.....کھڈرو سندھ سے)

انداز عشق بھی کیا خوب تھا اس بے وفا کا
ہزاروں درد دے گیا ہمیں جان کہتے کہتے
صرف پتھر ہی نہیں جلتے غم کی آگ میں
برف سے بھی دیکھا ہے ہم نے دھواں اٹھتا ہوا
(عامر شہزاد.....نکانہ صاحب)

چپکے چپکے سے دے جاتے ہیں
گہرے روگ سنہرے لوگ
(محسن عزیز جلیم.....کوٹھا کلاں)

جو ہوسکے تو بدل دو نقشہ تقدیر
نہ ہوسکے تو ستاروں کا احترام کرو
(سنبیل وسیم سیالوی.....پنڈ دادن خان)

زندگی میں بار بار ٹھوکر کھانے والوں
ایک دفعہ تو کسی غلطی سے سیکھ لیتے
(انتخاب: منیر عرف منی.....کھڈرو سندھ سے)

☆

Pakistanipoint

ہمارا نبیؐ انبیا کا نبی ہے
یہ جس کے لئے ساری خلقت بنی ہے
جہاں سر کے بل چلنا اے عشق والو
نبی کی گلی پھر نبی کی گلی ہے
جلاتی مجھے ناؤ دوزخ تو کیونکر
کہ جب دل میں حب نبی کی کلی ہے
پکاریں گے یا مصطفیٰ، مشکلوں میں!
کہ جب نام اس کے مشکل ٹلی ہے
ہر اک چیز قرباں ہے نام نبی پر
غم مصطفیٰ پر نچھور خوشی ہے
نہیں سر میں عشق محمد کا سودا
تو کس کام کی پھر تیری زندگی ہے
اسی ذکر سے اپنے دل کو جلالے
دوعالم میں جس ذکر سے روشنی ہے
مجھے دین و دنیا کی قمر پیارے
ہر اک نعمت ان کے کرم سے ملی ہے
(چوہدری قمر جہاں علی پوری.....ملتان)

بنا گلاب تو کانٹے چبھا گیا اک شخص
ہوا چراغ تو گھر ہی جلا گیا اک شخص
تمام رنگ مرے اور سارے خواب مرے
فسانہ تھے کہ فسانہ بنا گیا اک شخص
میں کس ہوا میں اڑوں، کس فضا میں لہراؤں
دکھو کے جال ہر اک سو بچھا گیا اک شخص
پلٹ سکوں میں نہ آگے ہی بڑھ سکوں جس پر
مجھے یہ کون سے رشتے لگا گیا اک شخص
محبتوں نے کسی کی بھلا رکھا تھا اسے
ملے وہ زخم کہ پھر یاد آ گیا اک شخص
وہ ماہتاب تھا، مرہم بدست آیا تھا
مگر کچھ اور سوا دل دکھا گیا اک شخص
کھلا یہ راز کہ آئینہ خانہ ہے دنیا
اور اس میں مجھ کو تماشا بنا گیا اک شخص
(انتخاب: ایس حبیب خان.....کراچی)

کبھی آنا تو وہ پہلی محبت ساتھ لے آنا
ہر لمحے کو مٹھی میں مقید تم ساتھ لے آنا
گو کہ سمندر کے کنارے دور رہتے ہیں
گر ہو سکے تو ایک ہی کنارا ساتھ لے آنا
تمہارے وصل میں بتائے لمحے یاد آتے ہیں
کوئی ایک پل پرانا تم اپنے ساتھ لے آنا
تمہارے شہر سے گزروں تو یہ دیکھتے ہیں ہم
اس دکان سے سرخ چوڑیاں تم ساتھ لے آنا
اس زیست کی تنہائیاں اَب بہت ستاتی ہیں
ہو سکے تو اَپنے پیار کا سہارا تم ساتھ لے آنا۔!
(مریم ماہِ منیر.....لاہور)

میرا دل تھا اس کی ذات تھی اور بس
اک ذرا سی بات تھی اور بس
نظروں کا تیر چلا دل کے پار ہوگیا
اوپر سے کالی رات تھی اور بس
ہم نے اپنی نظریں جونہی ان سے چار کیں
ہم بھول گئے کہنی جو بات تھی اور بس
وہ جو پل بھر میں ہمیں بھول گیا ہے آفرین
اس کا پیار میری کل کائنات تھی اور بس
تنہائی میں بھی مسکرادیتے تھے لب جسے سوچ کر
اس میں کچھ تو خاص بات تھی اور بس
اس نے جاتے وقت بھی میری طرف مڑ کے دیکھا تھ
تب ہوئی میری آنکھوں سے برسات تھی اور بس
اس نے چھوڑا تو پل بھر کو رکی تھیں سانسیں
چاندنی رات بھی اداس تھی اور بس
میں نے دیکھا تھا اسے غور سے جاتے وقت
آنکھوں میں اس کے صدیوں کی آس تھی اور بس

Pakistanipoint

بھولی تھی ساری دنیا ہمیں بھی چند لمحوں کے لئے
یاد تھی تو صرف اس کی ذات تھی اور بس
درد دل ہم سے بہتر کوئی نہیں سمجھ سکتا آفرین
ہم نے لوگوں کی اجڑتی دیکھی کائنات تھی اور بس
(رابعہ آفرین.....لاہور)

کیسے کیسے وفاؤں کے زمانے تھے
حسن والوں کی تاک میں نشانے تھے
ہر طرف پھول اور رنگوں کا میلہ تھا
صحرا صحرا پھر کسی کے افسانے تھے
زندگی جیسے پھر پھول سی لگتی ہے
کسی کی نگاہوں میں جینے کے سو بہانے تھے
اس نے لوٹ جانے میں عافیت جانی
میرے ساتھ گزرے ہوئے زمانے تھے
آنسوؤں سے جو نہ دھل سکے کبھی جاوید
پیار میں جو ملے زخم بہت پرانے تھے
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

ماں تو بہت عظیم ہے ماں!
ماں، میں تیری قدر دان ہوں ماں!
تیرے لئے بہت ہی پریشان ہوں ماں!
کوشش تو یہی ہے کہ میں آپ کو خوش رکھوں
دنیا کی ہر چیز آپ کے قدموں میں لا کے رکھ دوں
پر کچھ نہیں کر پا رہی، بہت بے بس ہوں میں!
بہت لاچار سا محسوس کر رہی ہوں خود کو میں!
ماں تو بہت دکھ تکلیف سہتی ہے
اک نافرمان اولاد کی خاطر!
جو تیری اک رات کا قرض بھی نہیں چکا سکتی ماں!
کیا کیا نہیں کرتی؟
جھوٹ، سچ، ہماری حقیقت کو چھپانے کے لئے
ہمیں زمانے اور اس میں بسیرا کرنے والے
ظالموں سے بچانے کے لئے!
ہم تو کچھ بھی کرنے پر تیرا حق کبھی بھی ادا نہیں کر سکتے ماں!
(کائنات رشک تنویر.....لاہور)

کوئی سکھ نہ ملا بچھڑ جانے سے
کیسے کیسے غم ملے ہیں پھر زمانے سے
بدل نہیں سکتے ہم زندگی کا معیار بھی
کوئی خوشی نہیں ملی کہیں اسے پانے سے
دامن میں اپنے آنسوؤں کی برسات ہو جیسے
فائدہ کیا کسی کو پھر حال دل سنانے سے
نام اپنا کب آئے گا پھر سے بہاروں میں
کیا حاصل دامن ہیں یوں پھول سجانے سے
ناکام ہے زندگی مفلسی کے موڑ پر جیلانی
اندھیرے ہی راس آئے ہیں چراغ جلانے سے
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہ یار)

ہاتھ اس کے عجب ہنر لگا ہے!
ہر شخص کو معتبر لگا ہے!
رہتا ہوں میں اس کی سوچ سے دور
جس کا مرے گھر سے گھر لگا ہے
پتھر کیسے میں دل پہ رکھ لوں!
سینے سے کسی کا سر لگا ہے
رگ رگ میں اڑی ہیں وہ لویں سی
ہر قطرۂ خوں شرر لگا ہے
ہے جس کی محافظت میں سب کچھ
ہم کو تو اسی کا ڈر لگا ہے
ہستی ہو کہ نیستی ہمیں امتیاز
ہر دائرہ تنگ تر لگا ہے
(ایس امتیاز احمد.....کراچی)

سامنے چشم پرنم ہیں
ہم بھی ان کے شریک ماتم ہیں
زیست کا تجزیہ کیا تو کھلا
ایک عالم میں کتنے عالم ہیں
کب ہے ممکن ضیافت ہر غم
زندگی میں ہزار ہا غم ہیں
اور کس کس سے دوستی کیجیے
پہلے ہی داغ دل میں کیا کم ہیں
آدمیت سے منسلک ہوں اگر

Pakistanipoint

ہم اکائی ہیں ابن آدم ہیں
جب سے برہم ہوئی فضائے جہاں
گیسوئے زندگی بھی برہم ہیں
بس کہ معدوم ہی سے ہیں واجد
خود کو منوائیں بھی اگر ہم ہیں
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی)

لکھ کے تیرا نام پھر مٹا دیتا ہوں
دل پہ ہر بار یوں خنجر چلا دیتا ہوں
جب پوچھتے ہیں لوگ اشکوں کی وجہ
تیری وفا کی کہانی سنا دیتا ہوں
کیوں کیا زندگی میں شریک سفر تجھے
اس بات پہ اکثر دل کو سزا دیتا ہوں
تقدیر بھی روٹھی ہے میری اس حالت پہ
تقدیر کو جب لٹنے کا گلہ دیتا ہوں
یہ بھی مجھ پہ تیری اک عنایت ہے شہزاد
لفظوں سے پتھر بھی رلا دیتا ہوں
(عامر شہزاد.....نکانہ صاحب)

ہم تو گواہ ہیں کہ غلط لکھا گیا
کیا ہوا تھا فیصلہ اور کیا لکھا گیا
ملزم کو بھی تو ملتا، کچھ بولنے کا حق
پھر کیوں نہیں بیان، ہمارا لکھا گیا
ہم چپ رہے کہ فیصلہ تھا طے شدہ
یعنی جو لکھایا، وہی لکھا گیا
مکتوب غم ہمارا پڑھا ہی نہیں گیا
ورنہ تھا اس میں، سارا حال لکھا ہوا
یہ کیسی منصفی تھی کہ منصف کے سامنے
جھوٹی شرارتوں کو بھی سچا لکھا گیا
(سنبل وسیم سیالوی.....پنڈ دادنخان)

یہ غم کیا دل کی عادت ہے؟ نہیں تو
کسی سے کوئی شکایت ہے؟ نہیں تو
یہ غم کیا دل کی حالت ہے؟ نہیں تو
ہے وہ ایک خواب بے تعبیر اس کو
بھلا دینے کی نیت ہے؟ نہیں تو
کسی کے بن کسی کی یاد کے بن
جیے جانے کی ہمت ہے؟ نہیں تو
کسی صورت بھی دل لگتا نہیں
کیا کچھ دن سے یہ حالت ہے؟ نہیں تو
تیرے اس حال پر سب کو حیرت ہے
تجھے بھی اس پہ حیرت ہے؟ نہیں تو
(عائشہ معین.....چنیوٹ)

میری ہی بات میں ردوبدل کر کے
محبت کے نام پہ جنگ و جبر کر کے
تم جیت گئے، میں ہار گیا
سکھ بہت گئے، دکھ مار گیا
یوں لمحہ بھر میں ہار گیا
میرا سارا سچ بیکار گیا
ان باتوں پہ جو کہی نہیں
دل اپنا کیس وار گیا
تو تھا بھی کبھی یا ہے ہی نہیں
اچھا ہوا میں ہار گیا
آخر وہ خمار گیا
جو سارا نشہ اتار گیا
(شیخ ثناءاللہ.....دریا خان)

مجھے تلاش ہے اس کی جو صرف میرا ہو
میرا نصیب بنے میرے دل کے پاس رہے
میرے قریب ہو اتنا کہ سانس رک جائے
مجھی کو چاہے ہنسائے ستائے..... پیار کرے
وہ میری مانگ سجائے مجھ ہی کو وہ بہلائے
میں سوچتی ہوں کہ میری وفا کا شہزادہ
کہیں تو ہوگا زمانے کی بھیڑ میں کھویا
کبھی تو میرے لئے اس کا دل تڑپے گا
کبھی تو پیار کا شعلہ لہو میں بھڑکے گا
(انتخاب: سمرین بلال.....کراچی)

Pakistanipoint

یہ کیسی ہجرتیں ہیں موسموں میں
پرندے بھی نہیں ہیں گھونسلوں میں
بھڑک اٹھیں گے شعلے جنگلوں میں
اگر جگنوں بھی چمکے جھاڑیوں میں
بہت تنہا ہے وہ اونچی حویلی
میرے گاؤں کے کچے گھروں میں
(انتخاب: نادیہ عباس.....کھڈرو سندھ سے)

بنا کے اپنا وہ پھر سے بے گانہ کرگیا
دے کر غم ساتھ خوشیاں لے مگر گیا
سوچا تھا ساتھ نبھائے گا عمر بھر
وہ تو ہر وعدہ وفا سے ہی مکر گیا
خواہشوں کے تاروں سے چمکا آسماں
دے کر کالی رات وہ لے روشن قمر گیا
بڑی من مانیوں کے پرواز بھرے تھے
اب گستاخ دل کیسا سدھر گیا
آنکھوں کے جام جو خالی رہے تھے کبھی
بعد اس کے چھلکا جو پیمانہ بھرگیا
سنگ اس کے خواب سجائے آنکھوں نے
وہ گیا کیا ہر خواب بکھر گیا
سوتے سوتے چونک اٹھتے ہیں اکثر
خوابوں سے بھی جانے چلا کدھر گیا
دل کافر کو سب کچھ میسر تھا
نہ جھکا سامنے خدا کے چاہے جدھر گیا
لگتی ٹھیس تو ہوا خدا سے نادم نینا
جب ہر دعا سے اس کا اثر گیا!!!
(شاعرہ: ایڈووکیٹ نینا خان.....کراچی)

اپنی کہانی لکھوں کہ لکھوں افسانہ
حال لکھوں کہ لکھوں بیتا زمانہ
ہوش جب آیا میں اک عام سی کلی تھی
اپنوں کے ہاتھوں نازوں سے پلی تھی
مالی نے مجھ کو جینا سکھایا
اچھے برے ہر موسم سے بچایا
میری تھی جوانی کام تھا خوش رہنا
لوگوں کی باتیں سن کر بھی اپنی دنیا میں مگن رہنا
اپنے ہی چمن کے اک بھنورے نے جب دیکھا
دیکھ کے اس نے پھر جانے کیا سوچا
پیار کا اس نے اک جال بچھایا
میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو پھنسایا
پھنس کے ایسی ہوئی ہوں بکھری سی کلی
بے بس ہو کے چڑھی ہوں پیار کی بلی
اب میں ہوں اور آنسو ہیں میرے
سدا خوش رہو میری خوشیوں کے لٹیرے
(عبدالجبار رومی انصاری.....قصور)

عشق میں شامل تمہاری جب رضا ہوجائے گی
درد کی لذت سے الفت آشنا ہوجائے گی
بے حجابی پھر تمہارا جان من معمول ہے
بے ارادہ کوئی مجھ سے پھر خطا ہوجائے گی
اچھی نظروں سے جہاں کو دیکھ لوگر ہم نوا
ساری دنیا پھر تمہاری ہم نوا ہوجائیگی
بدلے بدلے تیوروں پر ہے زمانے کی اٹھان
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائیگی
ہر تمنا میرے دل کی ساتھ اپنے لے چلے
بعد ان کے زندگی یہ اک سزا ہوجائیگی
گر نظر کا حسن تجھ کو بخش دے رب العلیٰ
ساری دنیا ہی میں نظر میں ماہ و لقا ہوجائیگی
ماشاء اللہ پڑھ رہا ہوں دیکھ کر صورت تیری
حسن میں شامل خدا کی یوں ثنا ہوجائیگی
آ کے مرقد پہ مری وہ اتنا کہہ کر چل دیئے
اب ہے جلدی پھر کبھی آ کر دعا ہوجائیگی
لے لیا شاکر جو تو نے ناؤ پہ ساحل کا نام
یوں مخالف پھر تمہارے یہ ہوا ہوجائیگی
(محمد حنیف شاکر.....نکانہ صاحب)

☆☆

الفاظ کا اثر

عثمان غنی خان-پشاور

ہر سو اندھیرے کا راج تھا نوجوان حسینہ کے قدم آگے ہی آگے بڑھتے رہے اور پھر وہ حسینہ قبرستان میں پہنچ گئی جہاں ہر طرف ہو کا عالم تھا کہ پھر اچانک ایک خوفناک فلک شگاف چیخ سنائی دی تو.....

کہانی کی حقیقت کہانی میں پوشیدہ ہے جو کہ پڑھنے والوں کو دنگ کر کے رکھ دے گی

آئینے میں لڑکی خود اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ اچانک وہ سوچنے لگی۔ میرے کمرے میں یہ کون آ گئی ہے۔ جو مجھے دیکھ رہی ہے۔ پھر اس نے پوچھا۔ اے تو کون ہے؟ میرے کمرے میں کیا کر رہی ہے؟ وہ اسے غصے سے دیکھ رہی تھی، پھر اچانک گلدان اٹھا کر اس نے اسے مارا کہ پھر!!

''یہ سچ ہے کہ الفاظ کا اثر انسانی زندگی پر بہت گہرائی تک اثر انداز ہوتا ہے۔ ثبوت کہانی میں موجود ہے۔''

رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں وہ لڑکی ایک بہت خوبصورت بنگلے سے باہر نکل آئی۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ اس وقت ہو کا عالم تھا۔ اس کے سامنے بہت سارے بنگلے موجود تھے اور اسٹریٹ لائیٹس کی روشنی میں وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتی ہوئی، قبرستان کی طرف چلنے لگی۔ یہ پوش ایریا تھا۔ اور یہاں تھوڑی دوری پر قبرستان واقع تھا۔ اس نے سڑک پار کیا۔ سڑک پر اِکا دُکا گاڑیاں پوری رفتار سے گزر رہی تھیں۔ اب وہ قبرستان کے قریب پہنچ چکی تھی۔ قبرستان میں زیادہ تر پکی قبریں تھیں۔ مگر یہاں ایک کچا کمرہ بھی بنا ہوا تھا۔ یہ پرانے وقتوں کا تھا۔ جو کچی مٹی سے بنایا گیا تھا۔ اس کمرے میں بھی گورکن رہا کرتا تھا۔ جب سے اس کی شادی ہوئی تھی، وہ یہاں سے چلا گیا تھا۔ اب یہ کمرہ ایک عرصے سے خالی تھا۔

وہ لڑکی جو کالے لباس میں ملبوس تھی۔ چلتی ہوئی، اس کمرے میں داخل ہوگئی۔ اس نے ٹارچ روشن کر لی۔ کمرے کا دروازا اندر سے بند کر دیا۔ اور کمرے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ پھر وہ فرش پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے بیگ سے کالے دھاگے نکالے اور زمین پر رکھ دیے۔ اب وہ بیگ سے رنگا رنگ پتھروں کی مالا نکال لی۔ اس کے بعد اس نے لحاف سینے والی لمبی لمبی سوئیوں کا ایک بنڈل نکال لیا۔ اس نے مالا ہاتھ میں پکڑا، اور دائیں ہاتھ سے زمین پر ایک لڑکی کا نام لکھا، پھر اس نے فرش پر لکھے ہوئے نام میں کئی سوئیاں گھسیڑنے لگی۔ اس سے فارغ ہو کر منتر پڑھنے لگی۔ ایک بار منتر پڑھنے کے بعد اس نے ایک دھاگہ اٹھا کر سوئی سے گزار لیا، پھر وہ دوسری بار منتر پڑھنے لگی، دوسری بار منتر ختم کرنے کے بعد دوسرا دھاگہ اٹھا کر سوئی کے سوراخ سے گزار ڈالا۔ کمرے میں جگہ جگہ خوفناک مکڑی کے بے شمار جالے لٹکے ہوئے تھے۔ اچانک باہر کھٹکے کی آواز سنائی دی تو وہ چونک اٹھی، اور دروازے کی طرف دیکھنے

Pakistanipoint

لگی۔مگر اسے ابھی منتر پڑھنا تھا۔

☆.....☆.....☆

محبت خواب جیسی ہے۔

کوئی عذاب جیسی ہے۔

''ہاہا۔۔۔ہاہا۔۔۔''زُمر کھل کر ہنسنے لگی۔

''آگے کا نظم بھی سنائیں۔۔۔!!''عریش نے اس کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''آگے کا۔۔۔!! مجھے نہیں پتہ۔۔۔ میں نے اتنا ہی پڑھا تھا۔''زُمر نے اس کو دیکھا۔اس کی نگاہوں میں محبت کا پیغام تھا۔

''چلو میں سناتا ہوں۔۔۔!!''عریش نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔۔۔!! میں ہمہ تن گوش ہوں ۔۔۔!!''زُمر جیسے کھل اٹھی۔

''ویسے۔۔۔!! مجھے تو شعر و شاعری سے کچھ زیادہ دل چسپی نہیں ہے۔مگر مجھے یہ شعر پسند آگیا ہے۔''اس نے زُمر کے خوبصورت سراپے کو دیکھا،وہاں اسے روشنیاں سی نکلتی نظر آئیں۔

مگر یہ سچ ہے کہ۔

بالکل گلاب جیسی ہے۔

عریش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو زُمر ہنسنے لگی۔

''واؤ۔۔۔!!تم نے تو کمال کر دیا،تمہارا زوق واقعی بہت اچھا ہے۔''زُمر نے کہا تو عریش اٹھ گیا۔اور جانے لگا۔

''کہاں جا رہے ہو؟''زُمر اس کے ساتھ ہی اُٹھ گئی۔

''بس۔۔۔!! اب دل بھر گیا ہے۔چلو یہاں سے چلتے ہیں۔۔۔!!''اس نے زُمر کا ہاتھ پکڑ لیا،اور ساتھ ساتھ دونوں چلنے لگے۔

''عریش۔۔۔!! کیا تم مجھے کوئی ایسی بات بتا سکتے ہو۔جو میرے دل پر اثر انداز ہو جائے۔''زُمر نے عریش سے کہا۔

''ہاں۔۔۔!! بالکل۔۔۔!! میں بتا سکتا ہو۔ مگر تم ناراض ہو جاؤ گی۔''عریش ہنسا۔تو زُمر اس کو دیکھ کر رہ گئی۔

''اگر تم میرے خلاف کوئی بات کرو گے،تو ہو سکتا ہے کہ میں ناراض ہو جاؤں۔۔۔!!''زُمر نے سامنے دیکھا،تو خوبصورت ندی بہہ رہی تھی۔وہ دوبارہ ندی کنارے بیٹھ گئے۔

''نہیں۔۔۔!!بات تمہارے خلاف نہیں ہے۔ دراصل میں یہ جانتا ہوں۔جو باتیں ہم کرتے ہیں۔جو کچھ کہتے ہیں۔وہ بہت گہرا اثر رکھتے ہیں۔الفاظ کا انسانی زندگی پر بہت گہرا اثر مرتب کرتے ہیں۔۔۔!!''عریش نے ندی کو گہری نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھی نہیں۔۔۔!!تم کیا سمجھانے کی کوشش کر رہے ہو؟''زُمر نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا تو عریش مسکرانے لگا۔

''مثلاً۔۔۔!! اگر میں تم سے کہوں۔۔۔!! یہ ندی گہری نہیں ہے۔۔۔!! تم آسانی سے دوسرے کنارے تک چلی جاؤ گی۔کیا تمہیں لگتا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔۔۔!!''عریش نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔

''ہاں۔۔۔!! شاید ایسا ہو۔شاید ۔۔۔!!

''زُمر کو بات میں دلچسپی لگی۔وہ شاید پرانک گئی۔

''شاید کیوں۔۔۔!!ایسا ہی ہے۔میں جھوٹ نہیں بھول رہا ہوں۔۔۔!!میں اس پار گیا تھا۔۔۔!!اس میں کوئی گہرائی نہیں ہے۔۔۔!!اور ندی کا پانی کتنا آہستہ بہہ رہا ہے۔۔۔!! اگر یہ گہری بھی ہوئی،تو تم تیر لوگی۔۔۔!!''عریش نے دیکھا۔کنارے پر شفاف پانی کے نیچے ریت کے زرات نظر آرہے تھے۔

''کنارے پر دیکھو ریت کے زرے بھی نظر آرہے ہیں۔مگر درمیان میں ہمیں پتہ نہیں چل رہا ہے۔ویسے اگر میں تمہاری بات مان جاؤں۔۔۔!!اور

دریا میں اتر کر دیکھوں۔تو تمہاری بات کا پتہ چل سکتا ہے۔۔۔!!'' زُمر نے عریش کو دیکھا،اس کی آنکھوں میں شرارت کی آمیزش رقم تھی۔

''تو پھر دیر کس بات کی ہے؟'' عریش نے شانے اچکائے۔

''اوکے اب دیکھتے ہیں۔۔۔!! کہ تمہاری بات میں کتنا اثر ہے۔۔۔!!'' زُمر نے ندی کنارے پر قدم رکھا،اس کا پاؤں تھوڑا سا پانی میں گیا۔عریش اسے دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

''عریش۔۔۔!! تم یہ میرا بیگ تو پکڑلو۔۔۔!! اس میں میری بہت اہم چیزیں ہیں۔۔۔!!'' زُمر نے دوسرا قدم پانی میں رکھا اور بیگ کندھے سے اتار کر اس نے عریش کو پکڑا دیا۔اب وہ قدم قدم پانی میں آگے ہی آگے جا رہی تھی۔رفتہ رفتہ وہ پانی میں ناف تک چلی گئی۔عریش اسے مزے سے دیکھ رہا تھا۔

''عریش مجھے لگتا ہے آگے پانی بہت گہرائی تک ہے۔۔۔!!'' اس نے چلو بھر پانی عریش پر اچھال دیا تو وہ پانی سے ایک سائیڈ پر ہو گیا۔

''مجھے ایسا نہیں لگتا ہے۔۔۔۔!!'' عریش نے نفی میں گردن ہلائی۔

''اوکے۔۔۔!!'' کہہ کر وہ پانی میں مزید آگے چلی گئی۔اب وہ چھاتی تک پانی میں تھی۔

''آگے بھی جاؤ ناں۔۔۔۔!!'' عریش کو لگا کہ وہ آگے نہیں جائے گی۔مگر زُمر آگے گئی۔اب پانی ناک کے نیچے تک آ گیا تھا کہ اچانک وہ پانی میں ایک دم سے ڈوب گئی تو عریش نے کنارے پر اس کا بیگ رکھا اور اسے دیکھنے لگا۔کچھ دیر تک اسے کچھ بھی نظر نہ آیا تو وہ گھبرا گیا۔

☆.....☆.....☆

''عریش بچاؤ۔۔۔!!'' کچھ آگے جا کر وہ پانی کے سطح پر ابھر کر چیخی۔اور دوبارہ پانی میں ڈوب گئی۔عریش ہونقوں کی طرح کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔وہ کچھ لمحوں بعد دوبارہ ابھری۔

''Areesh help me...!!'' زُمر نے عریش کو دیکھا پھر اس نے ہاتھ پیر چلانے چاہے۔مگر وہ دوبارہ پانی کی گہرائی میں چلی گئی۔یہ جگہ بالکل سنسان تھی۔یہاں کوئی بھی ان دونوں کے علاوہ نہیں تھا۔وہ دونوں تنہا تھے۔

''زُمر۔۔۔!! مجھے تیرا کی نہیں آتی'' عریش نے ڈوبتی زُمر سے کہا۔عریش کی آنکھوں میں خوف تھا۔اب پانی ساکن تھا۔زُمر پانی کے اندر تھی،عریش نے دو قدم دریا میں اتارے۔اس کو آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ایک بار پھر سے زُمر پانی کے سطح پر ابھر آئی۔

''عریش بچاؤ۔۔۔!! میں ڈوب رہی ہوں۔۔۔!!'' اس نے کہا اور ہاتھ پیر زور زور سے پانی پر چپو کی مانند مارے۔اور ڈوبنے ابھرنے لگی۔اس نے منہ میں جمع کیا ہوا پانی باہر اگلا۔

''زُمر۔۔۔!! یار تمہیں تو تیرا کی آتی ہے۔۔۔!!'' اس نے زُمر سے اونچی آواز میں کہا۔

''میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا۔۔۔!!'' اتنا کہہ کر وہ پانی میں ڈوب گئی۔عریش نے جلدی سے موبائل ندی کنارے رکھا،والٹ بھی نکالا۔اور زُمر کی طرف پانی میں دوڑ پڑا۔اب وہ زُمر کے بالکل پاس تھا۔اچانک وہ بھی پانی میں ڈوب گیا۔اس کے پیر نیچے جانے لگے۔زمر اس کے قریب ابھر آئی۔

''عریش۔۔۔!!'' جیسے ہی وہ ابھری عریش پانی میں ڈوب رہا تھا۔عریش اس کو دیکھ چکا تھا۔اسے کہاں تیرنا آتا تھا،اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ رہی تھیں۔

''زُمر۔۔۔!!'' عریش چیخا،اور پانی میں غائب ہو گیا۔زُمر نے عریش کو ڈوبتے دیکھا،تو اس کی طرف ڈبکی لگائی،اسے تیرنا آتا تھا۔اب وہ پانی میں ڈوبتے عریش کی طرف بڑھ رہی تھی۔اس نے عریش کو پانی کے اندر ہی جالیا۔

زُمر نے ہاتھ بڑھا کر عریش کو کندھے سے پکڑ کر کھینچا۔پانی کے اندر انسان کا وجود ہلکا ہو جاتا

ہے۔عریش اس کو کھینچتا چلا گیا۔زُمر نے قوت مدافعت سے اسے پانی پر لے آئی۔اب وہ اسے کالر سے پکڑ کر کنارے کی طرف لا رہی تھی۔عریش کے پیر جیسے ہی زمین پر ٹکے تو اس نے خود کے سہارے چلنا شروع کر دیا۔اب وہ دونوں بالکل گیلے تھے۔اور ندی کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔

عریش کا غصہ عروج پر تھا۔وہ غصے سے مخالف سمت میں دیکھ رہا تھا۔زُمر مسکرا رہی تھی۔

''عریش۔۔۔!! تم مجھے جو کچھ سمجھانا چاہ رہے تھے۔میں وہ سمجھ گئی تھی۔تو میں نے چند الفاظ کا استعمال کر کے تمہیں یقین دلا دیا کہ واقعی الفاظ کا اثر انسانی زندگی پر بہت گہرا ہوتا ہے۔۔۔!! جیسے تم نے مجھ سے جھوٹ بولا کہ یہ ندی گہری نہیں ہے۔۔۔!! مجھے پتہ نہیں تھا۔اور میں نے تمہاری بات کا بھروسہ کر لیا،اور میں ندی میں اتر گئی۔بنا سوچے سمجھے اور جب میں ڈوب رہی تھی،تو اسی الفاظ کا اثر میں نے تم پر استعمال کرنا چاہا۔۔۔!! میرے ذہن میں خیال آیا۔۔۔!! میں نے جھوٹ موٹ کا ناٹک شروع کر دیا۔۔۔!! چیخ چیخ کر تمہیں پکارا۔۔۔!! یہ جانتے ہوئے بھی کہ تمہیں تیرا کی نہیں آتی ہے،مگر میں بھی دیکھنا چاہتی تھی۔۔۔!! کیا الفاظ کا اثر واقعی ہوتا ہے،اور مجھے پتہ چلا کہ۔۔۔!! الفاظ کا اثر ہوتا ہے۔۔۔!!'' زُمر نے عریش کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔عریش کا سارا غصہ جاتا رہا۔اب وہ بھی ہنس رہا تھا۔اس کا سارا غصہ کم ہو گیا تھا۔

''اور زُمر اگر میں ڈوب کر مر جاتا تو؟ کیا تم ساری زندگی خود کو کوستی۔۔۔!!'' عریش نے شکوہ بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

'' عریش۔۔۔!! میں تمہیں کہاں ڈوبنے دیتی،اور اگر تم ڈوب جاتے تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈوب جاتی۔۔۔!!'' زُمر نے کہا۔

''زُمر۔۔۔!! دل کہہ رہا ہے کہ تمہارے ساتھ ساری زندگی اسی جگہ پر گزار دوں۔۔۔!! یہ وقت تھم جائے،اور ہم دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہاں رہ جائیں۔۔۔!!'' عریش نے زُمر کی طرف دیکھا۔عریش کی نظروں میں محبت نظر آ رہی تھی۔اس نے زُمر کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے اور اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا۔

''عریش۔۔۔!! یہ کیا کر رہے ہو؟'' زُمر اچانک بولی۔

''یہاں کوئی نہیں ہے۔آج مجھے خود سے دور مت کرو۔۔۔!! میں تمہاری چاہت میں بہت تڑپا ہوں۔۔۔!!'' عریش نے اس کے کندھے کے اوپر اپنے ہونٹ رکھ دیے اور اس کے وجود میں ہزار وولٹ کا جھٹکا سا لگا۔

''پلیز! عریش چھوڑو۔۔۔!! یہ غلط ہے۔۔۔!!'' زُمر تڑپ اٹھی۔وہ عریش کے ہاتھ کندھے سے ہٹانے لگی۔

''زُمر آئی لو یو سو مچ۔۔۔!!'' عریش کا ایسا کہتے ہی زُمر کا دل چاہا کہ وہ اسے سب کچھ کرنے دے۔مگر دوسرے لمحے میں زمر نے پوری طاقت سے گھوم کر عریش کو خود سے الگ کر دیا۔

''آئی لو یو ٹو۔۔۔!! بٹ۔۔۔!! خدا محبت کرنے سے نہیں گناہ کرنے سے روکتا ہے۔۔۔!! خدا دیکھ رہا ہے۔۔۔!! یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔ابھی ہم اگر ایسا کچھ بھی کرینگے،تو وہ گناہ کے زمرے میں شمار ہو گا۔۔۔!! میں بھی تم سے بے پناہ محبت کرتی ہو،مگر میں اپنی محبت کو ناپاک نہیں کر سکتی ہو۔۔۔!! محبت کا جذبہ جب ہوس بن جاتا ہے،تو محبت کو کھا جاتا ہے۔۔۔!!'' زُمر نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا دیے تھے۔عریش کو جیسے ہوش آ گیا۔وہ اسے دیکھتا رہا۔دونوں کا دو سال کا ساتھ تھا،مگر کبھی ایسا کمزور لمحہ تو ان کے بیچ نہیں آیا تھا۔نہ کبھی عریش نے اس طرح کی حرکت کی تھی۔

''ہاں۔۔۔!! تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔میں شاید بہک گیا تھا،آئی ایم ویری سوری۔۔۔!!'' وہ شرمندہ سا نیچے دیکھنے لگا۔

''اچھا۔۔۔!! اٹھ بھی جاؤ۔۔۔!! اب واپس بھی جانا ہے۔ ۔۔!! یہاں ہم رات بھر رک نہیں سکتے۔۔۔!! جس کام کے لیے ہم آئے تھے۔ وہ تو ہو بھی ہو چکا ہے۔۔۔!!'' زُمر اٹھی۔ اس نے اپنا بیگ اٹھایا، اور جتنی بکھری چیزیں تھی۔ وہ بھی سمیٹنا شروع کر دیں۔ وہاں قریب ہی جیپ کھڑی تھی۔ عریش اس کو کرائے پر لے کر آیا تھا۔ دونوں یہاں ڈاکومینٹری کی شوٹ کے لیے آئے تھے۔ اس نے اپنی کیپ اٹھا کر پہن لی۔ موبائیل پہلے ہی زُمر نے اپنے بیگ میں رکھ دیا تھا۔ اب کیمرہ اور اس کا اسٹینڈ رہ گیا تھا۔ وہ بھی عریش نے اٹھایا۔ یہ دونوں جرنلسٹ تھے۔ اور ایک مقامی نامی گرامی چینل سے جڑے ہوئے تھے۔ اس کی ڈاکومینٹری کی شوٹنگ کرنے شہر سے اتنے دور آگئے تھے۔ اب وہ دونوں جیپ میں واپسی کا سفر کر رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

''تم ہر وقت اس دوربین سے کیا دیکھتی رہتی ہو؟'' ایمل نے شہیرہ کو دیکھا، وہ ہر وقت آنکھوں سے دوربین لگائے دوسروں کی جاسوسی کرتی رہتی تھی۔ آدھے گھنٹے سے وہ یہی تو کر رہی تھی۔ شہیرہ نے ناگواری سے دوربین ہٹائی، اور ایمل کو پکڑا دی۔ وہ دونوں اس وقت پل پر کھڑے تھے۔ اس کے نیچے ندی بہہ رہی تھی۔ ایمل نے دوربین آنکھوں سے لگائی، دوربین میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی جیپ میں بیٹھ رہے تھے۔ اس نے دوربین آنکھوں سے ہٹائی، تب وہ جیپ ماچس کی ڈبی کی مانند نظر آئی، ایمل نے دوبارہ دوربین آنکھوں سے لگائی، منظر صاف ہو گیا۔ وہ لڑکا اور لڑکی اب جیپ میں بیٹھ چکے تھے۔ اور جیپ روانہ ہو چکی تھی۔

''شہیرہ۔۔۔!! تم نے کیا دیکھا۔ میرا آدھا گھنٹہ ضائع کر دیا۔'' ایمل نے اسے دوربین دیتے ہوئے کہا۔

''ایمل۔۔۔!! جو کچھ میں نے دیکھا۔۔۔!! وہ تم نہ دیکھ پائے۔۔۔!! تم نے اس جیپ کو دیکھا، جو ابھی ہماری ہی طرف آرہی ہے۔۔۔!!'' شہیرہ نے دوربین کندھے سے لٹکائی۔

''ہاں۔۔۔!! شاید وہ بھی ہماری طرح ٹوریسٹ ہوں۔ اور اس خوبصورت وادی میں سیاحت کرنے آئے ہوں۔'' ایمل نے شہیرہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''شاید۔۔۔!! ایسا ممکن ہو۔ ۔۔!! مگر وہ دونوں مجھے کپل لگ رہے تھے۔۔۔!! وہ دونوں پہلے ایک دوسرے سے کچھ دیر بات کرتے رہے۔۔۔!! پہلے لڑکی دریا میں اتری۔۔۔!! اور ڈوب گئی، پھر لڑکا اسے بچانے گیا، اور وہ بھی ڈوبنے لگا۔ مگر وہ لڑکی جو ڈوب رہی تھی۔۔۔!! اس نے اس لڑکے کو بچا لیا۔۔۔!! اسے ندی سے نکال دیا۔۔۔!! مجھے ان دونوں کی یہ لاجک سمجھ نہیں آئی۔۔۔!!'' شہیرہ الجھن میں پڑ گئی تھی۔

''تو اب تم کیا چاہتی ہو؟'' ایمل نے اسے دیکھا۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

''ان دونوں سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ ایسا کیوں کیا؟'' شہیرہ ٹھوڑی تلے انگلی رکھ کر بولی۔

''اور دونوں تمہیں بتا دینگے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو آزما رہے ہوں؟ محبت میں کبھی کبھار امتحان بھی لیا جاتا ہے۔۔۔!!'' ایمل نے کندھے اچکائے۔

''ویسے۔۔۔!! تم بھی تو مجھ سے محبت کرتے ہو ناں۔۔۔!!'' شہیرہ کی آنکھوں میں شوخی تھی۔

''ہاں۔۔۔!! بالکل۔۔۔!! کیا تمہیں اس میں کوئی شک لگتا ہے؟'' ایمل نے کچھ بھی نہ سمجھا۔

''ہمیشہ تم چاند تارے توڑ کر لانے کی باتیں کرتے ہو۔ مگر ایک بھی نہیں لا پائے'' شہیرہ نے طنز کیا۔

''میرے محبوب کو چاند تاروں کی کیا ضرورت ہے۔ وہ خود ہی اتنا خوبصورت ہے۔ کہ چاند تارے دیکھ کر اسے رشک کرتے ہونگے۔۔۔!!'' ایمل نے اس کی بھرپور تعریف کر دی۔

''اور اگر میں تمہیں اپنی محبت کے لئے

آزماؤں۔۔۔!!'' شہیرہ نے جیسے ہی کہا تو ایمل نے اس کو کندھے سے پکڑ کر اپنی آنکھوں کے سامنے اس کا چہرہ کرلیا۔

''میں نے کب تمہاری محبت میں امتحان دینے سے انکار کیا ہے۔'' ایمل نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو چلو۔۔۔!! پھر امتحان محبت کے لیے تیار ہو جاؤ۔۔۔!!'' شہیرہ نے اس پر ہنس کر کہا۔

ستمگر محبت میں تو ہر ستم آزما لے
تو تیر آزما لے ہم جگر آزما لے

ایمل نے جلدی سے شعر پڑھا۔ شہیرہ نے منہ بگاڑ لیا۔ اور ٹیڑھی نظروں سے اسے گھورا۔

''محبت کی آزمائش میں جو نا کام ہوتا ہے۔ وہ نہ گھر کا رہتا ہے نہ گھاٹ کا۔۔۔!!'' شہیرہ نے اسے جیسے روکنا چاہا۔

''محبت میں جو لوگ جیت جاتے ہیں۔ ان کا نام احساس کے پنوں میں درج ہو جاتا ہے۔ لوگ ان کے نام پر مثالیں دیتے ہیں۔'' ایمل اب جیسے پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔

''میں جو کہوں گی، تم وہ نہیں کر سکو گے۔ کر ہی نہیں پاؤ گے۔ جو باتیں جو وعدے تم نے کئے تھے۔ وہ سب جھوٹے تھے۔ جو قسمیں کھائی تھیں کہ میں تمہارے لیے چاند تارے توڑ کر لاؤں گا۔ پھول تمہاری راہوں میں بچھاؤں گا۔ تمہیں آسمانوں کی سیر کراؤں گا۔ میرے خیال میں وہ مجھے پھنسانے کے لارے تھے۔۔۔!!'' شہیرہ نے ایک ایک لفظ بے رحم لہجے سے کہا۔

''تم الفاظ کا رخ پھیر کر بات نہیں بدل سکتی ہو۔۔۔!! الفاظ کا اثر انسان کے ذہن پر بہت اثر چھوڑتا ہے۔ اگر میں نے کچھ وعدے کیے تھے۔ تو تم نے بھی کچھ وعدے کیے تھے۔۔۔!! کیا تمہیں صرف میرے وعدے یاد ہیں۔ اپنے بھول گئی ہو۔۔۔!!'' ایمل جذبات کی رو میں بہت کچھ کہہ گیا۔

''چلو۔۔۔!! ٹھیک ہے۔ محبت میں امتحان میں ہی دے دیتی ہوں۔۔۔!! بتاؤ۔۔۔!! کیا کروں؟ کیا اس سامنے پہاڑ پر چڑھ جاؤں، اور وہاں سے چھلانگ لگا دوں۔۔۔!!'' شہیرہ نے اس کو دونوں شانوں سے تھام کر جھنجھوڑا تو وہ اسے غصے سے دیکھنے لگا۔

''نہیں۔۔۔!! تمہیں ایسا کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔!! مجھے تمہاری محبت کا یقین ہے، اور تمہیں میری محبت کا نہیں ہے۔۔۔!!'' ایمل نے اس کے دونوں ہاتھ ہٹائے، اس کے لہجے سے غصے کی بو آرہی تھی۔

''وہ اس لیے کہ میں محبت کا امتحان دے سکتی ہوں۔۔۔!! تمہیں اس بات کا یقین ہے، مگر تم امتحان نہیں دے سکتے۔ اس لیے تم باتیں بنا رہے ہو۔۔۔!!'' شہیرہ نے برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

''تم ہی بتاؤ۔۔۔!! میں ایسا کیا کروں کہ تمہیں یقین آجائے۔۔۔!!'' ایمل کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

''تم اس دریا میں کود جاؤ۔۔۔!!'' شہیرہ نے اس کی طرف دیکھا۔

''اچھا۔۔۔!! اور تمہیں پتہ ہے ناں۔۔۔!! کہ مجھے سوئمنگ بالکل بھی نہیں آتی ہے۔۔۔!! میں ڈوب جاؤں گا۔ یہ بالکل خودکشی کے مترادف ہو گا۔۔۔!!'' ایمل نے کہا۔

''ہو سکتا ہے کہ تم بچ جاؤ۔ جیسے اس لڑکے کو تیرنا نہیں آتا تھا۔ مگر وہ اس لڑکی کو بچانے کے لیے پانی میں کود پڑا۔۔۔!!''

''تو تمہارے خیال میں وہ امتحان میں پاس ہو گیا۔۔۔!!'' ایمل نے اس کو دیکھا۔ اسے خود پر غصہ آرہا تھا۔

''ہاں۔۔۔!! اگر تم کہہ دو تو میں سامنے پہاڑ سے کود سکتی ہوں۔۔۔!! اس میں تو بچنے کا چانس بھی ایک فیصد ہو گا۔۔۔!!'' شہیرہ نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔۔۔!! میں بھی دریا میں کود رہا ہوں۔ شاید تم بھی اس لڑکی کی طرح مجھے بچا لو۔۔۔!!

ان دونوں نے محبت کا امتحان دیا تھا۔ جس میں دونوں کامیاب ٹھہرے تھے۔۔۔!!'' ایمل ندی کے پل کے اوپر چڑھ گیا۔

اب وہ ریلنگ پر کھڑا ندی کو نیچے دیکھ رہا تھا۔ شہیرہ نے سامنے دیکھا۔ اس لڑکی اور لڑکے کی جیپ اسی طرف آرہی تھی۔ اور اب اچھی خاصی قریب پہنچ چکی تھی۔ نظاروں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اچانک اس کی نگاہیں شہیرہ اور ایمل پر پڑ گئیں۔ وہ دونوں کو دیکھنے لگی، اور پھر دوسرے لمحے وہ کچھ سوچنے لگی۔

''شہیرہ۔۔۔!! میں کود رہا ہوں۔۔۔!!'' ایمل کی آواز سن کر شہیرہ اسے دیکھنے لگی۔ وہ کچھ لمحوں کے لیے بالکل گم ہو گئی تھی۔

''ابھی نہیں ایمل۔۔۔!! جب میں کہوں۔۔۔!! تب تم کود جاؤ نا۔۔۔!!'' شہیرہ نے کہا۔ ایمل اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اسے ان ظالم الفاظ کی توقع نہیں تھی۔ اسے موت بالکل یقینی نظر آنے لگی۔ وہ جیسے گنتی گننے لگا۔

''ایک، دو، تین۔۔۔'' اور آگے کی گنتی وہ جیسے بھول رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

''وہ دیکھو سامنے۔۔۔!! وہ کیا ہو رہا ہے؟'' زُمر ایک دم سے جیپ کے اندر آکر چیخ پڑی۔ عریش نے زُمر کو دیکھا۔ پھر سامنے سڑک کو دیکھنے لگا۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' اسے کچھ بھی نظر نہیں آیا۔

''وہ دیکھو۔۔۔!! ندی کے پل کے اوپر۔۔۔!! تم سڑک کو دیکھ رہے ہو۔'' زُمر پریشان ہو گئی تھی۔ وہ پریشانی سے کہہ رہی تھی۔

''کہاں؟'' عریش نے ندی کے پل کی طرف دیکھا، اسے ایک لڑکی نظر آئی۔ اور وہاں قریب ہی ایک بڑی جیپ کھڑی تھی۔

''اس لڑکی کو دیکھ کر تم اتنی پریشان ہو گئی ہو۔ وہ بھی یہاں سیر کرنے آئی ہو گی۔'' عریش نے زُمر کی طرف دیکھ کر معنی خیزی سے کہا۔

''پُل کے ریلنگ کے اوپر بھی دیکھو۔۔۔!! ایک لڑکا شاید خودکشی کر رہا ہے۔۔۔!!'' عریش نے فوراً نگاہیں پُل کے ریلنگ کی طرف دوڑائیں، وہاں ایک خوبرو لڑکا کھڑا نیچے ندی کے پانی کو دیکھ رہا تھا۔

''اوہ۔۔۔!! باپ رے۔۔۔!! لگتا ہے دنیا پاگلوں سے بھری پڑی ہے۔ تبھی وہ ایسا کچھ کر رہا ہو گا۔۔۔!!'' عریش نے زمر سے کہا۔

''عریش آر یو میڈ۔۔۔!! تم ایسا کیسے کہہ سکتے ہو۔۔۔!! گاڑی تیز چلاؤ۔۔۔!! مجھے اس کو بچانا ہے۔۔۔!! کسی ایک انسان کی زندگی بچانے پر پوری انسانیت جتنا ثواب ملتا ہے۔۔۔!!'' زُمر نے عریش کو دیکھا۔

''او کے۔۔۔!! یس بوس۔۔۔!!'' عریش نے ایکسیلیٹر پر پاؤں رکھا، گاڑی نے اسپیڈ پکڑی۔ اور تیز رفتاری سے آگے جانے لگی۔ زُمر نے دونوں آنکھیں بند کر لیں۔

یا اللہ۔۔۔!! اس لڑکے کو عقل و شعور دے۔ میرے پہنچنے سے پہلے یہ کہیں کود نہ جائے۔'' زُمر بند آنکھوں سے دعا کرنے لگی۔ عریش نے اس کو دیکھا۔ اور گاڑی کی اسپیڈ مزید بڑھا دی۔

☆.....☆.....☆

''تم کیا سوچ رہی ہو؟ میں کود رہا ہوں۔۔۔!!'' ایمل نے بنا مڑے شہیرہ سے کہا۔

''ویٹ۔۔۔!! ابھی نہیں۔۔۔!!'' شہیرہ کے الفاظ بہت بے رحم تھے۔ اس کے لہجے سے لگ رہا تھا، وہ اسے مروانے والی ہے۔

''او کے۔۔۔!!'' ایمل نے آنکھیں بند کر لیں اور اس نے دونوں بازوں پھیلا دئے۔ وہ سوچنے لگا۔

''لگتا ہے کہ شہیرہ صرف مجھے ڈرا رہی ہے۔۔۔!! ورنہ۔۔۔!! وہ اب تک مجھے کودنے کے لیے کہہ چکی ہوتی۔'' ایمل نے خود کو دلاسہ دیا۔

میرے محبوب قیامت ہو گی۔
آج رسوا تیری گلیوں میں محبت ہو گی۔

میری دنیا سے چلا جاؤں گا۔
پھر نہ تمہیں ہم سے شکایت ہوگی۔
ایمل نے بے سری آواز میں گانا اسٹارٹ کر دیا۔ وہ شہیرہ کا ری ایکشن دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر شہیرہ بالکل خاموش تھی۔ شہیرہ سڑک پر تیز رفتاری سے جیپ کو دیکھ رہی تھی، اب جیپ کا فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا۔ وہ پل کے درمیان میں کھڑی تھی۔ اور جیپ پل کے سرے پر پہنچ چکی تھی۔ جیسے جیسے جیپ کا فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ اس کی دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو رہی تھی۔ اچانک جیپ اس کے بالکل پاس پہنچ گئی۔ عریش نے پوری قوت سے بریک لگائے۔ ٹائروں کے چرچراہٹ کی آواز فضاء میں گونج گئی۔ ایمل نے بھی محسوس کیا کہ کوئی گاڑی آکر رک چکی ہے۔
''ایمل جمپ۔۔۔!!'' ایمل جو مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اس نے ندی کو دیکھا۔ شہیرہ کی آواز نے جیسے جنجوڑ ڈالا تھا۔ وہ جو سوچ رہا تھا، کہ شہیرہ ابھی کہے گی۔
''ایمل کم بیک۔۔۔!!'' مگر اس نے برعکس الفاظ کہہ دئے۔
''میں بھی محبت کے اس امتحان میں ناکام نہیں ہونا چاہتا۔'' ایمل نے خود سے کہا، اسی لمحے زُمر نے جیپ سے چھلانگ لگائی، وہ ڈوبتی ہوئی ایمل کی طرف بڑھی۔ جیسے ہی اس نے ایمل کا ہاتھ پکڑنا چاہا۔ ایمل کود چکا تھا۔
ایمل کی انگلیاں زُمر کے ہاتھ سے چھ ہوئیں اور پھر وہ نیچے جاتا ہوا دکھائی دیا اور دوسرے لمحے پانی میں اس کے گرنے کی آواز آئی۔ زُمر اب پل کے ریلنگ پر چڑھ رہی تھی۔ شہیرہ بھی پاؤں کی انگلیوں پر کھڑی ہو کر نیچے ندی میں جھانک رہی تھی۔ زُمر اب ریلنگ پر کھڑی تھی۔ اس نے ندی کو دیکھا، جس جگہ ایمل کودا تھا، وہاں پانی میں شگاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کچھ لمحے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے شہیرہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی حیران سی کھڑی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ ایمل ایسا کچھ بھی کرے گا۔ وہ شاکڈ سی کھڑی تھی۔ اسے لگ رہا تھا ایمل ڈرپوک ہوگا۔ کبھی جان نہیں دے گا۔
''اب بے وقوفوں کی طرح کھڑی کیا کر رہی ہو؟ جب اُس کو بچانے کا وقت تھا۔ تب تو مزے سے تماشا دیکھتی رہی۔'' زُمر نے اسے کہا۔ شہیرہ نے کچھ نہ کہا۔ وہ بالکل گم صم کھڑی رہ گئی تھی جبکہ وہ ریلنگ پر چڑھ گئی۔
''زُمر کیا کر رہی ہو؟'' عریش نے جیپ سے باہر نکل کر کہا۔ وہ ڈوبتا ہوا اسی کی طرف آرہا تھا۔
''میں اس لڑکے کو بچانے کے لیے پانی میں کود رہی ہوں۔'' اتنا کہہ کر وہ پل سے ندی میں کود گئی، ایک دوسرا دھماکہ سا ہوا، جیسے کوئی پانی میں بھاری چیز گری ہو۔ عریش پل کے ریلنگ پر چڑھ گیا۔ زُمر پانی میں نیچے جا رہی تھی۔ اس نے ایک جگہ پانی کے اندر اس لڑکے کو دیکھ لیا۔ وہ ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ مگر وہ پانی میں سانس نہیں روک رہا تھا۔ پانی کے بلبلے سے بن رہے تھے۔ اور پانی اس کے اندر جا رہا تھا۔ زُمر نے ہاتھ پیر مارے۔ اور مچھلی کی طرح اس کے پاس چلی گئی۔ اب وہ بالکل اس کے سامنے تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، ایمل اس کو نہیں پہچان رہا تھا۔ اسے پہلے لگا کہ یہ شہیرہ ہے۔ اچانک پانی اس کے جسم میں زیادہ جانے سے وہ مزید نیچے چلا گیا۔ اس کے منہ سے پانی کے بلبلے بن کر نکل رہے تھے۔ زُمر نے ہاتھ بڑھا کر اس کو پکڑنا چاہا۔ مگر وہ ایک بار پھر اس کے ہاتھ نہیں آیا۔ وہ ندی کے تہہ کی طرف جا رہا تھا۔ زُمر کو پریشانی ہونے لگی۔ وہ بھی اس کے پیچھے جانے لگی۔ اب وہ اس کے سامنے تھی۔ اس نے ایمل کو دیکھا، گویا اب وہ سانس نہیں لے پا رہا تھا۔
خیر کچھ لمحوں بعد ایمل نے پانی میں جھٹکے سے اپنی دونوں آنکھیں کھول دیں۔ زُمر نے اس کے چھاتی سے ہاتھ گھما کر اسے اوپر دھکیلا، وہ ہاتھ پاؤں مارتا ہوا اوپر سطح پر اٹھنے لگا، زُمر نے دو تین بار ایسا ہی کیا۔ اس کی اپنی آکسیجن کم ہو رہی تھی۔ وہ اگر ہمت ہار جاتی، تو اس

کے ساتھ ہی پانی میں ڈوب جاتی۔

عریش اور شہیرہ ناسمجھی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، کافی ٹائم ہو چکا تھا۔ وہ دونوں ابھی تک پانی سے باہر نہیں نکلے تھے۔ اچانک ایک دم سے پانی کی سطح پر ایمل کا سر نمودار ہوا۔ اور پھر دوسرے لمحے زُمر بھی ابھر آئی۔ وہ اس کے کندھے پر جھول گیا تھا۔ پانی کی سطح تک پہنچتے پہنچتے ایمل کے اندر ندی کا پانی اچھا خاصہ جا چکا تھا، زُمر سانسیں لینے لگی تھی۔ کچھ دیر سانسیں لینے کے بعد وہ اسے ندی کنارے لے کر جانے لگی۔

عریش اور شہیرہ ڈوبتے ہوئے پُل کے نیچے ندی کنارے کی طرف جانے لگے۔ وہ بھاگ رہے تھے۔ زُمر ایمل کو بمشکل کنارے تک لائی، اور اُسے ندی کنارے لٹایا۔ اور اس کے پیٹ کو الٹا کر کے دبانے لگی۔ وہ خود پوری طرح سے بھیگ گئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ ایمل کے پیٹ پر رکھ دیے۔ اور زور زور سے اس کے پیٹ پر دباؤ ڈالنے لگی۔ پانی ایمل کے کھلے منہ سے نل کی طرح نکلنے لگا۔

اتنے میں عریش اور شہیرہ آگے پیچھے وہاں پہنچ گئے۔ شہیرہ اس منظر کو دیکھ کر سرخ سی ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

اچانک ایمل نے دونوں آنکھیں کھول دیں۔ شہیرہ آگے بڑھی، اس نے زُمر کے کندھے پر ہاتھ رکھا زُمر نے مڑ کر اسے دیکھا۔ پھر ہنس کر دوسری طرف عریش کو دیکھا۔ اب وہ اٹھ رہی تھی۔ ایمل کے سینے سے جیسے بوجھ سا ہٹ رہا تھا۔

''تم۔۔۔!! ٹھیک تو ہو نا۔۔۔!!'' عریش نے زُمر کے پاس جا کر بے چینی سے کہا۔

''ہاں۔۔۔!! میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ مجھے کیا ہونا ہے۔ خیریت معلوم کرنی ہے۔ تو اس کی کریں۔۔۔!! جو بنا سوچے سمجھے خودکشی کر بیٹھا تھا۔۔۔!!'' زُمر نے عریش سے کہا۔ مگر سنا نا شہیرہ کو چاہا تھا۔ شہیرہ نے ایمل کو اٹھانے میں مدد دی۔

''آپ۔۔۔!! ٹھیک تو ہے ناں۔۔۔!!'' شہیرہ نے اس کو کھڑا کر دیا۔

''ہاں۔۔۔!! تم نے مارنے میں کوئی کسر تو نہیں چھوڑی تھی۔ مگر میں اب ٹھیک ہوں۔۔۔!!'' ایمل نے اسے جتایا۔

''میں نے تو بس کچھ الفاظ کہے تھے۔۔۔!! میں نے یہ کبھی نہیں چاہا تھا کہ آپ کود کر خود کو ختم کر دے۔۔۔!! عمل تمہارا تھا۔۔۔!! تو اس میں مجھ پر الزام لگانے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔!!'' شہیرہ نے زُمر کو دیکھا۔ جیسے اس کو سنانا چاہ رہی ہو۔

''ویٹ۔۔۔!! تم دونوں کس الفاظ کی بات کر رہے ہو؟'' زُمر نے دونوں سے پوچھا۔

''سب سے پہلے تو میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔۔۔!! آپ نے میری زندگی بچائی ہے۔۔۔!! یہ کوئی رسمی جملے نہیں ہیں۔۔۔!! میں بالکل دل سے آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔۔۔!!'' ایمل نے زُمر سے کہا۔

''اس میں احسان کی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔!! جو میں کر سکتی تھی۔۔۔!! وہ میں نے کیا۔۔۔!! ویسے آپ دونوں کس الفاظ کی بات کر رہے ہیں۔۔۔!!'' زُمر نے دونوں کو دیکھا۔

''میرا نام ایمل ہے۔۔۔!! اور یہ شہیرہ ہے۔۔۔!! ہمارا ماننا ہے کہ الفاظ بہت پاور رکھتے ہیں۔۔۔!! ہمارا ماننا ہے کہ ہر لفظ کا ایک اثر ہوتا ہے۔۔۔!! دنیا میں بھی جتنی زبانیں ہیں۔۔۔!! اس کے جتنے الفاظ ہے۔۔۔!! وہ حروف سے مل کر بنے ہیں۔۔۔!! جیسے مثلاً، الف، ب، ت، ث یہ حروف ہی تک ہیں۔۔۔!! ان سب کا اپنا ایک اثر ہے۔۔۔!! کیونکہ جب یہ ایک دوسرے سے جڑتے ہیں۔۔۔!! تو ایک نیا لفظ بن جاتا ہے۔۔۔!! اور پھر یہی الفاظ مل کر جملے بناتے ہیں۔۔۔!! اور وہ جملے انسانی زندگی کا دارومدار کرتے ہیں۔۔۔!! وہ پوری انسانی زندگی کو یکسر تبدیل کر دیتے ہیں۔۔۔!! جیسے اس نے کچھ دیر قبل کچھ جملے کہے۔۔۔!! اور میں ان جملوں کی لپیٹ میں

آ گیا۔۔۔!! یہ میری محبت کا امتحان چاہتی تھی۔۔۔!! اس محبت کا امتحان جو اس کو پتہ ہے کہ میں اس سے بے لوث کرتا ہوں۔۔۔!! میں نے بھی ثابت قدم رہنے کے لیے امتحان دینے سے گریز نہیں کیا۔۔۔!! حالانکہ مجھے پتہ تھا کہ مجھے تیرنا نہیں آتا ہے۔اور جو اس نے کہا۔وہ کر دیا۔۔۔!! یہ چاہتی تھی کہ اگر میں اس سے سچی محبت کرتا ہوں۔۔۔!! تو اس کے لیے جان دینے سے بھی گریز نہیں کروں گا۔۔۔!! اور اگر میں بچ گیا۔۔۔!! تو ہمیشہ یہ میری رہے گی۔۔۔!!'' ایمل نے اسے دیکھ کر صاف گوئی سے سچ سچ بتایا۔

''اوکے ایمل۔۔۔!! تمہارا ماننا بالکل درست ہے۔۔۔!! ہر لفظ جو کسی بھی زبان کا ہو۔۔۔!! اس کا اثر ہوتا ہے۔۔۔!! چاہے ریاضی کے 1234 ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ علم نجوم کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔۔۔!! باقی ہر لفظ کا اپنا اثر اس بات سے بھی ثابت ہوسکتا ہے۔کہ ہماری آسمانی اللہ کی آخری کتاب سے بھی یہ بات ثابت ہے۔اگر اس کا ایک لفظ ہم روزے کی حالت میں پڑھتے ہیں۔تو ہمیں اس پر ستر گنا زیادہ نیکیاں دی جاتی ہیں۔۔۔!!

دوسری طرف اگر قرآن کی آیات کو الٹا کر کے پڑھتے ہیں۔تو اس پر شیطانی عمل ہوتا ہے۔۔۔!! کچھ لوگ اپنے مقاصد کے لیے قرآن کی آیات، اور الفاظ کو الٹا کر کے پڑھتے ہیں۔۔۔!! جس سے ان کا برا عمل کامیاب ہو جاتا ہے۔۔۔!! اور وہ لوگ شیطان کے پیروکار بن کر دوسرے لوگوں کی زندگیاں تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔۔۔!!

الفاظ کا اثر ان باتوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ۔۔۔!! اگر ایک انسان اچھا رویہ رکھتا ہے۔۔۔!! اچھے الفاظ منہ سے نکالتا ہے۔۔۔!! دنیا اس کو پسند کرتی ہے۔۔۔!! ایک دوسرا انسان اس کے مقابلے میں برے الفاظ منہ سے نکالتا ہے۔۔۔!! اس کو کتنے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔۔۔!! کوئی اسے پسند نہیں کرتا ہے۔۔۔!! لوگ صرف اس کے زبانی کلمات سے اس سے دور ہو جاتے ہیں۔۔۔!! کچھ لوگ مار دھاڑ پر اتر آتے ہیں۔۔۔!! اور بڑی بڑی دشمنیاں پال لیتے ہیں۔۔۔!! یہ سب ان کے زبان سے نکلے الفاظ کے سبب ہوتا ہے۔۔۔!! جبکہ الفاظ ہی وہ طاقت ہیں۔۔۔!! جو سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے کی طاقت رکھتے ہیں۔۔۔!!''

زُمر نے ان دونوں کی بات آگے بڑھاتے ہوئے اچھی خاصی تفصیل بیان کر دی۔

''تھینک یو سو مچ۔۔۔!! کہ تم نے ایمل کی جان بچائی۔۔۔!!'' شہیرہ نے زُمر سے کہا۔

''ویلکم۔۔۔!! اویے ایمل۔۔۔!! اور عریش تم دونوں کو اب تیرا کی سیکھ لینی چاہیے۔۔۔!!'' زُمر نے دونوں سے کہا۔

'' ہاں بالکل زمر ٹھیک کہہ رہی ہے۔۔۔!!'' شہیرہ نے ایمل کو دیکھا۔

''جیسے ہی میں گھر جاؤں گا۔۔۔!! سب سے پہلے تیرا کی سیکھنے کی کوشش کروں گا۔۔۔!!'' ایمل نے شہیرہ کو آنکھ ماری۔

''ہاں۔۔۔!! آج میں بھی موت کے منہ سے نکل کر واپس آیا ہوں۔۔۔!!'' عریش نے زُمر کو دیکھا۔وہ ہنس رہی تھی۔

تمہیں اس سے عقل سیکھنی چاہیے۔۔۔!! جیسے ہی ہم شہر پہنچ جائیں۔۔۔!! تم سب سے پہلے تیرنا سیکھ لو۔۔۔!! ورنہ کہیں دوبارہ تم ڈوب نہ جاؤ۔۔۔!!'' زُمر نے سب کو سنانا چاہا۔

اور پھر چاروں نے مزید باتیں کیں اور اس کے بعد اپنی اپنی گاڑی کی طرف بڑھنے لگے۔ان کی جیپ اب آگے پیچھے جا رہی تھی۔ایک موڑ پر وہ جدا ہو گئے۔ مگر جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے سے موبائل نمبر لینا نہ بھولتے تھے۔

☆.....☆.....☆

شہیرہ اپنے گھر ادھر ادھر بے چینی سے پھر رہی

تھی۔۔۔!! اسے زُمر کے الفاظ یاد آرہے تھے۔۔۔!! الفاظ کا اثر انسانی زندگی پر بہت گہرا ہوتا ہے۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتی رہی۔ اس نے لائبریری جانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ اس پر ریسرچ کرنا چاہتی تھی۔ پھر وہ ایمل سے نہیں ملی تھی۔ اب وہ ایمل کو پہلے سے بڑھ کر چاہتی تھی۔ مگر اس کو یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔

''اگر چند الفاظ ہم بول لیتے ہیں۔ تو وہ کس طرح ہمارے برے عمل کا سبب بن سکتے ہیں۔'' اب گھر سے باہر نکل کر اس کا رخ شہر کی مشہور لائبریری کی طرف تھا۔ اب وہ لائبریری میں موجود تھی۔ اس نے عملیات والی کتابوں سے ایک موٹی جلد کی پرانی سی کتاب نکالی۔ اور کاؤنٹر پر آگئی۔ اس نے رجسٹریشن کر رکھی تھی۔ اب وہ کتاب گھر لے کے جارہی تھی۔ گھر پہنچ کر اس نے کتاب نکالی۔ اس میں سیکڑوں قسم کے عملیات لکھے تھے۔ وہ ایک عمل پر رک گئی۔ کسی کو تباہ کرنے کا عمل۔۔۔!! وہ ڈر گئی۔ اس نے کتاب بند کردی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''اوہ۔۔۔!! کتابوں میں نہ جانے کیسی کیسی باتیں لکھی گئی ہے۔۔۔!! اب انسان کسی کو تباہ کرنے کے لیے عمل کرینگے۔۔۔!!'' اس نے سوچا۔

میرا کون سا دشمن ہے۔۔۔!! جس کو میں تباہ کرنا چاہوں گی۔۔۔!! میں اس میں کوئی دوسرا عمل ڈھونڈتی ہوں۔۔۔!!'' وہ کتاب کے صفحے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

''کسی کو پاگل کروانے کے لیے یہ عمل کریں۔۔۔!!'' کتاب میں لکھا تھا۔۔۔!!

اچانک اس کے ذہن میں وہ منظر گھوم گیا۔۔۔ کہ زُمر نے ایمل کو بچایا تھا۔۔۔!! اس کے پورے وجود میں پھریری سی دوڑ گئی۔ اس کے ذہن سے یہ منظر نکلتا ہی نہیں تھا۔

''میں اس کو پاگل کرنے کے لیے یہ عمل کروں گی۔۔۔!! اس نے میرے ایمل کو چھونے کی غلطی کی تھی، اب میں اس کی سزا اسے دوں گی۔۔۔!! جس جگہ کو میں ابھی تک چھو نہ سکی ہوں۔۔۔!!''

اب وہ عمل کرنے کا طریقہ پڑھ رہی تھی، کچھ دیر بعد اس کو وہ طریقہ بہت آسان لگا تھا۔ جس کسی کو پاگل کروانا تھا۔ اس کا نام زمین پر اندھیرے میں لکھنا تھا اور پھر منتر پڑھ کر اس پر پھونکنا تھا۔ منتر اتنی بار پڑھنا تھا۔ جتنا اس کے نام کا ہندسہ نکلتا تھا۔ ہر بار عمل پڑھ کر ایک کالا دھاگہ سوئی میں ڈالنا تھا۔ دھاگہ ڈالنے کے لیے روشنی کا استعمال کرنا تھا اور آخر میں اپنی انگلی پر کٹ کر کے خون کے تین قطرے گرانے تھے۔ یہ عمل ایک ہفتے مسلسل کرنا تھا۔ آٹھویں روز وہ شخص پاگل ہوجائے گا۔۔۔!! عمل کا توڑ بھی اس کے نیچے لکھا تھا۔

شہیرہ اٹھی۔ وہ اب بازار جارہی تھی۔ اس نے سینے پرونے والی سوئیاں لانی تھیں۔ ایک خنجر خریدنا تھا اور ہاتھ کی پٹی وغیرہ کرنے کے لیے میڈیکل اسٹور سے سامان لینا تھا۔ اس نے کار کی چابی نکالی اور باہر نکلی۔ کچھ دیر بعد اس وہ شہر کے اسٹور سے عمل کرنے کے لیے چیزیں خرید رہی تھی۔ اس کا دل عجیب طرح دھڑک رہا تھا۔ وہاں قریب ہی کپڑوں کی دکان تھی۔ وہ اس میں جا گھسی۔ اور اس نے زُمر کے لیے ایک خوبصورت قمیتی جوڑا خریدا۔ اب وہ واپسی آرہی تھی۔ اس نے موبائل نکالا اور ایمل کا نمبر ڈائل کردیا۔ اب وہ ایمل سے بات کررہی تھی۔ وہ ایمل سے زُمر اور اور عریش کا نمبر مانگنا چاہتی تھی۔ ایمل نے اسے دے دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

زُمر عریش کے ساتھ آفس میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کی ڈاکومینٹری چینل پر کئی بار چلائی گئی تھی۔ لوگوں نے کافی پسند بھی کی تھی۔ آج کل ان کے پاس کام نہیں تھا۔ اچانک عریش کا موبائل فون بجنے لگا۔ اس نے جیب سے موبائل نکالا، وہ ان نون نمبر تھا۔ اس نے اٹھایا۔ دوسری طرف سے شہیرہ بات کررہی تھی۔

''ہیلو۔۔۔!! عریش میں شہیرہ بات کررہی ہوں۔۔۔!!'' عریش کے کان میں شہیرہ کی آواز سنائی دی۔

''ہائے۔۔۔!! شہیرہ۔۔۔!! میں نے پہچان لیا ہے۔۔۔!! کیسی ہو؟ اور ایمل کیسا ہے۔۔۔!! میں خود اس سے رابطہ کرنا چاہ رہا تھا۔۔۔!!'' عریش نے کہا۔

''اوکے۔۔۔!! ایمل بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔۔۔!! زُمر کیسی ہے؟'' شہیرہ نے پوچھا۔

''وہ۔۔۔!! بالکل ٹھیک ہے۔۔۔!! میرے ساتھ ہی بیٹھی ہے۔۔۔!!''

''آپ اُسے فون دیں۔۔۔!! میں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔۔۔!!'' عریش کے کان میں شہیرہ کی آواز سنائی دی۔ عریش نے فون زُمر کی طرف بڑھا دیا۔

''میں کیا بات کروں گی۔۔۔!! رات گئی بات گئی۔۔۔!!'' زُمر نے عریش سے آہستہ کہا۔

''جو تمہارا جی چاہے۔۔۔!! وہ کہہ دینا۔۔۔!!'' عریش نے یہ کہہ کر اسے فون پکڑا دیا۔ زُمر نے لے لیا۔

''ہیلو۔۔۔!! شہیرہ کیسی ہو؟'' زُمر کے آواز میں بڑی اپنائیت تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔۔۔!! اس دن تمہارا شکریہ ٹھیک طریقے سے ادا نہیں کر سکی تھی۔۔۔!!'' شہیرہ نے اپنائیت سے کہا۔

''اٹس اوکے۔۔۔!! وہ میرا فرض تھا۔۔۔!! اس میں شکریہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔۔!!'' زُمر نے اسے منع کرنا چاہا۔

''پلیز۔۔۔!! منع مت کریں۔۔۔!! آپ اپنے آفس کا ایڈریس سینڈ کر دیں۔۔۔!! میں ملنے آرہی ہوں۔۔۔!!'' زُمر حیرت سے خاموش ہو گئی۔ پھر کچھ دیر بعد کہا۔ شہیرہ بھی سن رہی تھی۔

''اوکے میں سینڈ کر رہی ہوں۔۔۔!! مل کر باقی بات کر لیتے ہیں۔۔۔!!'' اس نے کال بند کر دی۔ اور زمر نے ایڈریس سینڈ کر دیا۔

''کیا کہہ رہی تھی۔۔۔!!'' عریش نے زُمر سے پوچھا۔

کچھ خاص نہیں۔۔۔!! بس اس دن کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔۔۔!! اور اس کے لیے ملنا چاہتی تھی۔۔۔!!''

''ہوں۔۔۔!! اچھی بات ہے۔۔۔!! تمہیں ایک اچھی دوست مل جائے گی۔۔۔!!'' عریش نے کہا۔

''مگر وہ مجھے پسند نہیں ہے۔۔۔!!'' زُمر نے صاف گوئی سے کہا۔

''ہو سکتا ہے۔۔۔!! وہ بعد میں بہت شرمندہ ہوئی ہو۔۔۔!! اس کی تلافی کرنا چاہ رہی ہو۔۔۔!!'' عریش نے جواب دیا۔

''ہاں۔۔۔!! شاید ہو سکتا ہے۔۔۔؟'' زُمر نے اسے دیکھا۔

''اس کے آنے کا انتظار کرتے ہیں۔۔۔!!'' عریش اس کے ساتھ باتوں میں اب مگن ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد شہیرہ ان کے آفس میں تھی۔ وہ زُمر سے بڑی گرم جوشی سے ملی۔ جیسے پچھلی جنم کی بچھڑی سہیلیاں ہوں۔۔۔!! عریش نے آفس بوائے کو چائے کا آرڈر دے دیا۔ اب وہ تینوں آفس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شہیرہ نے اٹھتے ہوئے زُمر سے کہا۔ آفس بہت بڑا، اور پیارا تھا۔

''میں یہ تحفہ تمہارے لیے لائی ہوں۔۔۔!!'' شہیرہ نے اس کی طرف ریفر میں بندوہ ڈبا دے دیا۔

''تھینکس۔۔۔!! اس کی کیا ضرورت تھی؟'' زُمر نے عریش کو دیکھا۔ وہ لینا نہیں چاہتی تھی۔ مگر عریش ساتھ تھا۔ تو اس نے پیار سے لے لیا۔ اتنے میں آفس بوائے چائے لے کر آیا۔ اب وہ تینوں چائے کی پیالیوں کو ہاتھ میں لیے بسکٹ نمکو کھا رہے تھے۔

''ویسے تم بہت خوش قسمت ہو۔۔۔!! ایمل تم سے بہت پیار کرتا ہے۔۔۔!!'' زُمر کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ تبھی اس نے ایمل کا ذکر کیا۔ جو شہیرہ کو نا گوار سا لگا۔

Pakistanipoint

''ہاں۔۔۔!! بالکل۔۔۔!! مگر تم بھی قسمت کی دھنی ہو۔۔۔!! کیونکہ عریش تمہیں بھی بہت زیادہ چاہتا ہے۔۔۔!!''شہیرہ نے چائے کی چسکی لی اور عریش کو دیکھا۔

''وہ کیسے۔۔۔!! کیا تم اندازے سے کہہ رہی ہو۔۔۔!!'' زُمر کو اس کا ایسا درست اندازہ لگانا عجیب ہی لگا۔اس نے ان دونوں کو تو ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔

☆.....☆.....☆

شہیرہ نے آنکھیں کھولیں، تو رات کے بارہ بجے کا وقت تھا۔وہ اپنے کمرے میں مخملی بیڈ پر براجمان تھی۔ وہ اٹھی، اس نے الماری کے کیبنٹ سے پستول نکالا، اور پھر اس نے سارا عمل کرنے کا سامان اٹھا یا۔اور تھیلے میں ڈال دیا۔اب وہ گھر سے باہر جانا چاہ رہی تھی۔اس نے کالی بڑی سی چادر اپنے اردگرد لپیٹ لی۔مگر وہ سوچ رہی تھی۔

''میں کہیں ڈروں گی تو نہیں۔۔۔!!'' اب وہ نفی میں گردن ہلا رہی تھی۔وہ اٹھی۔کمرے سے باہر آئی۔گھر میں ہو کا عالم تھا۔سب لوگ اپنے کمروں میں سوئے ہوئے تھے۔ہلکا نیم اندھیرا تھا۔اس نے ایک ٹارچ بھی اپنے بیگ میں رکھا اب وہ لان سے ہو کر باہر مین دروازے پر آئی۔گیٹ کے ساتھ گارڈ پہرہ دے رہا تھا۔وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ بھی کہتا، یا پوچھنے کی جُرأت کرتا۔

'' زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔!! میں ذرا نزدیکی ایریا تک چہل قدمی کر رہی ہوں۔۔۔!! تم میرے آنے تک اسی جگہ رہنا۔۔۔!! اور گھر میں کسی کو بھی بتانا نہیں ۔۔۔!! اگر کسی کو بتایا۔۔۔تو نوکری سے نکال دیے جاؤ گے۔۔۔!!''اب وہ آگے بڑھ گئی۔

''بڑے لوگوں کے نرالے کام ہیں۔۔۔!! کسی یار سے ملنے رات کے اندھیرے میں منہ کالا کرنے گئی ہوگی۔۔۔!!'' گارڈ نے سوچا، مگر زبان پر کچھ لا نہیں سکتا تھا۔وہ پیدل جا رہی تھی۔قریب ہی پانچ منٹ کے فاصلے پر قبرستان تھا۔اور پھر وہ سڑک کنارے چلتی ہوئی قبرستان کے بڑے مین گیٹ سے اندر داخل ہوگئی۔اب وہ قبروں کو پھلانگتی ہوئی، کچے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔اس نے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر دروازہ کھولا۔اور اندر داخل ہوگئی۔اس نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔وہ بہت منحوس کمرہ لگ رہا تھا۔ ہر جگہ مکڑیوں کے بے شمار جالے لٹکے ہوئے تھے۔حشرات الارض کی پراسرار آوازیں بہت بری معلوم ہو رہی تھیں۔ایک لمحے کے لیے تو اس پر خوف کا غلبہ آیا۔اس کا واپس جانے کو دل چاہ رہا تھا۔مگر وہ بیٹھ گئی۔اس نے ٹارچ روشن کرلی۔اب وہ زمین پر زُمر کا نام لکھ رہی تھی۔اس نے ساری سوئیاں نکال کر زُمر کے نام میں پیوست کرنا شروع کر دیں۔اب وہ زُمر کا نام لے کر بار بار منتر پڑھ رہی تھی۔اس کے ہاتھ میں پتھروں کی ایک مالا تھی۔جس میں 78 دانے تھے۔

اب وہ آہستہ آہستہ بالکل درست الفاظ میں منتر پڑھتی۔اور مالا کا ایک دانہ گرا دیتی۔ پھر اس نے مالا ایک طرف رکھی، اور کالا دھاگہ اٹھا کر سوئی میں گزار دیا۔پھر اس نے مالا اٹھائی، اور منتر پڑھا، پھر دھاگہ اٹھا کر دوسری سوئی کے سوراخ سے گزار دیا۔اس وقت اسے کوئی دیکھ لیتا۔تو ڈر جاتا۔ وہ اس وقت بالکل کسی ساحرہ سے کم نہیں لگ رہی تھی۔اس نے تیسری بار پڑھا، اور دھاگہ اٹھا کر سوئی سے گزار گیا۔اس حبس بھرے کمرے میں وہ پسینے سے بالکل نہا گئی۔مگر اسے کچھ پرواہ نہیں تھی۔59 بار اس نے منتر پڑھا، اور آخری کالا دھاگہ اٹھا کر آخری سوئی سے گزار دیا۔اس نے مالا اٹھائی، اور اب زُمر کے نام کے ساتھ تیزی سے منتر پڑھنے لگی۔اب اس نے 77 بار منتر پڑھا۔

اچانک کمرے کے اندر کھٹکا سا ہوا تو وہ چونک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔مگر ٹارچ روشن تھی۔ کچھ بھی نہیں تھا۔اس نے آخری بار منتر پڑھا۔اور خنجر اٹھا کر اپنی انگلی پر کٹ کا نشان لگایا۔اس کی انگلی سے خون نکلا۔اور اس نے زُمر کے نام پر تین قطرے گرا دیے۔اب وہ اپنی

انگلی کی پٹی کررہی تھی۔اس نے اپنے پرس میں سے بڑا سا تالا نکالا اور ٹارچ اٹھا کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔اس نے عمل ختم کرلیا تھا۔ اس نے زمین سے سوئیاں نکالیں۔اور اس سے وہ سارے دھاگے نکال لیے۔اور ایک طرف رکھ دیے۔اپنا بیگ سنبھالا،اور باہر نکل آئی۔ وہ بری طرح پسینے میں بھیگ چکی تھی۔اب وہ کمرے کا دروازہ بند کرکے بڑا تالا لگا رہی تھی۔اس کا سارا سامان اندر رہ گیا تھا۔یہ سب اسے چند منٹوں کا عمل سمجھ کر یہاں آئی تھی۔مگر اس نے کئی گھنٹے لگا دیے تھے۔اب وہ واپس جا رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا،جیسے رات کے اندھیرے میں قبرستان میں کوئی ڈائن پھر رہی ہے۔

کچھ دیر بعد وہ بالکل بنا کسی خوف کے گھر کے دروازے پر پہنچ گئی۔سیکورٹی گارڈ ایک لمحے کو ڈر گیا۔وہ اندرونی طرف بیٹھتا تھا۔وہ پیچھے ہٹ گیا۔اور شہیرہ نے دروازہ بند کردیا۔اب وہ اندر جا رہی تھی۔اندر جا کر وہ پلنگ پر بالکل بے سدھ سی گر گئی۔سیکورٹی گارڈ اس کی حالت دیکھ کر ڈر چکا تھا۔اس نے کسی کو بھی نہ بتانے کی من ہی من میں ٹھان لی۔مگر اس کی سوچ شہیرہ کے بارے میں بہت بری تھی۔

''لگتا ہے یہ لڑکی رات کے اندھیرے میں اپنا منہ کالا کروا کر آئی ہے۔۔۔!!'' گارڈ نے سوچا۔

☆.....☆.....☆

صبح زُمر کے سر میں شدید درد تھا۔وہ کسی بھی چیز کو دیکھتی،تو اسے لگتا کہ وہ گول گول گھوم رہا ہے۔اسے اپنی بڑی تصویر جو دیوار پر لگی تھی۔وہ ہنستی مسکراتی نظر آتی تھی۔ریڈیو پر وہ عجیب وغریب سی آواز سن کر ڈر گئی تھی۔حالانکہ ریڈیو سوئچ آف تھا،ٹی وی پر اسے چڑیل کا عکس دکھائی دیا،جبکہ ٹی وی بند تھا۔وہ کچھ دیر حیرت سے گھر میں بیٹھی رہی۔اس کا سر ایسے ہو رہا تھا جیسے وہ پھٹ جائے گا۔اس نے دیوار پر چھپکلی کو دیکھا۔جو بہت آہستہ آہستہ حرکت کررہی تھی۔وہ کبھی سائز میں بڑی ہوجاتی، پھر گھٹ جاتی۔اسے حیرت سی ہوئی۔اس کے گھر والے اٹھ کر صبح کا ناشتہ کررہے تھے۔وہ بھی سر تھام کر باہر نکلی۔اور ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔اس کے باپ کو حیرت ہوئی۔وہ ہمیشہ سلام کرتی تھی۔مگر ایسے ہی بیٹھ گئی۔اس کے باپ نے اسے سلام کیا۔مگر وہ کچھ نہ بولی۔وہ حیرانگی سے ناشتے کے لوازمات کو دیکھنے لگی۔اس کی ماں نے اسے ناشتہ کرنے سے پہلے دیکھا۔

''زُمر بیٹا۔۔۔!! کیا تمہاری طبیعت خراب ہے؟''

''کیوں مام؟ میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔!! بس سر میں ہلکا سا درد ہو رہا ہے۔۔۔!!'' زُمر نے ماں کو دیکھا۔

''مگر۔۔۔!! بیٹا۔۔۔!! تم اٹھ کر منہ ہاتھ دھوئے بنا ناشتے کی ٹیبل پر آگئی ہو۔۔۔!! تمہارے بال الجھے ہیں۔۔۔!! اور مجھے تمہیں دیکھ کر وحشت ہو رہی ہے۔۔۔!!'' اس کی ماں کو حیرت ہوئی۔

''ہاں۔۔۔!! شاید آج میں منہ ہاتھ دھونا بھول گئی تھی۔۔۔!!'' اس نے دماغ پر اچھا خاصہ زور دینے کے بعد کہا۔اس کی ماں ہنسی۔ساتھ میں اس کا بھائی بھی ہنسنے لگا۔اسے کالج جانا تھا۔

زُمر۔۔۔!! یہ بھی بھلا کوئی بھولنے والی بات ہے۔۔۔!!'' اس کے بھائی نائل نے کہا۔

''ہاں۔۔۔!! بیٹا۔۔۔!! نائل ٹھیک کہہ رہا ہے۔۔۔!! تم جا کر پہلے منہ ہاتھ دھولو۔۔۔!! ناشتہ بھاگا تو نہیں جا رہا ہے۔۔۔!! منہ ہاتھ دھونے سے تم فریش ہو جاؤ گی۔۔۔!!'' باپ نے کہا،تو زُمر اٹھ کر اپنے کمرے میں واپس آگئی۔اب وہ واش روم میں گھس گئی۔اس نے نل کھولا۔اور منہ ہاتھ دھونے لگی۔اچانک وہاں ایک لال بیگ اسے نظر آیا تو اس نے اسے پکڑ کر اٹھایا۔وہ لال بیگ بے چینی سے پھڑ پھڑانے لگا۔

''یہ کیا ہے؟'' زُمر نے لال بیگ کو منہ میں ڈالا۔اور پھر جیسے ہوش میں وہ آگئی۔اس نے تھوک کر پھینک دیا۔لال بیگ ایک طرف کو بھاگ گیا۔

''اوہ۔۔۔!! یہ میں کیا کر رہی تھی۔لال بیگ

کھانے والی تھی۔۔۔!!'' اسے سوچ کر ابکائی آئی۔مگر اس کا معدہ خالی تھا۔منہ ہاتھ دھو کر اس نے آئینے میں دیکھا،تو اسے اپنا عکس دیکھ کر عجیب سا لگا۔

''یہ کون ہے؟'' اپنے آپ کو دیکھ کر وہ بڑبڑائی۔

''جو کوئی بھی ہو۔۔۔!! مجھے کیا؟'' اس نے کندھے اچکا کر خود سے کہا۔اب وہ ٹوتھ برش پر پیسٹ لگا کر منہ میں ڈال کر برش کر رہی تھی۔برش کرنے کے بعد دوبارہ وہ آئینے میں خود کو دیکھنے لگی۔

''اوئے۔۔۔!! تو کون ہے؟ یہاں میرے کمرے میں کیا کر رہی ہے؟'' وہ چیخ کر پوچھنے لگی۔۔۔!!'' اچانک اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا،جیسے کوئی کوندہ سا لپکا ہو۔

''اوہ۔۔۔!! میں بھی جیسے اپنے حواس کھو رہی ہوں۔۔۔!! اپنے آپ کو نہیں پہچان رہی۔۔۔!!'' اس نے اپنے آپ سے کہا،اور ماتھے پر ہاتھ مار کر کنگھی اٹھائی اب وہ بالوں میں سلیقے سے کنگھی پھیر رہی تھی۔

کچھ دیر میں اس کا ذہن صحیح ہو چکا تھا۔اب وہ باہر گھر والوں کے ساتھ دل جمعی سے ناشتہ کر رہی تھی۔کچھ دیر بعد وہ آفس کے لیے نکل گئی۔

☆.....☆.....☆

شہیرہ کی ماں اسے کئی بار اٹھانے آئی،مگر وہ جیسے گھوڑے گدھے بیچ کر سوگئی تھی۔بالکل ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی۔اس نے دو تین بار آنکھیں بھی مل کر کھولیں،مگر دوبارہ سوگئی۔اب تو بارہ بجے کا وقت ہوا جا رہا تھا۔وہ اٹھی،اور واش روم میں جا کر گھس گئی۔کچھ دیر بعد جب وہ باہر نکلی،تب وہ بالکل فریش تھی۔وہ باہر آئی۔اس نے ایمل کا نمبر ملایا۔اور انتظار کرنے لگی۔کچھ دیر بعد ایمل نے اٹھایا۔

''ہائے۔۔۔!! گڈ مارننگ۔۔۔!!'' اس نے فوراً کہا۔

''سیم ٹو یو۔۔۔!! مگر یہ دوپہر ہے۔۔۔!!'' ایمل کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔

''مگر میں تو ابھی اٹھی ہوں۔۔۔!! تو میرے لیے مارننگ ہی ہوئی ہے۔۔۔!! ویسے کیا کر رہے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''کچھ خاص نہیں۔۔۔!! اپنی گاڑی دھو رہا تھا۔۔۔!!'' ایمل نے بتایا۔

''میں مدد کرنے آجاؤں۔۔۔!! ویسے کبھی گاڑی دھوئی تو نہیں ہے۔۔۔!! مگر تمہیں دیکھتے ہوئے اچھا ضرور لگے گا۔۔۔!!'' شہیرہ کھلکھلائی۔

''ہاں۔۔۔!! اگر آسکتی ہو۔۔۔!! تو آجاؤ۔۔۔!! مگر میرا کام بس ختم ہی ہوا چاہتا ہے۔۔۔!!'' ایمل نے اسے کہا۔

''نہیں میں مذاق کر رہی تھی۔۔۔!! اچھا مجھے بات کرنی تھی۔'' اس نے ایمل کی توجہ کھینچ لی۔

''جی کہیے۔۔۔!! میں ہمہ تن گوش ہوں۔۔۔!!'' ایمل کبھی کبھار کسی کو چھیڑنے کے لیے مشکل اردو الفاظ بول لیتا تھا۔

''میں چاہتی ہوں۔۔۔!! کہ ہم کہیں باہر زُمر اور عریش کی اچھی سی دعوت کر دیں۔۔۔!! اور ان کے ساتھ آؤٹنگ پر جائیں۔۔۔!!'' شہیرہ نے دل کی بات کہہ دی۔

''ہوں۔۔۔!! خیال تو بہت نیک ہے۔۔۔!! تو دعوت کب کی جائے۔۔۔!! اور کہاں جایا جائے؟'' ایمل کو پتہ تھا،جب اس نے بات کی ہے،تو اس نے کچھ سوچا بھی ہوگا۔

''یہی قریب ہی،سمندر کنارے۔۔۔!! سارا دن خوب گھوم پھر بھی لینگے۔۔۔!! اور میز کرسیاں لگا کر اچھا سا لنچ بھی کر لینگے۔۔۔!! شام تک گھر آجائینگے۔۔۔!!'' شہیرہ سب کچھ پہلے سے پلان کیے بیٹھی تھی۔

''چلو ٹھیک ہے۔۔۔!! میں عریش اور زُمر کو دعوت دیتا ہوں۔۔۔!! جس دن وہ دونوں فری ہونگے۔۔۔!! اسی دن ڈن ہوگا۔۔۔!!'' ایمل نے کہا،تو شہیرہ کو اطمینان سا ہو گیا۔

''او کے ٹھیک ہے۔۔۔!! تم گاڑی دھو لو۔۔۔!! پھر بعد میں رابطہ کرکے بات کرتے ہیں۔۔۔!!'' اس نے کہا تو ایمل نے رابطہ منقطع کر دیا۔ شہیرہ اب ہنس رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

زُمر آفس میں عریش کے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔ عریش ابھی کچھ دیر پہلے ہی اسٹوڈیو سے باہر نکلا تھا۔ زُمر کچھ سوچ رہی تھی۔ سامنے ٹیبل پر پڑے کلینڈر کی تاریخیں اسے عجیب سی نظر آرہی تھیں۔ جیسے وہ سب ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتی ہوں اور پھر نکل آتی ہوں۔ کبھی اسے دنوں کے نام سنڈے، منڈے کے الفاظ ڈانس کرتے نظر آتے۔ کبھی سرخ رنگ کے سنڈے والی تاریخیں فرائی ڈے میں مدغم ہو جاتیں۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' عریش اس کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔

''عریش کیا یہ پڑا ہوا کلینڈر ڈیجیٹل اسکرین پر بنا ہوا ہے؟'' زُمر اسے ہی غور سے دیکھ رہی تھی۔

''نہیں۔۔۔!! بالکل عام گتے کا ہے۔۔۔!!'' عریش نے اسے کہا۔

''پتہ نہیں۔۔۔!! مجھے تو ڈیجیٹل اسکرین کی مانند لگ رہا ہے۔۔۔!!'' زُمر نے حیرت سے کہا۔

''چھوڑو۔۔۔!! ان باتوں کو۔۔۔!! میرے خیال میں تم نے اسٹریس لیا ہے۔۔۔!! میں نے چائے کا آرڈر دے دیا ہے۔۔۔!! ابھی آجائے گی۔۔۔!! تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔۔۔!!'' عریش ہنس کر کہنے لگا۔ اچانک زُمر نے عریش کو دیکھا، اس کے پیچھے دیوار کے اوپر ایک بہت بڑا فریم لگا تھا۔ جس میں اللہ کا نام پینٹ کیا تھا۔ اس کو دیکھ کر جب زُمر نے نگاہیں کلینڈر پر مرکوز کردیں۔ تب اسے وہ بالکل عام گتے کا نظر آیا تو وہ ہنس دی۔

''کیوں کیا ہوا؟'' عریش نے پوچھا۔

''کچھ نہیں ہوا۔۔۔!! بس ایسے لگا جیسے میرا ذہن آج کل چیزیں عجیب سی نظر سے دیکھ رہا ہے۔۔۔!!'' زُمر نے اسے دیکھا، اس سے پہلے کہ عریش کچھ کہتا، اس کے موبائل پر رنگ آگئی۔ اس نے موبائل جیب سے نکالا، اور کان سے لگا دیا۔ دوسری طرف ایمل تھا۔ اب وہ ایمل سے بات کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے فون بند کردیا۔

''زُمر۔۔۔!! ایمل، اور شہیرہ نے ہم دونوں کو لنچ پر انوائیٹ کیا ہے؟ میں نے یہی کہا ہے کہ میں زُمر سے کنفرم کرکے بتاتا ہوں۔۔۔!!'' عریش نے اسے دیکھا، اور موبائل جیب میں ڈال دیا۔

''ہاں۔۔۔!! ہمیں جانا چاہیے۔۔۔!! مگر مجھے شہیرہ پسند نہیں ہے۔۔۔!! پتہ نہیں اس دن جب ملی تھی۔۔۔!! تو بہت عجیب سی باتیں کی تھیں۔۔۔!!''

''او کے ٹھیک ہے۔۔۔!! اگر تمہارا موڈ نہیں ہے۔۔۔!! تو میں منع کر دیتا ہوں۔۔۔!!'' عریش نے موبائل جیب سے نکالا۔

''نہیں۔۔۔!! میں نے ایسا تو نہیں کہا۔۔۔!! ہمیں جانا چاہیے۔۔۔!! میرا ذہن کچھ ہلکا ہو جائے گا۔۔۔!!'' زُمر نے اسے منع کر دیا تو عریش نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اچھا۔۔۔!! مگر لنچ یہاں کہیں قریب ہی ہونا چاہیے۔۔۔!! میں دور نہیں جانا چاہتی۔۔۔!!'' زُمر نے اسے دل کی بات بتائی، اب عریش موبائل نکال کر ایمل کو کال کر رہا تھا۔ اس نے اس سے بات کی۔ پھر موبائل بند کردیا۔

☆.....☆.....☆

رات کو بارہ بجے شہیرہ گھر کے دوسری طرف چھوٹے سے دروازے سے نکل گئی۔ اس نے چادر اچھی طرح سے لپیٹ رکھی تھی۔ آج اسنے گھر کے بیرونی طرف کھلنے والے دروازے سے جانا مناسب نہ سمجھا۔ دروازہ اس نے باہر سے بند کردیا۔ وہ دن بھر ڈر بھی رہی تھی کہ کہیں گارڈ اس کے مام ڈیڈ کو کچھ بتا نہ دے۔ مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر بعد قبرستان میں تھی۔ اب وہ قبروں کو پھلانگ کر کمرے کی طرف جا

Pakistanipoint

روحانی
شمع جنتری
2020ء

مؤلف۔ اقبال احمد مدنی

مسلسل کامیابیوں کا پچیسواں سال

پاکستان کی واحد مستند اور منفرد جنتری جس میں دیئے گئے مستقل اور نئے عنوانات آپ کو ہر وقت چونکا دیتے ہیں اور جسے پڑھ کر آپ پر حیرت طاری ہو جاتی ہے کہ پاکستان میں چھپنے والی جنتریوں اور تقاویم میں سارے مضامین یکجا نہیں ہوتے اور اگر ہوتے بھی ہیں تو اس سے قارئین مکمل استفادہ حاصل نہیں کرسکتے، ان کے علم کی پیاس نہیں بجھتی، اس سال کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں۔ اولیات، مذہبی تقریبات وتعطیلات 2020ء، ہر کام میں کامیابی یا ناکامی کیلئے سعد و نحس تاریخیں، آج کا دن کیسا گزرے گا، اثرات قمر، بارہ ماہ 2020ء، خواتین کے مزاج پر چاند کے اثرات، نقشہ سحر و افطار رمضان المبارک برائے کراچی 2020ء 2020ء کا لکی نمبر (یہ کام کریں یا نہ کریں)، تاریخ عیسوی سے دن معلوم کرنے کا طریقہ، تاریخ ہجری سے دن معلوم کرنے کا طریقہ، فہرست عرس ہائے بزرگان دین برصغیر 2020ء، استخراج طالع وقت 2020ء، تسویت البیوت مختصر، تسویت البیوت پاکستان، تعارف رفتار سیارگان 2020ء رفتار سیارگان 2020ء، جدول نظرات سیارگان 2020ء، انعامی بانڈز سے لکھ پتی یا کروڑ پتی بنے گا کون؟، 2020ء علم الاعداد کی روشنی میں، نو روز عالم افروز (عالمی پیشن گوئیاں) 2020ء، نقشہ تحویلات کواکب 2020ء، آپ کامیابی کیسے حاصل کریں، 2020ء میں آپ کامیابی کیسے حاصل کریں، روغنیات سے علاج آپ کی دعا کب قبول ہو سکتی ہے، چوروں اور لٹیروں سے بچنے کا عمل، بچے اور ان کا مستقبل، کھیل اور کھلاڑی، درود شریف سے لا علاج مرض کا علاج، روز مرہ متناسبہ سلسلہ لوگارثم 2020ء، شرف و ہبوط و سیارگان 2020ء، سورۂ انعام سے مشکلات کا حل، شوگر اور جوڑوں کے درد کا علاج، سسرالی جھگڑوں کی مشکلات کا حل، سورۂ قدر سے مشکلات کا حل، ہمزاد کو قابو کرنے کا عمل، جمیلہ پری کو قابو کرنے کا عمل، برج کی منسوبات، آخریات۔ مجھے امید ہے کہ اتنے سارے عنوانات سے آپ کے علم کی پیاس یقیناً بجھ جائے اور آپ مزید مفید مشوروں سے مجھے نوازیں گے۔ تاکہ جنتری کو بہتر سے بہتر خطوط پر استوار کیا جائے اور آپ کے استفادوں کا کارواں یونہی رواں دواں رہے۔

دعا گو

اقبال احمد مدنی

شائع ہوگئی ہے
قریبی بک اسٹال سے طلب کریں

قیمت۔/180 روپے

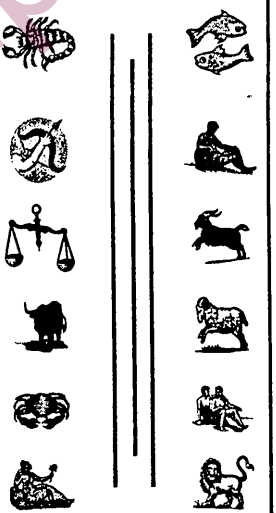

شمع بک ایجنسی کراچی
نوید اسکوائر
اردو بازار
021:32773302

Pakistanipoint

رہی تھی۔ اچانک فضا میں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے ڈر کر آگے پیچھے دیکھا۔ اس نے جلدی سے کمرے کی طرف قدم بڑھائے۔ اب وہ پرس سے تالے کی چابی نکال لی اور تالا کھول دیا اور مخصوص جگہ بیٹھ گئی۔ اس نے ٹارچ روشن کرلی۔ زمین سے سوئیاں اٹھا کر زمین کو دیکھنے لگی۔ اب اس نے کچی زمین پر زُمر کا نام لکھا، اور اس میں سوئیاں گھسیڑ دیں، پھر ہاتھوں میں پتھروں کی مالا پکڑ کر منتر پڑھنے لگی۔ پہلی بار پڑھنے کے بعد اس نے زمین سے کالا دھاگہ اٹھا کر سوئی کے سوراخ سے گزار ڈالا۔ وہ پھر سے زُمر کا نام لے کر منتر پڑھنے لگی۔ اب وہ اسی طرح کرتی، اس نے اسی طرح کرتے ہوئے 79 یعنی آخری مرتبہ منتر پڑھ کر خنجر سے اپنی دوسری انگلی پر کٹ لگایا، اور خون کے تین قطرے زُمر کے نام کے اوپر گرادیے۔ اس نے جلدی سے پٹی نکال کر انگلی پر لپیٹ دی۔ اب اس کا خون رک چکا تھا۔ اس کا عمل مکمل ہو چکا تھا۔ وہ اٹھی، اس نے زمین سے سوئیاں نکالیں، اس سے دھاگے باہر نکال کر رکھ دیے۔ اب وہ ٹارچ اٹھا کر باہر جارہی تھی۔ دروازہ کھول کر جیسے ہی وہ باہر نکلنے والی تھی۔ اس نے دروازے کے باہر کئی کتوں کو دیکھا۔ وہ اپنی جگہ بالکل ساکت کھڑی رہ گئی۔ جیسے اس کے وجود سے سانس نکل گئی ہو۔ مگر اس نے کتوں کو بھگانے کے لیے اس پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ وہ اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ بھی بالکل ساکت تھے۔ وہ تعداد میں سات آٹھ تھے۔

اچانک اس کے ذہن میں خیال آیا کہ وہ اپنے بیگ میں پستول ساتھ لائی تھی تو اس نے وہ نکال کر کتوں پر نشانہ باندھا، اور فائر کردیا۔ کتے ڈز کی آواز سن کر ایک سمت کی طرف بھاگ گئے۔ شاید ایک کو گولی لگ چکی تھی۔ وہ بھاگ نہیں رہا تھا۔ وہ اب واپس جا رہی تھی۔ اس کا دل جو ایک لمحے کو ڈر رہا تھا۔ اب مضبوط ہو چکا تھا۔ وہ اب قبرستان سے باہر نکل کر گھر کی طرف گامزن تھی۔

☆.....☆.....☆

آج وہ جلدی اٹھ گئی تھی۔ کیونکہ ایمل کا فون اسے کل شام کو آیا تھا۔ آج ہفتہ تھا۔ وہ دیر سے اٹھنا چاہتی تھی۔ مگر آج زُمر، اور عریش ملنے کے لیے آنے والے تھے۔ اس نے خود کو تیار کیا، کچھ دیر میں اُسے ایمل پک کرنے والا تھا۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا، دن کے دس بجے کا وقت تھا۔ اچانک باہر سے ہارن کی آواز سنائی دی۔ اس نے پرس اٹھایا۔ اور گھر سے باہر نکل آئی۔ وہاں ایمل سفید گاڑی میں بیٹھا اس کا انتظار کررہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

''ہیلو۔۔۔!!'' ایمل نے اسے دیکھا۔۔

''ہائے۔۔۔!! آئی ہوپ کہ تم نے ویٹ نہیں کیا ہوگا۔۔۔!!'' شہیرہ نے اسے دیکھ کر مسکان لبوں پر بکھیریں۔

''بالکل بھی نہیں۔۔۔!! ورنہ میں گھر کے اندر آجاتا۔۔۔!!'' ایمل نے اسے دیکھ کر کہا۔ اور گاڑی آگے بڑھادی۔

''ہاں۔۔۔!! آجاتے۔۔۔!! ممی سے مل لیتے۔۔۔!! اور ہاں۔۔۔!! ہم کہاں جارہے ہیں؟''

''ساحل سمندر کنارے۔۔۔!! میں نے ایک جگہ بک کی ہے۔۔۔!! وہاں بس ایک بڑی سی ٹیبل، اور چار کرسیاں سیٹ کی ہیں۔۔۔!! اور خوبصورت اسٹیج بنایا ہے۔۔۔!! جس کے اردگرد چار لکڑی کے ستون لگائے ہیں۔۔۔!! جس کے چاروں طرف ریشمی پردے لٹکائے ہیں۔۔۔!! آئی ہوپ۔۔۔!! تم سب کو بہت پسند آئے گا۔۔۔!! قریب سمندر ہے۔ بہت دلکش نظارہ ہے۔۔۔!!'' ایمل نے اسے تفصیل سے بتایا۔

''زُمر اور عریش کب تک آرہے ہیں؟'' شہیرہ نے پوچھا۔

''گیارہ تک آجائینگے۔۔۔!! پہلے ہم لنچ کا آرڈر دے دیں گے۔۔۔!! اور اہم بات یہ ہے کہ جب تک وہ نہیں آجاتے۔۔۔!! تب تک ہم کچھ دیر گھوم پھیر بھی لینگے۔۔۔!!'' ایمل نے دل کی بات بتائی۔ تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ شہیرہ کی آنکھیں

کچھ سرخ سی نظر آرہی تھیں۔مگر ایمل نے اس طرف دھیان نہیں دیا تھا۔

''ویسے شہیرہ ایک بات تو بتاؤ؟'' ایمل نے پوچھا۔تو شہیرہ نے اسے دیکھا۔

''ہاں۔۔۔!! کیا؟'' شہیرہ نے الجھ کر پوچھا۔

''دو دن سے تم رات کو میری کالز کیوں ریسیو نہیں کررہی ہو؟''

''اوہ۔۔۔!! ایک ہفتے تک میں رات کو کوئی کالز ریسیو نہیں کروں گی۔۔۔!!''

''کیوں؟ میں نے رات کو تمہیں کوئی پچاس کالز کی تھیں۔۔۔!! مگر تم نے ایک بھی اٹینڈ نہیں کی۔۔۔!! مجھے بہت برا لگا۔۔۔!!'' ایمل نے اسے دیکھا،تو اسے اس کی آنکھوں کی سرخی نظر آئی۔

''اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔!! میری آنکھوں میں رات کے وقت تھوڑی تکلیف ہورہی ہے۔۔۔!! اس لیے میں جلدی سو جاتی ہو۔۔۔!!'' شہیرہ نے بہانہ بنایا۔

''شہیرہ۔۔۔!! میں تو ڈر گیا تھا۔۔۔!! کہیں کوئی اور بات تو نہیں ہے۔۔۔!! کہیں کوئی چلہ وغیرہ تو نہیں کررہی ہو؟'' ایمل نے مذاق میں اسے دیکھا تو وہ جیسے ایک لمحے کو چونک کر رہ گئی۔

''نن نہیں۔۔۔!! کوئی بات نہیں ہے۔۔۔!! میں کیوں ایسا ویسا کچھ کروں گی۔۔۔!!'' شہیرہ نے اعتماد سے کہا۔ایمل نے یقین کرلیا۔کیونکہ وہ مذاق کررہا تھا۔

☆.....☆.....☆

کچھ دیر بعد زمرنک سک سی تیار تھی،مگر اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ وہ کس لیے تیار ہوئی ہے۔وہ اپنی جگہ بالکل کند ذہنوں کی طرح بیٹھتی چلی گئی۔پھر وہ اپنے کمرے میں دیواروں کو بیٹھی دیکھتی رہی،پھر اس کی نگاہیں ایک تصویر پر ٹھہر گئیں۔وہ اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

''یہ کون ہے؟ اس دن میرے کمرے میں آئی تھی۔۔۔!!'' اس نے اپنے آپ سے کہا۔

''ہاں۔۔۔!! واش روم میں اسے دیکھا تھا۔برش کررہی تھی۔۔۔!!'' اس نے ذہن پر بہت زیادہ زور دیا۔اسے یاد آیا۔

اب اس کی تصویر میرے کمرے میں کیا کررہی ہے۔۔۔!!'' زُمر نے حیرت سے یہاں وہاں دیکھا۔اچانک اس کے موبائل پر بیل آئی۔اس نے اٹھا کر دیکھا،عریش کالنگ نظر آرہا تھا۔اس کا ذہن ایک دم ٹھیک ٹھاک ہوگیا۔اس نے کال ریسیو کرلی۔

''ہیلو۔۔۔!!'' اس نے کان سے موبائل لگایا۔

''زُمر کہاں ہو؟ میں گھر کے باہر آچکا ہوں۔۔۔!!''

''اندر آجاؤ۔۔۔!! ممی سے مل لو۔۔۔!!'' زُمر نے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھا،وہاں اس کی سفید کار نظر آئی۔

''نہیں۔۔۔!! اب اگر آگیا۔۔۔!! تو آنٹی اتنی آسانی سے جانے نہیں دیں گی۔۔۔!! ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔۔۔!! تم باہر آجاؤ۔۔۔!''

''اوکے۔۔۔!! دو منٹ میں آتی ہوں۔۔۔!!'' اس نے کہا اور موبائل بند کردیا۔اب وہ اپنے سراپے کا جائزہ لینے کے لیے آئینے کے سامنے کھڑی ہوگئی۔اچانک اس کا دماغ بھک کرکے اُڑ گیا۔

''اے۔۔۔!! تو کون ہے؟ اور میرے کمرے میں کیا کررہی ہے؟'' آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر وہ پوچھنے لگی۔اس کا عکس جو آئینے میں نظر آرہا تھا۔اس کے لب بھی ہل رہے تھے۔جب وہ بول رہی تھی۔اور وہ اپنی آواز بھی سن رہی تھی۔اسے ایسے لگا جیسے آئینے میں کھڑی لڑکی نے اس سے سوال کیا ہے؟

اے بتا۔۔۔!! کون ہے تو؟'' اس نے آئینے میں اپنے عکس پر نظریں جما کر پوچھا۔مگر اس کو ایسا لگا جیسے آئینے میں کھڑی لڑکی اس سے پوچھ رہی ہے۔

''میں کون ہوں؟ میں زُمر ہوں۔۔۔!! تم کون ہو؟ اور یہاں میرے کمرے میں کیا کررہی ہوں؟'' اس

نے آئینے سے ایک بار پھر غصے سے پوچھا۔اس کو اپنی آواز کی گونج کچھ لمحوں تک سنائی دی، وہ حیرانی سے ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔اس کو سخت غصہ آیا ہوا تھا۔

''یہ۔۔۔!! مجھ سے پوچھ رہی ہے؟ میں اپنے کمرے میں کیا کر رہی ہوں؟ اس کو مار ڈالوں گی۔۔۔!! یہ میرا کمرا ہے۔۔۔!!'' وہ اسے مارنے کے لیے کوئی وزنی چیز اٹھا کر ڈھونڈنے لگی۔سامنے ٹیبل پر پڑا ہوا گلدان اٹھا کر اس نے آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کو دے مارا اور جیسے ہی گلدان آئینے سے لگا۔تو آئینہ چکنا چور ہوگیا۔

''میں نے اس کو مار دیا۔۔۔!! آئندہ یہ میرے کمرے میں کبھی نہیں آئے گی۔۔۔!!'' زُمر نے خوشی سے کہا تو باہر سے اچانک گاڑی کی ہارن کی آواز سنائی دی۔اسی لمحے اس کا دماغ جیسے واپس آگیا۔

''یہ میں نے کیا کر دیا؟ اب اس کو کون سمیٹے گا۔۔۔!! مجھے دیر ہو رہی ہے۔۔۔!!'' وہ عجلت میں مڑی۔اچانک اس کے کمرے کا دروازہ کھلا۔اس کا بھائی کمرے میں داخل ہوگیا۔وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔

''کیا ہوا؟'' وہ اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

''کچھ نہیں ۔۔۔!!بس وہ آئینہ ٹوٹ گیا۔۔۔!!'' زُمر نے کہا۔

''تمہیں کوئی چوٹ وغیرہ تو نہیں لگی۔۔۔!! قسم سے آئینے کی آواز سن کر میرا تو دل ہی ہول اٹھا۔۔۔!! فوراً یہاں بھاگا چلا آیا۔۔۔!!'' نائل نے اسے دیکھا۔

''نائل۔۔۔!! تم آئینے کے ٹکڑے چن لینا ۔۔۔!! میں لیٹ ہو رہی ہوں۔۔۔!!'' اس نے اس کے چہرے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔اس نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ باہر نکل گئی۔اچانک گاڑی کے ہارن کی آواز آئی۔نائل چونک کر باہر کھلنے والی کھڑکی میں آگیا۔اس نے دیکھا کہ زُمر گاڑی میں بیٹھ رہی ہے۔اور جیسے ہی وہ بیٹھی، گاڑی آگے روانہ ہوگئی۔وہ آئینے کے ٹوٹے چننے لگا۔اچانک وہ بے شمار ٹکڑوں میں نظر آنے لگا۔اسے وحشت سی ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

ساحل سمندر کنارے وہ دونوں پہنچ گئے تھے۔

زُمر جیسے ہی گاڑی سے باہر نکلی، اس نے وہاں ایک خوبصورت چھوٹے سے اسٹیج کو دیکھا، جو مربع نما تھا۔وہ زمین سے چار فٹ اونچا تھا۔تین لکڑی کی سیڑھیاں اس کے ساتھ لگی تھیں۔اس کے چاروں اطراف میں لکڑی کے مضبوط ستون کھڑے تھے۔وہ آٹھ فٹ لمبے تھے اور اس کے چاروں اطراف میں پردے باندھے گئے تھے۔اس کے اوپر چار کرسیاں، اور ایک بڑی میز رکھی تھی۔وہاں ایمل، اور شہیرہ آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ان دونوں کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ایمل عریش سے بغل گیر ہوگیا۔اور شہیرہ نے زُمر کے چہرے سے چہرہ لگایا۔اب وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''ہیلو گائیز ۔۔۔!! کیسے ہو؟'' شہیرہ نے دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہم بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔۔۔!! آپ کے حال چال کیسے ہیں؟'' عریش نے ایمل کو دیکھا۔

''ہم بھی بالکل ٹھیک ٹاک ہے۔۔۔!! آپ آج کل کیا کر رہی ہیں؟'' زُمر نے پوچھا۔

''میں آج کل جادو کر رہی ہوں۔۔۔!!'' شہیرہ نے ایمل کو دیکھ کر معنی خیزی سے کہا۔ایمل منہ پھاڑ کر ہنسا۔اور عریش نے مذاق سمجھ کر اس کا ساتھ دیا۔زُمر حیرانی سے شہیرہ کو دیکھنے لگی۔اس کی نظر شہیرہ کی انگلیوں پر گئی۔اس کی دو انگلیاں سفید پٹیوں میں باندھی ہوئی تھیں۔

''یہ تمہاری انگلیوں کو کیا ہوا ہے؟'' زُمر نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ کل کام کرتے ہوئے زخمی ہوگئی تھیں۔۔۔!!'' شہیرہ نے جلدی سے ہاتھ نیچے کرلیا۔

''ویری فنی۔۔۔!! اس کو مذاق کرنے کی عادت ہے۔۔۔!!'' ایمل نے زُمر کے پریشان چہرے کو دیکھا

تو زُمر ہنس دی۔

''میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا ہے۔۔۔!!'' زُمر نے سب کو دیکھ کر بے نیازی سے کہا۔

''اچھا۔۔۔!! ویسے زُمر سچ سچ بتانا۔۔۔!! تم پہلے سے کچھ کمزور لگ رہی ہو۔۔۔!!! اپنا بالکل بھی خیال نہیں رکھتی ہو۔۔۔!!'' شہیرہ نے عریش کی طرف دیکھا۔

''ہاں۔۔۔!! دو تین دن میں ڈاکٹر کے پاس جاؤں گی۔۔۔!!'' زُمر نے بات سمیٹنی چاہی تو شہیرہ ہنس دی۔

''ویل۔۔۔!! اور کچھ سناؤ۔۔۔!! آج کل زندگی میں کیا چل رہا ہے؟'' شہیرہ نے عریش کی طرف دیکھا۔ وہ ایمل سے کوئی بات کر رہا تھا۔

''کچھ خاص نہیں۔۔۔!! بس جلد سے جلد شادی کرنا چاہتا ہوں۔۔۔!!'' عریش نے ایمل کو دیکھ کر کہا۔

''اوہ۔۔۔!! یہ تو بہت خوشی کی بات ہے؟'' شہیرہ ہنس پڑی، تو ایمل نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔

''ہاں۔۔۔!! ہم تو آپ کی شادی میں خوب ہلہ گلا کریں گے۔۔۔!!'' ایمل نے دونوں پر نگاہیں جما کر کہا۔

''ویسے آپ دونوں کب تک شادی کرنے والے ہیں۔۔۔!!'' زُمر نے بات بدلنے کے غرض سے پوچھا۔

''بہت جلد۔۔۔!!! ابھی تو ہماری منگنی بھی نہیں ہوئی ہے۔'' ایمل نے زومعنی نگاہوں سے شہیرہ کو دیکھا تو وہ نیچے دیکھنے لگی۔

''ویسے۔۔۔!! زُمر تمہارے گھر میں کون کون ہے؟'' ایمل نے زُمر سے پوچھا۔

''میرے موم، ڈیڈ، اور ایک مجھ سے چھوٹا بھائی نائل میری جان ہے وہ۔۔۔!!'' زُمر نے عریش کو دیکھا۔

''اچھا۔۔۔!! بہت پیارا نام ہے تمہارے بھائی کا۔۔۔!! شہیرہ کے دو بھائی ہیں۔۔۔!! ایک کا نام کیف ہے۔۔۔!! اور دوسرا فیض ہے۔۔۔! مگر دونوں اس کی طرح پاگل ہیں۔۔۔!!''

''ہاں۔۔۔!!'' شہیرہ نے اپنی فیملی کے بارے میں بتایا تھا۔۔۔!!'' زُمر نے شہیرہ کو دیکھ کر کہا۔

''کب؟'' ایمل نے شہیرہ کو دیکھا۔

''کچھ۔۔۔!! دن پہلے یہ آفس آئی تھی۔۔۔!! ہماری کافی اچھی بات چیت ہوئی۔۔۔!! حیرت ہے۔۔۔!! شہیرہ نے تمہیں نہیں بتایا تھا۔۔۔!!'' زُمر نے شہیرہ کو دیکھا، شہیرہ ہنس رہی تھی۔

''ہاں۔۔۔!! میں ابھی بتانے والی تھی۔۔۔!! مگر تم نے میرا سرپرائز خراب کر دیا۔۔۔!!'' شہیرہ نے جیسے زُمر کو دیکھا۔ زُمر کو اس کا کہنا برا لگا۔ مگر وہ بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔

''مگر یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں ہے۔۔۔!! جس پر سرپرائز دے دیا جائے۔۔۔!!'' عریش نے شہیرہ سے کہا تو شہیرہ نے سر ہلایا۔

''اچھا۔۔۔!! جب تک ہمارا لنچ ریڈی نہیں ہو جاتا۔۔۔!! ہمیں ساحل کنارے جا کر انجوائے کرنا چاہیے۔۔۔!!'' شہیرہ نے اٹھتے ہوئے بات کا رخ بدل دیا۔ ایمل اس کے ساتھ ہی اٹھ گیا۔ عریش اور زُمر بھی اٹھ گئے۔

☆.....☆.....☆

''واؤ۔۔۔!! اٹس امیزنگ۔۔۔!!'' شہیرہ سمندر کنارے کھڑی تھی۔ اس نے جھک کر پانی سے چلو بھرا اور عریش پر اچھالا۔

''شہیرہ۔۔۔!! مجھے پانی پسند نہیں ہے۔۔۔!!'' عریش نے شہیرہ سے کہا۔

''مگر مجھے تو پسند ہے۔۔۔!!'' شہیرہ نے دوبارہ پانی سے چلو بھر کر اس پر اچھال دیا۔ وہ اب ہنس رہی تھی۔

''ویسے۔۔۔!! تم بہت زندہ دل ہو۔۔۔!! تم

Pakistanipoint

ہنستی بہت اچھی ہو۔۔۔!! میرے خیال میں تمہیں ٹی،وی میں کام کرنا چاہیے۔۔۔!!'' عریش نے اس کا ذہن بدلنے کے لیے کہہ دیا۔

''ہاں۔۔۔!! اس سے پہلے میں نے کبھی اس بارے میں سوچا نہیں تھا۔۔۔!! ہوسکتا ہے۔۔۔!! میں کبھی اس بارے میں سوچ لوں۔۔۔!! اور کیمرے سے دوستی کرلوں۔۔۔!!'' شہیرہ نے اس کو سوچ کر بتایا۔

''جب تمہارا ارادہ بن جائے۔۔۔!! تو آفس آجانا۔۔۔!! آڈیشن وغیرہ دے دینا۔۔۔!! اگر پرفیکٹ آیا۔۔۔!! تو کسی پروگرام میں ہوسٹ بنا دوں گا۔۔۔!!'' اس سے پہلے کہ شہیرہ کچھ کہتی۔ وہاں ایمل اور زُمر آگئے۔ وہ دونوں سمندر کنارے ٹہل رہے تھے۔

''خیر اب بہت گھوم لیا۔۔۔!! آؤ۔۔۔!! چلیں۔۔۔!!'' زُمر نے ایمل کو دیکھ کر کہا۔ اب وہ ساتھ ساتھ اپنے خاص جگہ کی طرف جارہے تھے۔ وہاں کچھ اونٹوں والے گزر رہے تھے۔ دو تین گھڑسوار بھی تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب پرتکلف لنچ کر رہے تھے۔ دنیا جہاں کی ہر نعمت اس وقت ان کے سامنے پڑی ہوئی تھی۔ اور وہ دل جمعی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ وہ سب ہنسی مذاق بھی کررہے تھے۔ مشروب سے گلاسز بھرے ہوئے تھے۔ پانی کا جگ بھی رکھا ہوا تھا۔ کچھ دیر کھانے کے بعد عریش، اور ایمل اٹھ کر سمندر کنارے چہل قدمی کرنے لگے۔ زُمر اس کے ساتھ بیٹھی ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ بیگ سے شہیرہ نے چھوٹا سا آئینہ نکالا۔ اور اس میں دیکھ کر اپنے چہرے پر میک اپ درست کرنے لگی۔ اچانک زُمر نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ ایک لمحے کو وہ سب کچھ بھول چکی تھی۔ اسے سامنے بیٹھی ہوئی شہیرہ ڈائن کی طرح بدصورت نظر آرہی تھی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اس نے شہیرہ سے پوچھا۔

''دیکھ رہی ہو۔۔۔!! میں میک اپ ٹھیک کر رہی ہوں۔۔۔!! کیا تمہیں نظر نہیں آرہا ہے۔۔۔!! لو آئینہ دیکھ لو۔۔۔!!'' شہیرہ نے اس کو دیکھا۔ اور دوبارہ اپنا کام شروع کردیا۔

''تم کون ہو؟'' زُمر خفگی سے دیکھ کر چیخ پڑی۔

''میں۔۔۔!! شہیرہ۔۔۔!!'' شہیرہ نے میک اپ کرنا چھوڑ دیا۔ اور اسے حیرت سے دیکھا۔ اس کی آواز میں کچھ تو تھا۔ جس کی وجہ سے وہ حیران ہوئی تھی۔ اب آئینے میں زُمر کو اپنا چہرہ نظر آرہا تھا۔

''کیوں کیا ہوا ہے؟ کیا تم ٹھیک ہو۔۔۔!!'' شہیرہ نے اپنا چھوٹا سا آئینہ اس کے چہرے پر ٹکا دیا۔

''تم کون ہو؟ اور یہ کون ہے؟ جو تمہارے ساتھ نظر آرہی ہے؟'' زُمر نے اس سے پوچھا۔

''میں نے بتایا ناں۔۔۔!! میں تمہاری دوست شہیرہ ہوں۔۔۔!!'' شہیرہ نے الفاظ چبا کر کہے۔

''اور یہ؟'' زُمر نے جلدی سے تیز آواز میں کہا۔ وہ آئینے میں اپنے چہرے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

''تمہارے ہاتھ میں کون قید ہے؟'' شہیرہ نے اسے کوفت سے دیکھا اور خوف سے کہا۔

''تم پاگل ہو۔۔۔!!''

''اور تم جادوگرنی ہو۔۔۔!! میں نے تمہارا چہرہ دیکھا تھا۔۔۔!! تم رات کے اندھیروں میں جادو کرتی ہو۔۔۔!! تم بے راہ روی پر ہو۔۔۔!!'' وہ پراسراریت سے بھرپور لہجے میں بولی۔ شہیرہ جیسے اچھل پڑی۔ اس کے چہرے پر کئی رنگ آرہے تھے۔ اور کئی جارہے تھے۔ اُسے ایسے لگا کہ جیسے اس کی چوری پکڑلی ہو۔ زُمر کا دماغ کام نہیں کررہا تھا۔ اس لیے وہ کچھ بھی بول سکتی تھی۔

''زُمر کیا ہوا ہے؟ تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟ کیا تم ٹھیک تو ہو ناں۔۔۔!!'' شہیرہ اپنی چیئر سے اٹھ کر اس کے پاس آگئی۔ مگر اس نے آئینہ اس کی آنکھوں کے مزید قریب کردیا۔ وہ جیسے مزید گھبرا گئی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔۔۔!! تم ٹھیک نہیں لگ رہی ہو۔۔۔!! تم ٹھیک نہیں کر رہی ہو۔۔۔!!'' زُمر نے

جیسے اسرار میں ڈوبے آواز میں کہا۔شہیرہ اس کے رویے سے ڈر گئی۔اسے بہت برا لگا تھا۔مگر یہی سچ تھا۔وہ آئینہ گھما کر سورج کی طرف کرکے زاویے بنانے لگی،سورج کی شعاعیں آئینے میں منعکس ہو کر زُمر پر پڑنے لگی۔

''تم۔۔۔!! ایک جادوگرنی ہو۔۔۔!! تم بہت برا کر رہی ہو۔۔۔!! تم مجھے برباد کردوں گی۔۔۔!!'' زُمر کی آنکھیں بند ہوگئیں۔جب اس نے کھولیں،وہ بالکل ٹیڑھی ہوگئی تھیں۔۔۔!!! اس کا سر گھوم رہا تھا۔وہ بری طرح سے چکرا رہی تھی۔

''تم کیا کہہ رہی ہو؟'' شہیرہ پہلے چونک گئی۔پھر اسے دیکھ کر کہا۔اور دوسرے لمحے وہ بری طرح سے ڈر گئی۔زُمر کی آنکھیں باہر ابل کر ٹیڑھی میڑھی ہوگئی تھیں۔

''تم مجھ کو کھا رہی ہو؟ تم جو ہو۔۔۔!! وہ نظر نہیں آرہی ہو۔۔۔!!'' زُمر نے اس پر آنکھیں باہر نکالیں۔

''واٹ؟ تمہیں پتہ بھی ہے؟ تم کیا بکواس کر رہی ہو۔۔۔!!'' شہیرہ نے آئینے کی شعاعیں اس کی آنکھوں میں ڈالنے کی کوشش کی۔وہ اب مزے لے رہی تھی۔

''تم مجھے برباد کردو گی۔۔۔!!'' جیسے ہی سورج کی شعاعیں اس کی آنکھوں میں گئیں۔وہ چیخی۔اور شہیرہ نے آئینہ نیچے کر لیا۔قریب ساحل سمندر پر کھڑا عریش،اور ایمل مڑ کر دیکھنے لگے تھے۔جیسے ہی آئینہ اس نے ہٹایا۔زُمر جیسے ہوش میں آئی۔شہیرہ اسے کینہ توز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔عریش اور ایمل دوڑتے ہوئے ان کی طرف آگئے۔انہیں اور زُمر کو دیکھ رہے تھے۔

''کیا ہوا؟ زُمر تم کیوں چیخی تھی؟'' شہیرہ نیچے دیکھ رہی تھی۔ایمل بھی اس کے بائیں آکر کھڑا ہوگیا تھا۔زُمر کے دائیں بائیں وہ دونوں پریشان کھڑے تھے۔زُمر آنکھیں جھپکا رہی تھی۔

''کچھ نہیں ہوا ہے؟ بس زُمر کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اونچی آواز میں چیخے۔۔۔!!'' شہیرہ نے پریشان لہجے میں کہا۔

''اوشکر ہے۔۔۔!! میں تو ڈر گیا تھا۔۔۔!!'' عریش نے زُمر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''زُمر آر یو اوکے۔۔۔!!'' عریش نے جھک کر پوچھا۔

''یس۔۔۔!! آئی ایم اوکے۔۔۔!! پتہ نہیں عریش کبھی کبھار میں سب کچھ بھول جاتی ہوں۔۔۔!! ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں کہیں اور آگئی ہوں۔۔۔!! میں خود نہیں بولتی بلکہ مجھ سے کوئی طاقت عجیب سی باتیں بلواتی ہے۔۔۔!! مگر وہ باتیں مجھے یاد نہیں رہتی ہیں۔۔۔!!'' زُمر نے پریشانی سے کہا۔

''اوکے۔۔۔!! تمہارا وہم ہوگا۔۔۔!! یا پھر یہ ذہنی اسٹریس بھی ہوسکتا ہے۔۔۔!!'' عریش نے کہا۔

''عریش۔۔۔!!! ابھی کچھ دیر پہلے میں شہیرہ سے کچھ کہہ رہی تھی۔۔۔!! مگر اب مجھے یاد نہیں آرہا ہے۔۔۔!! شہیرہ ہم میں کیا باتیں ہوئی تھیں؟'' زُمر نے شہیرہ سے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔۔۔!! خاص باتیں نہیں ہوئی تھیں۔۔۔!! تم یہی سب کچھ کہہ رہی تھی۔۔۔!! جو ابھی تم عریش سے کہہ رہی ہو۔۔۔!!''

''اچھا۔۔۔!! عریش۔۔۔!! چلیں۔۔۔!! میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔۔۔!!'' زُمر اٹھی۔عریش بھی ایمل سے اجازت لینے لگا۔اور شہیرہ اٹھ کر زُمر کے گلے جا لگی۔مگر اس نے زُمر کے کان میں ہلکی آواز میں کہا۔

''زُمر۔۔۔!! تم پاگل ہونے والی ہو۔۔۔!!'' اس نے اس کے کندھے پر دباؤ ڈالا تو زُمر اس سے الگ ہوگئی۔اور عریش کے ساتھ جانے لگی۔ایمل ان دونوں کو جاتا ہوا دیکھنے لگا۔

☆.....☆.....☆

رات کے گھپ اندھیرے میں شہیرہ آگے ہی آگے بڑھ رہی تھی۔اس نے کالے کپڑے پہن رکھے تھے۔سڑک کنارے چلتے ہوئے اس نے اردگرد گرد

دیکھا۔ وہ اب سڑک پار کرگئی۔ قبرستان میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ قبرستان کے اندر چلی گئی۔ اس کے ہاتھوں میں ٹارچ تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اسی کمرے میں تھی۔ جس میں اس کے عمل کا سامان تھا۔ اب وہ عمل کر رہی تھی۔ ابھی اس نے کچھ ہی منتر پڑھا تھا کہ کمرے کے باہر کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس کے دونوں کان کھڑے ہوگئے۔ مگر اٹھنے کی ہمت اس میں نہ ہوئی۔ وہ منتر پڑھ کر اگنور کرتی رہی۔ اس کے پاس پستول موجود تھا۔ اسی پر اس کا دل جمارہا۔ اب وہ اپنا کام کررہی تھی۔ بار بار اسے ایسا لگتا جیسے باہر کوئی گھوم رہا ہے۔ اس نے نظر انداز کرکے منتر پڑھ کر اپنی تیسری انگلی پر کٹ لگائی اور خون کے قطرے زُمر کے نام پر گرادیے۔ اس نے عمل مکمل کرلیا تھا۔ اب وہ اٹھی، اس نے بیگ سے پستول نکال کر ہاتھ میں پکڑا۔ اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے کمرے کو باہر سے تالا لگایا۔ اور اپنے گھر کی طرف رواں دواں ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

صبح زُمر پر عجیب سی بے چینی طاری ہوگئی تھی۔ وہ پورے گھر میں چیختی چلاتی پھر رہی تھی۔ نائل اس کے کمرے میں آگیا۔ وہ اپنے کمرے میں کھڑی شیشے کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ ونڈو مرر تھا۔ جس میں ایک سائیڈ سے اس کی شبیہہ نظر آرہی تھی۔ اس نے کئی چیزیں توڑ ڈالی تھیں۔

''آپی کوئی مسئلہ ہے۔۔۔!!'' نائل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیچھے سے کہا۔

''ہاں۔۔۔!! یہ کون ہے؟'' زُمر نے چیختے ہوئے کہا۔

''کون؟'' نائل نے حیرانی سے پوچھا۔

''وہ۔۔۔!! جو مجھے گھور رہی ہے۔۔۔!!'' زُمر نے کھڑکی کے مرر میں نظر آتے اپنی شبیہہ کی طرف اشارہ کیا تو نائل ہنسنے لگا۔

''یہ کون ہے؟ کیوں میرے کمرے میں موجود ہے۔۔۔!! یہ کوئی جادوگرنی ہے۔۔۔!! یہ مجھے مار دے گی۔۔۔!! مجھے اسے اپنے کمرے سے بھگانا ہوگا۔۔۔!!'' زُمر نے گلدان اٹھایا۔ اور ونڈو کے مرر کو مارنے لگی۔ نائل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اس سے گلدان چھین لیا۔

''آپی یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔۔۔!! کچھ ہوا ہے؟ بتائیں کیا ہوا ہے؟'' نائل نے اس سے گلدان لے کر رکھ دیا۔ وہ خود بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس نے نائل کو دیکھا۔

''تم نے اس لڑکی کو میرے کمرے میں بلایا ہے۔۔۔!! تم اس کے ساتھ ملے ہو۔۔۔!! ابھی یہ مجھے گلدان سے مارنے والی تھی۔۔۔!! تم نے وہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔۔۔!!'' وہ نائل سے بری طرح جھگڑنے لگی۔ اس نے نائل کے منہ پر کئی تھپڑ مارے۔ اور اس کے منہ پر اپنے لمبے ناخنوں سے کھرونچے ڈال دیے تھے۔ ان کے ماں باپ چیخ پکار سن کر کمرے میں داخل ہوگئے۔ اس کے باپ نے اسے بڑی مشکل سے رام کیا۔

''زُمر کیا ہوگیا ہے؟ چھوٹے بھائی کو کوئی اس طرح مارتا ہے؟'' نائل سائیڈ پر کھڑا ہوگیا۔ اس کی ماں دوپٹے سے اس کا چہرہ صاف کرنے لگی۔ زُمر پاگلوں کی طرح قہقہے لگانے لگی۔

''اس نے میرے کمرے میں کسی لڑکی کو چھپایا ہے۔۔۔!! اس نے میرے سامنے اس سے بات کی ہے۔۔۔!! وہ لڑکی مجھے مار دے گی۔۔۔!!'' زُمر کے ماں باپ حیرانگی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ وہ ایک بار پھر سے قہقہے لگا کر گول گول گھومنے لگی۔ اور اپنے کمرے میں گر کر بے ہوش ہوگئی۔ نائل اور اس کے ماں باپ پریشانی سے اس پر جھک گئے۔ کچھ دیر بعد اسے ایمبولینس میں ڈال کر اسپتال لے جارہے تھے۔ نائل باپ کو سارا واقعہ سنا رہا تھا۔

اسپتال میں اس کی ماں اور باپ پریشان کھڑے تھے۔ ڈاکٹرز نے زُمر کو ایڈمٹ کرلیا تھا۔ اب

ان کے ماں باپ سے پوچھ گچھ کررہے تھے۔ نائل نے بھی زُمر کی ذہنی حالت کے بارے میں بتادیا۔ جیسے ہی ان لوگوں نے سب کچھ سنا۔ لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔

''لگتا ہے۔۔۔!! آپ کی بیٹی کو ذہنی بیماری ہے۔۔۔!! سب سے پہلے اسے آئینہ سے دور رکھیے گا۔۔۔!!''

''ڈاکٹر۔۔۔!! مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ ایک اچھی خاصی صحت مند لڑکی ہے۔۔۔!! ایک چینل میں کام کرتی ہے۔۔۔!! جرنلسٹ ہے۔۔۔!! کافی بہترین زندگی گزار رہی ہے۔۔۔!!'' زُمر کے باپ نے کہا۔

''آپ نے جو کچھ کہا ہے۔۔۔!! وہ ٹھیک ہے۔۔۔!! مگر انسانی ذہن بہت عجیب ہے۔۔۔!! اسے کوئی اتنی آسانی سے نہیں سمجھ سکتا ہے۔۔۔!! ہم زُمر کے ہوش میں آنے کا انتظار کررہے ہیں۔۔۔!! مگر یہ بھی سچ ہے۔۔۔!! ہم اس کی ذہنی کنڈیشن کو دیکھ کر ہی آگے ٹریٹمنٹ جاری رکھ سکیں گے۔۔۔!! ابھی تو آپ کی باتوں سے اتنا پتہ چلا ہے۔۔۔!! خیر آئینے سے دور رکھئے گا۔۔۔!!'' ڈاکٹر کے جواب پر اس کے باپ نے سر ہلایا اور ڈاکٹر چلی گئی۔ زُمر کے گھر والے پریشان حال کھڑے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر پھر آئی اور غور سے زمر کو دیکھتے ہوئے، اس کے باپ سے بولی۔

''آپ کی بیٹی کو میرے خیال میں سائیکاٹرسٹ کی ضرورت ہے۔۔۔!! اس کو آئینہ سے ڈر لگتا ہے۔۔۔!! جب وہ آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھتی ہے۔۔۔!! تو وہ بالکل عجیب وغریب سی شکل بنا کر بولنے لگتی ہے۔۔۔!! اسے آئینہ میں اپنا عکس دیکھ کر لگتا ہے۔۔۔!! یہ کوئی دوسری لڑکی ہے۔۔۔!! میں ایک بہترین سائیکاٹرسٹ کے لئے آپ کو ریفر کررہی ہوں۔۔۔!! وہاں جا کر زُمر کو دکھا دیجیے گا۔۔۔ لیکن اسے آئینہ سے دور رکھیے گا۔۔۔!!'' ڈاکٹر نے کہا، اور پیڈ پر کچھ لکھنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سائیکاٹرسٹ کے پاس پہنچ گئے۔

سائیکاٹرسٹ نے اسے ڈھائی گھنٹے تک دیکھنے کے بعد، اس کے ماں باپ کے پاس چلا آیا۔

''بظاہر تو آپ کی بیٹی بالکل نارمل ہے۔۔۔!! مگر اس کو آئینے سے ڈر لگتا ہے۔ میں نے اس کی ساری یاداشتیں اچھی طرح سے دیکھ لی ہیں۔۔۔!! اس کو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔۔۔!! صرف آئینے میں اپنے آپ کو پہچان نہیں پاتی ہے۔۔۔!! میں نے یہ میڈیسن لکھ دی ہیں۔۔۔!! آپ ان کو مکمل آرام کروائے۔۔۔!! اس کو آفس نہ بھجوائے۔۔۔!! کوئی ایسی بات ان کے سامنے نہ کریں۔۔۔!! جس سے اس کو برا لگے۔۔۔!!'' ڈاکٹر نے جو کچھ کہا، زُمر کے والدین نے اثبات میں سر ہلایا، اور اسے گھر لے جانے لگے۔ راستے بھر ان میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ دونوں حد سے زیادہ پریشان تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ آئینے میں دیکھ کر یہ اپنا آپ کیوں بھول جاتی ہے۔ کیا اس کی یاداشت میں کوئی مسئلہ آگیا ہے۔ زُمر کو کبھی ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ گھر پہنچ کر بھی وہ دونوں جیسے گم صم تھے۔ زُمر بالکل ٹھیک تھی۔ اس کے ماں باپ، اور چھوٹا بھائی نائل گھر کی دیواروں سے آئینے اتارنے لگے تھے۔ کچھ دیر بعد گھر کے سارے آئینے اتار کر ادھر ادھر چھپا دیے گئے کھڑکیوں کے شیشوں پر پردے برابر کردیے گئے۔ زُمر بیڈ پر لیٹی ہوئی آرام سے چھت کو دیکھ رہی تھی۔ اب وہ بالکل نارمل تھی۔ نائل قریب ہی بیٹھا پریشان سا دیکھ رہا تھا۔

اس کی ماں اس کے لیے سوپ بنانے کچن میں چلی گئی۔ زُمر سوچ رہی تھی۔

''پتہ نہیں ان سب کو کیا ہوا ہے؟ میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔!! کوئی بھی مجھے کچھ بتاتا نہیں ہے۔۔۔!! میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔!! زبردستی بیمار بنا کر آرام کرنے پر مجبور کردیا ہے۔۔۔!! اس نے آنکھیں موندلیں۔ اور سونے لگی۔

☆.....☆.....☆

شہیرہ سارا دن سوتی رہی تھی، اس کے دونوں

بھائی قیص، اور کیف نے گھر میں خوب اودھم مچائی ہوئی تھی۔ وہ دونوں گھر کے لان میں ٹینس کھیل رہے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ باہر سے آئے۔ اچانک دونوں نے ٹینس چھوڑ کر گھر کے اندر داخل ہوگئے۔ اب ان کا رخ شہیرہ کے کمرے کی طرف تھا۔ دونوں نے دروازے پر زور ڈالا، وہ کھلتا چلا گیا۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے۔ وہ پلنگ میں لیٹی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ چادر میں چھپا تھا۔ کیف نے اس کے چہرے سے چادر کھینچ لی اور قیص نے بہت بھیانک قہقہہ لگایا۔ شہیرہ نے ہڑبڑا کر ان کو دیکھا۔

''یہ کیا حرکت ہے؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ دونوں قہقہے لگا کر تالی مار کر اسے دیکھنے لگے۔ اچانک وہ دونوں اسے دیکھ کر رُک گئے۔ وہ جیسے بالکل ساکت ہوگئے تھے۔ ان کی نگاہوں میں حیرانی تھی۔

''کیوں ایسے دیکھ رہے ہو؟ جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو؟'' شہیرہ نے دونوں کو دیکھ کر سخت انداز میں کہا۔

''تمہاری آنکھیں اتنی سرخ کیوں ہیں؟'' کیف نے پوچھا۔ قیص بھی اس کی آنکھوں کی سرخی دیکھ کر عجیب سے انداز میں دیکھ رہا تھا۔ قیص اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''کچھ نہیں ہوا ہے۔۔۔!! رات کو مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔۔۔!!! تو ساری رات میں نے ناول پڑھا تھا۔۔۔!! جس کی وجہ سے میری آنکھیں بالکل لال ہو گئی ہوں گی۔۔۔!!'' شہیرہ نے اٹھ کر دونوں کو دیکھا، اور واش روم میں جا گھسی۔ اس نے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا، تو حیرانگی سے جم گئی۔ اس کی دونوں آنکھوں کی سفیدی بالکل ریڈ ہوگئی تھی۔ جیسے اس میں خون کی سرخی جم گئی ہو۔ اس نے منہ ہاتھ دھویا۔ اور باہر نکل آئی۔ وہ دونوں ابھی تک اسی جگہ کھڑے تھے۔

''تمہیں ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے۔۔۔!! کہیں زخم نہ بن جائے۔۔۔!!'' قیص نے فکرمندی سے کہا۔

''نہیں۔۔۔!! میری آنکھیں کچھ دن کے بعد ٹھیک ہو جائیں گی۔۔۔!!'' شہیرہ نے اپنا دوپٹہ اٹھا کر کندھے پر ڈالا۔ کیف قیص کو اشارے کر رہا تھا۔

''شہیرہ۔۔۔!! قیص ٹھیک کہہ رہا ہے۔۔۔!! لاپرواہی کی صورت میں آنکھیں خراب ہو سکتی ہیں۔۔۔!!'' کیف نے اس کے قریب جا کر کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔۔۔!! میں خود چلی جاؤں گی۔۔۔!!'' اس نے اپنے الماری سے سن گلاسز نکال کر آنکھوں پر لگائے۔ اور باہر چلی گئی تو قیص اور کیف نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

☆.....☆.....☆

ناشتے کی ٹیبل پر شہیرہ سن گلاسز آنکھوں پر لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ چائے کی پیالی اس کے سامنے پڑی تھی۔ مگر وہ کب کی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس نے کسی بھی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اس کے دماغ میں کچھ چل رہا تھا۔

''الفاظ کا اثر ہو رہا ہے۔۔۔!! ذہن پر پاگل پن کے دورے پڑنے شروع ہو چکے ہیں۔۔۔!!! اب میں عمل ادھورا بھی نہیں چھوڑ سکتی۔۔۔!! کتاب میں لکھا تھا۔ عمل کرنے والا بھی ان ہی الفاظ کے زیر اثر آجاتا ہے۔۔۔!! اس لیے میری آنکھیں دن بدن لال ہو رہی ہیں۔۔۔!! خیر بس کچھ دن کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔!!'' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ٹیبل سے چائے کی پیالی اٹھا کر لبوں سے لگائی۔ ایک گھونٹ بھرنے کے بعد پیالی اس نے رکھ دی۔

''بانو بیگم۔۔۔!!'' شہیرہ نے چیخ کر ملازمہ کو آواز لگائی۔ کچھ دیر بعد ایک عمر رسیدہ سی عورت شہیرہ کے پاس آگئی۔

''جی چھوٹی مالکن۔۔۔!!'' وہ خود اعتمادی سی اس کے پاس کھڑی تھی۔

''بانو بیگم۔۔۔!! یہ کیا ٹھنڈی چائے لے آئی ہو۔۔۔!! جاؤ گرم چائے لاؤ۔۔۔!!'' شہیرہ نے غصے سے کہا۔ بانو بیگم حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''ایسے حیرت سے کیا دیکھ رہی ہو؟'' شہیرہ چیخی۔ وہ کبھی نہیں چیخی تھی۔ بانو بیگم نے جلدی سے اس

کے سامنے پڑی ہوئی پیالی اٹھائی، اور چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ گرما گرم چائے اس کے سامنے رکھ چکی تھی۔

''چھوٹی مالکن۔۔۔!! یہ گرم چائے۔۔۔!!''

شہیرہ خیالوں کی دنیا سے باہر نکل آئی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور بانو بیگم چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

''دراصل۔۔۔!! میں ڈاکٹر کے پاس آئی تھی۔۔۔!! سوچا آپ اور زُمر سے بھی ملتی چلوں۔۔۔!! زُمر کہاں ہے؟'' شہیرہ نے عریش سے پوچھا۔

''وہ دو دن سے نہیں آرہی ہے۔۔۔!! پتہ نہیں کیا ہوا ہے؟ آئیں۔۔۔!! آفس کے اندر آجائے۔۔۔!!'' عریش نے اخلاقیات نبھائی۔

''میں آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں۔۔۔!!'' شہیرہ نے سسپنس سے بھرپور لہجے میں کہا۔

''کیا؟ آپ بتائیں۔۔۔!!'' عریش نے کہا۔

''عریش۔۔۔!! میں کچھ دنوں سے خواب دیکھ رہی ہوں۔۔۔!! '' شہیرہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔ عریش حیران ہوگیا۔

''کونسا خواب؟'' عریش نے پوچھا۔

''میں خواب میں دیکھتی ہوں۔۔۔!! زُمر پاگل ہو رہی ہے۔۔۔!! اور وہ پاگل پن میں مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔۔۔!! میں ڈر کر اٹھ جاتی ہوں۔۔۔!! مجھے زُمر کی فکر ہو رہی ہے۔۔۔!! میں اُسے دیکھنا چاہتی ہوں۔۔۔!! میں اس کے گھر جانا چاہتی ہوں۔۔۔!! وہ کہاں ہے؟'' بات کرتے ہوئے اچانک عریش کی نظر شہیرہ کے ہاتھ پر پڑی۔

'' شہیرہ۔۔۔!! خواب کونسے سچے ہوتے ہیں۔۔۔!! یہ تمہارا وہم ہوگا۔۔۔!! جو چیز زیادہ سوچی جاتی ہے۔۔۔!! وہ رات کے اندھیرے میں خوابوں میں آنے لگتی ہے۔۔۔!!!''

''نہیں۔۔۔!! یہ وہمی خواب نہیں ہے۔۔۔!! یہ مجھے مسلسل نظر آرہا ہے۔۔۔!! پلیز تم مجھے زُمر کے گھر لے چلو کہ۔۔۔!!'' عریش دونوں ہونٹ آپس میں جما کر ہوں کی آواز میں سر ہلایا۔ اب وہ دونوں زُمر کے گھر جارہے تھے۔ گاڑی عریش چلا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

زُمر کے کمرے میں شہیرہ اس کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی۔ دو دنوں میں وہ انتہائی کمزور ہو چکی تھی۔ شہیرہ کو اس کی حالت دیکھ کر عجیب سی طمانیت ہو رہی تھی۔ زُمر کے ماں باپ نے عریش کو زُمر کی حالت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ اسے ان دو دنوں میں کئی ڈاکٹرز کو دکھایا تھا۔ زُمر کسی کو بھی نہیں پہچان پا رہی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے سب کچھ بھولتی جا رہی تھی۔ وہ اپنے بالوں میں انگلیاں ڈال کر زور، زور سے جھٹکے دیتی رہتی، سارا دن پاگلوں کی طرح ہنستی رہتی تھی۔

شہیرہ زمر کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیر رہی تھی۔ مگر اس کی زہریلی سوچ کسی کو سنائی نہیں دے رہی تھی۔

''زُمر ابھی تو دونوں کا عمل باقی ہے۔۔۔!! اور تمہاری یہ حالت ہوگئی ہے۔۔۔!! جس دن میں عمل مکمل کروں گی۔۔۔!! اس دن تم بالکل سچ مچ کی پاگل ہوجاؤ گی۔۔۔!! اور تمہارا گھر پاگل خانہ ہوگا۔۔۔!!'' اس نے زُمر کے سامنے اپنا چہرہ قریب کیا۔ اور اس کو دیکھنے لگی۔ زُمر جو چھت کو گھور رہی تھی۔ اچانک اس کو دیکھنے لگی۔ اس کو سن گلاسز کے شیشوں میں اپنا عکس نظر آیا۔ وہ ایک دم سے بے چین ہو گئی۔ جیسے ہی شہیرہ نے اس پر اپنا چہرہ جھکایا۔ پوری قوت سے زُمر نے اس کو اپنا سر دے مارا۔ شہیرہ کو جیسے سو والٹ کا جھٹکا لگا۔ وہ کئی قدم دور جا گری۔ پلنگ کے سائیڈ سے وہ گر کر اوندھے منہ پڑی تھی۔ کالے رنگ کا چشمہ اس کی آنکھوں سے دور جا گرا تھا۔ یہ سب کچھ بالکل اچانک ہوا تھا۔ جیسے ہی عریش نے دیکھا، وہ کود کر شہیرہ کو اٹھانے کے لیے جھکا۔

اسی لمحے زُمر کا ایک ہاتھ رسی ڈھیلی ہونے کی وجہ سے کھل چکا تھا، شہیرہ نے سیدھے ہو کر اسے دیکھا، وہ ڈر کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ شہیرہ کی دونوں آنکھیں

Pakistanipoint

بالکل لال انگارہ خون آلود تھیں۔شہیرہ نے جلدی سے اپنا چشمہ اٹھا کر آنکھوں پر لگالیا۔اب شہیرہ خود کو کمپوز کر رہی تھی۔شہیرہ زُمر کی طرف دیکھنے لگی۔شہیرہ اس کی طرف بڑھی، جیسے ہی وہ اس کی قریب ہوئی۔زُمر چیخنے لگی۔اسے شہیرہ کے دونوں گلاسز میں اپنا عکس نظر آرہا تھا۔شہیرہ اس بات سے بے خبر تھی۔زُمر نے ہاتھ کی انگلی شہیرہ کے چہرے کی طرف کردی۔

''اس کو یہاں سے باہر نکالو۔۔۔!! یہ میری دشمن ہے۔۔۔!!یہ میرا پیچھا مر کر چھوڑے گی۔۔۔!! میری زندگی کو اسی نے عذاب بنا دیا ہے۔۔۔!!یہ پھر سے میرے گھر میں میرا تماشا دیکھنے آگئی ہے۔۔۔!!'' زُمر نے گلہ پھاڑ کر کہا۔وہ شہیرہ کو کینہ توز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔شہیرہ گڑ بڑائی۔عریش ان دونوں کو حیرت سے دیکھنے لگا۔اس کی اٹھی ہوئی انگلی شہیرہ کے چہرے کی طرف تھی۔شہیرہ دھیرے دھیرے اس کے قریب چلی گئی۔

''زُمر تم کیا کہہ رہی ہو۔۔۔!!تم جانتی نہیں ہو۔۔۔!!میں نے کچھ نہیں کیا ہے؟'' وہ کپکپاتے لہجے میں صفائی پیش کرنے لگی۔

''اسے یہاں سے باہر نکالو۔۔۔!!یہ ہی میری خوشیوں کی قاتل ہے۔۔۔!!یہ مجھے مار ڈالے گی۔۔۔!! بار بار کیوں میرے پیچھے آجاتی ہے۔۔۔!!'' زُمر اس کے چہرے پر لگے گلاسز میں اپنے عکس کو دیکھ کر زور زور سے کہہ رہی تھی۔اور سب سمجھ رہے تھے کہ وہ شہیرہ کو دیکھ کر کہہ رہی ہے۔

''شہیرہ۔۔۔!! یہ اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔۔۔!!پلیز تم یہاں سے چلی جاؤ۔۔۔!!'' عریش نے شہیرہ سے کہا۔شہیرہ اثبات میں سر ہلا کر وہاں سے بھاگتی ہوئی چلی گئی۔عریش زُمر کو قابو کرنے لگا،مگر وہ کسی طور قابو نہیں ہو رہی تھی،اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیر رہے تھے۔کچھ دیر کے بعد وہ قابو میں آگئی تھی۔اب عریش اس کے بھائی سے ساری تفصیلات جاننے کی کوشش کر رہا تھا اور نائل سے بتایا نہیں جا رہا تھا۔

''انکل۔۔۔!! میں زُمر کو کسی دوسرے دماغی ڈاکٹر کو دکھانا چاہتا ہوں۔۔۔!!''

''بیٹا۔۔۔!! جس سائیکاٹرسٹ کو ہم نے دکھایا تھا۔۔۔!!اس کے بعد کئی ڈاکٹرز کو دکھایا۔اب تو ڈاکٹرز کا بھی یہی کہنا ہے۔۔۔!!اسے مینٹل اسپتال میں ایڈمٹ کرائیں۔۔۔!!'' وہ آخر میں منہ چھپا کر رونے لگا۔

''مینٹل اسپتال میں تو پاگلوں کو داخل کرایا جاتا ہے۔۔۔!!'' عریش نے شاک میں کہا۔

''ہاں۔۔۔!! ڈاکٹرز کا کہنا ہے۔۔۔!! یہ بس نوے فیصد پاگل ہوچکی ہے۔۔۔!! دس فیصد اس کا دماغ کام کر رہا ہے۔۔۔!! شاید وہ بھی کام کرنا چھوڑ دے۔۔۔!!'' زُمر کی ماں تو جیسے صدمے سے ڈھے گئی تھی۔

''انکل۔۔۔!! پلیز۔۔۔!! منع مت کریں۔۔۔!! میں اپنے دل کی تسلی کے لیے اسے لے کر جا رہا ہوں۔۔۔!! نائل میرے ساتھ چلے گا۔۔۔!!''

''ٹھیک ہے بیٹا۔۔۔!! مگر اللہ میری بچی کو جلد سے جلد صحت یاب کردے۔۔۔!!'' عریش اٹھا،اس نے ایمبولنس کو کال کردی۔کچھ دیر کے بعد وہ ایمبولنس میں جا رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

شہیرہ اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑی تھی،اس نے اپنی آنکھوں سے چشمہ ہٹا دیا تھا۔وہ خود کو دیکھ کر جیسے ڈر سی گئی۔اس کی آنکھوں میں سرخ رنگ کے دھبے سے نظر آرہے تھے۔اس نے دوبارہ آنکھوں پر چشمہ لگایا۔اور الماری سے کتاب نکال لی۔وہی جادوئی کتاب جو وہ لائبریری سے لائی تھی۔کتاب کا بیک سائیڈ وہ دیکھنے لگی۔یہ کسی بڑے جادوگر نے لکھی تھی۔

پھر اس نے کتاب واپس رکھ دی۔اور پلنگ پر بیٹھ گئی۔اب وہ رات کا انتظار کر رہی تھی۔اچانک اس کے موبائل پر ایمل کا فون آیا۔اس نے نہیں اٹھایا،وہ

کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی، زُمر کے الفاظ نے جیسے اسے خود نیم پاگل کر دیا تھا۔ بار بار زُمر کی انگلی جو اس کی طرف اٹھی ہوئی تھی، وہ اس کے دماغ میں جیسے بیٹھ گئی تھی۔

''ایک پاگل لڑکی کیسے اتنی سمجھ دار ہو سکتی ہے۔۔۔!! وہ بار بار مجھے کیوں کہتی ہے۔۔۔!! میں جب بھی اس کے سامنے جاتی ہوں۔۔۔!! وہ مجھ پر چیختی ہے۔۔۔!! یہ سب اتفاق نہیں ہے۔۔۔!! میرے خیال میں وہ مجھے پہچانتی ہے۔۔۔!! کیا عریش کو شک ہو گیا ہے۔۔۔!! نہیں۔۔۔!! ایک پاگل انسان کے بات کا کیا بھروسہ؟ عریش نے اس کا پاگل پن جان کر اسے نظر انداز کر دیا ہوگا۔'' وہ خود کو دلاسے دینے لگی۔ مگر وہ بے سکون تھی، اسے کسی صورت چین نہیں مل رہا تھا۔ وہ یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں بے چینی سے جلے پیر کی بلی بن کر چکرا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

عریش اور نائل کے چہروں سے پریشانی صاف ظاہر ہو رہی تھی، ڈاکٹر نے زُمر کے دو تین گھنٹے کی چیک اپ اور ٹیسٹ کے بعد، انھیں لاسٹ آپشن اسے پاگل خانے میں ایڈمٹ کرانے کے لیے کہہ دیا تھا۔ یہ ڈاکٹر عریش کے فیملیز سے تھا۔ اس نے زُمر کا ہر طرح سے چیک اپ کیا تھا۔ مگر اس پر پاگل پن کے دورے بدستور پڑ رہے تھے۔ وہ چیختی چلاتی، چیزیں اٹھا کر مارتی، اور ہسٹریائی دوروں میں گم ہو جاتی۔ عریش نے نائل سے زُمر کو گھر لے جانے کو کہہ دیا تھا۔ اور خود ڈاکٹر کے روم میں اسے ملنے چلا گیا۔

ڈاکٹر اسفر اس کے سامنے تھا۔

''عریش۔۔۔!! یہ پیشنٹ بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے۔۔۔!! اس کا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔۔۔!! میری مانیں تو اسے پاگل خانے میں ایڈمٹ کرا دیں۔۔۔!!'' ڈاکٹر اسفر نے جیسے عریش کا دل چھلنی کر دیا۔

''مگر ڈاکٹر چند دن پہلے یہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔۔۔!! مجھے سمجھ نہیں آ رہی ہے۔۔۔!! اس کے دماغ نے کام کیسے کرنا چھوڑ دیا۔۔۔!! یہ کیسے پاگل ہو سکتی ہے۔۔۔!! یہ تو اپنی باقاعدہ جاب بھی کر رہی تھی۔۔۔!!'' عریش نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے پوچھا۔

''عریش۔۔۔!! دراصل انسان بہت نازک ہے۔۔۔!! اس بات پر میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔۔۔!! اگر اسے گھر میں رکھیں گے۔۔۔!! تو یہ کسی کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔۔۔!! ویسے جتنا وقت اس نے یہاں گزارا ہے۔۔۔!! اس ٹائم زُمر نے ایک بات بھی درست نہیں کہی ہے۔۔۔!! اس کے سارے حرکات و سکنات بالکل مینٹل لیول تک پہنچ گئے ہیں۔۔۔!! یہ رفتہ رفتہ مزید بھولنے کی کنڈیشن میں ہے۔۔۔!!''

''ڈاکٹر۔۔۔!!! ابھی تو ہم اسے گھر لے جا رہے ہیں۔۔۔!! پاگل خانے میں تو یہ بالکل بھی کیئر لیس ہو جائے گی۔۔۔!! وہاں اگر یہ ایک بار چلی گئی۔۔۔!! تو ساری زندگی نہیں نکل سکے گی۔۔۔!!''

''مگر عریش اس کی مینٹل لیول بالکل بھی گھر میں رکھنے والی نہیں ہے۔۔۔!! یہ بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے۔۔۔!! ویسے میں کچھ میڈیسن لکھ رہا ہوں۔۔۔!! اس سے یہ زیادہ سے زیادہ سوئے گی۔۔۔!! اور اس کے دماغ کو سکون ملے گا۔۔۔!! مگر اسے آخر کار مینٹل اسپتال ہی بھیجنا ہوگا۔۔۔!!'' ڈاکٹر نے کہا۔ عریش نے سر اثبات میں سر ہلایا۔ اور باہر نکل آیا۔ اب وہ واپس گھر جا رہے تھے۔ مگر اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیر رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

عریش نے اسے گھر چھوڑا، اور وہاں سے ساحل سمندر کنارے چلا گیا۔ وہ سمندر کنارے بیٹھ کر کچھ دیر دل کھول کر رونا چاہ رہا تھا۔ بے آواز کئی آنسو اس کی آنکھوں سے سمندر کنارے ریت میں گر گئے۔ اچانک اس کا موبائل بجنے لگا۔ بے ساختہ وہ چونک اٹھا، اس نے موبائل اٹھا کر آنکھوں کے سامنے

کیا۔ ایمل اسے کال کر رہا تھا۔ اس نے بے دلی سے کال ریسو کر لی۔ اس کا لہجہ بھرا ہوا تھا۔

''ہیلو۔۔۔!!'' اس نے بھاری دل سے کہا۔

''عریش۔۔۔!! کیسے ہو؟'' ایمل کی ہشاش بشاش آواز سنائی دی۔

''ایمل۔۔۔!! پلیز تم ساحل سمندر آجاؤ۔۔۔!! میری طبیعت بہت خراب ہے۔۔۔!! ورنہ میں سمندر میں کود کر جان دے دوں گا۔۔۔!!'' عریش کو خود پر کچھ اختیار نہ رہا۔ وہ روتے ہوئے بولنے لگا۔

''عریش۔۔۔!! کیا ہوا ہے؟ میں ابھی کچھ دیر میں آرہا ہوں۔۔۔!! تم کونسی جگہ پر ہو۔۔۔!!''

''میں تمہیں لوکیشن بھیجوا دیتا ہوں۔۔۔!!'' عریش نے کہا۔ اور فون بند کر دیا۔ اب عریش ایمل کے سامنے تھا۔ وہ گاڑی روک کر ڈوبتا ہوا عریش کے پاس جانے لگا۔ عریش ساحل سمندر کی موجیں دیکھ رہا تھا۔

''یار۔۔۔!!! کیا ہوا ہے؟'' ایمل نے دھڑکتے دل کے ساتھ عریش کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ عریش نے مڑ کر اسے دیکھا۔ اور فوراً اس کے کندھے سے لگ کر رونے لگا۔ ایمل کو کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا تھا۔ وہ جیسے خود بے دم ہوا جا رہا تھا۔

''عریش کیا ہوا ہے؟'' وہ گھمبیر سے لہجے میں دوبارہ پوچھنے لگا۔

''ایمل۔۔۔!! میری دنیا لٹ گئی ہے۔۔۔!!! اور مجھے پتہ تک نہ چل سکا۔۔۔!! میں اتنا بے خبر ٹھہرا کہ کچھ بھی نہیں کر سکا۔۔۔!!'' اس کے موٹے آنسو ایمل کے شرٹ میں جذب ہونے لگے۔ ایمل نے اسے آفسردگی سے دیکھا۔

''یار کیا ہوا ہے؟ ایسے کیوں کہہ رہے ہو؟''

''تمہیں شہیرہ نے کچھ بھی نہیں بتایا ہے؟'' عریش نے اسے زخمی نگاہوں سے دیکھا۔

''میرا کئی دن سے شہیرہ سے رابطہ ہی نہیں ہو رہا ہے۔۔۔!! پتہ نہیں وہ کون سے ایسے عمل میں مصروف ہوگئی ہے۔ کہ میرا فون تک اٹینڈ نہیں کر رہی ہے۔۔۔!!''

''ایمل۔۔۔!! وُہ مر پاگل ہوگئی ہے۔۔۔!!'' رک رک کر عریش نے اسے روتے ہوئے بتایا۔ ایمل بالکل شاک میں چلا گیا۔ اس کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کہے بھی تو کیا کہے، کتنی مشکل سے وہ الفاظ جوڑ توڑ کر اسے سہارا دے کر سنبھال رہا تھا۔ عریش اسے اب سب کچھ بتانے لگا، اور آخر میں وہ بے دم سا لہرانے لگا۔ عریش کو اس نے بڑے مشکل سے کھڑا کر رکھا تھا۔ ایمل اس کی گاڑی کو چھوڑ کر اپنے گاڑی میں اپنی گھر اسے لے گیا تھا۔ اسے اس وقت یہی بہتر حل نظر آیا تھا۔

☆.....☆.....☆

شہیرہ اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی، وہ اپنی آنکھوں میں آئیز ڈراپس ڈال رہی تھی۔ کل رات بھی اس نے کامیابی سے عمل کر لیا تھا۔ کل سے ایمل اسے فون کر کر کے تھک گیا تھا، مگر اس نے اٹھایا نہیں تھا۔ ابھی بھی صبح صبح ایمل کا فون آرہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی دن بدن بڑھ رہی تھی، جیسے اس کی آنکھوں کی سفیدی زخمی ہوگئی ہو۔ اور اس میں خون پھیل رہا ہو۔ اچانک ایک بار پھر سے اس کا موبائل ٹنٹنا اٹھا، اس نے ناگواری سے موبائل اٹھا کر آنکھوں کے سامنے کر لیا اور موبائل رکھ کر کانوں میں ہینڈ فری ٹھونستے ہوئے کال اٹھائی۔

''ہیلو۔۔۔!!'' شہیرہ نے آنکھوں پر سن گلاسز لگائے۔ اب اس کی سرخ آنکھیں نظر نہیں آرہی تھیں۔

''شہیرہ کیا ہو گیا ہے؟ تم رابطہ کیوں نہیں کر رہی ہو؟ میں کال کر کر کے تھک گیا ہوں۔۔۔!! تم کیا مجھ سے ناراض ہو۔۔۔!!''

''نن نہیں۔۔۔!! ایمل میں کیوں تم سے ناراض ہونے لگی۔۔۔!!''

''تو پھر یہ مجھ سے اتنا سب کچھ کیوں چھپایا؟'' ایمل کی بات سن کر شہیرہ کو اچنبھا سا ہوا۔

''میں کچھ سمجھی نہیں۔۔۔!!'' کچھ دیر بعد سوچنے کے بعد وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔

''زُمر پاگل ہوگئی ہے۔۔۔!! اس بارے میں۔۔۔!! عریش کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی ہے۔۔۔!! وہ اس کے غم میں صدمے سے نڈھال ہوگیا ہے۔۔۔!!''

''کیوں عریش کو کیا ہوا ہے؟'' شاک کے انداز میں وہ پلنگ سے اٹھ گئی۔

''بیچارے کی پوری دنیا تباہ ہوگئی ہے۔۔۔!! اور تم پوچھ رہی ہو کہ کیا ہوا ہے؟ تم مجھے کب سے غیر سمجھ کر نظر انداز کرنے لگی۔'' ایمل نے گلہ کیا۔

''ایمل۔۔۔!! میں زُمر کو دیکھنے گئی تھی، مگر اس کی حالت دیکھ کر میں اتنا روئی کہ میرا دل ہر چیز سے اچاٹ ہوگیا۔ میری آنکھیں جلن کی وجہ سے سرخ ہوگئی ہیں۔ ان دو راتوں میں ایک سیکنڈ کے لیے بھی سو نہ سکی ہوں۔۔۔!! میں تو خود اتنی حیران ہوں کہ کوئی ٹھیک ٹھاک زی شعور بندہ کیسے پاگل ہوسکتا ہے۔۔۔!!'' شہیرہ گڑبڑا کر وضاحت دینے لگی۔

''اچھا۔۔۔!! تم زُمر کو دیکھنے جاؤ۔۔۔!! عریش بے ہوش ہوگیا ہے۔۔۔!! میں اسے اپنے گھر لے کر آگیا ہوں۔۔۔!!'' ایمل نے کہا۔

''ایمل۔۔۔!! تم عریش کو اسپتال لے جاتے۔۔۔!! اور میری آنکھوں میں الرجی ہوگئی ہے۔۔۔!! دونوں بالکل ریڈ ہوگئی ہیں۔۔۔!! اور اس میں خارش اور سوجن بھی ہوتی ہیں۔۔۔!! میں نہیں جا سکوں گی۔۔۔!!''

''تم بہانے مت بناؤ۔۔۔!! میں جب بھی تم سے کوئی کام کا کہہ دوں۔۔۔!! تم اسی طرح کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتی ہو۔۔۔!!'' ایمل نے اسے سنایا۔

''ایمل میں کوئی بہانہ نہیں بنا رہی۔۔۔!! اگر تم کہہ دیتے ہو۔۔۔!! تو تم آجاؤں۔۔۔!! ہم ساتھ چلتے ہیں۔۔۔!! کیونکہ میری آنکھیں واقعی میں خراب ہوگئی ہیں۔۔۔!! میں ڈرائیو نہیں کرسکتی ہو۔۔۔!!'' شہیرہ نے کہا، تو ایمل سوچ میں پڑ گیا۔

''اوکے۔۔۔!! عریش کو ہوش آجائے تو کچھ کرتا ہوں۔۔۔!!'' عریش کے ہوش میں آنے کے بعد اسے اس کے گھر چھوڑ کر ایمل شہیرہ سے ملنے اس کے گھر آیا۔ اس نے کال پر شہیرہ کو باہر بلایا۔ جب وہ باہر ملنے آئی، تو اس نے اس کو دکھانے کے لیے سن گلاسز اتار دیے۔ وہ اسے دیکھ کر ڈر گیا۔ اس کی پانچ انگلیوں پر سفید پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ایمل غصے سے اسے چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ دونوں میں ہلکی سی تلخ کلامی بھی ہوئی تھی۔ مگر یہ شہیرہ نے کی تھی۔ وہ اس پر چیخی تھی، کہ وہ اس پر کوئی یقین نہیں کرتا ہے۔

☆.....☆.....☆

آج شہیرہ کے عمل کی آخری رات تھی۔ وہ رات کے ایک بجے کے بعد کمرے سے باہر نکل آئی، اس نے چپکے سے دیوار کی پچھلی طرف چھوٹے دروازے سے باہر نکل کر سڑک پر تیز تیز چلنا شروع کردیا۔ اب اس کے ایک ہاتھ میں لوڈ پستول تھا۔ پستول ہاتھ میں لے کر اس کا سارا ڈر ختم ہو جاتا تھا۔ وہ سڑک پار گئی۔ اور قبرستان کے گیٹ سے اندر داخل ہوگئی۔ ٹارچ کی روشنی میں وہ قبرستان میں آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئی۔ اب وہ اپنے مطلوبہ کمرے میں موجود تھی۔ اس نے چابی نکال کر تالا کھول لیا۔ اب وہ اندر تھی، اس نے دروازہ بند کر دیا۔ اور ٹارچ روشن کر کے بیٹھ گئی۔ وہ اب تھیلے سے عمل کی چیزیں نکال رہی تھی۔ اب وہ زُمر کا نام لکھ رہی تھی، اس لکھے نام میں ساری سوئیاں گھسیڑنے کے بعد اس نے کالے دھاگے ایک طرف رکھ دیے۔ اس کے ہاتھ میں رنگین پتھروں کی مالا تھی۔ وہ منتر پڑھنے لگی۔ ایک بار پڑھنے کے بعد زُمر کے لکھے نام میں ایک سوئی میں کالا دھاگہ ڈال دیا، اب وہ دوبارہ منتر پڑھنے لگی۔ اسی طرح کرتے کرتے وہ تیس بار سے زیادہ عمل پڑھ چکی تھی۔

اچانک دروازے کے باہر کٹکے کی آواز سنائی دی۔ شہیرہ نے چونک کر دروازے کو دیکھا۔ وہاں سے کالے رنگ کا دھواں اندر داخل ہو رہا تھا۔ شہیرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے دھویں کو دیکھا۔ وہ کالے بادلوں کی طرح گھنا ہوتا چلا گیا۔ اور

اس سے کمرہ بھر گیا۔ شہیرہ ڈر کے مارے کانپنے لگی۔ آج عمل کرنے کی آخری رات تھی۔ اور اس سے پہلے کسی رات میں اس طرح کالا دھواں نظر نہیں آیا تھا۔ اس پر کپکپاہٹ طاری ہونے لگی۔ وہ دھواں سگریٹ کے دھویں کی طرح اس کے اردگرد منڈلانے لگا۔

اچانک اس دھویں میں دو بھیانک آنکھیں نظر آنے لگیں۔ اب وہاں ایک چہرہ بن رہا تھا۔ وہ انتہائی بھیانک چہرہ تھا۔ دھویں میں کسی شیطان کے چیلے کا وحشت ناک چہرہ دکھائی دینے لگا۔ شہیرہ کانپتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اس کا ہاتھ کپکپا رہا تھا۔ وہ کالا آسیب تھا۔ جو اسے ڈرانے کے لیے آگیا تھا۔

اچانک شہیرہ کے ذہن میں دھماکہ سا ہوا۔ کتاب کے کسی دوسرے عمل میں یہ بات لکھی تھی۔ کسی بھی عمل کی آخری رات بہت بھاری ہوتی ہے۔ بڑے شیطانی جنات انسانوں کو ڈرانے کے لیے عمل سے بھٹکانے کے لئے بھیانک روپ میں آجاتے ہیں، اور جو انسان ڈر کر عمل چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ وہ آسیب یا تو اس پر حاوی ہو کر اس کے اندر گھس جاتا ہے۔ یا بدلے میں اس کی جان لے لیتا ہے۔

''آج آخری رات ہے۔ یہ بھیانک شے مجھے عمل سے بھگانے آئی ہے۔ میں کسی صورت نہیں بھاگوں گی۔۔۔!!'' شہیرہ نے دل ہی دل میں خود سے کہا، اور اپنی جگہ پر واپس آسانی سے بیٹھ گئی۔

اچانک اس بلا نے منہ سے آگ نکالی۔ جو شہیرہ کے جسم کے اردگرد دائرے کی صورت میں پھیلتی چلی گئی۔ مگر شہیرہ کو کوئی گرمائش نہیں لگ رہی تھی۔ شہیرہ نے پتھروں کی مالا رکھ کر اپنے بیگ سے پستول نکال لیا۔ اور اس بھیانک عفریت کے چہرے کا نشانہ لے کر اپنے کپکپاتے ہاتھ پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ بھیانک شکل کا دھواں اب قہقہے لگا رہا تھا، کچھ دیر بعد اس نے بلا کی آنکھوں کے درمیان کا نشانہ باندھ کر گولی چلا دی۔ قبرستان میں فائر کی آواز سنائی دی۔ گولی سیدھی بلا کے ماتھے پر لگ گئی۔

اچانک دھویں میں جیسے خون کی بارش ہونے لگی۔ وہ بلا زمین بوس ہوتی چلی گئی۔ اور ہر طرف سے بین کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ شہیرہ نے آنکھیں بند کرلیں۔ اور دوبارہ کچھ دیر بعد کھول دی۔ اب اس کے ہاتھ میں وہی پتھروں کی مالا تھی۔ جس کے درمیان میں ڈوری نظر آرہی تھی۔ اس نے دوبارہ منتر جاری کیا۔ اور آرام سے اپنا عمل کرنے لگی۔ اب عمل کرتے کرتے وہ آخری پتھر پر رک گئی۔ اس نے مسکرا کر منتر پڑھا، اور آخری مالا کا پتھر بھی آگے کردیا۔ اس نے خنجر اٹھا کر اپنی انگلی پر کٹ لگایا۔ خون کے تین قطرے زُمر کے نام پر ڈالے، اور جلدی سے انگلی کی پٹی کردی۔ وہ کچھ دیر ایسے ہی بیٹھی رہی۔ پھر وہ بے یقینی سے اٹھی۔ اس نے وہیں زمین کھود کر پتھروں کی مالا دفنادی، مٹی سوئیوں کے اوپر ڈالنی شروع کردی۔ زُمر کے نام میں وہ ساری سوئیاں گڑی رہنے دی۔ اس میں وہ کالے دھاگے موجود تھے۔ وہاں کمرے میں کافی ساری مٹی موجود تھی۔ وہ ہاتھوں کی مدد سے مٹی اٹھا اٹھا کر سوئیوں پر ڈالتی چلی گئی۔ وہ اس کام میں پسینے میں بری طرح سے نہا چکی تھی۔ مگر جب تک وہ سوئیوں کو مٹی میں گم نہ کردیتی۔ وہ تب تک جا نہیں سکتی تھی۔

سخت محنت کے بعد اس نے ساری سوئیاں مٹی میں گم کردی۔ اب وہاں ایک چھوٹا مٹی کا ٹیلا نظر آرہا تھا۔ شہیرہ نے اپنا ٹارچ اٹھایا۔ اپنا بیگ کندھے پر ڈال کر اس میں سے تالا نکال لیا۔ اور کمرے کے دروازے کو باہر سے تالا لگا کر وہ قبرستان سے باہر جانے لگی۔ ہر طرف سے سرد ہوائیں چل رہی تھی۔ مگر وہ ہر چیز سے لاپرواہ تھی۔ کچھ دیر بعد وہ قبرستان کے پرانے پھاٹک سے باہر نکل رہی تھی۔ اب وہ سڑک پر موجود تھی۔ سڑک پار کرتے ہوئے وہ بنگلوں کے قریب پہنچ گئی۔

اچانک وہ مسکراتے ہوئے اپنی گلی میں داخل ہوگئی۔ اس کے لبوں پر ذہن خندسی مسکان چھائی ہوئی تھی۔ وہ پچھلے چھوٹے دروازے سے گھر کے اندر داخل ہوگئی۔ اور گیٹ بند کردیا۔ اب وہ خراماں خراماں اپنے

کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ وہ پر سکون تھی۔ کمرے میں پہنچ کر وہ بستر پر ڈھے کر گر گئی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی ٹھنڈک اتر رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر سامنے سنگار میز کی طرف دیکھا۔ اسے حیرانگی ہوئی۔ اس کی آنکھوں کی سرخی غائب ہو رہی تھی۔ اب وہاں بالکل بھی سرخی نہیں تھی، اس کی آنکھوں کے خون آلود دھبے ختم ہو چکے تھے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور پلنگ پر لیٹ گئی۔ اچانک اس کی انگلیاں بھی بالکل ٹھیک ہو گئیں، ساری پٹیاں خود بخود اتر گئیں۔ کچھ دیر بعد وہ مزے سے نیند کی وادیوں میں گم ہو چکی تھی۔

☆.......☆.......☆

زُمر رات کے آخری پہر چیخ مار کر اٹھ بیٹھی۔ اس کا دماغ آگ کی طرح دہک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی سرخی نظر آ رہی تھی۔ وہ چیخنے لگی۔ کمرے میں بری طرح سے پاگلوں کی طرح چکرانے لگی۔ اس کے ماں باپ نے اسے رات کو نشے کی گولیاں دی تھیں۔ ایک نشہ آور انجکشن بھی لگایا تھا، مگر اس کے باوجود وہ اٹھ گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں جو بھی چیز آتی گئی۔ وہ اسے توڑتی چلی گئی۔ وہ کمرے میں طوفان بدتمیزی مچا کر ہر چیز کو درہم برہم کرتی چلی گئی۔

نائل، اس کے کمرے میں بھاگتا ہوا آیا۔ اس کو بھی کئی چیزوں سے مارا، وہ قہقہے لگاتی۔ اپنے بال نوچتی۔ گریبان میں ہاتھ ڈال کر چیختی چلاتی۔ اس نے اپنے ماں باپ کو بھی نہیں بخشا، جیسے ہی وہ دونوں اس کے کمرے میں آئے۔ اس نے ان پر بھی چیزوں سے وار کرنا شروع کر دیا۔ رات کے نجانے کونسے پہر تک یہ ہنگامہ چلتا رہا۔ اس کے بعد اس کی ماں نے خود ہی دل پر پتھر رکھ کر ایمبولنس کو کال کر دیا۔ اس کو قابو کر کے پاگل خانے لے گئے۔ زُمر کے ماں باپ، بھائی نائل جو خود زُمر سے مار کھا چکا تھا۔ اس کے ساتھ چلے گئے۔ مجبوری میں ان کو یہی بہتر حل لگا۔ زُمر کو پاگل خانے میں سارے پاگلوں سے الگ کر کے رکھا گیا۔ وہ کسی کو اپنے قریب نہیں چھوڑتی تھی۔ صبح اذانوں کے بعد وہ خاندان

شکست خوردہ سا واپس گھر آ گیا تھا۔ ان کی دنیا جیسے لٹ چکی تھی۔

☆.......☆.......☆

زُمر اس پہاڑ پر کھڑی تھی، جس کے نیچے ایک پوری ویلی نظر آ رہی تھی۔ یہ پہاڑ بادلوں میں گرا ہوا تھا۔ اس نے سفید لباس پہن رکھا تھا۔ اس کا دوپٹہ ہوا کے دوش پر لہلہا رہا تھا۔ وہ نیچے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔ اچانک پہاڑ کی چوٹی سے شہیرہ کا چہرہ ابھر آیا، اور پھر وہ پوری طرح سے دکھائی دینے لگی۔ اس کی آنکھیں بالکل سرخ ہو گئی تھیں۔ جیسے اس کی آنکھیں نہ ہوں۔ اس میں خون ہو۔ وہ قدم قدم چلتی ہوئی زُمر کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ زُمر کی پشت اس کی طرف تھی، اس کے قریب پہنچ کر اس نے بوؤں کی آواز منہ سے نکالی۔ اور زُمر ڈر کے مارے اچھل پڑی۔ شہیرہ کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ وہ اس کے گلے جا لگی۔ جب وہ اس کے گلے سے جدا ہو گئی۔ تو شہیرہ نے اس کو دیکھا۔ اور پھر اس پہاڑ سے نیچے کھائی کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ اچانک زُمر کے پیچھے جا کر اس نے پوری قوت سے زُمر کو دھکا دے دیا۔ زُمر پہاڑ کی اونچائی سے گرتی چلی گئی۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

عریش ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا۔ وہ ابھی تک اپنے حواسوں میں نہیں لوٹا تھا۔ وہ لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ یہ سب اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ جلدی سے جگ سے پانی گلاس بھر کر ایک ہی سانس میں چڑھا گیا۔ اب وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ مگر اس کے دل میں سکون نام کا نہیں تھا۔

☆.......☆.......☆

صبح، جب عریش زُمر کے گھر پہنچا تھا، تو اس کو شدید حیرانگی ہوئی تھی۔ اس کی ماں نے اسے روتے ہوئے بتایا کہ زُمر کو پاگل خانے میں ایڈمٹ کرا دیا ہے۔ وہ بنا وقت ضائع کیے بغیر وہاں سے سیدھا پاگل خانے کے لیے نکل گیا۔ وہ بہت رف ڈرائیو کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پاگل خانے کی عمارت میں داخل

Pakistanipoint

ہو رہا تھا۔ وہاں اسے بہت مشکلوں سے زُمر سے ملنے دیا گیا۔ زُمر کو سب سے الگ سیل میں رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ پیروں میں زنجیریں باندھی گئی تھیں۔ وہ حیرت سے زُمر کو دیکھ رہا تھا۔ زُمر کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ مگر وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھی۔

عریش نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی، مگر وہ ہر سوال پر مردہ آنکھوں سے اسے دیکھ کر نفی میں سر ہلا دیتی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اچانک ہسٹریائی انداز میں چیخنے لگی تھی، وہ شکست خوردہ قدموں سے واپس جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اداسی تھی۔ وہ گھر جا کر کمرے میں خود کو بالکل بند کرنا چاہتا تھا۔ اسے دنیا سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ اب وہ واپس جا رہا تھا۔ اس کی دنیا اسے بالکل اندھیر نظر آ رہی تھی۔

مگر وہ ساحل سمندر کنارے چلا گیا۔ وہاں بیٹھ کر وہ سوچنے لگا۔ اچانک پرانے خیالات نے اُسے جکڑ لیا۔ جب وہ ڈوب رہا تھا، اور زُمر اسے بچا رہی تھی، اسے دریا کے پانی سے نکالنے کے بعد وہ اس کو محبت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا، کچھ دیر بعد اس نے اسے بانہوں میں پکڑ لیا، مگر زُمر نے منع کر دیا۔ وہ ہنسا۔

اب دوسرا منظر اس کے آنکھ کے پردے پر چھا گیا۔ جب وہ ندی کے پل پر سے کودتے ایمل کے پیچھے کود رہی تھی۔ وہ ذہن کی آنکھ سے دیکھ رہا تھا۔ زُمر نے ندی کے پانی سے ایمل کو نکالا، اور پھر اسے ندی سے نکال کر کنارے پر لٹا کر اس کے اوپر بیٹھ کر اس نے ایمل کے منہ سے پانی نکالنے لگی۔ عریش نے دونوں آنکھیں بند کر رکھی تھیں، اور سارے مناظر کسی فلم کی طرح اس کے ذہن کے پردے پر چل رہے تھے۔ اچانک تیسرا منظر آیا۔ جس میں شہیرہ نے کھینچ کر زُمر کو ایمل سے الگ کیا۔ اب اس کی آنکھوں کے سامنے شہیرہ کا منظر آ گیا۔ اس کی کہی گئی بات اس کے ذہن میں جیسے گونجتی چلی گئی۔ جس میں شہیرہ زُمر سے کہہ رہی تھی۔

''زُمر۔۔۔!! عریش بھی تم سے بہت پیار کرتا ہے۔۔۔!!'' زُمر نے حیرانی سے پوچھا۔

''وہ کیسے۔۔۔'' جواب میں شہیرہ زُمر اور عریش کا ڈوبنے کا منظر بیان کرنے لگی۔ تب زُمر نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

''یہ تم نے کیسے دیکھا۔۔۔!! تم تو ہم سے بہت دور تھی۔'' شہیرہ نے کہا۔

''میری دور کی نظر کچھ زیادہ ہی تیز ہے۔۔۔!!'' اب ایک اور منظر اس کے ذہن کے پردے پر روشن ہو گیا۔ جب کچھ دنوں بعد وہ دونوں ساحل کنارے زُمر اور وہ شہیرہ کے دعوت پر گئے تھے۔ تب شہیرہ نے کہا تھا۔

''میں جادو کر رہی ہوں۔۔۔!!'' عریش نے بے چینی سے دونوں آنکھیں کھول دیں۔ اب ایک اور منظر اس کے ذہن میں اُبھر آیا۔ جس میں شہیرہ کے دو انگلیوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ پھر اس کا ذہن کچھ آگے چلا گیا۔ جس کے بعد زُمر بہکی اور پاگلانہ باتیں کرنے لگی تھی۔ پھر ایک دن شہیرہ اس کے آفس آئی تھی۔ جس میں وہ اپنے خواب کے بارے میں عریش کو بتا رہی تھی۔ پھر اس کا ذہن کچھ مزید آگے گیا۔ جس میں وہ دونوں زُمر کے گھر موجود تھے۔ اور تب زُمر نے اپنا سر مار کر شہیرہ کو اپنے پلنگ سے نیچے پھینکا تھا۔ تب اس کی پانچ انگلیاں پٹیوں میں جکڑی تھیں۔ اور اس کی آنکھوں پر کالے شیشوں کا چشمہ تھا۔ وہ چشمہ بھی، شہیرہ کی آنکھوں سے گر گیا تھا۔ اور اس کی خون آلود سرخ دھبے دار آنکھوں نے عریش کو ڈرا دیا تھا۔ اور پھر زُمر پاگل پن کی حالت میں اسے اپنے گھر سے نکال رہی تھی۔ بار بار اپنی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ اسے اپنی بربادی تباہی کی ذمہ دار ٹھہرا رہی تھی۔ عریش کا دل اور ذہن جیسے اس بات پر رک گئے تھے۔ آگے وہ جا ہی نہیں رہے تھے۔ اور آج رات اس نے یہ بھیانک خواب دیکھا تھا۔ جس میں شہیرہ زُمر کو بہت بڑے اونچے پہاڑ سے نیچے دھکا دے دیتی ہے۔

''جو کچھ بھی ہوا ہے۔۔۔!! اس میں شہیرہ کا پورا پورا ہاتھ ہے۔۔۔!! ورنہ کوئی اچھا بھلا انسان بھی

بھی ایسے پاگل نہیں ہوسکتا ہے۔۔۔!!'' عریش اپنی جگہ سے اٹھا۔اس نے اپنے آنسو آستین سے صاف کیے۔اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔وہ اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔

''مجھے شہیرہ سے اپنے طریقے سے سب معلوم کرنا ہوگا۔۔۔!!'' بار بار وہی سارے مناظر اس کے آنکھوں کے سامنے آرہے تھے۔اور اس کے خواب پر ختم ہوجاتے۔

''اگر میں نے کچھ نہ کیا۔۔۔!!تو شاید میں ہمیشہ کے لیے زُمر کو کھودوں گا۔۔۔!!'' اب وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

شہیرہ کو صبح سے چین نہیں مل رہا تھا،ساری رات جیسے کروٹوں کی نذر ہوگئی تھی۔اب وہ اٹھ کر صبح زُمر کے گھر آئی تھی،مگر یہاں آکر اسے مزید مایوسی ہوئی،زُمر کو پاگل خانے میں ڈال دیا گیا تھا۔وہ بھی زیادہ رکی نہیں،وہاں سے چلی گئی۔ابھی وہ ڈرائیو ہی کررہی تھی کہ اس کے موبائل پر عریش کی کال آنے لگی۔شہیرہ نے موبائیل نکال کر کان سے لگایا۔اس نے موبائل کی ہینڈ فری کانوں میں سیٹ کی۔اور کال اٹھالی۔

''ہیلو۔۔۔!!عریش کیسے ہو؟'' شہیرہ نے سڑک پر نگاہیں جمائی تھیں۔

''میں ٹھیک ہوں۔۔۔!! تم سے مجھے بہت ضروری کام ہے۔۔۔!! کہاں ملیں؟'' عریش نے پوچھا۔مگر اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔

''یہی۔۔۔!! جہاں تم کہوں۔۔۔!! ویسے عریش مجھے دلی دکھ ہوا۔۔۔!! میں زُمر کی خیریت پوچھنے آئی تھی۔۔۔!! مگر اس کی ماں نے بتایا۔۔۔!! اسے مینٹل اسائلم منتقل کیا ہے۔۔۔!!''

''ہاں۔۔۔!! کل رات ہی ایسا ہوا ہے۔۔۔!! رات کو اس پر پاگل پن کا شدید دورہ پڑا تھا۔۔۔!!'' عریش نے کھڑے ضبط سے کہا۔

''ہاں۔۔۔!! ابھی میں پاگل خانے ہی جارہی ہوں۔۔۔!!وہاں سے آکر تم سے ملتی ہوں۔۔۔!!'' شہیرہ نے کہا۔

''اوکے۔۔۔!!تم مل لوں۔۔۔!! میں ایمل سے کانٹیکٹ کرتا ہوں۔۔۔!!'' عریش نے رابطہ منقطع کردیا۔شہیرہ نے ہینڈ فری کے ہک کانوں سے نکال لیے۔اب وہ سیٹی بجا رہی تھی۔کچھ دیر بعد وہ پاگل خانے کی عمارت میں داخل ہورہی تھی۔کار پارک کرکے اس نے زُمر کے بارے میں ریسپشن سے معلومات لی۔کچھ دیر بعد وہ الگ سیل میں سلاخوں کے پار زُمر کو دیکھ رہی تھی۔اس کے بال کھلے تھے۔جو کہ بکھرے ہوئے تھے۔لباس کچھ جگہوں سے پھٹ چکا تھا۔آنکھوں میں عجیب سی وحشت تھی۔شہیرہ کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔اور اس کے پاس آنے لگی،مگر زنجیروں نے اس کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔کچھ دیر اسے دیکھنے کے بعد وہ واپس جانے لگی۔مگر جانے سے پہلے شہیرہ اس کے اوپر قہقہے لگاتی رہی،زُمر بری،بری آوازیں نکال کر چیخنے لگی۔اس کی چیخوں نے پورے ماحول پر جیسے وحشت طاری کردی تھی۔وہ اب باہر آچکی تھی۔آنکھوں پر گلاسز لگا کر وہ کار میں بیٹھ رہی تھی۔اچانک اس کے موبائل پر عریش کا میسج آیا۔اس نے اسے ایک ویران سنسان سی جگہ پر سرپرائز دینے بلایا تھا۔وہ جانے لگی۔اب اس کی گاڑی تیز رفتاری سے ڈور رہی تھی۔اب وہ شہر سے باہر نکل آئی تھی۔

☆.....☆.....☆

یہ ایک سنسان ویران سی جگہ تھی،یہاں چاروں اطراف میں کھنڈر نما قبرستان پھیلے ہوئے تھے۔کچھ لوگ کہتے ہیں،کہ یہ قبرستان انگریزوں کے وقتوں میں آباد کیے گئے تھے۔یہ شہر سے اچھے خاصے دوری پر تھے۔

شہیرہ اب عریش سے ملنے اتنی دور تک چلی آئی تھی۔وہ حیران بھی ہورہی تھی۔مگر اسے عریش کو دیکھنا تھا۔سارے راستے وہ فاسٹ میوزک سن کر محظوظ ہوتی رہی تھی۔کچھ دیر بعد گھنے درختوں کے بیچ شاہراہ سے وہ کچے راستے پر مڑ گئی۔اب وہ قبرستان کے خشک ندی جیسے

راستے پر گاڑی دوڑا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اسے عریش کی کار نظر آئی۔ وہ اس کے پاس کار روک کر اپنی گاڑی سے نکل آئی۔ عریش بھی قدم قدم چلتا ہوا اس کے پاس آ گیا۔ عریش نے سرتاپیر اس کا جائزہ لیا۔

''عریش۔۔۔!! تم کیسے ہو؟ مجھے اتنے دور اس سنسان ویرانے میں کیوں بلایا ہے؟''

''شہیرہ۔۔۔!! ویسے یو آر ویری اسمارٹ۔۔۔!! تمہاری زُمر سے کیا دشمنی تھی؟ جس کا بدلہ تم نے اسے پاگل کر کے لے لیا۔۔۔!!'' شہیرہ کے چہرے پر ایک رنگ آیا۔ اور دوسرا چلا گیا۔ وہ جیسے لرز اٹھی، مگر دوسرے لمحے میں وہ خود پر قابو پا کر بولنے لگی۔

''عریش۔۔۔!! مجھے نہیں پتہ ہے۔۔۔!! آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔!! زُمر کی پاگل پن سے میرا کیا لینا ہے۔۔۔!! میں اسے کیسے پاگل کر سکتی ہو۔۔۔!!'' اس نے اپنے سن گلاسز اتار کر اسے معنی خیزی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

'' شہیرہ ۔۔۔!! مجھے سب پتہ چل گیا ہے۔۔۔!! تم نے اسے پاگل کیا ہے۔۔۔!! پلیز شہیرہ۔۔۔!! تم اسے واپس ٹھیک کر سکتی ہو۔۔۔!! تم سے میں منت کرتا ہوں۔۔۔!! میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں۔۔۔!!'' عریش گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے۔ شہیرہ اس کو دیکھ کر مزید گھبرا گئی۔

''مم۔۔۔ میں نے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔۔۔!! عریش آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔۔۔!!'' اس نے اس کے دونوں ہاتھ جھٹک ڈالے۔۔۔!!'' وہ مڑ گئی۔

''شہیرہ۔۔۔!! تمہاری آنکھیں تو کل تک بالکل سرخ تھیں۔۔۔!! آج ایک دم سے کیسے ٹھیک ہو گئی ہیں۔۔۔!! اور تمہاری انگلیاں آج بالکل ٹھیک ہیں۔۔۔!! ان پر زخم کا شائبہ تک نہیں ہے۔۔۔!! یہ کرشمہ اچانک کیسے ہو گیا۔۔۔!!'' عریش نے کہا۔

''میں ڈاکٹر کے پاس گئی تھی۔۔۔!! آئیز ڈراپس سے اور آرام کی وجہ سے میری آنکھیں ٹھیک ہو گئی ہیں۔۔۔!! اور میری انگلیاں زخمی نہیں تھیں۔۔۔!! اور انگلیوں پر میں نے ایسے ہی پٹیاں باندھ رکھی تھیں۔۔۔!! میری انگلیاں زخمی نہیں تھیں۔۔۔!!'' شہیرہ گڑبڑا کر وضاحت دینے لگی۔

''پلیز۔۔۔!! میرا دل کہتا ہے۔۔۔!! تم نے ہی اُسے اس حالت میں پہنچایا ہے۔۔۔!! میں کسی سے کچھ بھی نہیں کہوں گا۔۔۔!! پلیز تم میری دنیا اندھیر ہونے سے بچالو۔۔۔!! پلیز۔۔۔!! میں تمہیں کچھ بھی نہیں کہوں گا۔۔۔!!'' عریش ایک بار پھر روتے ہوئے اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ شہیرہ اسے تاسف سے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے اسے چھوڑا۔ اور قدم قدم چلنے لگی۔

''آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔۔۔!! یہ سب میں نے کیا ہے؟'' شہیرہ رک کر تیز لہجے میں چیخی۔

''شہیرہ۔۔۔!! میں تمہیں پیار سے کہہ رہا ہوں۔۔۔!! زُمر کے ساتھ تمہاری کس بات پر دشمنی ہے۔۔۔!! میں نہیں جانتا۔۔۔!! مگر تم اسے ٹھیک کر دو۔۔۔!! تم دونوں ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتی تھی۔۔۔!! تم جب بھی ہم سے ملیں۔۔۔!! جو کچھ بھی کہا۔۔۔!! پُراسرار سا بھرپور انداز اپنایا۔۔۔!! اس دن زُمر تمہاری طرف انگلی سے اشارہ کر رہی تھی۔۔۔!! تم اس سب کی ذمہ دار ہو۔۔۔!!'' عریش نے اٹھ کر اسے اپنی طرف گھمایا۔ شہیرہ نے اسے تاسف سے دیکھا۔

''تم ایک پاگل کی بات کا بھروسہ کر رہے ہو۔۔۔!!''

''ہاں۔۔۔!! کیونکہ میں سب کچھ جان چکا ہوں۔۔۔!! میں نے کڑی سے کڑی ملائی ہے۔۔۔!!'' عریش نے چیخ کر کہا۔ شہیرہ سر ہلانے لگی۔

'' میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔۔۔!!'' شہیرہ پوری شدت سے چیخی۔ عریش نے پسٹل نکالی، اور شہیرہ کی کنپٹی سے لگا دی۔

''شہیرہ۔۔۔!! تم نے کچھ نہیں کیا ہے ناں۔۔۔!! میں تمہیں مار رہا ہوں۔۔۔!! کیونکہ میرا

دل غلط نہیں کہہ رہا ہے۔۔۔!! ان سب کے پیچھے تمہارا ہاتھ ہے۔۔۔!! میں تمہیں مارنے کے بعد خود کو بھی ختم کردوں گا۔۔۔!! اور تمہاری لاش میری لاش کے ساتھ اس ویرانے میں شاید کئی ہفتوں بعد ملے گی۔۔۔!!'' عریش نے اس کو دھمکاتے ہوئے کہا۔ شہیرہ پسٹل کو دیکھ کر ڈر گئی۔ وہ کانپنے لگی۔ اپنے آپ کو قابو کر کے کہہ دیا۔

''عریش۔۔۔!! میں کیوں ایسا کروں گی۔۔۔!!'' وہ باتیں بنانے لگی۔

''تم مجھے باتوں کے جال میں پھنسانا بند کردو۔۔۔!! ہاں میں جواب دوں۔۔۔!! اور زُمر کو اس مصیبت سے نکالنے کا طریقہ بتاؤ۔۔۔!!'' عریش نے پسٹل پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ شہیرہ نے دونوں آنکھیں بند کرلیں۔

''عریش۔۔۔!! تم وقت ضائع کر رہے ہو۔۔۔!! میں بے گناہ ہوں۔۔۔!!'' شہیرہ نے روتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔۔۔!! مت بتاؤ تم ایمل سے کتنا پیار کرتی ہو۔۔۔!!'' عریش نے اس کے سر سے پستول ہٹالی۔

''اپنی جان سے بھی زیادہ۔۔۔!!'' شہیرہ نے غرور سے کہا۔

''تو پھر سن لو۔۔۔!! اگر ایمل کی جان بچانا چاہتی ہو۔۔۔!! تو تمہیں زُمر کو ٹھیک کرنا ہوگا۔۔۔!!'' عریش نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جو کچھ کہا، شہیرہ کے چہرے سے پتہ لگ رہا تھا کہ اس نے جیسے اس کے دل کو جکڑ لیا۔

''عریش۔۔۔!! تم کیا کہہ رہے ہو؟ مم۔۔۔ ایمل کہاں ہے؟'' وہ لکنت زدہ انداز میں بولی۔

''اسی ویرانے میں، میں نے اسے زندہ تابوت میں بند کر کے ایک جگہ دفن کردیا ہے۔۔۔!! تم نے مجھ سے میرا پیار چھینا تھا۔۔۔!! میں نے تم سے تمہارا پیار چھین لیا ہے۔۔۔!! کیونکہ نفرت کی کوئی حد نہیں ہوتی ہے۔۔۔!! یہ بے حد ہوتی ہے۔۔۔!!'' عریش نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہہ ڈالا۔ شہیرہ کا چہرہ بالکل زرد ہوگیا۔ وہ اپنے قدموں پر بیٹھتی چلی گئی۔ عریش اسے دیکھ کر اپنی گاڑی کے پاس جانے لگا۔ اب وہ اپنے کار کا دروازہ کھول رہا تھا۔ جیسے وہ جانا چاہتا ہو۔

''شہیرہ اگر اپنا پیار حاصل کرنا چاہتی ہو۔۔۔!! تو تمہیں میرا پیار لوٹانا پڑے گا۔۔۔!! تمہارے پاس وقت بہت کم ہے۔۔۔!! جتنی تم دیر کروں گی۔۔۔!! اتنی ایمل کی سانسیں کم ہوتی جائیں گی۔۔۔!!'' شہیرہ نفی میں سر ہلانے لگی۔ اس نے بیگ سے موبائل نکالا اور ایمل کو پاگلوں کی طرح کالز کرنے لگی۔ ایمل کا موبائل عریش کے پاس تھا۔ اس کی جیب میں اس کی بیلز بج رہی تھی۔ اس نے موبائل شہیرہ کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

''عریش۔۔۔!! پلیز۔۔۔!! تم بتاؤ۔۔۔!! ایمل کہاں ہے؟ میں مرجاؤں گی۔۔۔!!'' وہ چیخی، اسے اپنا آپ بہت بے بس لگ رہا تھا۔ وہ رو رہی تھی۔

''پہلے تم بتاؤ۔۔۔!! زُمر کو ٹھیک کیسے کیا جائے گا۔۔۔!! ورنہ میں مرجاؤں گا۔۔۔!!'' عریش دوبارہ گاڑی سے نکلا۔

''اوکے۔۔۔!! تم وعدہ کرو۔۔۔!! ایمل کو کچھ نہیں ہوگا۔۔۔!!'' شہیرہ روتے ہوئے سر ہلانے لگی۔

''اگر تم سب ٹھیک کردو گی۔۔۔!! تو اسے کچھ بھی نہیں ہوگا۔۔۔!!'' عریش نے موبائل جیب میں ڈالا۔ شہیرہ ویرانے کے چاروں طرف نظریں دوڑانے لگی۔

''ٹھیک ہے۔۔۔!! میں سب بتا دوں گی۔۔۔!! مگر تم مجھے کچھ نہیں کہو گے۔۔۔!! میری نادانی سمجھ کر مجھے معاف کردو گے۔۔۔!!'' شہیرہ کی بات سن کر عریش نے اثبات میں سر ہلایا۔

☆.....☆.....☆

''جس دن، تم دونوں ندی کنارے بیٹھے تھے۔ وہ منظر میں دوربین سے دیکھ رہی تھی، کچھ دیر بعد

زُمر پانی میں چلی گئی، اور ڈوبنے لگی۔ تم اسے بچانے گئے، مگر تمہیں تیرنا نہیں آتا تھا۔ زُمر نے تمہیں بچالیا۔ جب میں نے یہ سب دیکھا، تو ایمل کو اپنی محبت میں آزمانا چاہا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسے تیرنا نہیں آتا ہے، ایمل پانی میں کود کر محبت کے امتحان میں سرخرو ہو گیا، مگر زُمر نے اسے بچالیا، جب وہ اپنا ہونٹ ایمل کے ہونٹوں پر رکھ کر اُسے سانسیں دے رہی تھی۔ تب مجھے وہ بہت بری لگ رہی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے جان بوجھ کر مجھے ٹرپانے کے لیے یہ ایسا کر رہی ہے۔ ایک لڑکی سب کچھ برداشت کرسکتی ہے، مگر اپنی محبت کسی سے بانٹ نہیں سکتی ہے۔ چاہے جیسے حالات جیسے بھی ہو، جو بھی تھا۔

اس دن تم دونوں نے ہمیں الفاظ کے اثر کے بارے میں بتایا، الفاظ اثر رکھتے ہیں، ایمل، اور زُمر میں اچھی خاصی باتیں ہونے کے بعد دوستی سی ہوگئی، پھر وہ زُمر کا حد سے زیادہ احسان مند تھا، مجھے یہ سب بالکل بھی اچھا نہیں لگا، وہ زُمر کے خلاف کوئی بات سننا پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ زُمر کو اپنا سب کچھ ماننے لگا۔ میرا جلن سے برا حال تھا، میں جب بھی آنکھیں بند کرتی، زُمر اور ایمل کا وہی ہونٹوں میں ہونٹ دینے کا منظر آنکھوں میں آجاتا۔

میں لائبریری گئی، وہاں سے عمان کا ترجمہ سامری جادو کی کتاب گھر لے آئی، اس میں ہزاروں عمل تھے، میں نے ایک عمل چنا، وہ عمل پاگل کرنے کا تھا۔ میں نے یقین نہ کیا، اور عمل کو جانچنے کے لیے کہ یہ کامیاب بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ زُمر پر شروع کردیا۔ میں راتوں کو چھپکے چھپکے قبرستان جا کر اس ویران کمرے میں بیٹھ کر منتر پڑھنے لگی۔ ہمارے گھر کے قریب جہاں قبرستان ہے۔ وہاں اسی قبرستان میں ایک پرانا بوسیدہ خستہ حال چھوٹا سا کمرہ ہے۔ جس میں بیٹھ کر میں نے زُمر پر عمل کیا ہے۔

عریش اگر تم زُمر کو بالکل ٹھیک دیکھنا چاہتے ہو۔ تو کتاب میں عمل کا توڑ یہی لکھا ہے۔ جس جگہ عمل کیا گیا ہو۔ وہاں میں نے ایک چھوٹا سا مٹی کا ٹیلہ بنایا ہے۔ تم جا کر وہ مٹی کا ٹیلہ خراب کردینا۔ اس کے اندر سوئیاں ہوں گی۔ اس میں کالے رنگ کے دھاگے ہونگے، تم نے وہ سوئیاں زمین سے نکال کر اس کے دھاگے جلادینے ہونگے، اور وہاں قریب ہی رنگین پتھروں کی مالا میں نے زمین میں چھپائی ہے۔ وہ نکال کر ضائع کردینی ہوگی۔ زُمر بالکل ٹھیک ٹھاک ہو جائے گی۔۔۔! اس کا سارا پاگل پن ختم ہو جائے گا۔۔۔!!'' شہیرہ نے اسے سب کچھ بتا دیا اور عریش سب سن کر جانے لگا۔

''عریش۔۔۔!! ایمل کہاں ہے؟ تم نے وعدہ کیا تھا۔۔۔!! پلیز اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ میں جیتے جی مرجاؤں گی۔۔۔!!'' شہیرہ چیخی۔

''میں نے تمہیں کہا تھا نہ کہ الفاظ کا اثر ہوتا ہے۔۔۔!! میں نے سچ کہا تھا، دیکھو۔۔۔!! تم میرے جھوٹے الفاظ کے اثر میں آگئی، میں نے تم سے سب کچھ اُگلوالیا۔۔۔!! میں نے تم سے جھوٹ کہا تھا۔۔۔!! میں نے ایمل کو کہیں بھی زمین میں نہیں دفنایا ہے۔۔۔!! تم میرے جھوٹے الفاظ کے چکر میں آگئی۔۔۔!! اور مجھے سب کچھ بتادیا، میری کار کے پچھلے سیٹ پر ایمل لیٹ کر تمہیں سن رہا تھا۔۔۔!! ایمل باہر آجاؤ۔۔۔!!'' عریش نے اونچی آواز میں کہا، شہیرہ اپنی جگہ پر بیٹھتی چلی گئی، وہ رونے لگی تھی۔ ایمل کار کا دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ شہیرہ ڈورتی ہوئی اس کے گلے جا لگی، ایمل کو عریش نے پہلے ہی بلایا تھا۔ یہ ایک سنسان سی جگہ تھی۔ عریش نے اسے اپنے دل کے سارے خدشے بیان کردیے تھے، ایمل نے پہلے تو انکار کردیا تھا مگر اس نے اس کو قسم دے دی۔ تب اس نے خود کو آخری داؤ سمجھتے ہوئے زُمر کے بچاؤ میں عریش کا ساتھ دے دیا۔ عریش نے گاڑی اسٹارٹ کردی، اور دونوں کو چھوڑ کر جانے لگا۔ اس کی کار اس ویرانے سے نکلنے لگی۔

☆.....☆.....☆

شہیرہ کو خود سے ایمل نے بڑی بے رحمی سے جدا کردیا۔ وہ کئی قدم پیچھے چل کر گر گئی۔ اس کی آنکھوں

میں بے یقینی تھی، اور شہیرہ کی آنکھوں میں ان گنت آنسو تھے، کثرت سے بہہ رہے تھے۔

''مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا ہے کہ میں ایک جادوگرنی سے پیار کرتا تھا۔۔۔!! تم نے جادو کا سہارا لیا۔۔۔!! تمہیں پتہ بھی ہے۔۔۔!! جادو کیا ہوتا ہے؟ اور جادو کرنے والا کون ہوتا ہے؟'' ایمل نے بے رحم لہجے میں کہا۔

''ایمل۔۔۔!! مجھے معاف کردوں۔۔۔!! میں بھٹک گئی تھی۔۔۔!! بہک گئی تھی۔۔۔!! میں بے راہ ہو کر پتہ نہیں کیا کرنے چلی تھی۔۔۔!!! میں اب سب کچھ واپس پہلے جیسا کرنا چاہتی ہوں۔۔۔!! میں نے عریش کو سب کچھ بتا دیا۔۔۔!! میں یہ سب کچھ خود بھی ٹھیک کرنا چاہتی تھی۔۔۔!! میرے سینے میں بھی دل ہے۔۔۔!! پتھر نہیں ہے۔۔۔!!'' وہ اٹھ کر ایمل کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

''شہیرہ۔۔۔!! جادو کرنا شرک ہے۔۔۔!! تم نہ صرف ہماری گناہ گار ہو۔۔۔!! بلکہ تم خدا کی بھی گناہ گار ہو گئی ہو۔۔۔!! اور خدا فرماتا ہے کہ شرک کی کوئی معافی نہیں ہے۔۔۔!!'' ایمل نے آنسو بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''میں سب سے معافی مانگ لوں گی۔۔۔!! مجھے یقین ہے۔۔۔!! سب مجھے معاف کردینگے۔۔۔!! اللہ بھی معاف کردیتا ہے۔۔۔!! گناہگار سچے دل سے توبہ مانگتے ہیں تو۔۔۔!! اللہ ستر ماؤں سے زیادہ اسے نواز دیتا ہے۔۔۔!!'' شہیرہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

''مگر شاید میں تمہیں کبھی معاف نہ کرسکوں۔۔۔!! کیونکہ تم نے میرے محسن کا یہ حال کر دیا تھا۔۔۔!! یہ تو خدا نے عریش کو عقل دے دی۔۔۔!! ورنہ تمہارے سچ سے کبھی پردہ نہ اٹھتا۔۔۔!! اور میں بے وقوف کاٹھ کا الو تمہاری محبت میں جان کی بازیاں لگا کر خود کو مار دیتا۔۔۔!!'' ایمل نے منہ موڑ کر کہا۔

''ایسا مت کہیں۔۔۔!! تمہارے بنا میں مرجاؤ گی۔۔۔!! میں جی نہیں پاؤں گی۔۔۔!! اب تو سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔۔۔!! میں نے عریش کو سب کچھ بتا دیا ہے۔۔۔!!'' شہیرہ نے اس کے پیر پکڑ کر اس پر اپنا سر رکھ دیا۔

''یہ سب تمہیں بہت پہلے سوچنا چاہیے تھا۔۔۔!!'' ایمل نے دکھ سے کہا۔ اور اس کے ہاتھوں سے پیروں کو چھڑا کر چلنے لگا۔

''ایمل۔۔۔!! اللہ معاف کردیتا ہے۔۔۔!! جب کوئی انسان سچے دل سے شرم سار ہو کر معافی مانگتا ہے۔۔۔!! تو اللہ اس کو معاف کردیتا ہے۔۔۔!!'' اس نے جاتے ہوئے ایمل کو پکار کر کہا۔

''مگر تب معاف کرتا ہے۔۔۔!! جب اللہ کا وہ بندہ معاف کردے۔۔۔!! تم زُمر کے قدموں میں گر کر ناک رگڑ کر معافی مانگ لو۔۔۔!! اگر اس نے تمہیں معاف کردیا۔۔۔!! تو میرا اللہ بھی معاف کردے گا۔۔۔!!'' شہیرہ نے اٹھ کر دوڑتی ہوئی ایمل کو شانوں سے پکڑ لیا۔

''ایمل۔۔۔!! میں نے نادانی میں جو کچھ بھی کیا۔۔۔!! سو کیا۔۔۔!! اب تم مجھے معاف کردو۔۔۔!! میں زُمر کے قدموں سے تب تک نہیں اٹھوں گی۔۔۔!! جب تک وہ مجھے معاف نہیں کردیتی۔۔۔!!'' اس نے اس کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے کہا۔

''شہیرہ اب میرے دل میں تمہارے لیے وہ محبت نہیں رہی۔۔۔!! جو کبھی ہوا کرتی تھی۔۔۔!! تمہاری محبت میں، میں اپنی جان دینے چلا تھا۔۔۔!! مجھے ہمیشہ اپنی محبت پر افسوس رہے گا'' ایمل نے اس کے ہاتھ ہٹائے، اور وہاں سے چلنے لگا۔ قریب ہی گھنے درختوں میں اس کی کار کھڑی تھی، وہ اس میں جا کر بیٹھ گیا، اور گاڑی اس ویرانے سے دور لے جانے لگا، شہیرہ روتی ہوئی اپنے کار کی طرف جانے لگی۔ اس نے کار اسٹارٹ کردی۔ اور وہاں سے جانے لگی، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

☆.....☆.....☆

قبرستان کے میں گیٹ پر عریش کی گاڑی رک

Pakistanipoint

گئی، وہ دوڑتا ہوا قبرستان میں قبروں کو پھلانگتا ہوا، اس نے وہ کمرہ جو مٹی سے بنا تھا، دور سے دیکھ لیا۔ کمرے کے دروازے پر تالا لگا تھا۔ اس وقت قبرستان میں کوئی بھی نہیں تھا۔ عریش نے دروازے پر لاتے برسانا شروع کردیں، کچھ دیر بعد دروازہ اندر کی طرف گر گیا۔ وہ بھاگتا ہوا اس خستہ حال کمرے میں داخل ہوگیا۔ اندر ایک مٹی کا چھوٹا سا ٹیلا تھا۔ اس نے ہاتھوں سے اس کی مٹی ہٹانی شروع کردی۔ کچھ دیر بعد سوئیاں نظر آئیں، وہ زمین میں گڑی ہوئی تھیں۔ عریش نے وہ سوئیاں نکالنی شروع کردیں۔ جیسے جیسے وہ سوئیاں نکال رہا تھا۔

پاگل خانے میں قید زُمر کے ذہن سے بوجھ سا ہٹ رہا تھا۔ جیسے اس کا دماغ کھل رہا تھا۔ جب ساری سوئیاں وہ نکال چکا تو زُمر کا دل و دماغ جیسے کام کرنے لگا، وہ حیرت سے اپنے آپ کو دیکھنے لگی۔ جیسے ہی عریش نے کالے دھاگے سوئیوں سے نکالنے شروع کردیے۔ زُمر کو ایسا لگنے لگا۔ جیسے اس کا وجود جو کسی نے دھاگوں سے باندھ دیا تھا۔ وہ آزاد ہو رہا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ بالکل ہلکی گوئی تھی۔ اس کا دل جو بوجھ تلے دبا تھا۔ اب جیسے کوئی ان دیکھی زنجیر اس سے ہٹ رہی تھی۔ عریش پاگلوں کی طرح اب وہاں وہ مالا ڈھونڈنے لگا۔ کچھ دیر بعد اسے مٹی کے اندر وہ رنگین پتھروں کی مالا بھی مل گئی۔ عریش نے جیب سے لائٹر نکال کر کالے دھاگوں کو آگ لگا دی۔ زُمر کے اندر سے کالا دھواں نکل کر گم ہوگیا۔ زُمر اگلے لمحے بے ہوش ہو کر گر گئی۔ اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا۔ وہ بے دم سی ہوگئی تھی۔ اب وہ سوئیاں بھی جلانا چاہتا تھا۔ مگر یہ مشکل تھا۔ یہ کسی آگ کی بھٹی میں جل کر خاک ہوسکتی تھیں۔ وہ ایک لوہار کو جانتا تھا۔ مالا، اور سوئیاں اسی کے پاس لے کر جا رہا تھا۔ دوسری طرف زُمر کو اسپتال لے جایا جا رہا تھا۔ کیونکہ اس کو بے ہوش ہوئے کافی وقت گزر گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

کچھ دن بعد زُمر بالکل نارمل ہوگئی تھی، عریش ایک لمحے کے بھی اسپتال سے کہیں نہیں گیا تھا۔ اس کے ماں باپ، بھائی نائل عریش کے بے حد احسان مند تھے، عریش کے گھر والے بھی زُمر کی خیریت دریافت کرنے آتے رہے تھے۔ تب ان کی محبت دیکھ کر ان کی شادی کا فیصلہ کردیا، ہر دن ہسپتال شہیرہ آتی رہی تھی۔ اس نے وہ کتاب بھی جلا کر خاک کردی تھی، مگر عریش اسے زُمر سے بنا ملاقات کرائے بھیجوا دیتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ زُمر آئندہ کوئی بھی پریشانی لے۔ ایمل سب کچھ چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا۔ شہیرہ نے اسے بہت ڈھونڈا، مگر وہ کسی کو بھی نہ ملا۔ جس دن زُمر ڈسچارج ہونے والی تھی۔ شہیرہ اس دن بہت روئی تھی۔ اس نے آج پھر عریش سے التجا کی تھی۔ وہ زُمر سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔ اور یہ اس کا حق بھی تھا۔ عریش نے اسے ملنے دیا۔ اس نے زُمر کو سب کچھ بتا دیا، اور آخر میں اس کے پیروں میں بیٹھ کر اس سے معافی مانگ لی۔ سب کچھ سننے کے بعد زُمر نے اسے گلے لگا کر معاف کردیا۔

''شہیرہ۔۔۔!! تلوار کا زخم تو بھر سکتا ہے۔۔۔!! مگر الفاظ کا نہیں۔۔۔!! زبان کے الفاظ اتنے اثر رکھتے ہیں کہ اس کے زخم روح تک کو چھلنی کردیتے ہیں۔۔۔!! میں تمہیں اس لیے معاف کر رہی ہوں۔۔۔!! کیونکہ خدا بھی بھٹکے ہوئے کو معاف کر دیتا ہے۔۔۔!! ویسے ایمل کہاں ہے؟ مجھ سے ملنے تک نہیں آئے۔۔۔!!'' آخر میں زُمر نے پوچھا۔ اور ادھر ادھر دیکھا۔

''وہ میری وجہ سے اتنا شرم سار ہے کہ آپ سے نگاہیں ملانے کی ہمت بھی نہیں کر پا رہا ہے۔۔۔!! پتہ نہیں۔۔۔!! وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔۔۔!! شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔۔۔!!'' شہیرہ نے روتے ہوئے کہا۔

''وہ آجائے گا۔۔۔!! میں اسے تمہارے لیے منا کر لے آؤں گی۔۔۔!!'' زُمر نے اس کے آنسو صاف کیے۔ وہ اس کے گلے لگ گئی۔ اب وہ ڈسچارج ہو کر گھر جا رہی تھی۔ اس کے ماں باپ، بھائی نائل، زُمر کے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ عریش اس کا سامان گاڑی میں رکھوا رہا تھا۔ اور شہیرہ سب سے آخر میں اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اس کے پیچھے چلنے لگی

Pakistanipoint

تھی۔ زُمر کے دل میں بس یہی الفاظ تھے۔

''کاش۔۔۔!! ایسا نہ ہوتا۔۔۔!! تو آج شہیرہ یوں تنہا نہ ہوتی۔۔۔!!!''

☆.....☆.....☆

شہیرہ ان گزرے دنوں میں بہت اُداس سی رہنے لگی تھی، وہ نہ کسی سے خاص بات کرتی، نہ ملتی تھی۔ اس کی زندگی کے اچھے دن جیسے تمام ہوگئے تھے۔ کتنے دن ہفتوں میں ایسے ہی گزر گئے، اچانک اس کے موبائل پر میسج آیا۔ وہ زُمر کی طرف سے تھا۔ اس نے میسج دیکھا، اتوار کو زُمر اور عریش کی منگنی ہونے والی تھی۔ اس کو خاص طور پر انوائیٹ کیا تھا۔ وہ کئی لمحوں تک روتی رہی، وہ روز ایمل کے نمبرز پر کالز کرتی۔ مگر وہ بند ملتا۔ آج وہ ایمل کی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے موبائل کے اسکرین پر ایمل کی ہنستی مسکراتی تصویر تھی۔

''ایمل۔۔۔!! میں تمہارا انتظار آخری سانس تک کروں گی۔۔۔!! اس کمرے کے در و دیوار جیسے تمہارے آس پر قائم و دائم کھڑے مجھے حوصلہ دیتے ہیں۔۔۔!! اس کمرے کی ہر چیز تمہاری آمد کی انتظار کر رہی ہے۔۔۔!! ایک ایک چیز مجھے چیخ چیخ کر بتاتی ہے۔۔۔!! تمہارا ایمل ضرور آئے گا۔۔۔!! یہ آئینہ جب بھی میں اس میں دیکھتی ہوں۔۔۔!! مجھے تمہارا چہرہ دکھا کر یہ ثابت کرتا ہے۔۔۔!! میرا انتظار رائیگاں نہیں جائے گا۔۔۔!! اور یہ پھول جو گلدانوں میں رکھے ہیں۔۔۔!! یہ مجھے اپنی خوشبو سے تمہارے نام پر مہکنے کے احساس دلاتے ہیں۔۔۔!! آج میں نے دل سے دعا مانگی ہے۔۔۔!! دل سے ہر دعا میں تمہیں رب سے مانگا ہے۔۔۔!! اور خدا کبھی ناامید نہیں کرتا ہے۔۔۔!! میں جب سجدہ کرتی ہوں۔۔۔!! اللہ سے تمہاری سلامتی کی دعا ضرور مانگتی ہوں۔۔۔!! دل سے مانگی گئی دعاؤں کا ثمر ضرور ملتا ہے۔۔۔!!'' وہ روتے ہوئے کمرے کے در و دیوار کو دیکھ رہی تھی۔ ایک ایک چیز جیسے اس کو بتاتی تھی۔ اس کے ساتھ بولنے لگتی تھی، کوئی لمحہ ایسا نہ تھا، جس میں وہ ایمل کی یاد سے غافل رہی ہو، اس کے گھر والے اس کے بدلے رویے سے کافی پریشان تھے، مگر کسی نے اسے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ اس کو پریشان دیکھ کر اس کے کمرے کی چیزیں اس کو بول کر یقین دہانی کرانے لگتی تھیں۔

☆.....☆.....☆

آج زُمر اور عریش کی منگنی کی تقریب تھی، وہ دونوں اسٹیج پر سج دھج کر بیٹھے ہوئے تھے۔ بے شمار لوگ ان کو مبارک باد کے پیغامات دے دے کر جا رہے تھے۔ شہیرہ بھی ان کے پاس کھڑی اداس نظروں سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ عریش نے ایمل کو بہت ڈھونڈا تھا۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر لاہور چلا گیا تھا۔ مگر عریش نے اس کے گھر والوں سے بہت زیادہ ریکویسٹ کی، تو انھوں نے اسے ایمل کے لاہور کا پتہ بتا دیا۔ اس نے اپنا نمبر تبدیل کر دیا تھا۔ مگر عریش نے اسے ڈھونڈ لیا۔ ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔ وہ تو پھر اپنے کزن کے گھر چلا گیا تھا۔ عریش نے اسے اپنی منگنی پر انوئٹ کیا تھا، اس نے اسے سب کچھ بتایا تھا۔ اسے یہ تک کہہ دیا تھا۔ شہیرہ اس کی جدائی کے غم میں بالکل مینٹل ہوگئی ہے۔ اسی طرح روتی ہے۔ چیختی ہے۔ چلاتی ہے۔ اور اپنے کپڑے پھاڑنے لگ جاتی ہے۔ شاید کچھ دنوں بعد اسے مینٹل اسائلم میں داخل کروا دیا جائے گا، مگر ایمل کسی بات پر نہ کوئی ری ایکٹ دیا تھا۔ جو بھی تھا، وہ شہیرہ سے محبت تو کرتا تھا۔ ایمل نے اُسے منگنی ہونے کی مبارک باد دی۔ اس نے آنے کی یقین دہانی کی تھی۔

اچانک ہال کے اندر ریڈ کارپٹ پر تھری پیس شائننگ سوٹ میں وہ چمکتا ہوا سا داخل ہوا۔ عریش اور زُمر کی نگاہیں اس پر ٹک گئیں۔ شہیرہ ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ زُمر اٹھی، اپنا لہنگا سنبھالا، اور شہیرہ کو ٹھوڑی سے گھما کر اس کی نگاہیں پھولوں کی طرح مہکتے ایمل پر مرکوز کرا دیں۔

اور شہیرہ جیسے اپنی جگہ جم سی گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ایمل قدم قدم اسٹیج کے قریب آ رہا تھا۔ وہاں ہال کے قریب شرارتی لڑکیاں آنے والے مہمانوں پر

پھولوں کی پتیاں نچھاور کررہی تھیں۔ ایمل پر دونوں اطراف سے پھولوں کی پتیوں کی بارش ہورہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پھولوں کے خوشبو دار گچے تھے۔ شہیرہ دوڑتی ہوئی ایمل کے پاس گئی اور اس کے گلے لگ گئی۔ سب لوگ ان دونوں کو دیکھنے لگے۔ عریش اور زُمر نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''ایمل۔۔۔!! تم آگئے۔۔۔!! میرا دل غلط نہیں کہتا تھا۔۔۔!! مجھے یقین تھا۔۔۔!! تم مجھ سے نفرت نہیں کرسکتے ہو۔۔۔!! میں بدل گئی ہوں۔۔۔!! ایک ایک لمحہ گواہ ہے۔۔۔!! میں نے تمہارا انتظار کیا ہے۔۔۔!!'' وہ روتے ہوئے اس کے کندھے پر سر رکھ کر کہہ رہی تھی۔

''شہیرہ۔۔۔!! میں آگیا ہوں۔۔۔!! مگر عریش نے تو کہا تھا۔۔۔!! تم میری جدائی میں پاگل ہو گئی ہو۔۔۔!! تم تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہو۔۔۔!!'' ایمل مسکرا کر اسے سرتاپیر دیکھتا رہا۔

میں پاگل ہوگئی تھی۔۔۔!! مگر رب سے ہر لمحہ معافی مانگتی رہی تو رب نے مجھے پاگل پن سے بچالیا۔۔۔!! اور صرف تمہارا انتظار کرتی رہی۔۔۔!! اب تم بھی معاف کردو۔۔۔!!'' وہ اس سے جدا ہو کر اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

''ارے کیا کررہی ہو۔۔۔!! سب دیکھ رہے ہیں۔۔۔!!'' ایمل نے جھک کر اسے اٹھالیا۔

''دیکھنے دو۔۔۔!! میرے گھر والے بھی ابھی آنے والے ہیں۔۔۔!! جب معافی مانگنی ہی ہے۔۔۔!! تو سب کے سامنے مانگنے میں کیا برائی ہے۔۔۔!! معافی مانگنے میں کوئی شرم نہیں ہے۔۔۔!!'' ایمل نے اسے اٹھالیا۔ اور اس کو اپنے گلے لگایا۔

''ارے۔۔۔!! پاگل آج تو تو نے مجھے دل سے جیت لیا ہے۔۔۔!!'' ایمل نے اس کو قریب کرتے ہوئے کہا۔ اچانک زُمر اپنی جگہ سے اٹھی، اس نے سب کی حیرانگی رفع کرنے کے لیے، تالیاں پیٹنی شروع کردیں۔ اس کے دیکھا دیکھی، عریش بھی تالیاں بجانے لگ گیا۔ اب پورا ہال تالیاں بجارہا تھا۔

''معزز۔۔۔ مہمانوں سے گزارش ہے۔۔۔!! آج یہاں ایک منگنی نہیں بلکہ دو منگنیاں ہو رہی ہیں۔۔۔!! ایک ہماری۔۔۔ اور دوسری میرے بہت قریبی دوست شہیرہ، اور ایمل کی۔۔۔!!'' عریش نے سب کی توجہ کھینچ کر کہا۔ سب لوگ زور، زور سے تالیاں بجانے لگ گئے۔ بھیگی آنکھوں سے شہیرہ نے زُمر اور عریش کو دیکھا، زُمر اپنا کامدار بھاری لہنگا ہاتھوں میں سنبھالتی ہوئی، ان کے پاس آرہی تھی۔ پاس آکر اس نے شہیرہ کو گلے لگایا۔

''شہیرہ۔۔۔!! منگنی مبارک ہو۔۔۔!!'' سب سے پہلے مبارک باد زُمر نے ہی شہیرہ کو دی۔

''نئے سال کی آمد ہے۔۔۔!! خدا کرے۔۔۔!! یہ نیا سال تمہارے لیے لاکھوں خوشیاں لے آئے۔۔۔!!'' عریش چلتا ہوا ان کے پاس آکر ایمل سے بولا۔ ایمل ہنس رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ کل نیا سال کا پہلا دن تھا۔ اور بہت ساری خوشیاں ان سب کو ویلکم کہہ رہی تھیں۔ زُمر نے شہیرہ کا ہاتھ پکڑا اور عریش نے ایمل کا، وہ چاروں چلتے ہوئے اسٹیج پر آگئے، اور بیٹھ گئے۔ شہیرہ، اپنے گھر والوں اور ایمل اپنے گھر والوں کو فون کررہے تھے۔ یہ سب جو کچھ بھی ہوا تھا۔ اچانک ہوا تھا۔ اور ان کی منگنی ہورہی تھی۔ مگر انگوٹھیاں ان دونوں کے پاس نہیں تھیں۔ وہ اپنے اپنے گھر والوں کو انگوٹھیاں لانے کے لیے کہہ رہے تھے۔ مگر زُمر نے اپنے پھولوں کے گجرے سے پھول نکال کر انگوٹھی بنائی۔ اور ایمل کو دے کر اسے شہیرہ کو پہنانے کو کہہ دیا۔ ایمل نے وہ اسے پہنا دی۔ آج وہ اپنے محسن کا ایک بار پھر سے احسان مند ہوگیا تھا۔ فوٹو گرافر ان کا مسکراتا ہوا پوز لینے لگا۔ وہ سارے اس گروپ فوٹو میں دل سے ہنس رہے تھے۔ مگر شہیرہ کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

Pakistanipoint